منتخبات نظام الفتاوی

حضرت مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ

(جلد سوم)

ایفا پبلیکیشنز، نئی دهلی

نام کتاب : منتخبات نظام الفتاوی (جلد سوم)

صفحات : ۵۹۵

قیمت : ۵۳۰/روپے

طبع اول : مارچ ۲۰۱۳ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

۱۶۱ - ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

اجمالی فہرست

فہرست

باب الإجارۃ ۴۳۱

☆☆☆

كتاب البيوع

کتاب البیوع

بغیر تحریر خریدی ہوئی زمین مسجد و مدرسہ میں دینا:

ایک آراضی سیر داری ایک مسلمان نے غیر مسلم سے خریدی جس کا بیع نامہ وغیرہ کوئی تحریر نہیں ہوا، چونکہ دس گنا دیا ہوا نہیں تھا، اس مجبوری سے وہ آراضی اب تک اس غیر مسلم کے نام چلی آتی ہے وہی اس کا لگان ادا کرتا چلا آتا ہے، اصل خانہ کاشت پٹواری میں اس کا نام ہے۔

اس آراضی میں مسجد بنانا اور نماز پڑھنا درست ہے یا کہ نہیں، مدرسہ اسلامیہ بنانا درست ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال صورت مسئولہ میں اگر اس آراضی کو جب قیمت طے کر کے خرید لیا ہے اور قیمت و زمین میں کوئی نزاع نہیں ہے تو بیع مکمل ہوگئی ہے(۱)، گو کسی مصلحت سے کاغذی اندراجات نہ ہوا اور اس صورت میں اس آراضی پر مسجد بنانا یا مدرسہ اسلامیہ قائم کرنا وغیرہ سب تصرف مالکانہ جائز اور درست ہوں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۷/۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح محمود عفی عنہ، سعید احمد علی سعید مفتی دارالعلوم دیوبند

۱-کوٹے سے بچے ہوئے مال کو فروخت کرنا:

۱۔ اشیاء خوردنی تیار کرنے کے واسطے کوٹہ کے حساب سے یعنی محدود مقدار میں آتا ہے اور شکر یا گھی وغیرہ جو ملتا ہے اپنے مصرف سے زائد بچے رہنے پر یا بچانے پر اس مال کو اگر فروخت کیا جاوے جس سے منافع کثیر ہو اور جسے عرف عام میں

۱- ’’(البیع ینعقد بالایجاب والقبول إذا کانا بلفظی الماضی) مثل أن یقول أحدھما بعت والآخر اشتریت‘‘(ہدایہ ۳/ ۱۸، اشرفیہ دیوبند)۔

بلیک کہتے ہیں اورموجودہ قانونی بندشوں کی بناء پر عام طور سے لوگ ایسی خرید وفروخت پر مجبور رہوں، تو مطلع فرمائیے کہ اس طرح پر مذکورہ بالا مال کی خرید فروخت ازروئے شرع جائز ہے یا ناجائز ہے اور بلیک کی آمدنی حلال ہے یا کہ حرام ہے؟

۲-اسمگلنگ کا شرعی حکم:

بیرون ملک سے سونا وغیرہ خرید کرلوگ یہاں لاکر فروخت کرتے ہیں جبکہ بیرون ممالک میں یہ اشیاء سستی ملتی ہیں اوراپنی ملکی قانون یا گرانی کے باعث لوگ ایسے مال کوخریدنے پر مجبور رہوں، اس طرح پر لایا گیا مال اسمگلنگ کہلاتا ہے، مطلع فرمائیں کہ ملک میں لائی گئی اس قسم کی اشیاء کی خرید فروخت ازروئے شریعت جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-اس کی دوصورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے دوکاندار کو کچھ کوٹہ فروخت کرنے کے لئے ملتا ہے، اسکو بچا کر یا خود بچے ہوئے کو بلیک کرنا جائز نہیں ہے، دوسرے یہ کہ لوگوں کو جو راشن اپنے استعمال کے لئے ملتا ہے اورلوگ اس کو قیمتاً خرید تے ہیں اوروہ اپنے استعمال سے بچ رہتا ہے اس کو جس قیمت پر چاہیں شرعاً فروخت کرنا جائز ہوگا، لیکن اگر قانوناً جرم ہوتو چونکہ عزت کا بچانا واجب ہے اپنی عزت بچانے کے لئے قانون کی خلاف ورزی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

۲-جائز ہے مگرعزت بچانے کے لئے اس کا بھی وہی حکم ہے جو جواب ۱-کا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۵/۷/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: محمد ظیل الرحمٰن، محمود عفی عنہ، سید احمد علی سعید

غیرمسلموں نے جو کپڑے نائی اور برہمن کو دیئے ان کی خرید فروخت:

شہروں میں پرانے کپڑے اورجوتے استعمال شدہ فروخت ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑے وہ ہوتے ہیں جو غیرمسلموں کے یہاں مرنیوالے کے نائی اور برہمن کو دیدیئے جاتے ہیں، دریافت ہے کہ ان کو خرید کر استعمال کرنا درست ہے یا کہ نہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

برہمن کو دیدینے سے وہ برہمن کی ملک ہوجاتا ہے اوراس کا خریدنا اوراستعمال کرنا سب جائز ہے، ہاں اگر اس کے

ناپاک ہونے کا ظن غالب ہوتو دھوکر استعمال کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۸/ ۷/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غنی عنہ

کسٹوڈین سے مکان خریدنا:

میں ایک شریف خاندان پردہ نشین عورت اور بال بچے دار ہوں، میں نے بخیال رہائش اہل وعیال ایک مکان واقع محلہ شیخان گدری بازار شہر میرٹھ کسٹوڈین سے آٹھ ہزار روپیہ میں خرید کیا، اس میں بطور کرایہ دار منشی غلام مجتبی رہتے ہیں اور چار خاندان جنکا راشن کارڈ بنا ہوا ہے اس میں آباد کر رکھے ہیں، زبانی وتحریری بذریعہ اقرار نامہ مہلت انخلاء ۱ ½ ڈیڑھ سال چند اشخاص کے روبرو چاہی جو انکی منشاء ومرضی پر دیدی گئی کوئی میعاد نہ گھٹائی گئی نہ بڑھائی گئی، اس پر میرے شوہر نے ان پر ظلم کر رکھا ہے، اب آپ سے صرف یہ مسئلہ درکار ہے کہ میں حق پر ہوں یا وہ منشی غلام مجتبی اب انکی نسبت یہ بات پائی جارہی ہے کہ وہ اپنی تحریر اقرار نامہ میں جو اسٹام پر تحریر کیا ہے اس سے وہ انکاری ہیں، مسماۃ نسیم بانو۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر وہ مکان واقعہ اور صحیح طور پر کسٹوڈین کا ہوگیا تھا اور اسکے بعد مسماۃ نسیم بانو نے کسٹوڈین سے قیمت دیکر خریدا ہے تو مسماۃ نسیم بانو شرعی طور پر اس کی جائز اور صحیح مالک ہوگئی ہے، منشی غلام مجتبی کو محض کرایہ داری کی بناء پر یہ حق شرعاً نہیں پہنچتا کہ وہ اس مکان کو نہ چھوڑیں یا شہرت عام دیں کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، ہاں اگر واقعہ کچھ دوسرا ہوتو حکم بھی دوسرا ہوسکتا ہے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۷/ ۸/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غنی عنہ

چوری کا مال خریدنا کیسا ہے؟

میری دوکان پرانے سامان کی ہے اور اس کے لئے جو سامان خریدتا ہوں وہ سامان چوری کا ہوتا ہے، لیکن میں خود اس کو چور سے نہیں خریدتا ہوں بلکہ دوسرے بیوپاران سے خریدتا ہوں اور وہ بیوپاری چوروں سے خریدتے ہیں، لیکن میں تو

بیوپاریوں کو پوری قیمت ادا کرتا ہوں، لہذا استدعا ہے کہ اس سامان کا منافع مجھ کو جائز ہے یا کیا جائز؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جب آپ کو علم اور یقین ہے کہ یہ سامان چوری کے ہیں تو آپکو اسکا خریدنا، فروخت کرنا، تجارت کرنا کچھ بھی جائز نہیں اور جو نفع اس سے ہوگا وہ بھی جائز اور صحیح نہ ہوگا، خواہ آپ چوروں سے نہ خریدتے ہوں چوروں سے خریدنے والوں سے خریدتے ہوں یا ان سے خریدنے والوں سے خریدتے ہوں کسی حال میں جائز نہیں ہے یہ تو کوئی عقل کی بات بھی نہیں کہ محنت اور مشقت اٹھائیں آپ اور مصیبت جھیل کر سرمایہ جمع کریں اور اس سے متمتع ہوں اعزہ اقرباء اور دوسرے لوگ، آخرت میں گردن نپے آپ کی، اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کاروبار کیجئے، جب تک دوسرا کوئی جائز کاروبار نہ ملے اس وقت تک اس کو گناہ سمجھ کر اور ناجائز سمجھ کر کرتے رہئے اور استغفار کرتے رہئے اور دوسرے جائز کام کی تلاش جاری رکھئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۱/ ۸/ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، محمود غفی عنہ

۱-پرمٹ سے زائد راشن لینا:

اس وقت اشیاء کی کم مائیگی ناپیدی کی وجہ سے غلہ کپڑا تیل سب پر کنٹرول کیا جارہا ہے اور یہ چیزیں اکثر جگہ پرمٹ ہی کے ذریعہ ملتی ہیں، پرمٹ کے ذریعہ ایک شخص کو جو گیہوں یا چینی یا تیل ملتا ہے وہ اس کے گھر والوں کے لئے ناکافی ہے بلکہ اسپر اہل وعیال کا گذر مشکل ہے خاص کر شادی بیاہ پر اور سب تہواروں میں اور زیادہ دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اپنے وقار کو باقی رکھنا دشوار ہوجاتا ہے، ایسے پریشان کن حالات میں بلیک کے ذریعہ ان اشیاء کو خریدا جائے تو از روئے شرع کیسا ہوگا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاکم سے بر بنائے تعلق اپنی مقررہ یونٹ میں یعنی افراد کی تعداد بڑھا کر زیادہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یا ایسے شخص کے نام لے لیا جاتا ہے جو مفقود یا غائب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود حاکم آفس میں مال گدام میں مال کی فراوانی دیکھ کر از راہ شفقت مقررہ یونٹ سے بڑھا کر تقسیم کردیتا ہے، ان صورتوں میں درست ہے یا کہ نہیں؟

۲-ٹھیکہ دار کے ذریعہ سیمنٹ بلیک سے خریدنا:

سیمنٹ یا چینی جو ٹھیکیدار نے پبلک غلہ ورشی سے بلیک لیا ہے، اس میں شرعی پہلو خیانت ہے آج جبکہ ان اشیاء کی دستیابی مشکل سے مشکل تر ہوتی جاتی ہے اور اگر مل بھی جاتی ہے تو حسب ضرورت نہیں اور اگر پرمٹ پر حاصل بھی کیا جاتا ہے

تو بہت قلیل مقدار کہ شاید مسجد یا مکان صدیوں میں تیار ہو اور پرمٹ کے ذریعہ بھی خوشامد درآمد رشوت ستانی کی سنت سے نجات نہیں، لیکن مجبوری کی صورت میں کوئی شرعی حیلہ جواز کی ہو سکتی ہے کہ بدون اس چارہ جوئی آج اس مسجد اور مکان کی تعمیر عمل میں نہیں آسکتی ہے واضح رہے کہ بلیک سے آٹا یا چینی برآمد کرنے میں جو چوری ہے وہی چور بازاری ٹھیکیدار سے سمنٹ یا دوسری اشیاء حاصل کرنے میں ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱۔تسعیر للحاکم کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو ہر حال میں مکروہ فرماتے ہیں مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس صورت میں جب عوام کو پریشانی لاحق ہو یا پریشانی کا خطرہ قوی ہو تسعیر جائز ہے واجب انکے نزدیک بھی نہیں اور قانون وقت بھی اس پر دائر ہوتا ہے، لہذا اگر انتظاماً ایسا ہو ظلماً ایسا نہ ہو تو اس کا احترام اور لحاظ بھی حتی المقدور لازم ہے اور عندابی یوسف واجب نہ ہوگا ثمرہ یہ نکلے گا کہ اگر کسی نے تسعیر کے خلاف کوئی تصرف کر دیا اور اس میں اور کوئی شرعی قباحت مثل خداع وخلابہ فریب وغیرہ کے نہ ہو تو نافذ ہو کر مملوک بملک صحیح ہو جائیں گی، پس حاصل کلام یہ نکل آیا کہ بوقت مجبوری قانون کا احترام اور اس سے حفاظت رہتے ہوئے گنجائش ہے۔

۲۔ٹھیکیدار (سرکاری دوکانداروں) کو حکومت جو چیزیں فروخت کے لئے دیتی ہے اس کی مالک حقیقۃً حکومت ہی رہتی ہے ٹھیکیدار محض اس کے بیچنے کا وکیل ہوتا ہے خود مالک نہیں ہوتا ہے، اس کے لئے قانون حکومت کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اگر خلاف قانون کرے تو خیانت ہوگی اور یہ جائز نہیں بقیہ اجزاء کا جواب ۱۔میں گذر چکا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۲/ ۸/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غنی عنہ

چوڑیوں کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

ایک شخص شریعت کا پابند ہے، لیکن کانچ کی چوڑی کا وہ تاجر ہے اور چوڑیاں ہاتھ میں عورتوں کو پہنانا پڑتا ہے، اب عندالشرع اس کا یہ پیشہ غلط ہے یا صحیح ہے، کیونکہ وہ اس پیشہ سے حج کرنا بھی چاہتا ہے اور زکوۃ دینا بھی چاہتا ہے اور دینی

کاموں کی خدمت کرنا چاہتا ہے، لہذا دریافت ہے کہ کیا اس پیسہ سے موجودہ کام کرنا ٹھیک ہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

چوڑیوں کی تجارت جائز ہے، البتہ نامحرم عورتوں کو اپنے ہاتھ سے پہنانا ناجائز ہے، چاہے نگاہیں اپنی نیچی رکھتا ہو یا اور کچھ ہو، کیونکہ نامحرم کا بدن بھی چھونا ناجائز ہے یہ گناہ کا فعل ہے اس سے اس کو گناہ ہوتا ہے، اس کو چاہئے کہ خود نہ عورتوں کو پہنائے بلکہ اپنی عورتوں سے یا نابالغ چھوٹے بچوں کے ذریعہ پہنوائے باقی یہ گناہ الگ ہے، اس سے اس کو توبہ کرنا چاہئے، اس گناہ سے اس کے حاصل شدہ نفع یا مال میں حرمت نہیں آئی وہ سب اس کی ملک صحیح ہیں، اس سے حج، زکوۃ، صدقہ خیرات سب جائز ہے، بس تجارت کرے اور خود نامحرم عورتوں کو نہ پہنائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/ ۸/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید

سامان کم اور زیادہ قیمت پر فروخت کرنا:

تجارت میں (مثلاً کپڑے کی تجارت) دام زیادہ اور بعد میں کم داموں میں مال فروخت کرنا کیا حکم شرعی رکھتا ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

اپنا مال انسان جس قیمت پر چاہے اس کو اختیار ہے اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ پہلے دام زیادہ رکھا پھر بعد میں کم پر فروخت کردیا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/ ۹/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

باپ کی فروخت کردہ زمین کو بیٹے کے لئے دوسرے کے ہاتھوں فروخت کرنا:

ایک خطہ زمین آٹھ فٹ ملا سردار نے شفیع اللہ پہلوان سے تبادلہ کیا جسکے لئے کئی آدمی گواہ ہیں شفیع نے ملا سردار کو

آٹھ فٹ زمین دے دی، لیکن جب ملا سر دار کو تنگ دستی پیش آئی تو انہوں نے اپنی زمین شفیع پہلوان کے ہاتھ فروخت کر دی، شفیع اللہ نے اس زمین کی لکھا پڑھی نہیں کرائی زبانی بات ہوگئی محض ایمان داری پر، بعد میں ملا سر دار نے دوسرے آدمی سے کہا کہ تم اپنی زمین آٹھ فٹ کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دو تو انہوں نے کہا کہ زمین تو میں نے دوسرے کو فروخت کر دیا، پھر سر دار کا انتقال ہو گیا، بعد ملا سر دار کے لڑکے نے وہ آٹھ فٹ زمین دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور کہا کہ ہمارے والد نے ہم سے کبھی نہیں کہا ہے کہ ہم نے زمین شفیع اللہ کو فروخت کر دیا ہے اس لئے ہم نے فروخت کر دیا تیسرے آدمی کو، شفیع اللہ اس زمین پر مکان بنا چکا ہے اب ملا سر دار کے لڑکے اور بیوی نے اس کو تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، اب مجھ سے بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جتنا روپیہ اس زمین پر ملا سر دار کو دیا تھا اتنا روپیہ لیجئے، اب میں آپ حضرات سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کہ میں نے جتنا روپیہ ملا سر دار کو دیا تھا اتنا لوں یا جتنے میں اس کے لڑکے نے فروخت کی ہے اتنا لوں یا کچھ نہ لیں کون سی صورت اچھی ہے؟۔

الجواب وباللہ التوفیق:

بیع کا ثبوت اور تحقق لکھنے پڑھنے یا نام زدگی پر موقوف نہیں بیع زبانی بھی ہو جاتی ہے اور فرضی نام پر لکھنے سے بھی ہو جاتی ہے، بیع کا ثبوت وتحقق ایجاب وقبول اور اس کی حقیقت پر موقوف ہے، پس صورت مسئولہ میں اللہ ورسول اللہ ﷺ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ ملا سر دار اور شفیع اللہ پہلوان کے درمیان تبادلہ زمین پر جس طرح عینی شاہد ۵-۷ آدمی موجود ہیں اسی طرح ملا سر دار نے تنگی آجانے کی وجہ سے جو زمین شفیع اللہ پہلوان کے نام فروخت کیا ہے اس پر بھی کم از کم دو عینی شاہد موجود ہوں اور بیچنے کی شہادت دے رہے ہوں تو ملا سر دار کے لڑکوں نے جتنے میں وہ زمین بیچی ہے وہ سب روپیہ شفیع اللہ پہلوان لے سکتے ہیں اور اگر اس بیع پر جس کو ملا سر دار نے بوجہ تنگدستی شفیع اللہ پہلوان کے نام کی ہے کہ کم از کم دو عینی شاہد بھی موجود نہیں تو شفیع اللہ پہلوان صرف اتنا ہی روپیہ لے سکتے ہیں جتنے انہوں نے ملا سر دار کو واقعی دیا تھا زائد نہیں لے سکتے ہیں۔

(تنبیہ) یہ حکم اس صورت کا ہے کہ ملا سر دار نے اپنے نابالغ لڑکوں کے نام محض قانونی زد سے بچنے کے لئے خریدی ہو اور اگر باقی قانونی خطرہ نہیں تھا تو ظاہر یہی ہے کہ حقیقۃً انہی نابالغوں کو مشتری قرار دیا ہے اور اس صورت میں ملا سر دار کا اس زمین کو فروخت کرنا سب غلط اور غیر صحیح ہوا خواہ کتنے بھی شاہد عینی اس پر موجود ہوں اور اس صورت میں شفیع اللہ پہلوان کو اپنا

واقعی دیا ہوا روپیہ وصول کرنیکا حق ہوگا زیادہ کا بالکل نہیں، خواہ عینی شاہد موجود ہوں یا نہ ہوں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱/۹/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند

بیوپاری کا مال پہنچانے پر نفع لینا کیسا ہے؟

تھوک کپڑا، دری، ساڑی، چادر وغیرہ بکری کرتا ہوں اور کچھ بیوپاری اس طرح کے ہیں کہ فلاں فلاں مال یعنی دری چادر وغیرہ ہم نے بکری کیا ہے جو چیزیں ہم کہیں وہ چیزیں ہم کو فلاں جگہ سے لادو اور کل خرچہ آمد ورفت مال کا ہم دیں گے اور آپ نفع بھی طے کرلو کہ کیا نفع لوگے، نفع ہو جاتا ہے مثلاً ایک سو روپیہ کے مال پر خرچ روپیہ ۴ آنہ نفع ہوگا، اور روپیہ کی یہ قید نہیں ہے کہ کب ملے گا مال بکری ہو جائیگا روپیہ ملتا جاوے گا جب مال ختم ہو جاتا ہے تو پھر مال لاکر دیدیتے ہیں جو نفع طے ہے وہی لیتے رہتے ہیں، اور کبھی مالک وطن جاتا ہے تو اپنے بیوپاریوں میں سے ایک کو یا دو کو روپیہ لینے کا اور مال لاکر دینے کا اختیار دے جاتا ہے کہ جس مال کی ضرورت ہو میرے نام سے لانا سب لوگ بکری اور نفع اسی حساب سے لگاتے ہیں اور مال میں جو بھی نقصان ہوگا وہ مالک کا ہوگا بیوپاری کو جو مال دیا جاوے گا اتنا روپیہ لیا جاوے گا۔ کیا یہ نفع لینا جائز ہے؟

الجواب وبا اللہ التوفیق:

یہ نفع درست اور جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

آرڈر دینے والے سے پیشگی رقم لینا:

آجکل عام دستور ہے کہ فیکٹریوں میں آڈر لیکر سامان تیار کیا جاتا ہے اور آڈر دینے والے سے کچھ رقم مثلاً ۱/۲، ۱/۴ پیشگی لے لیا جاتا ہے پھر سامان تیار کیا جاتا ہے آیا یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

بیع وشراء کا یہ طریقہ جائز ہے توثیق معاملہ کے لئے بطور پیشگی کچھ ثمن لینا اس کو کہیں گے اور یہ جائز ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۳/۹/۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح محمود علی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

پیمانہ کی تعیین کے بغیر بیع سلم کا معاملہ:

۱- زید نے عمرو سے کچھ رقم لیا اس شرط پر کہ فصل آنے پر اتنا پیمانہ دھان دونگا اور کوئی شرط اس میں نہیں لگایا ہے اور جو پیمانہ کہا ہے، یہ پیمانہ اس گاؤں میں بہت ہیں اور ایک دوسرے سے متفاوت ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کو متعین نہیں کیا ہے اس طرح بیع کر کے مبیع کو وصول کرنا جائز ہے یا کہ نہیں، کسی فتوی کی کتاب کا حوالہ دیں۔

۲- بیع سلم کی کیا صورت ہے اور کیا شرائط ہیں اور اگر کوئی شخص بلا شرط کے بیع سلم کر کے مسلم فیہ کو وصول کرے تو یہ جائز ہے یا کہ نہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- جب اس گاؤں میں کئی قسم کے مختلف پیمانے رائج ہیں اور کسی ایک کو متعین نہیں کیا تو یہ بیع فاسد ہوگی، بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے جس طرح جنس مبیع ونوع وصفت کا معلوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح مقدار مبیع کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے (۲)، **کما هو فی عامة الکتب الفقه**

۲- بیع سلم کی صورتیں اور اس کی شرائط کی تفصیل بہت طویل ہے، اس طرح سوال سے آپکو بصیرت نہیں ہوگی، اگر آپ بصیرت چاہتے ہیں تو اردو کی معتبر کتابوں جیسے صفائی معاملات مصنفہ حضرت مولانا تھانوی یا بہشتی زیور میں دیکھیں

۱- ''قال وان استصنع شیئا من ذالک بغیر أجل جاز وقال فی هامشه صورة الاستصناع ان یجیئ انسان الی صانع فیقول اصنع لی شیئا کذا وکذا قدره کذا بکذا درهما ویسلمه الیه جمیع الدراهم او بعضها أو لایسلم'' (حاشیہ ہدایہ ۳/۱۰۰، اشرفیہ دیوبند)۔

۲- ''ولایصح السلم عند ابی حنیفۃ الا بسبع شرائط جنس معلوم الی قوله ومقدار معلوم کقولنا کذا کیلا بمکیال معروف أو کذا وزنا'' (ہدایہ ۳/۹۵، اشرفیہ دیوبند)۔

اور پھر جو بات اس میں سمجھ میں نہ آئے پوچھ لیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۱/ ۹/ ۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمن، محمود غفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند

شرکت میں بچے ہوئے مال کو ایک شریک کے لئے خریدنے کی شرط لگانا:

زید اور عمر ایک میلہ میں فروختگی کے لئے ۵۰۰-۵۰۰ روپیہ ملا کر ایک ہزار روپیہ کے بکس لائے اور معاملہ یہ طے ہوئے کہ میلے میں فروخت ہونے کے بعد جو کچھ مال بچے گا خواہ کسی مقدار سے بھی بچے چاہے کم چاہے زیادہ زید کو اپنے ہی ذمہ لگانا ہوگا، یعنی اصل قیمت خرید زید سے عمرو وصول کرے گا کیونکہ باقی ماندہ مال میں نصف پر زید کی ملکیت بر بناء شرکت ہے اور زید کے اس طرح معاملات کے کو یا صلے میں زید کو عمرو کی طرف سے یہ رعایت مل گئی کہ بک جانے والے بکسوں کے نفع میں زید کو ۱۰/ اور عمر کو ۶/ حصہ لینا ہوگا، تو کیا اس طرح کی شرکت داری جائز ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

صورت مذکورہ میں ۱۰/ ۶/ نفع کو اس بنیاد پر نہ رکھا جائے کہ زید بعد میں باقی ماندہ کے نصف کو خرید یگا بلکہ اصل معاملہ شرکت میں ہی نفع کی یہ تفصیل مذکور رکھی جائے اگر چہ سرمایہ دونوں کا برابر ہے جائز ہے کما فی الھدایۃ (۱) رہ گیا یہ شرط لگانا کہ بعد میں جس قدر مال بچے گا اس کو زید تنہا اصل خرید پر خریدے گا اس کا حاصل یہ ہے کہ شرکت زمانہ محدود تک کے لئے کی اور بعد میں اس مذکورہ صورت پر ختم کر دیں گے اس سے بھی معاملہ میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں اس طرح ساجھے داری درست ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۹/ ۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

قرض کے عوض بازار کے عام نرخ سے کم میں گندم لینا:

اگر کسی حاجتمند نے ہم سے سوال کیا کہ ہم کو سو روپیہ دو ہم نے اس کو روپیہ دیدیئے اور اس وقت گیہوں کا بھاؤ بتیس

۱- ''واما شركة العنان الى قوله ويصح التفاضل في المال لحاجة الى قوله ويصح ان يتساويا في المال ويتفاضلاً في الربح'' (ہدایہ ۲/ ۶۲۹، اشرفیہ دیوبند)۔

روپیہ فی من ہے اور چار مہینے بعد بیس روپے فی من لونگا اور وہ رضامند ہو کر لے گیا ہے، یہ معاملہ کرنا میرے لئے کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ صورت بیع سلم کی نہیں ہوئی، بلکہ قرض کی ہوئی اس صورت میں عام بھاؤ بازار سے دبا کر زیادہ لینا سود ہوگا اور نا جائز ہوگا(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۸/ ۱۰/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

فصل آنے سے پہلے اناج کا بھاؤ طے کرنا:

جو شخص فصل آنے سے پہلے کاشتکاروں کو روپیہ دیتے ہیں اور اناج کا بھاؤ بڑھا کر طے کرتے ہیں یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

نہیں جائز ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۸/ ۱۰/ ۱۳۸۵ھ

(جواب صحیح ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر روپیہ قرض دیا ہے یہ کہہ کر کہ فصل کے وقت اس کا غلہ بھاؤ بڑھا کر وصول کیا جائے گا تو یہ جائز نہیں)، فقط واللہ اعلم بالصواب

سید احمد علی سعید نائب مفتی، احقر محمود احمد

حق تصنیف کو خاص کرنا اور اس کی بیع وشراء کا حکم:

۱-آج کل کتابوں کے ناشرین اپنی کتابوں کو رجسٹرڈ کراتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے علاوہ دوسرے

۱- ”عن عطاء قال کانوا یکرھون کل قرض جر منفعۃ“ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۱۴۲/ ۷، حدیث ۲۱۰۷۷، المجلس العلمی دار قرطبہ بیروت)۔

کتب خانہ والے اس کو نہ چھپوائیں، ہم ہی طبع کر کے اس کی سیل کریں، اس طرح حق تصنیف کو اپنے لیے خاص کر لینا کہاں تک درست ہے؟

۲-بعض مصنفین کتب خانہ والوں کو اپنی کتاب کا حق تصنیف فروخت کر دیتے ہیں، اس طرح حق تصنیف بیچ دینا اور اس کے عوض پیسے لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

عبدالقیوم القاسمی (شہر میرٹھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱و۲) بعض کتابیں محض دنیوی علوم اور کاروباری معاملات کی اور اس سے متعلق ہوتی ہیں اور ان کتابوں سے مقصد محض دنیا کمانا یا دنیوی کاروبار کرنا ہوتا ہے اور اسی لیے یہ کتابیں لکھی اور بیچی جاتی ہیں، ایسی کتابوں کا حق تصنیف محفوظ رکھنا اور دوسروں سے روپیہ لے کر دوسروں کو چھاپنے کی اجازت دینا کاروباری طریقہ میں شمار ہو کر درست رہے گا اور بعض کتابیں محض دینی علوم کی اور محض اشاعتِ دین کی ہوتی ہیں اور علوم دین اور اس کی اشاعت شرعاً مطلوب اولیٰ واصل ہے اور اس کا روکنا یا اس کو دنیوی کاروبار بنانا شرعاً درست نہیں ہوتا، کما اشار الیہ النصوص مثلاً: ''**بلغوا عني ولو اٰية**'' اور مثلاً: ''**ليبلغ الشاهد الغائب**'' **وغيرهما۔**

لہٰذا علوم دینیہ کی کتابوں کا حق تصنیف محفوظ کر لینا، اس کی اشاعت سے روکنا درست نہیں ہوگا اور اگر کوئی کتاب دونوں قسم (دنیوی و دینی) پر مشتمل ہو تو اکثر کا حکم جاری ہوگا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، محمد ظفیر الدین مفتاحی، کفیل الرحمٰن

ادھار کی صورت میں گراں فروخت کرنا:

ایک سامان جس کا نقد کہہ کر دس روپیہ اور ادھار اگر فروخت کرے تو بارہ روپیہ ہے، تو کیا ایسا کرنے سے سود تو نہیں ہوگا۔

۱- اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا مختصر فتویٰ الاجتہ التطبیق من ثمرات التالیف، ملاحظہ کیا جا سکتا ہے (مرتب)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک چیز کی قیمت نقد فروخت کرنے میں کم اور ادھار فروخت کرنے میں زیادہ لے جاسکتی ہے (۱)، زیادتی قیمت کو کسی مدت پر محمول نہ کریں کہ جیسے جیسے مدت بڑھتی جائے قیمت بھی بڑھتی جائے اس لئے کہ یہ جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۱۰/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ

ایک متعینہ مدت کے لئے باغ ٹھیکہ پر دینا:

میرا باغ آم کا بستی کے قریب ہے، باغ میں ایک حویلی کا دروازہ بھی ہے اور بستی کا عام راستہ بھی ہے، باغ میں بینڈ پولہ اور گھاس کافی ہے اور ایک طرف کاشت بھی ہوتی ہے چھ بیگہ میں، میں بہت پریشان ہوں اس بات سے کہ فصل آم آنے پر ہی کافی اجاڑ ہوجاتی ہے، پھر قیمت پوری نہیں ہوتی ہے، اس میں آپ ہم کو تحریر کریں کہ ہم اس آم کے باغ کا پھل آنے سے پہلے ایک یا دو سال کا ٹھیکہ فصل کا دے سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ کیونکہ باغ کی حفاظت بھی خریدار کے ذمہ ہوجاتی ہے، میری پریشانی دور کرنے کے لئے کوئی صورت آسانی کی بتلاویں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

سال دو سال کے لئے محض پھل کا ٹھیکہ دینا تو جائز نہیں (۲) مگر یہ جائز ہے کہ آپ باغ کی زمین ہی کو مدت مقرر کر کے مثلاً دو سال تین سال کے لئے کرایہ پر دیدیں کہ اس سے جو نفع ہو تم حاصل کرو اور ہم کو اتنے روپیہ سال اس کا کرایہ

۱- ”وقالت الشافعیہ والحنفیۃ وزید بن علي والمؤید باللہ والجمہور أنہ یجوز لعموم الأدلۃ القاضیۃ بجوازہ وھو الظاھر لأن ذالک المتمسک ھو الروایۃ الأولیٰ“ (نیل الاوطار للشوکانی ۱۲۹/۵، مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر باب تحریم بیعتین فی بیعۃ)“لو اشتری شیئا بنسیئۃ لم یبعہ مرابحۃ حتی یبین لأن للأجل شبہۃ المبیع وإن لم یکن جمیعا حقیقۃ لأنہ مرغوب فیہ الا تری إن الثمن قد یزاد لمکان الأجل“ (بدائع الصنائع ۳/ ۲۲۶، باب ما یجب بیانہ فی المرابحۃ، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۲- ”ومن باع ثمرۃ بارزۃ إما قبل الظھور فلا یصح إتفاقا“ (درمختار ۴/ ۹، مکتبہ زکریا)، ”قال فی الفتح: لاخلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظھر“ (شامی قدیم ۴/ ۵۲، عثمانیہ)۔

دے دیا کرو (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۱۰/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: مفتی محمود غفی عنہ

دوسرے کی زمین کوفروخت کرنا:

ہمارے دادا صاحب کی جائداد موجود ہے اور ہمارے والد بھی موجود ہیں ہم سب معصوم تھے ہمیں معلوم نہیں تھا، اس وقت ہمارے والد صاحب نے اپنے ایک دوست کو یہ جائداد فروخت کرنے کے لئے کہا، وہ دوست بغیر معلوم کئے دوسروں کے پاس فروخت کردیئے اس وقت جب ہم سمجھدار ہوئے تو ہم کو ملنا چاہئے!

الجواب وبالله التوفيق:

آپ کی تحریر سے کوئی صاف بات معلوم نہیں ہوئی ہے اگر یہ مطلب ہے کہ آپ کے والد کے کسی دوست نے آپ کے دادا صاحب کی جائداد ان سے پوچھے بغیر کسی سے آپ لوگوں کے بچپن میں ہی بیچ دیا اور جب آپ بڑے ہوئے تو اس شخص کو اس کی قیمت جو پائی تھی دیکر اپنی جائداد واپس لینا چاہا تو اس نے انکار کردیا، واقعی اگر یہی مطلب ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، آپ لوگ اس کے مستحق ہیں شریعت کے قانون سے اس کی دی ہوئی قیمت لوٹا کر واپس لے سکتے ہیں وہ شخص اگر نہیں دے گا تو خدا کے یہاں پکڑا جائے گا۔ اور اگر اس تحریر کا یہ مطلب نہیں ہے تو پھر کسی اور جاننے والے سے اپنا مطلب اور واقعہ صاف لکھوا کر بھیجئے اور اس کا جواب معلوم کیجئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/ ۱۰/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

۱- ”الإجارة إلى قوله: ولايصح حتى تكون المنافع معلومة إلى قوله والمنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستجار الدور للسكنى والأرضين للزراعة“ (ہدایہ ۳/ ۲۹۳، اشرفیہ)۔

متعینہ مدت میں سامان کی قیمت نہ دینے پر زیادہ قیمت لینا:

۱-مارکیٹ میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ تھوک فروش بیوپاری چھٹکر بیوپاریوں کو ادھار مال دیتے ہیں اور ان سے یہ معاملہ طے ہوتا ہے کہ اگر ایک ماہ میں پیسہ ادا کردو گے تو بالکل سود نہ لیں گے اور ایک ماہ کے بعد ادائیگی میں سود لیں گے اور جتنی تاخیر ہوگی سود بڑھتا جائے گا چنانچہ سود کے ڈر سے چھٹکر بیوپاری ایک ماہ کے اندر ہی قیمت ادا کرانے کی کوشش کرتے ہیں، زید بھی تھوک فروش تاجر ہے مگر حرام ہونے کی وجہ سے وہ سود نہیں لیتا ہے چنانچہ بیوپاری اس کے یہاں سے لئے ہوئے مال کی قیمت چھ چھ مہینے تک بھی ادا نہیں کرتے ہیں، کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ سود نہیں لے گا، ویسے زید تاکید کرتا رہتا ہے مگر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے، ایسی صورت میں زید کو تجارت میں بڑی تنگی پیش آتی ہے۔ کیا شریعت زید کی اس پریشانی کا کوئی حل کرتی ہے یا کہ نہیں؟

۲-بینک اور ڈاکخانہ میں جمع کردہ رقم پر ملنے والے سود کے بارے میں یہ مسئلہ معلوم ہوا تھا کہ وہاں سے لے لینا چاہئے اور بلانیت ثواب غریب مسلمانوں پر تقسیم کردینا چاہئے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی رقم کسی کافر پر باقی تھی، عرصہ کے بعد وہ ادا کرتا ہے اور اپنے دستور کے مطابق اپنی خوشی سے سود بھی دیتا ہے تو کیا اس سے بھی سود لے کر غریب مسلمانوں پر صرف کردینا چاہئے، اسی طرح مالدار مسلمان یا کافر پر زید کی رقم باقی تھی جس کو وہ نہیں دیتا تھا، چنانچہ بذریعہ عدالت اس پر ڈگری حاصل کی گئی اور عدالت نے یہ تجویز کیا کہ زید کو ملی ہوئی رقم مع سود کے واپس کی جائے، تو کیا یہ سود کی رقم لے کر غربا پر تقسیم کردیا جائے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-زید کی تجارت میں اگرچہ کچھ پریشانی ہے لیکن وہ سود کی لعنت سے محفوظ ہے، اللہ پاک اس کے مال کا محافظ ہے، دنیا و آخرت میں وہ خدا تعالیٰ کی رحمتوں سے مالامال ہے، اس کا حشر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوگا۔

۲-اس کافر کے پاس چھوڑ دے، اس سے وصول نہ کرے یہی بہتر ہے، مسلم سے تو لینے کا سوال ہی نہیں اگرچہ عدالت نے فیصلہ کردیا ہو۔ حررہ العبد محمود غفی عنہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند

(الف) اگر زید کو بہت زیادہ تنگی و دقت پیش آرہی ہے تو زید ایسا بھی کرسکتا ہے کہ عام بازار کے بھاؤ سے بہت سستا کر کے کم از کم نفع پر فروخت کردے ارزاں فروخت کرنے سے نکاسی مال کی زیادہ ہوگی اور نفع کا اوسط برابر آجائے گا،

اور اگر کوئی ادھار ہی لینا چاہے تو اس کی مدت عام تاجروں کی مدت سے کچھ لمبی مقرر کر کے عام نرخ سے کچھ زیادہ قیمت رکھ کر فروخت کرے اور معاملہ کرتے وقت صاف صاف یہ کہدے کہ اگر تم اس مدت کے اندر اندر بے باق نہ کرو گے تو مجھے اختیار ہوگا کہ میں مقدمہ کے ذریعہ جس طرح چاہوں وصول کروں اور جملہ خرچ وہرج کے ذمہ دار تم ہوگے اور تم کو دینا ہوگا۔

اب اس کے باوجود بھی مدت کے اندر اندر ادا نہ کرے تو اس کے وصول کرنے میں جو خرچ پڑے آپ اس سے پورا پورا لے سکتے ہیں، بلا لحاظ اس کے کہ حکومت اس رقم کو سود کے نام سے دیتی دلاتی ہے یا کسی اور نام سے، نیز یہ کہ سود کی رقم سے وہ رقم خرچ کی کم ہے یا زیادہ اگر کم ہو اور معاملہ مسلم سے ہے تو زائد آپ واپس کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ عام طریقہ سے لوگ کاروبار کرتے ہیں سود کے ساتھ وہ بھی ویسے ہی کرے بلا سود کے، لیکن کسی غیر مسلم کو اپنا اجیر بنا لے اور اس سے یہ کہے کہ فلاں فلاں کے پاس ہماری یہ اصل رقم سود وضع کرنے کے بعد باقی ہے ہم کو سود سے مطلب نہیں ہے ہم کو محض اصل رقم چاہئے ہم تم کو اختیار دیتے ہیں جس طرح چاہو اصل رقم وصول کرو اس وصول کے صلہ میں ہم تم کو یہ اجرت دیں گے اور اجرت بالتعیع متعین کردے۔ اب وہ غیر مسلم جس طرح چاہے وصول کرے، مقدمہ کر کے مع سود کے یا جیسے بھی ہو آپ سے کچھ مطلب نہیں اور نہ آپ زید سے وہ رقم زائد لیں اس طرح آپ سود سے بچ جائیں گے۔

اور جب بیوپاریوں کو عام طور سے معلوم ہو جائے گا کہ باوجود سود نہ لینے کے بھی وصول کا طریقہ نکل آیا تو آپ کے ساتھ بھی ادائیگی وقت سے کرنے لگیں گے اور یہی آپ کی مراد ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱/ ۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دار العلوم دیوبند

شیئرز خریدنا کیسا ہے؟

مقام والی میں ایک شوگر فیکٹری قائم کرنے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے، اس میں ایک شیئرز ہولڈر کا پانچسو روپیہ ہے، اب ایسی صورت میں جب کہ ایک بڑی رقم ہو جائے گی، پھر اس کے بعد فیکٹری چالو ہوگی یعنی جو شیئرز ہولڈر ہوں گے ان کو نفع اور نقصان میں بھی برابر رکھا جائے گا۔

اس فیکٹری کے چالو کرنے میں لون کا روپیہ بیاج کے ساتھ حاصل ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں جو شیئرز ہولڈر ہیں ان کو کوئی مجبوری بھی نہیں ہے، اور اس کے بغیر بھی روزی ملتی ہے، تو ایسی حالت میں جو نفع ہوگا وہ ہمارے لیے جائز ہوگا یا

نہیں؟ اس صورتِ حال میں یہ معاملہ کرنا کیسا ہے؟

افتخار احمد (گجرات)

الجواب وباللہ التوفیق:

اس فیکٹری کے نفع کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے، اس کا نفع لینا تو جائز رہے گا، البتہ یہ بات توضیح طلب ہے کہ جب بڑی رقم ہو جائیگی تو اس کو دکھا کر بینک سے لون کون لے گا، آیا یہی شیئر ہولڈر خود لیں گے یا یہ شیئر ہولڈر خرید کر اپنا روپیہ فیکٹری میں دیدیں گے اور پھر فیکٹری والے خود بینک سے لون لیں گے، اگر شیئر ہولڈر کو خود اپنا روپیہ دکھا کر بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، جب تو ان لوگوں کو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا، جن کے پاس اپنا دوسرا جائز کاروبار ہے اور وہ مجبور نہیں ہیں۔

اور اگر شیئر ہولڈر خود بینک سے لون نہیں لیتا ہے، بلکہ فیکٹری کا عملہ یہ سب کام خود انجام دیتا ہے، اور وہ اکثر غیر مسلم ہے یا کل غیر مسلم ہے تو ایسی صورت میں یہ شیئر زبھی جائز رہے گا منع نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۱۱/۱۲ھ

غیر مقبوض مچھلیوں کی بیع:

آج کل لوگ تالاب کا ٹھیکہ مچھلی پالنے کی خاطر لیتے ہیں، پھر ان مچھلیوں کو اندازہ کر کے جال وغیرہ سے تالاب کے اندر ہی پکڑنے سے قبل فروخت کرتے ہیں، کیا اس طرح مچھلیوں کی بیع جائز ہے؟

محمد صدیق (جبار بلڈنگ شہر میرٹھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر تالاب اس قسم کا ہے کہ اس میں مچھلیاں محفوظ ہیں از خود باہر نہیں نکلیں گی تو مچھلی پالنے کے لیے اس کا ٹھیکہ پر لینا درست رہے گا، اور جو مچھلیاں اس میں پالی جائیں گی وہ مملوک ہو جائیں گی، البتہ بغیر پکڑے ہوئے مقبوضہ نہ ہوں گی، اس لیے خود پکڑ کر یا اپنے کسی ملازم یا اجیر (مزدور) سے پکڑوا کر فروخت کرنا بھی جائز ہو جائے گا، البتہ بغیر پکڑے اور قبضہ میں لائے فروخت کرنا بیع مالم یقبض ہو کر بیع فاسد ہوگی، اور مملوک رہنے کی وجہ سے بیع باطل نہیں ہوگی اور بیع فاسد ہونے کا ثمرہ یہ

ہوگا کہ اگر مالک کے قبضہ میں آئے بغیر فروخت ہوجائے اور مشتری پھر اس کو فروخت کرے اور مالک کو اعتراض نہیں تھا بلکہ اجازت تھی تو یہ دوسری بیع جو ہوگی وہ صحیح اور" **سمک مبیع لھذا البیع**" کا استعمال کرنا درست رہے گا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۱۱/۶/۱۳ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمن، محمد ظفیر الدین مفتاحی غفرلہ

مرغیوں کو تول کر فروخت کرنا:

پولٹری فارموں میں مرغیوں کو تول کر فروخت کیا جاتا ہے، کلوگرام کے حساب سے اس کے دام گھٹا بڑھا کر لگانا جائز ہے یا نہیں؟

محمد صدیق (جار بلڈنگ شہر میرٹھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر مرغیوں کو اس طرح بیچنے میں بیچنا، خریدنا، مرغیوں کا مقصود ہو یعنی مبیع مرغیاں قرار دی جائیں محض ان کا گوشت ہی مبیع قرار نہ ہو تو چونکہ اصل مبیع (مرغیاں) معلوم، متعین اور مشاہد ہوں گی اس لیے یہ بیع جائز رہے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۱۱/۶/۲ھ

فارم کے کھاد کو کچھ ملائے بغیر فروخت کرنا:

فارم کے کھاد کو اس میں کچھ ملائے بغیر بوریوں میں بھر کر فروخت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں جب کہ اس میں مرغیوں کی بیٹ کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی؟

۱- "ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد، لأنه باع مالا یملکه ولا في حظیرة إذا کان لا یؤخذ إلا بصید الخ" (الھدایۃ مع الدرایۃ، ص ۴۳، ج ۳، باب البیع الفاسد)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس لفظ (فارم کے کھاد) بالخصوص لفظ کھاد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کھاد جس میں محض مرغیوں کی بیٹ ہی نہیں ہوتی بلکہ اس میں اور چیزوں کی ملاوٹ بھی لازمی ہوتی ہے، مٹی وغبار اور جو غذائیں دی جاتی ہیں اس کا خوردہ وغیرہ کی آمیزش اس میں ضرور ہوتی ہے۔

اس طرح مخلوط ہونے سے محض بیٹ کا فروخت کرنا نہ کہا جائے گا اور اس کا بیچنا جائز رہے گا، سرقین وقذرہ وغیرہ کی بیع اس کی نظیر بن سکتی ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۲/۶/۱۴۱۱ھ

اخبار ورسائل کی خریداری کے لیے پیشگی قیمت پورے سال کی ادا کرنا:

اخبار ورسائل کی خریداری کا یہ طریقہ رائج ہے کہ پیشگی پورے سال کی قیمت منی آرڈر کردی جاتی ہے اور ہر روز اخبار کے نئے پرچے آجایا کرتے ہیں، اس طرح سے بیع وشراء کرنا (جب کہ اخبار یا پرچوں کا بلکہ اس کے کاغذ کا بھی وجود نہیں ہوتا) کیا یہ بیع شرعاً درست ہے، اور کیا یہ بیع معدوم میں داخل نہیں ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس معاملہ میں اصل چیز کاغذ ہے اور وہ موجود رہتا ہے، پس یہ معاملہ بیع سلم کا ہے اور شرعاً جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۱/۶/۱۴۱۱ھ

وی، پی (ریلوے) کے ذریعہ بیع وشراء:

وی، پی (ریلوے) سے مال منگوانے والے ایسا کرتے ہیں کہ مال کی بلٹی ڈاک خانہ کے ذریعہ منگوا لیتے ہیں اور اسی کے ساتھ رقم بذریعہ وی پی بائع تک آجاتی ہے اور مال ریلوے سے کبھی پندرہ دن کبھی مہینہ دو مہینہ بعد پہنچتا ہے، کیا اس

۱- جائز تو ہے مگر خلاف اولیٰ ہے "کما قال وکرہ بیع العذرة (الی قولہ ماسوی الإنسان" (الدر المختار مع الشامی ۶/۲۴۴ ۵ فصل فی البیع) (مرتب)۔

طرح سے بیع وشراء کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ طریقۂ عمل جائز ہے، جب یہ سب چیزیں نہیں تھیں تو یہ کام ہرید جمال اور دیر وغیرہ کے ذریعہ ہوتا تھا، اب بواسطہ ڈاکخانہ وریلوے ہوتا ہے اور اس میں مال محفوظ طریقہ سے پہنچ جاتا ہے جو بلاشبہ جائز ہے(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۶/۶/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمٰن، محمد ظفیر الدین مفتاحی غفرلہ

اندراوکاس ٹکٹ خریدنا کیسا ہے؟

ایک شخص بینک سے پانچ ہزار روپے دے کر اندراوکاس ٹکٹ خریدتا ہے، اور پانچ سال کے بعد اسی ٹکٹ کو بینک دوگنی قیمت یعنی دس ہزار پر لیتا ہے، کیا اس طرح ٹکٹ خریدنا اور بیچ کر دوگنے پیسے لینا جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس معاملہ کی حقیقت شرعیہ یہ ہے کہ ایک شخص سے حکومت نے (مثلاً) پانچ ہزار روپیہ قرض لیا، اور پھر پانچ سال کے بعد قرض دینے والے کو اسی قرض کے عوض میں دس ہزار دیتی ہے۔

لہٰذا یہ صورت بلاشبہ ''کل قرض جر نفعاً'' میں داخل ہو کر ممنوع وناجائز رہے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۸/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن غفرلہ، محمد ظفیر الدین مفتاحی غفرلہ، وکفیل الرحمان عثمانی

۱- ''ولو أعطاه الدراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء: اشتريت منك يجوز، وهذا حلال وإن كان نيته وقت الدفع الشراء، لأنه بمجرد النية لاينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحاً'' (فتاوی شامی ۱۳/۴)(مرتب)۔

ہیروئن وافیون کی بیع وشراء:

آج کل بلیک کرنے والوں نے کثرت سے اپنا یہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ وہ ایک مقام سے افیون یا ہیروئن لاکر دوسرے مقامات پر چوری چھپے سے فروخت کرتے ہیں، یہ دونوں نشہ آور چیزیں ہیں اور گورنمنٹ کی طرف سے ان دونوں کے بیچنے پر سخت پابندی ہے، بغیر لائسنس کے نہ کوئی رکھ سکتا ہے، نہ بیچ سکتا ہے، ایسے کاروبار کرنے والوں کا یہ کاروبار جائز ہے یا نا جائز اوران کی کمائی ہوئی آمدنی حلال ہے یا حرام؟ وضاحت فرمائیں:

الجواب وبالله التوفيق:

ہیروئن بڑی نشہ آور چیز ہے اورنشہ ہی لانے کے لیے استعمال بھی ہوتی ہے اور اس کا خریدنا بیچنا اپنے ملک کے اندر بھی ناجائز ہے چہ جائے کہ دوسرے ملک سے لاکر بلیک کیا جائے، اور افیون بھی گھول کر پیا نشہ آور ہے، اس لیے اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ ہاں خشک بہت تھوڑی مقدار میں محض مخدر رہوتی، اس لیے جتنی خشک مقدار نشہ آور نہ ہو دواءً اس کا خریدنا بیچنا وغیرہ درست رہے گا، اور غیر ملک سے لاکر بلیک کرنے کا وہی حکم ہے جو اس سے پہلے سوال کے جواب میں گذرا ہے اور نشہ آور نہ ہونے میں بھی یہی حکم ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن غفرلہ، محمد ظفیر الدین مفتاحی غفرلہ

کمپنیوں کے حصوں کی خریداری کا حکم:

دنیا کے بیشتر ممالک میں جن میں ہندوستان و پاکستان بھی شامل ہیں بڑی بڑی کمپنی شیئرز (حصہ) نکالتی ہیں، انہیں پبلک میں ایک طے شدہ قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے، پھر کمپنی کے شیئر (حصہ) خریدنے والا کمپنی کا ساجھے دار بھی ہوجاتا ہے جسے کمپنی سالانہ منافع بھی دیتی ہے اور ان حصوں کی کمپنی کی ترقی کارگزاری اور منافع گیری سے یہ شیئر بازار میں خرید فروخت ہوتے ہیں جس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی ہوتا ہے، یعنی دونوں ہی باتیں ہیں، اس میں کسی طرح کا بیاج کا

۱- ”قال في الدر المختار: وبطل بيع مال غير متقوم، أي غير الانتفاع به كخمر (قال الشامي) قيد به لأن بيع ما سواه من الأشربة المحرمة جائز عنده خلافا لهما كما في البدائع والشامي، ۱۰۳ ج ۴) (مرتب)۔

کوئی لین دین نہیں ہوتا ہے، کمپنی ۱۰/ روپے کا ایک شیئر دیتی ہے تو اس کی ترقی کے حساب سے وہ ۲۰ روپے کا بھی ہو جاتا ہے تو اس کی خراب کارگزاری سے پانچ روپے کا بھی رہ سکتا ہے، ایسی حالت میں کمپنی کا نقصان ساجھے داری کی وجہ سے خریدار کو بھی ہوتا ہے، آپ ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا جواب ہمیں دیں یہ دھندا جو آج کل مسلمان بہت کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

شیخ عبدالسمیع

الجواب وبالله التوفيق:

بڑی کمپنی کا عرف عام میں مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی بڑا کاروبار بڑے سرمایہ سے کرنا ہوتا ہے تو انتظام درست رکھنے کے لیے کچھ ممبران کی ایک کمپنی بنالیتے ہیں، پھر وہ کمپنی کچھ لوگوں کو اس میں بطور حصہ دار (شیئر دار) بنا کر اور شریک کر کے کاروبار کرتی ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر دولاکھ روپے سے کاروبار شروع کرنا ہے تو دولاکھ کے اندر ۲۰، ۳۰، روپے کا حصہ مقرر کرتی ہے جو ایک ہزار حصے (شیئر) ہوتے ہیں اور لوگوں کو اختیار رہتا ہے کہ ایک حصہ سے شریک ہوں یا دس حصے سے یا سو حصے سے، غرض جو شخص جتنے حصہ سے شریک ہوتا ہے اس سے اتنے حصہ کی رقم لیکر شریک کر لیتے ہیں اور شریک داری اور رقم کی وصولیابی کی رسید دیتے ہیں، جس کو وہ باؤنڈ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، پھر جمع شدہ رقم سے پہلے اس کمپنی کی ضرورت کے مطابق مشین وغیرہ دیگر سامان واثاثہ خریدتے ہیں، پھر سال بہ سال ہر سال پورا ہونے پر اپنے نفع نقصان کا حساب کر کے نفع کا بضاعۃ (پونجی وڈپازٹ) بنالیتے ہیں اور بقیہ نفع تمام شیئر داروں (حصہ داروں) کو ان کے شیئر کے مطابق تقسیم کر دیتے ہیں اور اگر کم نفع ہوا تو کم نفع دیتے ہیں اور اگر زیادہ نفع ہوا تو زیادہ نفع دیتے ہیں اور اگر نقصان ہوا تو اطلاع بھی دیتے ہیں۔

پس اس طرح کاروبار کی شرعی حیثیت شرکت عنان کی ہوگی اور تمام شیئر دار شریک کمپنی شمار ہو گئے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام شرکاء کمپنی کی تمام چیزوں کے خواہ مشین ہو یا اثاثہ ہو یا اور کوئی سامان ہو (کاروباری یا غیر کاروباری) سب کے سب اپنے شیئر کے مطابق شرعا مالک ہو جاتے ہیں اور کام کرنے والا سب عملہ ان شیئر داروں (حصہ داروں) کا شرعا اجیر یا وکیل ہو جاتا ہے، اس طریقہ کار میں بیع مالم یوجد یا حقوق مجردہ کے بیع کی کوئی شکل نہیں ہوتی ہے کہ شرعا اس کو ناجائز کہا جائے اور شرکت عنان کا جواز بین المسلم تسلیم شدہ ہے۔

رہ گیا شرکت عنان کی بعض جزئیات کے مطابق عمل نہ ہونا یہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں قادح نہ ہوگا، جیسا کہ اپنے ممالک میں بہت سے عقود فاسدہ میں توسع سے ظاہر ہے۔

اس حکم کی تائید ''امداد الفتاوی'' کے (التحقیق الحسنی فی حکم حصص کمپنی) سے بھی ہوتی ہے، اسی طرح شرکت کا یہ معاملہ جاری و نافذ ہونے کے بعد کسی کمپنی کے اراکین کا اس کمپنی کو اپنی کمپنی کے نام رجسٹرڈ کرالینا یا کمپنی کو لمیٹڈ کرالینے کے بعد خود کمپنی کا قانونا مالک بن بیٹھنا اور شیئر داروں کو ان کی رقم واپس نہ کرنا حتی کہ اگر کوئی شیئر دار اس شرکت سے نکلنا چاہے اور اپنی رقم واپس لینا چاہے تو واپس نہ کریں، بلکہ یہ قانون بنادیں اور کہیں کہ اگر کوئی شخص شرکت سے نکلنا چاہے تو اپنا حصہ فروخت کردے یہ ہوسکتا ہے اور یہ اور یہ بیع شرعا چند وجوہ صحیح اور درست ہوگی: اولاً اس لیے کہ اس صورت میں کمپنی والے شرعا غاصب ہوگئے اور یہ شیئر دار مغصوب منہٗ ہوگئے اور مغصوب منہ کا اپنے مال مغصوب کو جس طرح مناسب ہو وصول کرلینا درست وصحیح رہتا ہے۔ اور یہاں ایسا ہی ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ اس حصہ کی بیع کا مفہوم یہ ہے کہ کمپنی میں جتنا مال ومتاع واثاثہ کا جتنا حصہ اس کا ہے اس کی وہ بیع کررہا ہے اور ایسی بیع شرعا درست رہتی ہے، شرعا اس میں کوئی قباحت ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں نہ ہوگی۔

اور خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعا جائز ہے، ہاں اگر کوئی تقوی برتے اور ایسا معاملہ نہ کرے تو یہ تقوی ہوگا۔ فتوی نہ ہوگا اور تقوی کے فعل کا مستحسن ہونا ظاہر ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

کمپنی کے شیئرز خریدنا اور ساجھے دار ہونا کیسا ہے؟

ہماری کمپنی انویسٹمینٹ لمیٹیڈ ایک سرمایہ کار کمپنی ہے جو کہ مختلف کمپنیوں کے حصص مساوی کی خرید فروخت کے کاروبار میں ملوث ہیں، ان کمپنیوں کے حصص مساوی ہیں جو کہ ملک کے اسٹاک ایکسچینج کی فہرست میں شامل ہیں، یہ کاروبار اسلامی شریعت میں کہاں تک جائز ہے، اس حقیقت پر روشنی ڈالنے کی ہماری آپ سے گذارش ہے، ذیل کے نکات کے ذریعہ ہم نے اپنے کاروبار کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا- حصص مساوی وہ حصص ہیں جن پر آمدنی بصورت ڈیویڈنٹ دی جاتی ہے، یہ ڈیویڈنٹ کمپنی کے منافع کے اعتبار سے ہر برس کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

۲-ان حصص کی قیمت بھی ایک نہیں رہتی ہے، بلکہ یہ اس کمپنی کے حصص کی بازار(شیئر بازار) میں مانگ، اس کمپنی کی کارکردگی اور اس کے روشن مستقبل کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

۳-ہماری کمپنی ان کمپنیوں کے حصص میں سرمایہ نہیں لگاتی جو اسلامی قوانین کے مطابق ممنوع کاروبار میں ملوث ہیں، مثلاً شراب ساز کمپنیاں یا وہ کمپنیاں جن کا مقصد سود پر سرمایہ لگانا ہوتا ہے، یا ہوٹل جہاں شراب فروخت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

۴-موجودہ حالات کے پیش نظر ممکن ہے، کسی کمپنی نے جس کے حصص ہم نے خریدے ہوں کسی بینک سے سود پر قرض لیا ہو یا اپنے سرمایہ کا ایک قلیل حصہ کسی بینک میں بطور ڈپازٹ رکھا ہو۔

۵-ہر صورت میں ہمارا سرمایہ کسی بھی کمپنی میں اتنا زیادہ نہیں کہ ہم انہیں اس قسم کے قرضہ جات لینے یا بینک میں سرمایہ رکھنے سے روک سکیں۔

۶-ہندوستان کے موجودہ قوانین اور کاروباری فضا کی وجہ سے بڑی رقوم کے قرضہ جات سود پر حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے، سوائے چند گنے چنے اداروں کے جن کے ذریعہ صرف چھوٹی رقمیں ہی برائے قرض دستیاب ہوسکتی ہیں۔

۷-جب بھی ہم کسی کمپنی کے حصص خریدتے ہیں ہمارا مقصد اس میں سرمایہ کاری کرنا ہوتا ہے، نہ کہ جوا کرنا، عام طور پر ہم حصص کو اپنی ملکیت میں لے کر اس کی پوری قیمت ادا کردیتے ہیں، تاکہ بعد میں کچھ عرصہ بعد فروخت کرسکیں۔

۸-خریدنے اور فروخت کرنے کی تواریخ میں اوسطاً ایک سال کا وقفہ ہوتا ہے، ہماری آپ سے درخواست ہے کہ اس کا جواب ہمیں جلد از جلد روانہ کریں، اپنے جواب میں ذیل کی چیزوں کا ضرور خیال رکھیں:

(الف) آپ کے جواب میں اصل ماخذ قرآن شریف یا حضور ﷺ کی احادیث سے حوالہ دیا گیا ہو، اس کے علاوہ فقہ کی ان مستند کتابوں کا ذکر ہو جن سے کہ آپ نے استفادہ کیا ہو۔

(ب) آپ کے جواب میں آپ ان قیاسات اور دلائل کی کڑی پر روشنی ڈالیں جن کے ذریعہ آپ اصل ماخذ سے لے کر نتیجہ تک پہنچے ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-۲-ڈیوڈنٹ نفع کے حصہ کا نام ہوتا ہے، کل نفع کے کم وزیادہ ہونے کے اعتبار سے کم وزیادہ ہوتا رہتا ہے، اس

لیے یہ ربوا (سود) نہیں ہے، نیز ربوا تو سرمایہ کا متعین فیصدی ہوتا ہے، نفع کے کم وزیادہ ہونے یا نفع کے بالکل نہ ہونے سے وہ متعین فیصد کم یا زیادہ نہیں ہوتا، بلکہ حدیث پاک: **"کل قرض جر نفعاً فهو ربوا"** میں داخل ہوکر سود کا شرعی مفہوم اس پر صادق آجاتا ہے، اور وہ فیصد نفع حرام ہوجاتا ہے۔

س۔۴۔۵۔ جب آپ کا سرمایہ لگانا یا آپ کا حصص خریدنا ان جائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں سے درست وصحیح رہے گا اور یہ بات الگ ہوگی کہ وہ کمپنی خود قانونی مجبوری وغیرہ کی وجہ سے کسی بینک سے قرض لیتی ہو یا اپنا کچھ ڈپازٹ اس میں جمع کرتی ہو، اس کا اثر اس سے حصہ خریدنے والوں پر نہیں پڑے گا، اسی طرح جب آپ کا سرمایہ کسی کمپنی میں اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ آپ اس کے دباؤ سے اس کمپنی کو ایسے قرضہ جات لینے یا اس میں سرمایہ رکھنے سے روک سکیں تو اس سے بھی آپ کے جائز کاروبار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۶۔ جب قانون حکومت کی وجہ سے ایسی مجبوری ہو کہ بینک حکومت سے قرض لیے بغیر اپنا جائز کاروبار بھی چلانا دشوار ہو اور اپنے جائز وحلال مال کی حفاظت بھی مشکل ہو تو ایسی سخت مجبوری میں بینک حکومت سے صرف اتنا قرض لینا اور اپنا مال صرف اتنا بغرض تحفظ وحفاظت بینک میں رکھنا جس سے اپنے جائز کاروبار اور جائز مال کا تحفظ ہوسکے بقدر مجبوری اور بوجہ مجبوری کے گنجائش ہوجائے گی۔

البتہ چونکہ یہ سب پریشانیاں اور مجبوریاں اپنے ہی اعمال بد کی پاداش ہیں، جیسا کہ آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے، قال: **"بان الله لم يک مغيراً نعمة أنعمها على قوم حتى يغيروا ما بأنفسهم"** (۱) حاصل آیت کریمہ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو کوئی نعمت عنایت فرماتے ہیں تو جب تک وہ قوم خود اس نعمت کی ناقدری نہیں کرتی اس وقت تک اللہ تعالیٰ خود اس نعمت کو نہیں چھینتے۔

اللہ تعالیٰ نے سات سو برس مسلمانوں کو یہاں حکومت دے کر ہمارے اصلاح حال کا موقع عنایت فرمایا، مگر ہم نے اپنی حالت کی اصلاح کے بجائے اور اس میں خرابی پیدا کرلی تو اس کے پاداش میں سنت خداوندی نے ہم پہ جیسے ہم تھے ویسے ہی عمال حکومت مقرر فرمادیئے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: **"كما تكونوا يولى عليكم أو كما قال"** (۲) (یعنی جیسے تم نیک یا بد رہو گے ویسے ہی نیک وبد عمال تم پر مسلط کیے جائیں گے)، اور ایک صحیح حدیث میں ہے: **"اعمالکم**

۱- سورۂ انفال: ۵۳۔

۲- رواه الديلمي في مسند الفردوس عن أبي بكرة "كما تكونوا يول عليكم"۔

عمالکم"(۱) (یعنی تمہارے ہی بداعمال تم پر حکومت کرتے ہیں)۔

اس لیے ان مجبوریوں میں اگر چہ مذکورہ باتوں کی (قرض وغیرہ لے لینے کی) فقہی گنجائش ہوجائے، مگر اصلی علاج اوردین ودنیا کے فلاح کا راستہ یہی رہے گا کہ اپنے گناہوں پر توبہ واستغفار کرتے رہیں، خاص کر ان اعمال سے نجات پر جن میں مبتلا ہوکر ان محرمات کے ارتکاب کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں، نیز یہ پکی نیت رکھیں کہ جب ہمارے حالات بدل جائیں گے تو ایسے کام نہیں کریں گے۔

۷۔ یہ صورت جائز ہے اور یہ مقصد صحیح ہے۔

۸۔ جی ہاں خرید نے اور فروخت کرنے کے درمیان تقریباً ایک سال کا وقفہ رکھنا صحیح ہے۔

(الف) جواب کے ماخذ میں ایک آیت شریفہ اور دو حدیثیں پیش کردی گئی ہیں اور صحت دعویٰ کے لیے یہ بھی کافی ہیں، مگر مزید تشفی کے لیے ایک اور حدیث قدسی کا اخیر جملہ نقل کردیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے: "**إن العباد إذا عصوني حولت قلوبهم أي قلوب ملوكهم بالسخطة والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا انفسكم بالذكر والتضرع كي اكفيكم**"(۲)۔

یعنی اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے قلوب کو سخت گرفت کرنے والا اور سخت تکلیف دینے والا بنادیتا ہوں، پھر وہ بادشاہ لوگوں کو سخت سے سخت اور بدترین عذاب وتکالیف طرح طرح کی چکھاتا ہے، لہٰذا ایسے وقت میں تم لوگ بادشاہوں پر بددعا کرنے میں مشغول ہونے کے بجائے میری جانب تضرع وزاری اور میری جانب دعا میں مشغول ہوجاؤ‘‘ (یعنی اپنی اصلاح میں لگ کر صحیح توبہ میں مشغول ہوجاؤ) تاکہ میں خود تمہارے لیے کافی ہوجاؤں (اور چھٹکارے کا راستہ نکال دوں)۔

یہ طویل حدیث مشکوٰۃ شریف (ص ۳۲۳) میں منقول ہے، جس کا جی چاہے ’’مشکوٰۃ شریف‘‘ کی شرح ’’مرقات‘‘ میں تفصیل ملاحظہ فرمالیں۔

اور فقہ کی کتابوں میں ہمارا ماخذ: (المبسوط للسرخسی، احکام القرآن للجصاص، قواعد الفقہ، قاضی خاں، درمختار مع شرح ردالمحتار، بدائع الصنائع، وفتح القدیر وغیرہا ہیں، کالتحقیق السنی فی حصص کمپنی من امداد الفتاویٰ۔

۱- مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ حدیث: ۳۷۲۱۔

۲- رواہ ابونعیم فی الحلیۃ (مشکوٰۃ ۳۲۳)۔

ان معروضات میں احقر کے دلائل پر خود بخود روشنی پڑ جاتی ہے، خدا کرے کہ سب صحیح ہوں اگر صحیح ہوں تو من الله و إلا فمن نفسی، وما ابرئ نفسی وحینئذٍ نظهر الرجوع من الجواب الغیر الصحیح، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

نوٹ: حصص مساوی کی خرید وفروخت اس کا مفہوم واضح نہیں ہوسکا اگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ دوسری کمپنیوں کے حصص جس قیمت پر خرید تے ہیں اسی قیمت پر فروخت بھی کردیتے ہیں، نیز اس کا ڈیویڈنٹ ملتا ہے وہ بھی سب کا سب بعینہ اپنے خریداروں کو دیدیتے ہیں تو یہ اشکال ہے کہ پھر آپ کے دفتری اخراجات اس سلسلہ کے کس طرح پورے ہوتے ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ ان حصص مساوی کو جس قیمت پر خرید تے ہیں اسی قیمت پر فروخت کردیتے ہیں، مگر اس کو ڈیویڈنٹ میں سے کچھ کم کر کے اس کا ڈیویڈنٹ دیتے ہیں تو خریداروں کو اعتراض پیدا ہوگا اور پھر آپ سے ایسے حصص کیوں خریدے گا، نیز یہ اشکال بھی ہوگا کہ ان حصص کا ڈیویڈنٹ اگرچہ کم کردیں، مگر اپنی کمپنی کے حصص براہ راست فروخت کریں اس کا پورا ڈیویڈنٹ عام کمپنیوں کے اصول کے مطابق ڈیویڈنٹ کی یہ دورنگی بھی باعث اعتراض ہوگی اور اس کمپنی (فلاح انسٹی ٹیوٹ) کے ٹوٹ جانے کا سبب ہوگی۔

اور اگر اس لفظ (حصص مساوی کی خرید وفروخت) کا مفہوم کچھ اور ہے تو اس کو واضح فرمائیے، اس لیے کہ سوال کے اور جتنے نمبر ۲ سے لیکر ۸ تک لکھے گئے ہیں ان سے اس کے مفہوم کی وضاحت نہیں ہوتی اور حکم شرع کا علم اس کی وضاحت پر موقوف ہے، باقی ان نمبرات کے جواب مفہوم حصص مساوی سے قطع نظر کرتے ہوئے وہ لکھے جاچکے ہیں، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

مردار کی کھال کی خرید وفروخت کا حکم:

۱- اہاب میتہ کی بیع ازروئے شرع کیسی ہے؟ اگر بالغ کافر اور بلا دباغت اہاب میتہ کو فروخت کرتا ہے اور مشتری مسلمان ہے تو مسلمان کے لیے شراء درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں ہے اور کوئی مسلمان تاجر ایسا کرتا آرہا ہے تو اب کیا کرنا چاہئے؟ اور اس تجارت کے ذریعہ حاصل شدہ منافع کا کیا حکم ہے؟

اگر کسی مسلمان نے کافر سے اہاب میتہ کی خرید کی اور پھر مسلمان مشتری نے بھی کسی دوسرے مسلمان کے ہاتھ بلا

دباغت ہی فروخت کردی تو ہر دو مسلمان کی یہ بیع وشراء اور اس سے حاصل شدہ منافع کا حکم شرعی کیا ہوگا؟

اگر غیر مسلم جس نے کھال اتاری ہو یا کسی غیر مسلم ہی سے خرید کی ہو اور اس کو کسی مسلمان کے کارخانہ میں اپنے طور پر دباغت دے دے اور پھر صاحب کارخانہ مسلمان تاجر یا کوئی دوسرا مسلمان تاجر خرید لے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور صاحب کارخانہ اور دوسرے مسلمان تاجر کی شراء میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟

۲-غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے یا بلاتسمیہ ذبح کیے گئے جانوروں کی کھال اور میتہ کی کھال کا ایک ہی حکم ہے یا دونوں کے اندر امور مذکورہ بالا میں کوئی فرق ہے۔

۳-اگر کوئی مسلم تاجر کسی غیر مسلم نوکر کو روپے دیدے کہ تم اہاب میتہ کی خرید وفروخت کرو تو اس سے حاصل شدہ نفع مسلم تاجر کے لیے درست ہوگا یا نہیں؟

۴-یا اپنے کارندہ (نوکر) غیر مسلم کو قرض دیدے، تاکہ وہ خرید لاوے اور پھر دباغت کے بعد میں مسلمان تاجر کے ہاتھ نفع کے ساتھ یا دام کے دام فروخت کیا کرے تو کیا حکم ہوگا؟

۵-مسلمان تاجر نے کسی کافر سے اہاب میتہ کی خرید کی اور اب مسلم تاجر نے اس کو دباغت کے بعد کسی مسلم کے ہاتھ فروخت کیا تو ایسی صورت میں دونوں مسلم تاجروں کے لیے خرید فروخت درست ہوگی یا نہیں؟ اور نفع کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-مردار کی کھال دباغت سے پہلے کسی مسلمان کو خریدنا بیچنا کچھ بھی جائز نہیں یہ بیع باطل ہوتی ہے منعقد ہی نہیں ہوتی، ہاں دباغت کے بعد خواہ کچھ ہی دباغت سے پہلے آپ کی ملک میں رہے، یا آجائے مثلاً گھر کا جانور مر گیا یا کسی غیر مسلم کے ذریعہ اپنے پاس آ گئی اور اس مسلمان نے خود یا اپنے مزدور سے دباغت کرالی تو اب بعد دباغت اس کا بیچنا خریدنا نفع لینا سب جائز رہے گا، اسی طرح اگر کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان کی فیکٹری میں یا جس کا وہ ملازم ہے اس کی ہی فیکٹری میں خود دباغت دیدی تو اس کا بھی بعد دباغت کے خریدنا بیچنا سب مسلمانوں کو جائز ہوجائے گا، خواہ اسی فیکٹری کا مالک خریدے یا کوئی دوسرا خریدے، اسی طرح جو کھال دباغت شدہ کسی مسلمان کے پاس ہو تو اس کا اس سے خرید لینا اور پھر بیچنا سب جائز رہے گا، اور تجسس کی حاجت نہیں کہ کس نے دباغت دی ہے اگر کوئی غیر مدبوغ کھال کوئی مسلمان خریدے خواہ کسی غیر مسلم سے خرید لے یا مسلم سے خریدنے کے بعد اپنے کسی غیر مسلم ملازم سے یا اپنے غیر مسلم مزدوروں سے دباغت کرائے تو یہ فعل

نا جائز ہوگا، اب دباغت کے بعد جب وہ دباغت کرنے والے اس مسلمان کو وہ کھال دے دیں تو پھر اس کا خریدنا بیچنا بھی جائز ہوجائے گا۔

۲-دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور وہی حکم ہے جو نمبر ا کے جواب میں گزرا۔

۳-اس صورت میں مسلمان تاجر کے لئے اسی مسلمان تاجر کی جانب سے بیع بالوکالۃ ہوجائیگی اور اس طرح بھی یہ معاملہ جائز نہ رہے گا۔

۴-اگر بیذ و پیپد بینے والا یہ شرط نہ لگائے کہ بعد دباغت میرے ہی پاس فروخت کرو تو اس طرح اس کا بعد دباغت کے خریدنا پھر فروخت کرنا جائز ہوجائے گا، ورنہ "کل قرض جر نفعا" کے تحت آکر نا جائز ہوجائے گا۔

۵-پہلے مسلمان تاجر کے خریدنے کا عدم جواز تو اوپر کی تحریر میں آچکا اور دوسرے مسلمان تاجر کو جب تک یقین سے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ بیع غلط طریقہ سے ہوکر میرے پاس آرہی ہے، اس وقت تک خریدنا بیچنا سب جائز رہے گا، ہاں علم یقینی کے بعد ایسا کرنا جائز نہ رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

کمپنیوں کے شیئرز و بونڈ کی بیع وشراء کا حکم:

یہاں برطانیہ میں لوگ شیئرز اور بونڈ (Shares &Bond) دلال کمپنیوں سے خریدتے ہیں، جس کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے اور لوگ اپنا نفع ونقصان سوچ کر جب چاہیں فروخت کرکے اپنی لاگت نفع ونقصان کے تحت حاصل کرتے ہیں۔

ایسے بونڈ شیر وغیرہ خریدنا کیسا ہے؟ جب کہ یہ معلوم ہوجائے کہ دلال کمپنیاں ان رقوم سے بڑی بڑی کمپنیوں اور فیکٹریوں میں حصہ لینے کے علاوہ کچھ رقوم سود حاصل ہونے والی جگہوں پر بھی لگاتی ہیں، حالانکہ شیئرز بونڈ خریدنے والے کو براہ راست اس سے کوئی واسطہ نہیں، ان شیئرز بونڈ کی قیمت اخباروں میں بھی ہفتہ واری اشاعت ہوتی ہے۔شیئرز و بونڈ خریدنے والا تو رقم لگا کر شیئرز خریدتا ہے، لیکن فروخت کرنے والی دلال کمپنیاں اس رقم سے سود ملنے والی جگہوں پر بھی حصہ لیتی ہیں۔

الجواب وبالله التوفیق:

شیئرز حصوں کا نام ہے، شیئر کا مالک شیئر کے مطابق کمپنی کا حصہ دار اور مالک ہوتا ہے اور کمپنی کے سرمایہ وسامان واثاثہ وغیرہ سب چیزوں کا حسب شیئر زمالک ہوتا ہے، اور سرمایہ وسامان وغیرہ کی حیثیت وقیمت کی کمی وبیشی کے اعتبار سے شیئر کی حیثیت وقیمت بھی کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔ اور شیئر کا خریدنا وبیچنا ان حصوں کا اور ان حصوں میں داخل شدہ چیزوں کا خریدنا وبیچنا شمار ہوتا ہے اور اس کا جائز ہونا ظاہر ہے۔

بونڈ بھی ان ہی حصوں اور شیئرز کی سند کے درجہ کی چیز ہوتی ہے اور ان کے عرف میں ان کی خرید فروخت سے ان ہی حصوں کی بیع وشراء مراد ہوتی ہے اور بونڈ سند وحوالہ کے درجہ میں لئے دیئے جاتے ہیں، اس تاویل سے اس بیع وشراء کا حکم مثل شیئرز بیع وشراء کے حکم ہوگا، اور جائز رہے گا۔

دلال کمپنیوں کے دلال اور ان کے نائبین ووکلاء دلال یا دلال کے حکم میں ہوں گے اور بائع ومشتری کے درمیان محض واسطہ کے درجہ میں ہوں گے۔ خود اصل ہونے والے مالک شیئر یا اس کے اصل بائع ومشتری نہ ہوں گے اور جب ان سے اصل مالکان شیئرز نے سود حاصل ہونے والے معاملہ میں لگانے کے لیے نہ کہا ہو اور نہ خود ایسا کرلیا ہو تو وہ دلال خود اس معاملہ کے ذمہ دار ہوں گے اور اس کا مواخذہ اصل مالکان شیئرز سے نہ ہوگا اور نہ ان کے مال میں اس معاملہ کی خباثت ہی آوے گی جب کہ سود کا پیسہ ان کے پاس نہ آیا ہو۔

البتہ علم ہوجانے کے بعد کہ وہ دلال ایسا بھی کردیتے ہیں، ان کو منع کردیا جائے کہ وہ لوگ اس کے شیئرز وبونڈ کی رقم سود حاصل ہونے والی جگہوں میں نہ لگائیں، پھر اس کے بعد بھی اگر وہ لوگ ایسا کردیں گے تو عند اللہ وہ خود گنہگار ہوں گے اور مالکان شیئرز وبونڈ محفوظ وبری رہیں گے۔ **وهكذا يستفاد من تحقيق صاحب الفتاوى الامدادية نور الله مرقده۔ ایضاً**، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

بینک کے ذریعہ تجارت:

کچھ زمانہ پہلے معدودے چند ہی تاجر جو برطانیہ وغیرہ بیرون ہند سے بڑے بڑے کاروبار کرتے تھے بینک کے واسطہ سے لین دین کرتے تھے۔ پھر یہ طریقہ بڑھ کر اندرون ملک بھی بڑے بڑے کاروبار بینک کے واسطہ سے ہونے لگے،

لیکن اب تو یہ حال ہے کہ چھوٹی چھوٹی تجارت میں بھی مال و قیمت دونوں کی آمد بر آمد خواہ اندرون ملک ہی کیوں نہ ہو جہاں ڈاکخانہ کا واسطہ بلٹی قیمت بھیجنے میں ہوا، محض بینک کے ذریعہ و واسطہ سے ہونے لگی، اور بینک اکثر اصل قیمت سے زیادہ کچھ رقم مختلف طور سے سود کے نام سے وصول کرتا ہے، اگر کوئی شخص نقد کاروبار کرنا چاہے اور مال کی بلٹی و قیمت محض ڈاکخانہ کے ذریعہ سے بغیر توسط بینک کے درآمد برآمد کرنا چاہے تو سخت دشواریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، گویا آزاد کاروبار کرنا ناممکن سا ہو رہا ہے۔

لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو رقم بینک سود کے نام سے لیتا ہے وہ شرعاً سود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

بینک کے ذریعہ کاروبار کی مختلف و متعدد صورتیں ہوتی ہیں اور اس کے احکام بھی مختلف ہیں:

۱- مالک مال از خود بنک کا واسطہ اختیار کرتا ہے، خریدار اس کو پسند نہیں کرتا، مگر وہ بلٹی بینک کے واسطہ سے خریدار کے پاس بھیجتا ہے، اس میں مالک مال کو کئی فائدے ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ بینک سے قیمت فوراً نقد یا کم از کم مدت میں اور بہت آسانی سے وصول ہوجاتی ہے، دوسرے مال کے ضائع ہونے یا فریب و دھوکہ کھانے یا اور معاملہ میں پڑکر ڈوب جانے وغیرہ کے احتمالات بہت کم ہوجاتے ہیں۔

۲- کبھی مالک مال از خود نہیں بلکہ قانون وقت کے تقاضے سے مجبور ہوکر بینک کا واسطہ اختیار کرتا ہے اور پھر بقیہ عمل وہی کرتا ہے جو نمبر ۱ میں گزرا، اور خریدار اگرچہ اس کو پسند نہیں کرتا، مگر انکار بھی نہیں کرتا۔

۳- کبھی حکومت خود دخیل ہوکر بائع و مشتری کے درمیان بینک کو قانوناً واسطہ بنادیتی ہے، اور بنک کے ذریعہ سے خرید فروخت کراتی ہے، یہ دونوں صورتیں پہلی صورت کے اعتبار سے کم ہوتی ہیں۔

۴- کبھی بینک خود پیش کش کر کے یہ طریقۂ کار جو نمبر ایک میں گزرا مالک مال سے اختیار کرا لیتا ہے، کیونکہ اس طریقۂ کار میں بینک کو بھی فائدہ پہنچتا ہے، بینک کی آمدنی بڑھتی ہے، یہ صورت پہلی تینوں صورتوں سے کم ہوتی ہے۔

۵- کبھی یہ طریقۂ کار (بذریعہ بینک کاروبار) خود خریدار بھی اختیار کرتا ہے، مگر صرف ان صورتوں میں جب خریدار کے پاس اتنا سرمایہ نہیں رہتا کہ ہمیشہ نقد ہی قیمت ادا کر سکے، یا کوئی مجبوری قانونی ہوتی ہے یا راستہ وغیرہ کے خطرہ سے

حفاظت مقصود ہوتی ہے۔

۶- انہی مواقع میں کبھی بینک خود بھی پیش کش کر کے خریدار سے براہ راست یہ طریقہ کار اختیار کرلیتا ہے، یہ اخیر کی دونوں صورتیں بہ نسبت پہلی چار صورتوں کے اور بھی بہت کم ہوتی ہیں، اس لیے کہ اس میں خریدار کو اگر چہ فائدے بھی ہوتے ہیں، مگر اس پر کچھ خرچ کا بار زائد ہوتا ہے، نیز کچھ ذمہ داریاں اور پریشانیاں بھی سوار ہوجاتی ہیں، ان چھ صورتوں میں سے پہلی چار صورتوں میں بنک سے خریدار کے قرض لینے یا بنک کو قرض پر نفع دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ان صورتوں میں خریدار بینک سے قرض کا کوئی معاملہ ہی نہیں کرتا، بلکہ مالک خود یا حکومت یا خود دونوں براہ راست بینک سے اپنا معاملہ کر کے اس کو اپنا وکیل یا ڈیلر بناتے ہیں یا بینک خود ڈیل ہوکر بجائے خریدار کے مالک مال سے اپنا معاملہ کرلیتا ہے اور اس کی ہدایت کے مطابق خود جو معاملہ چاہتا ہے کرتا ہے، اس میں خریدار بینک سے کہنے نہیں جاتا کہ میری طرف سے اتنا قرضہ دے دو، بلکہ یہ صورت قریب قریب ویسی ہی ہوتی ہے جیسی صورت اصل پرائیویٹ فنڈ میں ہوتی ہے کہ محکمہ خود معاملہ چاہتا ہے اپنے ملازم کے ساتھ کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ملازم کی تنخواہ سے وضع کردہ روپیوں کے مثل خود اضافہ کرتا ہے یا مثلاً خود ہی نام نہاد جمع شدہ فنڈ پر سود یا سود در سود وغیرہ کے نام سے کچھ رقم بڑھاتا رہتا ہے، لیکن کوئی اس کو سود نہیں کہتا، پس جس طرح وہاں سود کا تحقق نہیں ہوتا یہاں بھی نہ ہوگا، کیونکہ سود کا تحقق عقود معاوضہ میں ہوتا ہے اور یہاں سرے سے خریدار کا بینک سے کوئی عقد ہی نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے۔

اور پانچویں وچھٹی صورت میں (جب خریدار خود بینک کا واسطہ اختیار کرے یا بینک خود براہ راست خریدار سے معاملہ کرے) بھی صورتیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ (یہاں الف، ب، ج، د) کے عنوان سے چھ صورتیں لکھی جاتی ہیں:

الف- خریدار کا نقد سرمایہ بنک میں داخل وموجود ہے اور بنک خود مالک مال کو قیمت جمع کردیتا ہے تو اس کو بھی خریدار کا قرض لینا نہیں کہیں گے، بلکہ اسی جمع شدہ سرمایہ سے ادا کرنا یا جمع کرنا محسوس کرینگے، اور بینک کو اس کا ڈیلر یا وکیل کہیں گے اور جو پیسے بینک خریدار سے مزید وصول کرے گا اس کو اس کے عمل کی اجرت قرار دیں۔

ب- خریدار کا کچھ سرمایہ بینک میں جمع نہیں ہے، لیکن بینک ازخود ادائیگی ثمن کی مقررہ مدت سے قبل ہی مالک مال کو قیمت ادا کردے تو بھی خریدار کا قرض لینا نہ کہیں گے، اور پھر بینک خریدار سے جو رقم اصل قیمت ادا کردے تو بھی خریدار کا قرض لینا نہ کہیں گے، اور پھر بینک خریدار سے جو رقم اصل قیمت سے زائد لے گا، اس کو سود کہنا ضروری نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے۔

ج- ادائیگی ثمن کی مقررہ تاریخ ختم ہونے کے بعد اگر بینک ازخود قیمت جمع کردے، لیکن خریدار سے کوئی معاملہ نہ

کرے، جب بھی قرض لینا صادق نہ آئے گا اور اس پر بینک جو رقم اصل ثمن سے زائد لے گا، اس کو سود کہنا ضروری نہ ہوگا۔

د- اسی طرح اگر خریدار کا کچھ سرمایہ بینک میں جمع نہ ہو، لیکن بینک مال کو اپنے قبضہ ونگرانی میں لیکر قیمت مال کی جمع کردے، پھر جب خریدار قیمت ادا کرے اس کے بعد مال پر قبضہ کرنے دے تو اس صورت میں بھی قرض لینے کا معاملہ خریدار سے نہ ہوگا اور جو پیسے بینک لے گا وہ بجائے سود کے اجرت عمل شمار ہوگی۔

ھ- ان تمام صورتوں میں خواہ پہلی نمبر وار چھ صورتیں ہوں یا یہ الف، با وغیرہ پانچ صورتیں ہوں، سب میں اگر بینک اپنے پاس سے قیمت مال ادا نہ کرے، بلکہ خریدار جس جس طرح قیمت ادا کرتا جائے باقساط یا قسط واحد بینک وصول کر کے محض وہ قیمت مالک مال کو دیتا جائے تو اس صورت میں بھی جو پیسہ خریدار سے یا مالک مال سے بینک طے کر کے خود لے گا، وہ سود نہ ہوگا، بلکہ وہ اس کی اجرت وحق المحنت ہوگی، اور یہ دینا لینا جائز رہے گا۔

و- البتہ اگر خریدار بینک سے واقعی قرض لے کر خود مالک کو قیمت ادا کردے یا بینک سے قرض لینے کا معاملہ کرے، مثلاً اس طرح معاملہ کرے کہ تم مالک مال (بائع) کو میری طرف سے قیمت ادا کردیا کرو، میں بعد میں تم کو ادا کردیا کروں گا، تو بیشک یہ دونوں معاملے قرض کے ہوں گے، پہلا خالص قرض کا اور دوسرا قرض اور وکالت دونوں کا ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں بینک اپنے دیئے ہوئے روپیہ سے زائد رقم جو خریدار سے وصول کرے گا وہ بلاشبہ سود ہوگی، اور اس صورت میں بیشک سود دینے کا ارتکاب خریدار سے ہوگا، جسکی اجازت بغیر شدید حاجت کے نہ ہوگی، مثلاً بغیر قرض لئے کام نہ چلتا ہو اور بنک کے علاوہ کہیں اور سے قرض نہ ملتا ہو، یا ملتا ہو، مگر باعتبار بینک کے سود زیادہ دینا پڑتا ہو، یا مثلاً کوئی قانونی مجبوری ایسی ہوجائے کہ بغیر توسط بینک کاروبار نہ ہوسکے، "الاشباہ والنظائر" میں ہے: **"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**(۱) اور اسی طرح اس کی شرح حموی میں ہے۔

تنبیہ: یہ حوادث الفتاوی کے قسم کی چیز ہے، اس لئے اور علماء فحول بھی اس پر غور فرما کر اس کے صحت وسقم پر اپنی رائے ظاہر فرما کر مستفید فرمائیں۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- الاشباہ والنظائر، ص ۱۰۹ فی آخر القاعدۃ الخامسۃ۔

گنے کی پرچی خریدنا:

ہمارے علاقے میں ایک طرح کا کاروبار ہوتا ہے، وہ یہ کہ کاشت کار چینی ملوں کو اپنا گنا دیتے ہیں، اور چینی مل کی طرف سے کاشت کاروں کو ایک رسید کا پرزہ ملتا ہے جس پر گنے کا وزن وغیرہ تحریر ہوتا ہے، دو ہفتہ یا ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ مدت بعد اس رسید کے پرزے کو پیش کرنے پر مل کی طرف سے گنے کا حساب ملتا ہے۔ بعض کاشت کار جو اتنے دنوں تک انتظار نہیں کر سکتے وہ پرزہ کی اصلی قیمت سے تین چار روپیہ کم پر اس پرزہ کو خرید لیتے ہیں اور جب مل کی طرف سے حساب ملنے لگتا ہے تو اس پرزہ کو پیش کر کے مل سے اس کا حساب لے لیتے ہیں۔ ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ رسید کا پرزہ خریدنے کا کام کرنے والے لوگ کاشت کار کو اپنے پاس سے چالان دیتے ہیں جس کی قیمت چار پانچ روپے ہوتی ہے۔ یہ چالان مل میں گنا لے جانے کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔ کاشت کار مل میں گنا گرا کر اور رسید کا پرزہ لے کر آتا ہے تو پرزہ کا خریدار اکٹھے چالان کا دام اور تین چار روپئے اور کاٹ کر باقی حساب کاشت کار کو دے دیتا ہے اور جب مل سے حساب ملنے لگتا ہے تو اس پرزہ کو پیش کر کے اس کا حساب لے لیتا ہے، سوال یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے پرزہ خریدنے کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم مدلل جواب دیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب وباللہ التوفیق:

رسید کا پرزہ قیمت ملنے کا ذریعہ ہے، خود کوئی مال نہیں ہے۔ اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے، ہاں اگر پرچی (رسید کا پرزہ) بیچنے والے اور خریدنے والے بجائے خریدنے بیچنے کے اس طرح معاملہ کر لیں کہ پرچی کا مالک (گنا بیچنے والا) پرچی خریدنے والے سے یہ کہے کہ یہ گنے کی پرچیاں ہیں اس کو تم لے جاؤ مل سے اس کی رقم وصول کر لاؤ ہم تم کو اجرت میں فی پرچی اتنا (تین روپیہ یا دو روپیہ) دیں گے، یا یہ کہے کہ ہم تم کو لائی ہوئی رقم میں دو روپیہ سیکڑہ یا جتنا طے ہو جائے دیں گے تو یہ معاملہ اجارہ کا ہو کر جائز رہے گا، اور نتیجہ میں کوئی فرق نہ پڑے گا، نہ صرف قاعدہ شرع اور حکم شرع کے مطابق ہو جانے کی وجہ سے جائز ہوگا، بلکہ باعث ثواب بھی ہوگا۔

یہ تاویل جواز اس صورت کی ہے جب پرچی بیچنے والا فوراً روپیہ خریدنے والے سے نہ لے، لیکن اگر پرچی بیچنے والا خریدنے والے سے فوراً اس کی قیمت لینا چاہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس کے لئے یہ حیلہ کر لینے کے بعد پھر دوسرا معاملہ اس طرح کرے کہ جتنے روپئے خریدنے والے سے لینا چاہتا ہے، اتنا روپیہ بطور قرض فی الوقت لے لے اور اس سے

کہے کہ پرچی کا روپیہ وصول ہونے کی تاریخ میں جب اس کا روپیہ وصول کر کے لاؤ گے اس وقت یہ قرض وصول کر لینا۔

دوسری صورت میں پرچی خریدنے والے جو کاشت کاروں کو چالان دے کر چالان کی قیمت وصول کرتے ہیں، اگر اس چالان کو دینے اور اس کی قیمت لینے کا مل مالکوں نے قانون بنایا ہے اور گورنمنٹ کی اجازت سے بنایا ہے تو جب تو یہ تاویل ہوگی کہ یہ وہ چالان کی قیمت نہیں ہے، بلکہ اجازت نامہ ملنے کی فیس ہے اور یہ دینا لینا درست ہوگا، ورنہ یہ رشوت ہوگی۔ جس کے دفعیہ کے لیے مناسب کارروائی کرنی چاہئے اور مجبوری میں دینے کی گنجائش رہے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/ ۱۲/ ۹۲ ۱۳ھ

تجارت کے فروغ کی ایک اسکیم کا حکم:

ایک شخص اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہ صورت اختیار کرتا ہے کہ ایک گھڑی کی قیمت سو روپے ۱۰۰/ ہے اور بازار میں بھی اسی قیمت پر ملتی ہے اسکے واسطے پچاس ممبر بنائے گئے دس دس روپے کے، یہ اسکیم دس مہینہ چلائی جائے گی۔ پہلے مہینہ جس شخص کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا اس کو دس روپئے میں گھڑی دے کر اس کا نام ممبری سے خارج کر دیا جائے گا، اسی طرح سے نو ماہ تک جس کا نام آتا جائے گا۔ اس کو گھڑی دے کر ممبری سے اس کا نام خارج کر دیا جائے گا، اور ان سے پیسے نہیں لیے جائیں گے۔

دسویں مہینہ اکتالیس اشخاص جو بچے ان کو ایک ایک گھڑی دے کر اسکیم ختم کر دی جائے گی، اس صورت میں کسی کو دس روپئے میں کسی کو بیس روپئے میں کسی کو چالیس روپئے میں، یہاں تک کہ کسی کو سو ۱۰۰/ میں گھڑی ملے گی، لیکن قرعہ اندازی ضرور ہوگی۔

اب آپ حضرات سے دریافت طلب ہے کہ آیا شرعاً یہ صورت تجارت کے فروغ کی جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس طریق کار کا حاصل یہ ہے کہ یہ گھڑی بازار میں سو ۱۰۰/ روپئے کی ملتی ہے اور اس دوکاندار نے کسی گاہک سے زائد نہیں لئے، بلکہ اپنی طرف سے پچاس گھڑیوں کا دام جو پچاس سو روپیہ ہوتا تھا بجائے پچاس سو روپیہ کی چھوٹ دیدی۔ اور

کسی گاہک سے سوروپیہ سے زائد (جو اصلی قیمت تھی) نہیں لیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی گاہک کچھ قسطیں دیکر مرجائے اورگھڑی ملنے سے پہلے مرجائے تو اس کو اس کی دی ہوئی قسط واپس ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر دی ہوئی قسط واپس دے دی جاتی ہےتو یہ محض چھوٹ ہوئی، جوا نہیں ہوا، اور معاملہ بالکل جائز رہا، اور محض تجارت کوفروغ دینے کا طریقہ ہوگیا، اوراگر دی ہوئی قسط (رقم) واپس نہیں کی جاتی تو جوا ہوگیا اور یہ معاملہ ناجائز ہوگیا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

خاندان کا مشترک کاروبار اور تقسیم متروکات:

دو بھائی تھے بڑا مسمی عبدالرؤف اور چھوٹا محمد شریف، بڑا بھائی سرکاری ملازم تھا، اور چھوٹا بھائی کاروبار میں لگا ہوا تھا، اور دونوں ساتھ کھاتے پیتے اور گھریلو سارے کام مشترک طور پر کرتے تھے۔ چھوٹے بھائی نے ایک ہوٹل کیا اور خود چلانے لگے، پھر کچھ دنوں بعد چھوٹے بھائی کے لڑکے اسفندیار بھی ان کے ساتھ ہوٹل میں لگ گئے، پھر کچھ عرصہ بعد اسفندیار بھی سرکاری ملازم ہوگیا اور کچھ دنوں بعد چھوٹے بھائی محمد شریف گھر پر رہنے لگے، چونکہ اسفندیار سرکاری ملازم ہوگئے تھے اور ان کے باپ گھر رہنے لگے، اس لئے ہوٹل کا حال خراب ہوگیا، اس لئے ایک صاحب مسمی الیاس کو ہوٹل اس شرط پر دے دیا گیا کہ نصف آمدنی اسفندیار پسر مسمی محمد شریف کو ملے گی اور نصف الیاس صاحب لیں گے، محمد شریف کے بڑے بھائی عبدالرؤف نے اپنی ذاتی کمائی سے دورکشے بنوائے تھے جو چل رہے تھے، کچھ عرصہ بعد عبدالروف کا جو بڑا بھائی تھا اس کا انتقال ہوگیا، تو ان کے چھوٹے بھائی محمد شریف نے گھر کا انتظام مشترک طور پر سنبھال لیا، اور عبدالرؤف صاحب مرحوم کے جے۔ پی فنڈ سے جو پانچ سوروپیہ ملا وہ بھی شریف نے لے کر گھر کے مصرف میں اور دوکان مذکور کے قرض ادا کرنے میں یہ کہہ کر لگادیا کہ خاندان کا سب کام مشترک ہے، لہذا یہ روپیہ سب کے کام میں لگا دیا جائے گا۔ پھر کچھ دنوں بعد شریف صاحب نے اپنے مرحوم بڑے بھائی کے اکیلے لڑکے مسمی عبدالرزاق صاحب کو الگ کردیا، اور بڑے بھائی کی ذاتی کمائی سے جو دورکشے چل رہے تھے ایک بڑے بھائی عبدالرؤف کے اکیلے لڑکے عبدالرزاق کو دیدیا، اور ایک خود یہ کہہ کر لے لیا کہ سب چیز مشترک ہے تو آدھا میرا ہے اور آدھا تمہارا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عبدالرؤف کی کمائی کے پانچ سو روپئے بھی شریف نے لے کر گھر میں لگادیئے اور رکشہ میں سے بھی بٹوارہ کرلیا، لیکن شریف نے جو ہوٹل کیا تھا جس کو شریف نے عبدالرؤف کے لڑکے عبدالرزاق کو کچھ نہیں دیا، لہذا عبدالرزاق کا کہنا یہ ہے کہ جب میرے باپ کی کمائی میں آدھا آدھا

بٹوارہ ہوگیا ہے تو چچا کی کمائی ہوٹل میں سے مجھے بھی حصہ مل جانا چاہئے اور اگر چچا کی کمائی سے حصہ نہیں ملتا ہے تو پھر چچا نے ایک رکشہ اور مبلغ پانچ سو (۵۰۰) روپے جو میرے والد کی کمائی کے تھے کس طرح کے لئے ہیں وہ مجھے واپس ملنی چاہئے۔

۱- کیا عبدالرؤف اور شریف کی مشترک کمائی جو ہوٹل اور رکشہ ونقد پانچ سو روپے کی شکل میں تھے اس میں دونوں کے لڑکوں کو آدھا آدھا ملے گا یا کس حساب سے ملے گا؟

۲- اگر دونوں کی کمائی الگ سمجھی جاتی ہے تو پھر عبدالرؤف کے لڑکے عبدالرزاق کو پانچ سو روپے اور ایک رکشہ جو چچا نے لے لیا ہے ملے گا یا نہیں؟ اور شریف کی کمائی ہوٹل ان کے سب لڑکوں کو ملے گا یا صرف اسفندیار کو ملے گا جن کا نام شرائط نامہ مذکورہ بالا میں ہے؟

۳- جب محمد شریف نے اپنے بڑے بھائی کی کمائی سے مشترک ہونے کے ناطے آدھا بنالیا تو پھر محمد شریف کی کمائی ہوٹل سے بڑے بھائی کے لڑکے عبدالرزاق کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

۴- اس وقت دونوں بھائی عبدالرؤف اور محمد شریف انتقال کر چکے، دونوں کے لڑکے اس طرح ہیں کہ عبدالرؤف کے صرف ایک لڑکا عبدالرزاق ہے اور محمد شریف کے تین لڑکے اسفندیار، محمد عیسیٰ اور محمد قمر ہیں۔ مفصل اور واضح طور پر تحریر فرمائیے کہ کس کس کو شرعاً کتنا حصہ ملے گا، تاکہ جھگڑا ختم ہوجائے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

عبدالرؤف کی زندگی تک سب معاملات کھانا پیا رہنا سہنا مشترک تھا۔ عبدالرؤف کے انتقال کے کچھ دنوں بعد عبدالرؤف کے لڑکے عبدالرزاق الگ کردیئے گئے شرکت ختم ہوگئی۔ اس وقت ہر چیز نصف نصف تقسیم کر دینی چاہئے تھی اور سارے معاملات صاف کر لینے چاہئے تھے، ایسا نہیں ہوا، اب شرعی حکم یہ ہے کہ مبلغ پانچ سو روپے چونکہ مشترک رہنے کے زمانے میں خرچ ہوگئے ہیں، اس لئے مطالبہ کرنے کا حق نہیں، البتہ رکشہ جس کو عبدالرؤف نے اپنی ملازمت کے زمانے کے الگ اور ذاتی روپیہ سے خریدا ہے، اگر حقیقتاً واقعہ ایسا ہی ہے تو وہ دونوں رکشے تنہا عبدالرؤف کے ورثاء کو ملنے چاہئیں۔ عبدالرؤف کے ورثاء میں اگر تنہا ان کا لڑکا ہی ہے تو وہی اس کا مستحق ہوگا اور ہوٹل چونکہ مشترک رہنے کے دور میں شروع کیا گیا، اور محمد شریف (ہوٹل شروع کرنیوالا) کی الگ کمائی نہیں ملازمت وغیرہ نہیں تھی، اس لئے ظاہر ومتبادر یہی ہے کہ مشترک سرمایہ سے شروع ہوا، اس لئے اس میں محمد شریف اور عبدالرؤف دونوں کی شرکت ہوگی، اور اس میں نصف عبدالرؤف کے

ورثاء کا حق ہوگا، عبدالرؤف کے ورثاء میں جب صرف وہ ایک ہی لڑکا عبدالرزاق ہے تو ہوٹل میں نصف عبدالرؤف کا ہوگا اور نصف میں محمد شریف کے سب لڑکے شریک متصور ہوں گے۔

اسفندیار کا باپ کے ساتھ ہوٹل کے کام میں لگنے سے وہ ہوٹل اسفندیار کا شمار نہ ہوگا اور محض اسفندیار تنہا اس کے مالک شمار نہ ہوں گے، بلکہ وہ محمد شریف کے معین ومددگار شمار ہوں گے اور ہوٹل محمد شریف وعبدالرؤف کا مشترک ہی شمار ہوگا، اسی طرح محمد الیاس کے ساتھ معاملہ کرتے وقت شرائط نامہ میں (اس اندراج سے کہ نصف آمدنی اسفندیار کی اور نصف محمد الیاس کی لکھدینے سے) وہ ہوٹل تنہا اسفندیار کا شمار نہ ہوگا، بلکہ محض نصف محمد شریف کا رہے گا اور ان کے انتقال کے بعد ان کے تینوں لڑکوں کا ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/ ۱۲/ ۹۲ ۱۳ھ

کیمبریج میں مکان خریدنے کی ایک صورت کا حکم:

ہم نے کیمبرج میں مسلمانوں کی ایک جماعت بنائی ہے جس میں پچیس افراد ہیں۔ یہاں شہر میں کوئی بھی مسجد نہیں ہے جس کی وجہ سے فی الحال کرایہ پر مکان لیکر سب مل کر پانچوں وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ اور اسی مکان میں مدرسہ بھی چلتا ہے۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے کوئی دوسرا ہال کرایہ پر لے کر نماز ادا کرتے ہیں، ہم لوگ مسجد اور مدرسہ کی ملکیت خریدنے کی کوشش میں ہیں فی الحال ہماری سوسائٹی کے پاس اندازاً تین ہزار ڈالر جمع ہوئے ہیں اور اندازاً آٹھ سے نو ہزار ڈالر جمع ہونے کی امید ہے، اتنا مال سوسائٹی کے ۲۵ ممبروں پر ہوگا، اور مسجد، مدرسہ کی ملکیت کو خریدنے کے لئے پچاس سے ساٹھ ہزار چاہئے، لیکن اتنی رقم کس وقت تک جمع ہوسکتی ہے وہ خدا کے علاوہ کوئی جان نہیں سکتا۔

یہاں کے تمام لوگ ملکیت خرید بھی لیں، لیکن یہاں پر رواج یہ ہے کہ تمہاری پوری رقم نہ ہو تو جتنی بھی رقم ہو، تمہارے پاس جمع ہوتی ہے، جس کو (DOWNPAYMENT) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور بقیہ رقم ہر مہینے یا ہفتہ واری جمع کریں، جہاں تک پوری رقم جمع نہیں ہوجائے گی وہاں تک بائع تقریباً تیرہ فیصد روپیہ سود مانگتا ہے۔ اگر پچاس سے ساٹھ ہزار کی قیمت کے مکان ہوں تو ہر مہینہ تقریباً چھ سو سے سات سو ڈالر ادائیگی کی رقم ہوتی ہے۔ جس وقت تک پورے مکان کی قیمت کی ادائیگی نہ ہوگی اس وقت تک مکان کی قیمت کا سود اصل قیمت سے دو تین گنا زائد ہوگا۔ ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اگر (DOWNPAYMENT) زیادہ دیں تو ماہانہ ہفتہ وار کرایہ کی رقم تقریباً برابر ہوتی ہے، لیکن اگر

(DOWNPAYMENT) ادا کریں تو ماہانہ ہفتے کی رقم کرایہ کی رقم سے دوگنی ہوتی ہے۔تو کیا سود کے روپئے سے مکان خرید لیں یا کرایہ سے اسی مکان کو چلاتے رہیں۔فی الحال جو مکان لے رکھا ہے وہ بہت ہی چھوٹا ہے جس کا ماہانہ کرایہ ایک سو ڈالر ہوتا ہے، اور اس مکان میں ۲۵ آدمی نماز پڑھ سکیں ایسا انتظام ہے، بعدہٗ اس مکان کے دائیں بائیں جانب مسلمانوں کی آبادی ہے، نتیجتاً نمازی کو طلبہ کے پڑھنے کی آواز سے تکلیف نہیں ہے، لیکن مستقبل میں یہ مکان خالی کرنا پڑے تو بعد میں پھر سے ایک مکان کرایہ پر رکھنا پڑے گا جس کا کرایہ ماہانہ دوسو ڈالر سے تین سوڈالر تک ہوگا۔پھر یہاں ایک ساتھ میں سب لوگوں کا جمع ہونا اسے غیر مسلم پسند نہیں کرتے، اس لیے کرایہ کے مکان میں کبھی بھی تکلیف کا ہونا لازم ہے، اس لئے کہ مالک مکان مہینہ کی نوٹس دے کر خالی کرادیں تب پھر سے مکان کی ضرورت آئے گی، ابھی قریب میں پوری رقم دے کر بھی مکان خرید سکیں، ایسی توقع نہیں ہے، پھر مکان کی قیمت اور کرایہ بھی ہر سال بڑھتا جارہا ہے، نتیجتاً مکان بورڈگیج سے خریدنا مناسب معلوم ہوتا ہے، بہت سے مسلمان بھائیوں نے اپنے رہنے کے لئے اس طرح سے مکان خرید لیے ہیں، لہذا مذکورہ حقیقت کو دھیان دے کر شریعت کی رو سے لکھ کر مہربانی فرمادیں۔

☆ مطلب یہ ہے کہ جو رقم جمع ہو اس رقم کو (DOWNPAYMENT) طریقے سے دیکر بقیہ رقم کو ہر مہینہ یا ہفتہ بھر کر مسجد یا مدرسہ کا مکان خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

☆ ہم اس طریقہ سے نہ کریں تو مسلمانوں کے لیے ہم کو کیا کرنا چاہئے؟

☆ ہر مسلمان اس طرح سے (بورڈگیج طریقہ سے) مکان استعمال کے لیے خرید سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: یہاں دنیا کے گوشہ گوشہ سے مسلمان آکر بسے ہوئے ہیں، لہذا ان سوالوں کا جواب قرآن شریف اور حدیث شریف کی روشنی میں دیں اور بعد میں حنفی مذہب کا حوالہ دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب وبالله التوفيق:

حسب تحریر تذکرہ سوال تعمیر عمارت کی بیشک اشد ضرورت ہے اور جلد پورا ہوجانا بھی بے حد ضروری ہے۔پس اگر خرید عمارت کے لئے نقد قیمت کا فراہم ہونا دشوار ہے تو بہتر صورت یہ ہے کہ جن لوگوں کو بینک میں جمع کئے ہوئے سرمایہ پر سود کے نام سے کچھ رقم مل رہی ہو، وہ لوگ اس کو بینک سے نکال کر ضرورت کے مقدار اکٹھا کرلیں، پھر کسی غریب مستحق زکوٰۃ شخص کو اس خرید میں چندہ کے ذریعہ شریک ہونے کی ترغیب دے کر اور اس کے فوائد وثواب بتلا کر اس سے کہا جائے کہ تم

اتنے روپئے کسی سے قرض لاکر بطور چندہ کے اس کے لیے دے دو، تمہارا قرض ادا کردیا جائے گا، تم کو بھی اس چندہ دینے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔

پھر موقعہ ہو تو قرض بھی اپنے پاس سے دے دیا جائے، یا کسی سے دلا دیا جائے پھر جب وہ شخص قرض لاکر بطور چندہ کے یا عطیہ کے دے دے تو وہ سود والا روپیہ اس کو دے کر مالک بنادیا جائے، پھر قرض خواہ اسی وقت یا جب مناسب ہو اپنا قرض اس سے وصول کرے۔ اور یہ بھی کرسکتے ہیں کہ سود والی کل رقم اس مستحق کو اس کام میں شریک ہونے اور عطیہ دینے کا ثواب بتلا کر دے دیں اور دیکر اس کو اس رقم کا مالک مختار بنادیں، پھر وہ شخص اپنی طرف سے بطور عطیہ کے اس خرید کے لیے دیدے اور اس روپئے سے بجائے ادھار خریدنے کے نقد خرید لیا جائے۔

اور اگر اس طرح نقد خرید لینے میں کالا روپیہ وغیرہ ہونے کا خطرہ ہو تو اس سے قانونی حفاظت کرلی جائے۔ مثلاً یہ کہ فلاں فلاں سے قرض لے کر خریدا ہے، یا چندہ سے خریدا ہے وغیرہ ذلک۔ یہ صورت حنفیہ کے نزدیک بھی بے ضرر و بے خطر جائز ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/۱/۹۶ ۱۳ھ

الجواب صحیح: محمد غفرلہ

واپسی کی شرط کے ساتھ دوکان کی بیع:

بندہ نے اپنی ایک دوکان زید کے ہاتھ فروخت کی اس شرط کے ساتھ کہ دس سال تک اگر میرا لڑکا اس رقم کو واپس کر کے یہ جائیداد واپس لینا چاہے تو اسے دیدیا جائے اور اسی دوکان میں بندہ کا لڑکا دوکان کرتا ہے، اور راسکا کرایہ Rs300/- ماہانہ زید کو ادا کرنا طے پایا ہے، آیا اس سے کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ جائیداد کی قیمت بندہ کو زید دے چکا ہے اور وہ رقم فی الحال واپس نہیں مل سکتی، اس لئے جو مسئلہ حد جواز میں ہو بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

حاجی بشیر احمد (محلہ کوجرواڑہ دیوبند)

الجواب وباللہ التوفیق:

عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ (بائعہ نے) دوکان کو محض کسی مدت معینہ کے لئے بیع نہیں کیا ہے بیع کے

حلب عقد میں کسی معینہ مدت تک کے لئے بیع کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ عقد بیع مطلق ہے، البتہ عقد بیع کے منافی ایک شرط بصورت درخواست لگایا ہے کہ دس سال تک اگر میرا لڑکا اس رقم کو واپس کر کے جائیداد واپس لینا چاہے تو اسے واپس دیدیا جائے۔

پس اگر واقعہ یہی ہے اور دستاویز بیع نامہ کا بھی یہی مضمون ہے تو یہ بیع بیع میعادی یا بیع بالوفاء نہیں ہے (۱)، بلکہ یہ بیع قطعی دائمی ہے، البتہ عقد بیع کے منافی ایک شرط لگا دینے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگی، لأن النبی ﷺ **نھی عن بیع و شرط** او کما قال (۲)، اور بیع فاسد کا حکم یا تو فسخ بیع ہے یا سبب فساد کو ختم کر کے بیع کو صحیح بنالینا ہے پس حکم شرعی یہ نکلا کہ یا تو دونوں (بائع و مشتری) اس بیع کو توڑ دیں اور فسخ کر دیں، یعنی مشتری کو ثمن واپس کر دے اور مشتری بائع کو مبیع واپس کر دے یا بائع واپسی کی اس شرط کو ختم کر کے پہلے بالقطع و قطعی قرار دے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مشتری چند گواہوں کے سامنے بائع سے کہہ دے کہ اگر تم اس بیع کو فسخ نہیں کرتے ہو تو میں واپسی کی اس شرط فاسد کو ختم کرتا ہوں اب میں واپس کرنے کا شرعاً پابند نہیں ہوں گا، اب اگر بائع اس بات کو تسلیم کرے اور موافقت کرے تو ٹھیک ہے ورنہ بیع کا فساد ختم ہو کر بیع صحیح ہو جائے گی (۳)، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

تجارتی حصص کی خریداری اور اس پر منافع کا حکم:

ہندوستان میں بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے تجارتی حصص Shares لینا جائز ہے یا نہیں، ان تجارتی حصص پر منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ وہ کمپنیاں حلال اور جائز چیزیں بناتی اور خرید فروخت کرتی ہیں سنتے ہیں کہ وہ روپیہ Current اکاؤنٹ میں رکھتی ہیں جسمیں سود نہیں ملتا ہے بچت کھاتہ میں رکھنے سے وہ ایک بار سے زیادہ ایک دن میں نہیں نکال سکتی ہیں جبکہ تجارت میں دن میں کتنی ہی بار روپیہ نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

۱- ''صورته أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن رد عليه العين'' (الدر المختار مع رد المحتار ۷/۵۴۵)۔

۲- صاحب نصب الرایہ نے اس کی نسبت طبرانی کی طرف کیا ہے قلت: رواه الطبراني في معجمه الأوسط (نصب الرایہ ۴/۱۷)۔

۳- ''ثم جملة المذهب فيه أن يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشتري لا يفسد العقد لثبوته بدون الشرط، وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده'' (الہدایہ ۳/۵۹ باب البیع الفاسد)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

تجارتی کمپنیوں کے تجارتی حصص لینا اور ان حصص پر جو منافع ہو اس کا لینا دونوں درست ہے، البتہ جو کمپنی تجارتی نہ ہو بلکہ صرف سودی کاروبار کرتی ہو جانتے بوجھتے اس کے حصص خریدنا یا اس کا نفع لینا ممنوع ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/۱۰/۱۴۰۱ھ

درخت پر آم کی بیع کی مختلف صورتیں:

۱- ہم لوگوں کے یہاں آم کا باغ مختلف طور پر فروخت کرتے ہیں وہ یہ کہ ۱- باغ میں مول (پھول) نہ آئے اور سال دو سال کے لئے فروخت ہو جاتا ہے۔

۲- دوسری شکل یہ کہ مول آیا اور فروخت کیا۔

۳- تیسری بات یہ کہ ٹکورا آنے کے بعد فروخت کیا جائے۔

۴- اور چوتھی شکل یہ کہ جب آم قابل صلاحیت ہو جائے اس وقت فروخت ہوتا ہے۔

۵- آخری شکل یہ کہ آم توڑ کر فروخت کرے اس شکل میں ناجائز ہونے کا کوئی سوال نہیں، کیا شرعاً کسی طرح جائز یہ ہے کہ آم درخت میں لگا ہو اور فروخت کیا جائے۔ ۱- عوام تو عوام اس زمانہ میں ۹۹ فیصد علماء وصلحاء وغیرہ سب ہی درخت میں آم لگا ہو فروخت کرتے ہیں، ایک دشواری ہے وہ یہ کہ مجبوراً فروخت کرتے ہیں، کیونکہ اس کا انتظام مالک باغ کر نہیں پاتے اور نقصان کا خطرہ بہت زیادہ رہتا ہے، فتویٰ تو زمانہ کے لحاظ سے ہوتا ہے کیا اس وقت کوئی گنجائش ہے۔

۶- ایک شکل اور یہ ہے کہ باغ مع زمین کے چند سال کے لئے متعینہ رقم میں اس طرح طے کرے کہ متعینہ رقم متعینہ سال میں سوخت ہو جائے اور باغ واپس کر دے، شرعاً مع حوالہ قابل اطمینان بخش جواب عنایت فرمایا جائے۔

حکیم فداء حسین (تاتارپور بھاگل پور)

۱- ''الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس ذلك بأنهم قالوا إنما البيع مثل الربوا وأحل الله البيع وحرم الربوا فمن جاءه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف وأمره إلى الله ومن عاد فأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون'' (سورہ بقرہ ۲۷۵)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

تمہید: جواب میں پہلی بات تو یہ سمجھنی چاہئے کہ اگر مسلمان نے کافر مالک باغ سے خرید اتو اس کے احکام دوسرے ہیں اور اگر کافر نے مسلمان مالک باغ سے خرید اتو اس کے احکام اور۔

شق اول: یعنی مسلمان خریدے غیر مسلم مالک باغ بیچے تو مندرجہ پانچ صورتیں ۱ تا ۵ سب درست وجائز رہے گی جبکہ تراضی طرفین کے ساتھ ہو''**لعدم الخداع والغصب والمظالم، لأن الكافر غير مكلّف لهذه الجزئيات عند بعض المحققين وهو موسع عندالفتوى في هذا الزمان عند ارباب التحقيق**'' البتہ چھٹی صورت میں بیع کا یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا ''**لأن هذه المعاملة منافية لمفهوم عقد البيع بالكلية**''، ہاں اگر اجارہ کا معاملہ کیا جائے بجائے معاملہ بیع کے وہ کچھ شرطوں کے ساتھ گنجائش رکھے گا جیسا کہ شق ثانی کے ضمن میں اس کا تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔

شق ثانی: یعنی غیر مسلم خریدے اور مسلمان مالک باغ بیچے تو اس صورت میں صورت ۱۔ تو بالکل باطل ہے کسی کے نزدیک جائز نہیں اور صورت ۲۔ میں اگر مول آ کر زیرہ پڑنے سے قبل بیچا تو یہ بھی سب کے نزدیک باطل وناجائز ہے اور اگر مول آ کر زیرہ اس طرح پڑ گیا کہ فی الجملہ بھی قابل انتفاع ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منعقد ہو کر فاسد ہوگئی اور صاحبین کے نزدیک غیر منعقد ہو کر کالعدم ہوگی اور صورت ۳ میں امام صاحبؒ کے نزدیک منعقد ہوگی پھر اگر بائع خود درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت دے دے تو یہ بیع صحیح ہو کر نافذ ہی ہوگی بوجہ عرف عام کے اور صاحبین کے نزدیک یہ بیع فاسد وغیر صحیح ہوگی، اور فتوی امام صاحب کے قول پر ہوگا، اور صورت ۴ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع صحیح ونافذ ہوگئی بشرطیکہ بائع درخت پر باقی رکھنے کی اجازت ورضامندی دیدے بوجہ عرف عام کے اور صورت ۵ میں تو جواز کے اندر کسی کے نزدیک کوئی کلام ہی نہیں، جیسا کہ اس کو سوال میں بھی لکھا ہے، لہذا احتیاط اور تقوی کی صورت یہی ہوئی اور صورت ۶ میں بیع کا معاملہ تو قطعاً نا درست وغیر صحیح ہوگا، ہاں اگر بجائے معاملہ بیع کے اجارہ کا معاملہ کیا جائے کہ زمین اجارہ پر سال دو سال وغیرہ کے لئے دے دی جائے اور مالک زمین اس طرح معاملہ اجارہ کرے کہ یہ زمین اتنی مدت کے لئے اتنے اجارہ (سالانہ یا بالمقطع) پر دے رہا ہوں اس زمین سے جو پیداوار ہو اس سے تم منتفع ہو اور اجرت جو طے ہے وہ مجھے دے دیا کرو اور اگر وہ زمین باغ کی ہے اور زمین بعض جگہ اس طرح موجود ہو کہ اس میں سبزی ترکاری وغیرہ کاشت بھی ہو سکتی ہو یہ اجارہ صحیح ہوگا، اور پھر اس زمین سے درختوں کے پھل وغیرہ اور سبزی وغیرہ کی جو پیداوار ہوگی اس کا اجیر کو لینا اور اس سے منتفع ہونا درست رہے گا اور یہ صورت جواز مالک زمین وباغ کسی سے کرے خواہ مسلم سے یا غیر مسلم سے ہر صورت میں

یہ معاملہ جائز رہے گا(۱)۔

نوٹ:۔ یہ سارے احکام ردالمحتار و بحرالرائق وغیرہ کتب کے **باب بیع العاشر** سے ماخوذ ہیں اور امداد الفتاویٰ جلد ثالث کے پھلوں اور پھولوں کے بیع کے احکام سے بھی اس مسئلہ پر کافی روشنی ملے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

قربانی کے چمڑے کی بیع قربانی سے قبل:

مدارس عربیہ میں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر جو چمڑے اور کھالیں وغیرہ آتی ہیں، ان کھالوں اور چمڑوں کو عیدالاضحیٰ سے پہلے کسی خریدار سے فی چمڑا اور فی کھال کے حساب سے قیمت متعین کر کے معاملہ طے کرلیا اور پھر اسی طے شدہ معاملہ پر عیدالاضحیٰ کے بعد عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ تفصیل اور دلائل کے ساتھ بیان فرمایا جائے آجکل یہ مسئلہ علمی طبقہ میں اختلاف پیدا کئے ہوئے ہے۔

محمد فضل حق (مبارک پور اعظم گڑھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بیع کی قسموں میں سے کسی قسم میں داخل نہیں ہوگا، اس لئے کہ بیع کی ہر قسم میں مبیع کا موجود ہونا وقت عقد بیع سے وقت تسلیم مبیع تک شرط و ضروری ہے اور یہاں مبیع قربانی کا چمڑا و کھال موجود نہ ہو جانے سے مبیع موجود نہ ہوگی، رہ گیا اس کو وعدہ یا معاہدہ قرار دینا یہ بھی اس وقت مفید و مثمر ہوگا، جب مالک مبیع سے وعدہ یا معاہدہ ہو اور مالک مبیع قربانی کرنے والا ہوگا اور جب تک یہ مالک مبیع قربانی کر لینے کے بعد اہل مدارس کو وہ چمڑا بطور ھبہ یا بطور ہدیہ دیکر مالک نہ بنا دیں یا اہل مدارس مبیع کو بیع مطلق کا وکیل نہ بنادیں اس وقت تک یہ وعدہ یا معاہدہ اہل مدارس پر لاگو نہ ہوگا، اور نہ اس کا ایفاء متوجہ ہوگا، اس لئے یہ وعدہ اہل مدارس کے ساتھ بیکار و غیر مثمر ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والذرع والشجر مقصوداً ۸۴/۷-۸۵، البحر الرائق شرح کنز الدقائق کتاب البیع تحت قول الکنز "ومن باع ثمرة بعد اصلاحہا اولا صح (۵۰۲/۵)۔

تالاب یا حوض کی مچھلی کی خرید وفروخت:

مچھلیوں کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کے اصول وضوابط کیا ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مچھلیوں کی بیع وشراء کے سلسلہ میں دو باتوں کا لحاظ بنیادی طور پر ضروری اور لازمی ہے۔

۱-مچھلیوں کا مالک ہونا، ۲- بائع کا اس کو مشتری کے تسلیم کرنے پر قادر ہونا۔

مالک ہونے کی مختلف شکلیں ہیں: (۱) مچھلی کی پرورش اور نشوونما کے لئے ہی اس کو تالاب میں رکھا گیا ہو (۲) کسی آدمی نے تالاب میں مچھلیاں تو نہیں ڈالی ہیں لیکن ندی یا تالاب سے آجانے والی مچھلیوں کو روکنے اور واپس نہ جانے دینے کے لئے کوئی تدبیر کیا ہو، (۳) مچھلی کا شکار کر کے اس کو اپنے برتن میں حفاظت سے رکھ لیا ہو۔

اس کے علاوہ اور بھی ایک شکل فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کسی کے تالاب یا حوض میں مچھلیاں بغیر کسی محنت ومشقت کے خود بخود آجائیں لیکن صرف آجانے کی وجہ سے وہ اس کا مالک نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کہ کسی کے کھیت میں کوئی پرندہ آجائے یا کوئی پرندہ انڈا دے تو محض زمین میں پرندہ کے آنے یا انڈا دینے سے زمین والا اس کا مالک نہیں ہوجاتا ہے، بلکہ اس جانور اور انڈے پر جو بھی قبضہ کرے گا وہ اس کا مالک ہوجائے گا، خواہ زمین والا ہو یا کوئی دوسرا ہو، جیسا کہ ''عنایہ'' میں ہے:

"کما لو باض الطیر في أرض إنسان أو فرخت فإنه لا یملک لعدم الإحراز"(۱)۔

(۲) مقدور التسلیم ہونا اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ شکار کر کے برتن میں یا تھیلی وغیرہ میں رکھ لے اور دوسری شکل یہ ہے کہ کسی ایسے چھوٹے گڑھے یا حوض میں رکھی جائے کہ جس سے اس کو نکالنا آسان ہو۔

جواب نمبر ۱:- پس جس شکل میں آدمی مچھلی کا مالک ہی نہ ہو تو اس کو فروخت کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، حدیث میں **"بیع ما لیس للانسان"** کی ممانعت وارد ہے، **"قال رسول اللہ ﷺ: لاتبع مالیس عندک"**(۲)۔

"عن حکیم ابن حزام قال یا رسول اللہ! یا تیني الرجل فیرید مني البیع ما لیس عندي، فأبتاعه

۱- عنایہ شرح ہدایہ ۶/ ۲۱۰۔

۲- رواہ ابوداؤد والنسائی، مشکوۃ ۱/ ۲۴۸ باب المنہی عنہا من البیوع۔

له من السوق؟ فقال: لا تبع ما لیس عندک، اخرجه ابوداؤد وسکت عنه"(۱)۔

(۲) اسی طرح اگر مالک تو ہو لیکن تسلیم پر قادر نہ ہو تو بھی اس کی بیع جائز نہیں ہے، حدیث میں اس سے منع وارد ہے، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایک روایت درج کی ہے:

"حدثنا یزید بن ابی زیاد عن المسیب بن رافع عن عبد الله بن مسعود انه قال: لا تبیعوا السمک فی الماء فانه غرر۔ وقال ابو یوسف ایضا: حدثنا بن ابی لیلی عن عامر الشعبی قال: نهی النبی ﷺ عن بیع الغرر" (۲)۔

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہ کے قول: "ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد، لانه باع مالا یملکه (ولا فی حظیرة اذا کان لا یوخذ الا بصید) لانه غیر مقدور التسلیم" یہاں ابن ہمام نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے جواز اور عدم جواز کی مختلف شکلوں کا ذکر فرمایا ہے: "بیع السمک فی البحر أو النهر لا یجوز فإن کانت له حظیرة فدخلها السمک فإما أن یکون أعدها لذلک أو لا فإن کان أعدها للملک فما دخلها ملکه ولیس لأحد أن یاخذه ثم إن کان یوخذ بغیر حیلة إصطیاد جاز بیعه، لانه مقدور التسلیم مثل السمکة فی جب وإن لم یکن یؤخذ إلا بحیلة لا یجوز بیعه لعدم القدرة علی التسلیم عقیب البیع، وإن لم یکن أعدها لذلک لا یملک ما یدخل فیها فلا یجوز بیعه لعدم الملک إلا أن یسد الحظیره إذا دخل فحینئذ یملکه ثم ینظر إن کان یؤخذ بلا حیلة جاز بیعه وإلا لا یجوز، ولو لم یعدها لذلک ولکنه أخذه ثم أرسله فی الحظیرة ملکه، فان کان یؤخذ بلا حیلة جاز بیعه، لأنه مملوک مقدور التسلیم، أو بحیلة لم یجز لانه وإن کان مملوکاً فلیس مقدور التسلیم۔ وقال ابو یوسف فی کتاب الخراج: رخّص فی بیع السمک فی الآجام أقوام فکان الصواب عندنا فی قول من کرهه۔

حدثنا العلاء بن المسیب بن رافع عن الحارث العکلی عن عمر بن الخطابؓ قال: لاتبایعوا السمک فی الماء فإنه غرر، وأخرج مثله عن ابن مسعود، ومعلوم أن الأجمة قد یوخذ منها السمک بالید و الغرر الخطر وغیر المملوک علی خطر ثبوت الملک وعدمه فلذا جعل من بیع الخطر" (۳)۔

۱- اعلاء السنن ۱۴/۱۵۱۔
۲- کتاب الخراج، ص ۹۴ و ۹۵۔
۳- فتح القدیر ۶/۲۰۹، ۲۱۰۔

علامہ شامی نے بھی اسی طرح کی تفصیلات کا ذکر فرمایا ہے کہ مچھلی جب گڑھے میں داخل ہو تو یا تو اس کو اسی مقصد کے لئے تیار کیا ہوگا یا نہیں، اول صورت میں وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور کسی کو بھی اس کے لینے کا حق نہ ہوگا، پھر اگر کسی حیلہ کے بغیر اسی کا لینا ممکن ہو تو اس کو فروخت کرنا بھی درست ہوگا، کیونکہ وہ مملوک بھی ہے اور مقدور التسلیم بھی اور اگر کسی حیلہ کے بغیر اسی کا لینا ممکن نہ ہو تو اس کی بیع درست نہیں ہوگی، کیونکہ اس کو حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور دوسری صورت میں بھی اس کا مالک ہی نہیں ہوگا تو بیع بھی جائز نہ ہوگی، مگر یہ کہ گڑھے میں مچھلی کے داخل ہونے کے بعد وہ اس کا راستہ بند کردے تو اب وہ اس کا مالک ہو جائے گا، پھر اگر کسی دشواری کے بغیر اس کا لینا ممکن ہو تو اس کی بیع درست ہوگی ورنہ درست نہیں ہوگی، اور اگر اس نے گڑھا خود نہیں بنایا لیکن مچھلی حاصل کر کے اس میں چھوڑ دیا تو اب بھی وہ اس کا مالک قرار پائے گا اور اب اگر کسی دشواری اور حیلہ کے بغیر اسی کا لینا ممکن ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی، اس لئے کہ اس کو مشتری کے حوالہ کرنا ممکن ہے اور اگر حوالگی میں دشواری ہو تو اب اس کی بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ وہ اگرچہ اس کے ملک میں ہے مگر اس کو حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے (۱)۔

مذکورہ بالا عبارات اور قواعد فقہیہ کے پیش نظر سوال میں مذکور خرید فروخت کو مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے گا۔

البتہ بعض فقہاء کرام فساد بیع کی تقسیم کرتے ہیں کہ کبھی فساد حق شرعی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ کہ وہ معاملہ کسی گناہ پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی فساد حق شرع کی وجہ سے نہیں بلکہ مفضی الی المنازعت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، ایسی صورت میں جبکہ باہم منازعت نہ ہو تو اس کو جائز ہونا چاہیے۔

چنانچہ علامہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **"ان من البیوع الفاسدة مالوأتی بها أحدجازت دیانة وإن کانت فاسدة قضاء وذلک لأن الفساد قد یکون لحق الشرع بان اشتمل العقد علی مأثم فلا یجوز بحال، وقد یکون الفساد لمخافة التنازع ولا یکون فیه شئی آخر یوجب الإثم إن لم یقع فیه التنازع جاز عندی دیانة، وإن بقی فساد القضاء الارتفاع علة القادحة وهی المنازعة"** (۲)۔

بیع سمک کے سلسلہ میں بھی علت حرمت دھوکا اور غرر ہی ہے جیسے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت عمر

۱- ردالمحتار ۴/ ۱۰۴۔
۲- فیض الباری ۳/ ۲۵۸۔

ابن الخطاب کی روایات میں صراحۃ اس کا ذکر موجود ہے یعنی ان کا یہ قول **"لا تبیعوا السمک فی الماء فانه غرر"**۔

جواب نمبر ۲: ٹھیکیدار کا فاسد طریقہ سے حاصل کردہ مچھلیوں کی بیع یہ بیع فاسد ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ معقود علیہ میں ملکیت کا فائدہ صاحب ملک کی رضامندی کے بغیر نہیں دیا کرتا ہے اور مبیع مشتری کے قبضہ میں قبضہ ضمان کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس کے قبضے میں ہلاک ہو جائے تو مثل یا اس کی قیمت کا وہ ضامن ہوتا ہے(۱)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: **"ثم إنه وإن افادالملک وهو مقصود فی الجملة لکن لا ینعقد عامة اذ لم ینقطع به حق البائع من المبیع ولا المشتری من الثمن اذ لکل منهما الفسخ بل یجب علیه"** (۲)۔

اور ہدایہ میں ہے: **"واذاقبض المشتری المبیع فی البیع الفاسد بأ مرالبائع وفی العقد عوضان کل واحد منهما مال ملک المبیع ولزمته قیمته"** (۳)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب اسی طرح کے مسئلہ میں ارشاد فرماتے ہیں، البتہ بغیر پکڑے اور قبضہ میں لائے فروخت کرنا بیع مالم یقبض ہو کر بیع فاسد ہوگی اور مملوک رہنے کی وجہ سے بیع باطل نہیں ہوگی اور بیع فاسد ہونے کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اگر مالک کے قبضہ میں آئے بغیر فروخت ہو جائے اور مشتری پھر اس کو فروخت کردے اور مالک کو اعتراض نہیں تھا بلکہ اجازت تھی تو یہ دوسری بیع جو ہوگی وہ صحیح ہوگی اور سمک مبیع لہذا البیع کا استعمال کرنا درست رہے گا (۴)۔

حاصل یہ کہ بیع فاسد کے سلسلہ میں اصول احناف کے پیش نظر بائع کی اجازت سے ٹھیکیدار مالک ہو جائے گا اور اس کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور دوسرے کا خریدنا جائز ہوگا۔

جواب نمبر ۳: حوض یا تالاب چاہے سرکاری ہوں چاہے کسی شخص کی ذاتی ملکیت کے ہوں ان کی مچھلیاں شکار کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اس حکم کی علت غرر اور اس کا غیر مقدور التسلیم ہونا ہے، لہذا سوال نمبر ۱ کی طرح اس میں بھی وہی فساد کا حکم لگے گا۔

جواب نمبر ۴: نجی ملکیت کے حوض یا تالاب میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آگئی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ حوض یا تالاب اس نے اسی غرض سے بنایا تھا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور کوئی ان مچھلیوں کو لے

۱- الالتزامات، ص ۱۸۴۔
۲- فتح القدیر ۶/ ۴۰۱۔
۳- ہدایہ ۳/ ۴۷۔
۴- نظام الفتاوی ۱/ ۲۴۴۔

نہیں سکتا ہے، پھر اگر اس کے اندر کی مچھلیاں شکار کے بغیر پکڑی جا سکے تو اس کی بیع جائز ہوگی اور اگر بغیر شکار کے پکڑی نہ جا سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہوگی (۱)۔

علامہ ابن ہمام نے ایک جزئیہ اسی طرح کا تحریر فرمایا ہے: **"من حظر حظیرة فوقع فیها صید فإن کان إتخذها للصید ملکه ولیس لأحد أخذه وإن لم یتخذها له فهو لمن أخذه"** (۲)۔

اسی طرح کا ایک مسئلہ اور ہے کہ اگر حظیرہ وغیرہ شکار کے لئے نہ بنایا ہو تو صرف مچھلی کے داخل ہونے سے وہ مالک نہیں ہوگا، البتہ اگر اس حظیرہ کو بند کردے تو اب وہ مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا (۳)۔

اور عنایہ میں ہے: **"وفیه إشارة إلی أنه لو سد صاحب الحظیرة علیها ملکها أما بمجرد الاجتماع فی ملکه فلا کما لو باض الطیر فی أرض إنسان أو فرخت فانه لا یملک لعدم الإحراز"** اس سے آگے شہد اور مچھلی کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **"لا یشکل بما اذا عسل النحل فی أرضه فإنه یملکه بمجرد إتصاله بملکه من غیر أن یحوزه او یهیئ له موضعا، لأن العسل اذا ذالک قائم بارضه علی وجه القرار فصار کالشجر الثابت فیها بخلاف بیض الطیر و فرخها والسمک المجتمع بنفسه فانها لیست فیها علی وجه القرار"** (۴)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں مچھلیاں اگر از خود آگئی ہوں تو احتراز کی وجہ سے اور اسی نیت سے حوض کو بنانے کی وجہ سے وہ مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، البتہ ٹھیکہ پر دوسرے کو دینے کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: **"حدثنا عبدالله بن علی عن إسحاق عن ابی الزناد، وقال: کتبت الی عمر بن عبد العزیز فی بحیرة یجتمع فیها السمک بأرض العراق، نواجرها فکتب أن إفعلوا وقال: حدثنا أبو حنیفة عن حماد قال: طلبت إلی عبدالحمید بن عبدالرحمن فکتب إلی عمر بن عبدالعزیز یسأله عن بیع صیدالأجام فکتب إلیه عمر أنه لابأس به وسماه الحبس"**۔ "لکن بعد مدة رأیت فی

۱- عالمگیری ۳/ ۱۱۳۔
۲- فتح القدیر ۶/ ۲۱۰۔
۳- فتح القدیر ۶/ ۲۱۵۔
۴- عنایہ مع فتح القدیر ۶/ ۲۱۰۔

الایضاح عدم جواز اجارته"۔

علامہ شامی منحۃ الخالق میں النہر الفائق کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایضاح کی عبارت قواعد فقہیہ سے زیادہ قریب ہے (جس میں عدم جواز کا قول ہے) اور علامہ رملی نے دونوں کی عبارت کے تضاد کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ عدم مطلق ہے چاہے کسی شخص کی زمین میں ہو یا وقف کی ہو اور امام ابو یوسف کا جواز کا قول بھی قواعد کے خلاف نہیں ہے، لیکن وہ مخصوص جگہ اور معلوم منفعت کے لئے (یعنی شکار کے لئے) تھا، البتہ امام صاحب کی حضرت مالک سے جواز کی روایت کی تطبیق مشکل ہے، کیونکہ وہ شکار سے پہلے مچھلی کی بیع کرنا ہے مگر اس کا بھی یہ جواب دیا گیا کہ وہ ایسی جھاڑی اور گنجان درختوں کے بارے میں ہے جو اسی مقصد کے لئے تیار کئے گئے تھے اور اس میں مچھلی کی سپردگی مقدور التسلیم تھی(۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ تالاب والا مالک ہو جائے گا، البتہ شکار کئے بغیر ٹھیکہ پر دینے میں وہی غیر مقدور التسلیم اور غیر مقبوض کی بیع لازم ہوگی جو صحیح نہیں ہے۔

امداد الفتاوی میں اسی طرح کا ایک سوال اور اس کا جواب ہے:

سوال ہے صفائی معاملات (یہ ایک کتاب ہے) میں ایک مسئلہ مرقوم ہے اور وہ یہ کہ تالاب یا دریا ماہی گیروں کو دیدیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس تالاب سے مچھلی پکڑنے نہیں دیا جاتا ہے تو یہ بیع باطل ہے۔ وفیہ بعد سطرین بلکہ سب کو مچھلیاں پکڑنے کا شرعاً حق حاصل ہے از یں مسئلہ زید می گوید کہ بدون اطلاع مالک تالاب خفیہ اگر تالاب سے مچھلیاں پکڑ لاوے تو گنا ہ نہیں ہوگا کیونکہ شرعاً اس میں سبھی کا حق ہے تو حضرت یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: زید کا قول صحیح ہے اور خفیہ طور سے مچھلی پکڑنا تالاب سے درست ہے لیکن اگر مالک تالاب نے مچھلیاں کہیں سے لاکر اپنے ہاتھ سے تالاب میں چھوڑی ہوں تو پھر وہ مچھلیوں کا مالک ہوجائے گا اور خفیہ طور سے پکڑنا بھی درست نہیں ہے۔

لیکن بیع کرنا بدون پکڑے ہوئے پھر بھی درست نہیں - واللہ اعلم، امداد الفتاوی ۳/۵۰۔

خون واعضاء کی خرید وفروخت:

خون وغیرہ کو خریدا اور بیچا بھی جاتا ہے، یہ صورت حال آج پوری دنیا میں پائی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مذہبی نقطہ نظر سے یہ جائز ہیں؟

۱- منحۃ الخالق علی البحر ص ۷۹، ۸۵۔

۱- اشکال یہ ہے کہ فقہاء نے اضطرار کے تعین کا حق طبیب مسلم کو دیا ہے، لیکن ایلوپیتھک اور سرجری علاج میں عموماً غیر مسلم ڈاکٹر ہی میسر آتے ہیں، لہذا ایسی صورت میں غیر مسلم ڈاکٹر کی رائے اور تحقیق پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اصولاً تو اعتماد کرنا چاہیے کیونکہ یہ مسئلہ شہادت کا نہیں ہے، اس میں صرف حذاقت وعدالت ہی کافی ہوتی ہے، نیز اضطرار کے موقع پر یہ شرط عجیب ہی معلوم ہوتی ہے، اس وقت تو طبیب کی شرط بھی ختم کردی جاتی ہے، حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت میں متاخرین نے تداوی بغیر الطبیب کی اجازت دی ہے(۱)۔

لہذا خلاصہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اضطرار اور ضرورت شدید کی حالت میں محض ماہر ڈاکٹر کی تجویز پر خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کیا خون یا دیگر ممنوعات شرعیہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے؟

۲- اس لیے ضروری یہ ہے کہ اضطرار کا ایسا شرعی معیار مقرر کیا جائے جس سے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے کہ جس اضطرار کے نتیجہ میں اعضاء کی تبدیلی جائز ہو سکتی ہے وہ یہاں پایا جاتا ہے یا نہیں؟ اصولاً ہر مضرت اور حرج کے خوف کا نام اضطرار ہی ہے جیسا کہ آیت کریمہ: "مایرید اللہ لیجعل علیکم فی الدین من حرج" (۲) کے عموم سے متبادر ہوتا ہے، اسی لیے فقہ حنفی ہر مضرت کو اضطرار تسلیم کرتا ہے، چنانچہ تیمم کے باب میں جہاں "ازدیاد مرض" کے خوف کو اضطرار و حرج مانا گیا ہے کہ "إن المریض اذا خاف زیادۃ المرض أوخاف ابطاء البرء جاز لہ التیمم" ان الفاظ میں مطلق خوف مرض کو بھی اضطرار و مضرت تسلیم کیا گیا ہے الجنب الصحیح فی المصر إذا خاف بغلبۃ ظنہ عن التجربۃ الصحیحۃ إن اغتسل یقتلہ البرد أو یمرضہ یتیمم عند ابی حنیفۃ" (۳)۔

کیا ان مثالوں پر قیاس کرتے ہوئے حسب ذیل ضرورت کو اضطرار والی ضرورت مانا جا سکتا ہے، ضرورت یہ ہے کہ عمر کی آنکھوں کی اوپر کا پردہ خراب ہونے کی وجہ سے بینائی کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، لیکن اگر کسی کی آنکھ اس کے لگا دی جائے تو ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ وہ بینا ہو جائے گا۔

۱- کسی متوفی کی آنکھیں لے کر آنکھوں کی تبدیلی کرائے۔

۲- اور کیا متوفی کے لیے جائز ہے کہ اپنی آنکھوں کے متعلق یہ وصیت کرے کہ مرنے کے بعد ان کو نکالا جائے تاکہ وہ کسی کے کام آسکیں۔

۱- امداد الفتاوی ۱۹۹/۴۔
۲- سورۂ مائدہ ۶۔
۳- کبیری الشیخ ابراہیم الحلبی، ۶۴۔

۳-اور چونکہ ایسی ضرورت پیش آنے کا کوئی وقت متعین نہیں ہوتا، اس لیے کیا یہ جائز ہے کہ بطور پیش بندی آنکھوں وغیرہ کو جمع کرنے کے لیے آنکھوں کا بینک قائم کیا جائے، جس طرح "أعدوا لهم ما استطعتم" سے اسلحہ وغیرہ کا جنگ اور نا جنگ دونوں حالتوں میں موجود رہنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۴-اگر آنکھوں کی تبدیلی جائز ہے تو ان کی خرید فروخت یقیناً جائز ہونی چاہیے، کیونکہ فقہ کا مشہور اصول ہے کہ "جواز البيع يدور مع الانتفاع" (۱) لیکن اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بیع سے حاصل شدہ رقم کی حیثیت کیا ہوگی، اصولاً تو اس رقم کو حرام ہی ہونا چاہیے، کیونکہ یہ رقم ایسے مال کی بیع سے حاصل ہوئی جو خریدار کے لئے تو بوجہ اضطرار جائز ہے، لیکن بائع کے لئے بعدم الاضطرار حرام ہے، حضرات علماء کرام اپنی قیمتی آراء وتحقیقات سے ادارہ کو مطلع فرمائیں، ادارہ آپ کی علمی کاوشوں کے لیے چشم براہ ہے۔

(۳و۴) جب خون کے استعمال کی گو بدرجۂ مجبوری ہی ہو گنجائش ہوگی تو چونکہ ایسی مجبوریاں اچانک بھی پیدا ہوجاتی ہیں، اور خون کی بہت زیادہ مقدار کی متقاضی ہوجاتی ہیں جیسے ریل کے ایکسیڈنٹ کے موقع میں، یا جنگ ومحاربہ کے اندر ربسا اوقات بیک وقت بہت زیادہ افراد زخمی ہوجاتے ہیں اور ان کی جان بچانے کے لیے ان سب کو خون کا انجکشن دینا ضروری ہوتا ہے، اور پھر اس میں بھی مریض کے خون کا نمبر اور جو خون چڑھایا جاتا ہے اس خون کا نمبر یکساں ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ ہوجاتا ہے، اس لیے ان اچانک پیش آمدہ ضروریات کے لیے ہر نمبر کے خون کا فراہم رکھنا بھی ضروری ہوجاتا ہے اور مقدار کی تعیین وتحدید معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کافی مقدار میں محفوظ رکھنا ضروری ہوگا، اور اس کا ایک خزانہ بنانا بھی لازم ہوگا جس کو آج کل کی اصطلاح میں بینک کا نام دیا جاسکتا ہے، لأن الشئى اذاثبت ثبت بجميع لوازمه، لہٰذا اس فراہمی کے اور محفوظ رکھنے کے جو مناسب طریقے ہوں گے، اور ان میں جو اخراجات درکار ہوں گے، ان سب کو بھی حدود شرع میں رہتے ہوئے برداشت کرنا ہوگا۔

(۲) کوئی شخص اپنے کسی عضو کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ صرف نگراں اور محافظ ہوتا ہے، اور حکم شرعی کے خلاف اس میں کسی تصرف کا بھی حق کسی کو نہیں ہوتا ہے، لہٰذا کسی عضو کا زندگی میں فروخت کرنا یا کسی کو دینا یا مرنے کے بعد کے لیے دینے کی وصیت کرنا کچھ بھی جائز نہ ہوگا۔ یہی حکم شریعت مطہرہ کا اصل حکم خون اور تمام اعضاء انسانی کا ہے۔

اور سوال نمبر (۱) میں خون کے استعمال کی جو گنجائش ہے وہ صرف وقتی اور عارضی ہے اور حالت اضطرار ومجبوری

۱-　　شامی ۴/۱۴۰۔

خون کے علاوہ اور عضو میں متحقق نہیں ہوتی جیسا کہ بعد کے جوابات سے واضح ہوجائے گا، اسی لیے کسی عضو کو خون پر قیاس کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔

لہٰذا سوال نمبر (۲) میں درج شدہ صورت کے جواز کی شرعاً کوئی گنجائش نہ ہوگی، اور ساری دنیا میں اس کا رائج ہوجانا بھی اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا، کسی غلط یا حرام شئے کا دنیا میں رائج و عام ہوجانا کوئی شرعی حجت نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے زمانۂ بعثت میں سارا عالم کفر و ضلالت میں مبتلا تھا، اور طرح طرح کے محرمات ومناہی (ربوا وغیرہ) میں ابتلاء عام تھا، مگر یہ عموم وشیوع وجہ جواز نہ بنا بلکہ آئندہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دین پر عمل کرنا اتنا دشوار ہوگا جیسے ہاتھ پر انگارہ لینا (۱)، نیز مسلم شریف میں ہے: "**العبادة في الهرج كهجرة إليّ**" (۲) یہ سب خود اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ارتکاب محرمات ومناہی عام وشائع ہو چکے ہوں گے اور عمل دشوار ہوجائے گا، مگر اس کے باوجود ان محرمات ومناہی کے جواز و اباحت کی جانب کوئی اشارہ نہیں دیا گیا۔ اور بات بھی یہی ہے کہ یہ شیوع مناہی ومعاصی اور یہ پریشانیاں اور یہ احوال ہمارے ہی اعمال بد کا ردعمل ہیں: "**كما روي أعمالكم عما لكم**" یا "**كما تكونوا يولى عليكم**" (الحدیث)، بلکہ نص قرآنی ہے: "**ذلك بأن الله لم يك مغيرا نعمة أنعمها على قوم حتىٰ يغيروا ما بأنفسهم**" (۳)، لہٰذا اصل علاج یہ نہ ہوگا کہ ہر چیز جو دائر و سائر اور عام ہوجائے اس کے جواز کی راہیں تلاش کی جانے لگیں، بلکہ اصل علاج انابت الی اللہ ہے اور اس بات کی سعی ہے کہ قوم من حیث القوم میں مزاج و عمل ظاہراً و باطناً انابت الی اللہ ہوجائے۔

"**كما روى في الحديث القدسي عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: "إن الله يقول: أنا لله لا إله إلا أنا مالك الملوك، وملك الملوك، قلوب الملوك في يدي وإن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرأفة وإن العباد إذا عصوني حولت قلوبهم بالسخطة والنقمة فساموهم (أي اذا قهم) سوء العذاب، فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك، ولكن إشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع، كي أكفيكم**" (۴)۔

۱- مشکوٰۃ ر ۵۹ ۴۔

۲- کتاب الفتن ۲ / ۴۰۶۔

۳- سورۂ انفال: ۵۳۔

۴- رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ مشکوٰۃ، ۳۲۳، کتاب الامارہ۔

اب اس کے بعد جناب کے پیش کردہ سوالات کے جواب معروض ہیں:

۱-یہ مسئلہ گرچہ باب شہادت کا نہیں ہے مگر چونکہ اس میں ایک حرام قطعی کے استعمال کی گنجائش دینی ہوتی ہے جس کی حرمت منصوص بنص قطعی ہوتی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس اجازت کی علت یا بنیاد جو بفحوائے آیت کریمہ: "**ومن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیه**" (۱) اور بفحوائے منطوق کلام الٰہی: "**فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لإثم فإن الله غفور رحیم**" (۲)، اضطرار ومجبوری جو بھی ہو وہ قطعی الثبوت ہونا چاہیے اور یہ قطعیت معالج کی حذاقت فن ومہارت کے ساتھ اس بات کی متقاضی ہے کہ اس میں دیانت صحیحہ بھی ہو، اور یہ وصف (دیانت صحیحہ) صرف دیندار مسلم معالج میں ہی متحقق ہوگا اور ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اس کے نزدیک حلت وحرمت کی اہمیت دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے ہوگی، اور وہ اس کے خلاف کے ارتکاب کی جرأت عموماً نہ کرسکے گا، دنیوی واخروی دونوں کے وبال سے ڈرے گا او رواقعی اضطرار ومجبوری کے مواقع کو تلاش کرے گا اور احتیاط برتے گا۔

غیر مسلم سے یہ توقع نہیں، کیونکہ اس کو تو اس حلت وحرمت کا عقیدہ نہ ہوگا، تو اس سے اس قسم کی اہمیت کا کیا سوال، لہٰذا اس کا قول یا تشخیص کرنا حجت نہ ہوگا، بلکہ اگر طبیب مسلم بھی بادیانت نہ ہو تو اس کا قول بھی شرعاً معتبر نہ ہوگا، ان ہی اسباب ووجوہ کی بنا پر فقہاء نے یہ قیود لگائی ہیں اور یہی اصل حکم ہوگا۔

نصوص قرآنیہ مذکورہ بالا سے بھی ان قیود کی طرف اشارہ ملتا ہے، البتہ جس وقت اضطرار ومجبوری کا تحقق جو گنجائش دینے کی بنیاد ہے، ظاہر اور نمایاں ہوجائے اس وقت ان قیود کی حاجت نہ ہوگی جیسا کہ ایکسیڈنٹ وغیرہ میں اس تحقق کا ظہور نمایاں ہوتا ہے، یا مثلاً کسی تندرست قوی عورت کو دم استحاضہ میں خون اتنا نکل جائے کہ جاں بلب ہوجائے، یا تندرست قوی آدمی کو نکسیر پھوٹ کر اتنا خون نکل جائے کہ جاں بہ لب ہوجائے، ظاہر ہے کہ یہ حالت خون کی کمی کی وجہ سے ہی ہے اور اس کا بدل کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی، اگر خون نہ چڑھایا جائے تو موت اغلبی درجہ میں یقینی ہے، لہٰذا ایسی حالت میں اضطرار ومجبوری کے تحقق میں کیا شبہ ہوگا اور خون چڑھانے کے جواز میں اس حالت میں کیا کلام ہوگا۔

فقہاء متاخرین سے جو چھوٹ بعض صورتوں میں منقول ہے وہ اسی قسم کے مواقع کی ہے نہ کہ کلیہ قاعدہ اور عام ضابطہ کہ اشکال والجھن کا سبب ہو، اور حضرت تھانویؒ کی جو عبارت جناب نے پیش فرمائی ہے وہ تو تداوی بغیر الطبیب کا مسئلہ ہے،

۱- سورۂ بقرہ: ۱۷۳۔

۲- سورۂ مائدہ: ۳۔

وہ مداوی بالمحرم کا مسئلہ نہیں ہے، یہ دونوں دو مسئلے ہیں، اس سے نہ معلوم جناب نے استشہاد کس بنا پر فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب تک اس اضطرار و مجبوری کے تحقق کا ظہور نمایاں نہ ہو جیسا کہ عام حالات میں ہوتا ہے، اس وقت تک بغیر باشرع طبیب حاذق کی تشخیص و مشورہ کے ممنوعاتِ شرعیہ کو استعمال نہیں کیا جا سکتا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں اگر کوئی خطہ یا ملک ایسا ہو جہاں ایسے طبیب میسر ہی نہ آتے ہوں تو وہاں بوجہ مجبوری مطلق طبیب حاذق کی جو مسلمانوں کے مذہب کا احترام اور اس کی رعایت کرتا ہو، اور تجربہ اس پر شاہد ہو خواہ غیر مسلم ہی ہو، معتمد و معتبر ہو، اس کی تشخیص پر بھی استعمال کی گنجائش ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا اخیر رسالہ ''انسانی اعضاء کی پیوند کاری'' بھی دیکھنے کے لائق ہے، بڑی سیر حاصل و بے نظیر بحثیں کی ہیں۔

۲-جناب نے ہر مضرت وحرج کے خوف کو اضطرار قرار دیا ہے اور استدلال میں فقہ کی تین عبارتیں پیش کی ہیں:

الف-حنفیہ کی عبارت (إن المريض إذا خاف) حالانکہ اسی عبارت سے متصل یہ عبارت کبیری ص ۶۳ میں موجود ہے: ''**ويعرف ذالك إمابغلبة الظن عن أمارة أو تجربة او بإخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق وقيل عدالته شرط**''، اور اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مضرت وحرج کا خوف اضطرار نہیں ہے، بلکہ خوف سے وہ خوف مراد ہے جو ان مذکورہ شرائط کے ساتھ متحقق ہو۔

ب-کبیری ص ۶۴ کی عبارت'' **الجنب الصحيح في المصر إذا خاف بغلبة ظنه عن التجربة الصحيحة إن اغتسل يقتله البرد أو يمرضه**'' اس عبارت میں خود ''**بغلبة الظن**'' اور تجربہ صحیحہ کی قید موجود ہے، یہ بھی ہر مضرت وحرج کے خوف کے معتبر ہونے کی نفی کرتا ہے۔

ج-امداد الفتاویٰ،۱۹۸ کی عبارت، اس عبارت میں تو حکومت وقت کے جبریہ حکم کے بارے میں کہا گیا ہے جس کا تعلق مسئلۃ الاکراہ سے ہے نہ کہ ہر خوف سے، لہٰذا یہ عبارت ہر مضرت وحرج کے اضطرار ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

اصل وجہ یہ ہے کہ جناب کو اضطرار واکراہ ضرورت وحرج وغیرہ کے مفاہیم شرعیہ میں خلط ہو گیا، حالانکہ ہر ایک الگ الگ مفاہیم رکھتے ہیں اور ہر ایک کے الگ الگ حدود واحکام ہیں، احقر ہر ایک کے مفاہیم شرعیہ اور اس کے حدود واحکام کو اجمالاً عرض کرتا ہے، اس سے امید ہے کہ یہ خلط مرتفع ہو کر بصیرت سے رائے قائم ہو سکے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محرمات منصوصہ بہ نص قطعی میں گنجائش کے لیے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے: ''**وقد**

فصل لکم ما حرم علیکم إلا ما اضطررتم إلیه، وإن کثیرا لیضلون بأهوائهم بغیر علم ان ربک هو أعلم بالمعتدین" (۱)۔

اس ضابطہ میں محض اضطرار کو مستثنیٰ فرمایا ہے، پھر ساتھ ہی تنبیہ بھی فرمادی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اضطرار کے مستثنیٰ ہونے کی کچھ قیود وشرائط بھی ہیں، اگر ان کا لحاظ نہ کیا گیا تو گمراہی میں مبتلا ہوجائے گا، پھر ان قیود کو دوسری آیت کریمہ میں واضح فرمایا ہے، منجملہ ان کے سوال نمبر(۱) کے جواب میں درج شدہ دو آیت بھی ہیں ان میں سے ایک کے اندر" غیر متجانف لإثم" (أي غیر متجاوز عن الحدود الشرعیة) کی قید ہے، اور دوسری آیت کریمہ:" غیر باغ ولا عاد" (أی غیر قاصدللخروج عن الحدود الشرعیة والأمر للخروج عن الحدود الشرعیة) کی قید ہے۔

پھر اس ضابطہ کی تفصیل وتشریح کتب احادیث وفقہ واصول فقہ میں ہے جس کے تحت استثناء کی مندرجہ ذیل صورتیں نکلتی ہیں:

۱-مخمصہ، بھوک اور پیاس کی پریشانی سے جاں بہ لب ہوجائے، جان بچانے کی کوئی صورت بظاہر نہ رہے، اسی کو "فمن اضطر في مخمصة غیر متجانف لإثم" (۲) میں فرمایا گیا، یہ اضطرار کی انتہائی شدید صورت ہے۔

۲-جان کے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا یا ناقابلِ تحمل جسمانی تکلیف (مثلاً بصورت زدوکوب) یا حبس مدید (طویل قید) کا یا شدید مالی نقصان کا جو ناقابلِ تلافی ہو، ایسا خطرہ ہوجائے کہ اسباب کے تحت اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آئے۔

اگر یہ صورت کسی دشمن یا ظالم کے جبر واکراہ کرنے سے ہو تو اس کو اکراہ ملجی اور جبر تام کہتے ہیں، اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے:"إن الله تجاوز عن أمتي الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه" (۳)"وفي شرحه: أي ماطلب منهم من المعاصي علیٰ وجه الإکراه" اور اسی کے بارے میں "درالمختار" میں ہے :"وإن أکرهه بقتل ملجئٍ أو قطع عضو أو ضرب حل الفعل" ۔

اسی طرح کی اور بھی تفصیلات فقہ کی کتاب الاکراہ میں مذکور ہیں، بسبب خوف طوالت ذکر نہیں کرتا، جناب خود مراجعت فرمالیں۔

۱- سورۂ انعام ۱۱۹۔

۲- سورۂ مائدہ ۳۔

۳- مشکوۃ ۵۸۴۔

۳- یہی صورتیں اگر کسی مکرہ یا جابر کے جبر واکراہ کرنے کے بغیر خود بخود پیدا ہو جائیں، اوران کے زائل کرنے اور مرتفع کرنے کے اسباب اختیار میں نہ رہیں تو اس کو ضرورت کہتے ہیں اور اسی کے بارے میں فقہاء کرام ''**الضرورات تبیح المحظورات**''(۱) فرماتے ہیں۔

۴- جان کے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ تو نہ ہو، لیکن نا قابلِ تحمل جسمانی تکلیف یا نا قابل تلافی مالی نقصان کا ایسا خطرہ ہو جس کا ازالہ اسباب کے تحت قدرت میں نہ ہو۔

یہ صورت اگر کسی ظالم وجابر یا دشمن کے جبر واکراہ سے پیدا ہوگئی ہو تو اس کو اکراہ غیر ملجی کہتے ہیں، ایسے مواقع کے لیے فقہاء نے ''**الضرر یزال**'' فرمایا ہے۔

۵- اگر یہی چار نمبر کی صورتیں خود بخود اپنے حالات کے تحت پیش آجائیں تو اس کو حاجت یا احتیاج کہتے ہیں اور ایسے مواقع کے بارے میں فقہاء کرام "**ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**" فرماتے ہیں۔

یہ پانچوں صورتیں درجہ بدرجہ اضطرار کی ہیں، ان میں مخمصہ واکراہ کی صورتوں کے علاوہ اور صورتوں میں حکم شرعی یہ ہے کہ وہ صورت زندگی کے جس شعبہ ونوع سے متعلق ہو مثلاً معاشیات، اقتصادیات، معاشرہ، تمدن، صحت، مرض، معالجہ وغیرہ، غرض جس شعبہ ونوع سے تعلق ہو، جب تک اس شعبہ کا ماہر وحاذق واقف کار مسلمان جو با دیانت وباشرع بھی ہو یہ حکم نہ لگادے کہ واقعی اضطرار تحقق ہو گیا ہے، یا مبتلی بہ کا بار بار کا خود تجربہ صحیحہ اس پر شاہد نہ بن جائے، اس وقت تک اس میں محرمات منصوصہ کے خلاف کرنے یا اس کے استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش نہ ہوگی اور ہر شخص کی رائے کا اعتبار نہ ہوگا، ہاں اگر اضطرار ومجبوری کا تحقق ظاہر ونمایاں ہو جائے تو اس خاص صورت میں بغیر ان شرائط وقیود کے بھی وسعت وگنجائش ہو جائے گی، **لقوله تعالىٰ: "لايكلف الله نفساً إلا وسعها"** (۲) **ولقوله تعالىٰ: "ولا تلقوا بأيدكم إلى التهلكة"** (۳) **وغيرهما**

ان اضطرار خمسہ کے علاوہ کچھ اور بھی توسعات وگنجائشیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عنایت فرمائی ہیں، ان کی بنا بھی آیات ربانی ہی پر ہے مثلاً: ''**يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر**'' (۴)، اور **قوله تعالىٰ: "وما جعل**

۱- الاشباہ والنظائر/ ۱۴۰۔
۲- سورۂ بقرہ: ۲۸۶۔
۳- سورۂ بقرہ: ۱۹۵۔
۴- سورۂ بقرہ: ۱۸۵۔

علیکم فی الدین من حرج" (۱)، اور **قولہ تعالیٰ: "وما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج"**(۲) **وغیرها من الأیات۔**

ان آیات کریمہ سے بھی چند ضابطے نکلتے ہیں، جو کتب احادیث وفقہ میں مذکور ہیں:

۱-جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ تو نہ ہو، بلکہ صرف جسمانی یا مالی نا قابل تحمل یا نا قابل تلافی نقصان کا شدید خطرہ ہو، لیکن اس کا دفعیہ وازالہ بھی اسباب کے تحت قدرت واختیار میں ہو، اس کو مشقت کہتے ہیں، اور فقہاء کرام اسی کے بارے میں "**المشقة تجلب التيسير**" (۳) فرماتے ہیں۔

۲-ان ہی صورتوں میں جب نا قابل تحمل وناقابل تلافی نقصان کا شدید خطرہ تو نہ ہو مگر اس کا تحمل یا تلافی کرنا بیحد دشوار ہو جس سے بے حد تنگی رہتی ہو، معاش ومعاشرہ دشوار وتنگ تر بنا ہوا ہو تو اس کو حرج کہتے ہیں، اس کے بارے میں فقہاء کرام: "**الحرج مدفوع**" فرماتے ہیں۔

ان دونوں (مشقت وحرج) میں محرمات منصوصہ کی مخالفت یا ترک کی گنجائش نہ ہوگی، مشقت وحرج کے ازالہ کا دائرہ اثر وہیں تک ہوتا ہے جہاں تک کوئی نص خلاف میں موجود نہ ہو، چنانچہ الاشباہ والنظائر مع الحموی میں تصریح ہے فرماتے ہیں: "**المشقة والحرج انما يعتبر في موضع لانص فيه، وأما مع النص بخلافه فلا**"۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ نص عسر سے نص یسر کی طرف منتقل ہوجائیں، جیسے نص غسل ووضو سے نص تیمم کی طرف منتقل ہونا اور جیسے اتمام صلوٰۃ کی نص سے قصر صلوٰۃ کی نص کی طرف منتقل ہونا۔

اسی طرح اگر کوئی دوسرا نص جو متقاضی یسر ووسعت کا ہو نہ ملے مگر مشقت یا حرج کا باعث ایسا حکم ہو جس کی بناپر محض کسی مجتہد کا قیاس واستنباط ہو تو اس میں بھی حدود شرع میں رہتے ہوئے یسر ووسعت کی جانب منتقل ہونے کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن انتقال کی ان دونوں صورتوں میں جواز انتقال من العسر الی الیسر یا انتقال من الضیق إلی الوسعۃ میں شرائط وقیود وہی ہوں گی جو پہلے گذر چکی ہیں، یعنی اپنا بار بار کا تجربہ صحیحہ شاہد ہو یا اس شعبہ کے ماہر وحاذق باشرع بادیانت مسلمان کی تشخیص حاکم ہو خود رائی یا ہر کسی کی رائے معتبر نہ ہوگی۔

خون کے علاوہ کسی اور عضو کی پیوند کاری میں ایک انسان کے کسی عضو کو دوسرے انسان کے عضو کے ساتھ جوڑنے

۱- سورۂ حج: ۷۸۔

۲- سورۂ مائدہ: ۶۔

۳- قواعد الفقہ، قاعدہ/۳۲۱۔

میں یا استعمال کرنے میں ان ساتوں صورتوں میں سے کوئی صورت عموماً متحقق نہیں ہوتی، اگر کچھ تحقق ہوتا ہے تو صرف عدم النفع کا یا عدم استراحت کا یا بیش از بیش کلفت کا جو حسب منشاء راحت وآرام نہ پہونچنے سے پیش آجاتی ہے، اور ان سب صورتوں میں محرمات شرعیہ کے ارتکاب کی گنجائش نہیں ہوتی۔

لہذا اس پیوند کاری یا ایک شخص کے کسی عضو کو دوسرے شخص کے کسی عضو میں جوڑنے یا استعمال کرنے کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس تقسیم وانقسام کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان ساتوں الفاظ (مخمصہ، اکراہ ملجی، اکراہ غیر ملجی، ضرورت واحتیاج، مشقت وحرج) میں سے کسی ایک کا اطلاق دوسرے پر نہ ہو، حالانکہ ہم ہر ایک لفظ کا اطلاق دوسرے لفظ پر عموماً دیکھتے ہیں جو اس تقسیم انقسام کے منافی ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق عام بول چال کا ہے یا بہت سے بہت مجازی ہے جو تنقیح مسائل وبمفید احکام وتحدید احکام میں قطعاً معتبر نہ ہوگا، ان مواقع میں فقہی اصطلاح وفروق کا اور ان کی حدود احکام کا لحاظ ضروری ہوگا ورنہ خبط عشواء ہوگا اور دین حنیف ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔

اس سمع خراشی کی معافی کی درخواست کرتے ہوئے امید ہے کہ ان گذارشات پر نظر ضرور رکھی جائے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۷/۲/۱ ۱۳۹۷ھ

جس کی آمدنی حرام ہو اس سے اپنا سامان فروخت کرنا:

کسی آدمی کی آمدنی بالکل یقینی طور پر ناجائز ہے، مثلاً چوری، شراب، جوا وغیرہ تو اس سے بیع وشراء کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور جو نفع بیع سے حاصل ہو وہ ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟ ان مسائل کا جواب کتب عربیہ سے عنایت فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

آدمی کی آمدنی اگر چہ سب ناجائز ہو، لیکن جب تک متعین طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ جو چیز یہ فروخت کر رہا ہے یہ

حرام وناجائز کی ہے، یا جو قیمت یہ دے رہا ہے وہ حرام وناجائز پیسہ کی ہے، اس کے ساتھ خرید فروخت کا ناجائز ہونا ضروری نہیں اور نہ اس سے حاصل شدہ رقم کا حرام وناجائز ہونا ضروری ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/ ۷/ ۹۱ ۱۳ھ

الجواب صحیح: محمود غفرلہ

ڈاک ٹکٹ یا اسٹامپ کی تحریر شدہ قیمت سے زائد لینا:

ڈاک ٹکٹ یا سرکاری اسٹیمپ پر تحریر شدہ رقم سے زائد کچھ پیسہ لینا جیسا کہ اسٹیمپ فروش کرتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

خادم مشتاق احمد محمد پور صدر اعظم گڑھ

الجواب وبالله التوفیق:

جو لوگ گورنمنٹ کی طرف سے ان چیزوں کے فروخت کرنے پر مامور ہوتے ہیں اور گورنمنٹ انکو اس کام پر کمیشن واجرت دیتی ہے انکو زیادہ پیسے لیکر بیچنا جائز نہیں ہے۔

البتہ جو لوگ گورنمنٹ کی طرف سے اس کام پر مامور نہیں ہیں اور نہ ان کو اس پر اجرت ملتی ہے اگر وہ لوگ خود اپنے پیسے سے خرید کر کے نفع لیکر بیچیں تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی، البتہ اگر ایسا کرنا قانون وقت کے خلاف ہوگا تو اجازت نہ دیجائے گی بلکہ ممنوع کہا جائے گا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۵/ ۳/ ۱۴۰۱ھ

سامان کو متعینہ قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنا:

ایک شئی کا بازار میں ایک مول مقرر ہے مگر مشتری کو اس کی قیمت کا علم نہیں، بائع مشتری کے عدم علم یا کسی اور مجبوری کا فائدہ حاصل کرتے ہوئے مشتری سے اس چیز کی زیادہ قیمت لے لیتا ہے، پھر جب مشتری کو اس کا علم ہوتا ہے تو وہ

۱- "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض" (الدر المختار مع رد المحتار ۸/ ۲۱۶)۔

بائع سے باقی رقم کا مطالبہ کرتا ہے لیکن بائع وہ زیادتی اس کونہیں دیتا، اندریں صورت کیا مشتری ہر جائز وناجائز (چوری وغیرہ)طریقہ سے اپنی رقم وصول کرسکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

بازار کے بھاؤ سے گراں بیچنا مستحسن نہیں ہے، بائع اگر زیادہ قیمت پر بیچے اور مشتری اس کو منظور کرے اور غبن فاحش نہ ہوتو بیع صحیح ہوجاتی ہے، اور بعد تکمیل بیع مشتری کو بیع کے توڑنے کا اختیار نہیں رہتا، ہاں اگر غبن فاحش ہوجائے مثلاً عام بھاؤ سے بیس چیز بھاؤ دوگنا ہوجائے تو واپس کرسکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱-لون لے کر مکان بنوانا یا سواری خریدنا:

اس مہنگائی کے دور میں اپنی تنخواہ سے مکان بنوانا ناممکن ہے، شاید اسی لئے حکومت نے اپنے ملازمین کو مکان بنوانے کے لئے یا سواری وغیرہ خریدنے کے لئے قرضہ دینے کی اسکیم شروع کی ہے جو کہ ماہانہ قسطوں میں سود کے ساتھ تنخواہ سے واپس کرنا ہوتا ہے تو کیا اس طرح قرضہ لے کر مکان بنوایا جاسکتا ہے؟ سواری خریدی جاسکتی ہے، یا پھر کوئی کاروبار کیا جاسکتا ہے؟

۲-ٹھیکیداری کا شرعی حکم:

میں ایک سرکاری انجینئر ہوں، ٹھیکیداروں کے ذریعہ سرکاری کام کرواتا ہوں، ٹھیکیدار کام کرنے کے جو ریٹ دیتے ہیں اس میں جو کمیشن نیچے سے اوپر تک دینا ہوتا ہے شامل کرلیتے ہیں، مثلاً کسی چیز کا ریٹ سو روپے ہے اور ۲۵ فیصد کمیشن دینا ہے تو ٹھیکیدار اسی چیز کا ۱۲۵ روپیہ ریٹ دیں گے اور پھر یہ ۲۵ فیصد پورے اسٹاف میں بٹ جاتا ہے کسی کو دو فیصد کسی کو ۵ فیصد کسی کو ۱۰ فیصد وغیرہ وغیرہ، میں یہ کمیشن نہیں لیتا ہوں، میرا یہ کمیشن یا تو دوسرے مجھ سے اوپر کے لوگ لے لیتے ہیں یا پھر ٹھیکیدار کو فائدہ ہوتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے لینا چاہئے اور یہ تو حق ہے بغیر مانگے ہوئے ملتا ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ ان غیروں پر تو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہئے اور لے کر کسی غریب محتاج یا ضرورت مند یا کسی کی مدد کردینا چاہئے، اور یہ کمیشن نیچے سے اوپر تک سارے لوگ لیتے ہیں ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

دوسری طرف بہت سارے غیر سرکاری خرچے اپنی طرف سے ایسے کرنے ہوتے ہیں کہ جن کے نہ کرنے سے رپورٹ خراب ہونے کے چانس ہوجاتے ہیں، مثلاً آڈٹ ہوتا ہے اس میں اچھی خاصی رقم دینا ہوتی ہے یا کسی بڑے آفیسر کا دورہ ہے، اب اس کے رہنے، کھانے، اور کبھی کبھی ان کی فرمائش کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے، نہ کرنے پر کام میں بہت ساری کمی نکالی جاتی ہیں۔ سالانہ رپورٹ بھی خراب ہوسکتی ہے وغیرہ، ان سب حالات کا بغور جائزہ لے کر مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب وبالله التوفیق:

۱- حکومت اپنے ملازمین کو جو رقم بطور قرض دیتی ہے عموماً یہ دینا ان ملازمین کے جی پی فنڈ کے لحاظ سے اس اندازہ پر ہوتا ہے کہ ختم ملازمت کے اندر مع زیادتی کے واپس ہوجائے اور اکثر اسی کے جمع شدہ فنڈ سے دیتی ہے، لہذا اگر ایسا معاملہ ہو جب تو یہ واپس شدہ رقم مع اس زیادتی کے جو سود کے نام سے ملتی ہے اسی ملازم کے فنڈ میں جمع ہوجاتی ہے، پس اگر یہ صورت ہو تو اس زائد رقم پر سود کا نام رکھنے سے سود شمار نہ ہوگی اور اس قرض کا لینا دینا سب بلاشبہ جائز رہے گا اور اگر اس ملازم کے فنڈ کے علاوہ سے دیتی ہے تو چونکہ مکان کا ضروریات اصلیہ میں سے ہونا بغیر مکان والے شخص کے لئے ظاہر ہے، اسی طرح جس سواری کے لئے قرض لیا جارہا ہے، اس کا رکھنا بھی ضروری ولابدی ہو تو وہ ضروریات اصلیہ میں شمار ہوکر یہ قرض لینا جائز رہے گا۔ **کما یؤخذ من هذه العبارة: "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**(۱)۔

۲- دونوں قسم (۲۵ ؍ فیصد اور آپ پر زیادتی اور دورہ میں حکام وغیرہ کو کھلانا پلانا وغیرہ) کے خرچے میں شرعاً ناجائز اور ظلم ہیں اور رشوت دہی اور رشوت ستانی کے قبیل کی چیزیں ہیں، اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو ملازم رشوت نہیں لیتا تو حکام بالا کو خوش بھی نہیں رکھ پاتا اور اس حالت میں بلاوجہ شرعی معطل بھی ہوجاتا ہے اور حکومت شرعیہ نہیں کہ اس کا دفعیہ اور مداوا شرعی ضابطہ کے تحت کیا جاسکے، تو اس کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک اس ملازمت کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعۂ معاش ایسا نہ ملے جس میں ان ناجائز امور سے حفاظت مل سکے اس وقت تک یہ ملازمت نہ چھوڑے اور اوپر لکھنے کے مطابق کوئی جائز ذریعہ معاش تلاش کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء بھی کرتا رہے کہ اے اللہ! کوئی جائز ذریعہ معاش عنایت فرما اور دل میں یہ پکی نیت رکھے کہ جب جائز ذریعہ معاش مل جائے گا تو اس کو چھوڑ دوں گا تو انشاء اللہ اخروی نجات اور دنیوی ذریعۂ فلاح سے

۱- الاشباہ والنظائر رص ۱۴۹ المکتبۃ التقلین۔

محروم نہ ہوگا اور جب تک یہ ملازمت نہ چھوڑے اس وقت تک خاص طور سے جب مذکورہ بالا ناجائز امور کا ارتکاب ہو تو اس پر استغفار کرتا رہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/۱۱/۱۴۱۰ھ

پانچ گنا منافع پر بیچنا:

شرعاً بائع بیع پر اپنے اختیار سے نفع لے سکتا ہے، یہ مسئلہ تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے، مگر موجودہ زمانے اور آج کے اس نازک حالات میں بائع تاجر حضرات ایک روپیہ کی چیز پانچ روپیہ کے عوض میں بیچتے ہیں جس سے عوام پریشان ہوجاتے ہیں اور سرکاری ملازمین سرکار کے خلاف زیادتی تنخواہ کا احتجاج اور مطالبہ کرتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں تو ایسی مجبوری کے وقت سرکار و تاجر حضرات ملکر اشیاء کی قیمت مقرر کریں یا تو صرف سرکاری اشیاء پر ۲۰ فیصد نفع کو مقرر کرے تو اس صورت میں تاجر حضرات کو ان اشیاء پر ۵۰-۶۰ فیصد نفع لینا جائز ہے؟

اور ایک روپیہ کی چیز کو ان حالات میں ۴، ۵ روپے کے عوض بیچنا جائز ہے؟

کتبہ العبد محمد بن اسماعیل القرواری غفر لہٗ خادم دارالافتاء مفتی احمد بیات ۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

الجواب وباللہ التوفیق:

ہر آدمی کو اپنی مملوکہ چیز کی قیمت کے بارے میں اختیار ہے کہ جتنی زیادہ قیمت چاہے لے، مثلاً ایک پیسہ کی چیز کا ایک سو روپیہ لے یا ایک ہزار روپیہ کی چیز کا محض سو روپئے لے یا اس سے بھی کم یا بالکل نہ لے سب جائز ہے، باقی اس میں کمی یا زیادتی اور ایسا تفاوت جو تجار کے یہاں عام طور پر رائج نہ ہو خلاف رواج کہا جاتا ہے اور زیادتی فاحش خلاف مروّت کہی جاتی ہے اور بعض صورتوں میں خلابہ یا خداع تک پہنچ کر ناجائز اور ممنوع بھی ہوجاتی ہے، اسی ضابطہ کے مطابق آج بھی مندرجہ ذیل حالات کا حکم متفرع ہوگا۔

درج قیمت سے پانچ گونہ زیادہ قیمت لے لینا تجار کے یہاں عام رواج نہیں ہے، اس لئے یہ صورت خلاف مروت بلکہ بعض مواقع میں خداع یا خلابہ ہوکر ممنوع ہوگی، اور غبن فاحش کے ارتکاب کے مثل سے ہوگا، لہذا عام قیمت ایک روپیہ ہو تو بجائے ایک روپیہ کے پانچ روپیہ لینا، یا ۲۰ فیصد عام طور پر نفع مقرر رائج ہو تو بجائے ۲۰ فیصد ۵۰ یا ۶۰ روپیہ فیصد

زیادہ لینا اس حکم مذموم میں داخل ہوجائے گا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۱/۳ھ

قرض لینے کے لئے فارم کی خریداری:

مسلم فنڈ محمدی جو قرض مسلمانوں کو بلا سود دیتا ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ مقروض اور کارکن مسلم فنڈ کے درمیان فارم کی قیمت کا خریدنا ہوتا ہے اگر کسی کو دوسو روپیہ کا قرض لینا ہے تو اس کو ہرے رنگ کا فارم خریدنا پڑے گا اور اگر ایک ہزار روپیہ لینا ہے تو اس کو نیلے رنگ کا فارم خریدنا ہوگا، غرض کہ مختلف رنگ مختلف قیمت کے ہوتے ہیں مقروض اور کارکن مسلم فنڈ کے درمیان قرض کی مدت مقرر ہوتی ہے کسی کو دو ماہ کسی کو تین اور کسی کو ایک ماہ، مسلم فنڈوں کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو سود جیسے گناہ سے بچانا ہے اور مسلمانوں کو روزگار فراہم کرنا ہے، بہر حال آپ حضرات کے نزدیک اگر کوئی جائز شکل نکلے تحریر فرمائیں، اگر ناجائز ہے تو ہم لوگ مسلم فنڈ کو بند کردیں گے ہم لوگوں نے مسلم فنڈ کے قیام کا مقصد اللہ کی رضا سمجھا ہے برائے مہربانی درج شدہ مسئلہ کا جواب مع الدلائل من القرآن وحدیث دیں۔

محمد حسین قاسمی (سکریٹری مسلم فنڈ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر قرض لی ہوئی رقم کا فیصد یانی ہزار یانی دس ہزار مثلاً ماہانہ یا سالانہ یا ششماہی کا حساب نہ آتا ہو اور نہ زرکشی یا سرمایہ اندوزی کی صورت ہو بلکہ محض کام کرنے والوں کی اجرت ان کے کام کی حیثیت میں ہو یہاں تک کہ اگر ضرورت سے زائد پسماندہ لوگوں کے لئے مقدار اجرت کم کردی جائے تو یہ معاملہ شرعاً درست ہوگا ورنہ نہیں (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۶/۱۹ھ

۱- ''ولا یسعر حاکم لقوله علیه الصلاة والسلام: لا تسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق إلا إذا تعدی الأرباب عن القیمة تعدیاً فاحشاً فیسعر بمشورة أهل الرأی'' (درمختار ۹/۵۷۳)، اور حاشیہ شامی میں ولا یسعر حاکم کے تحت لکھا ہے: "أی یکره ذلک کما فی الملتقی وغیره، اور تعدیا فاحشا کے تحت مذکور ہے: ''بینه الزیلعی وغیره بالبیع بضعف القیمة''۔

۲- ''القرض بالشرط حرام والشرط لغو (الدر المختار مع رد المحتار ۷/۳۹۴)، کل قرض جر نفعاً حرام أی إذا کان مشروطاً..... وفی الذخیرة وإن لم یکن النفع مشروطاً فی القرض فعلی قول الکرخی لا بأس به'' (رد المحتار علی الدر المختار ۷/۳۹۵)، ''وفی القنیة من باب القروض: شراء الشیٔ الیسیر بثمن غال إذا کان له حاجة إلی القرض یجوز ویکره'' (البحر الرائق ۶/۲۰۶)۔

ضفدع اور سرطان کی بیع اور اس کا کھانا:

ضفدع وسرطان کی بیع (فروخت) کرنا کیسا ہے اور اس کا کھانا ائمہ اربعہ کے نزدیک کیسا ہے اور امام اعظم کا مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

زندہ ضفدع اور سرطان کی خرید فروخت کرنا سب اماموں کے نزدیک جائز ہے، البتہ مرجانے کے بعد دباغت سے قبل اس کی خرید فروخت حنفیہ کے نزدیک درست نہیں، اسی طرح ان کا کھانا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، باقی دیگر ائمہ کا مسلک وفتوی ان ہی کے مفتیان کرام سے معلوم کرنا چاہئے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۸/۱۴۰۱ھ

ایگریمنٹ کی رقم کا حکم:

زید سے دو شخصوں نے ایگریمنٹ پر جس کی مدت ایک سال ہوا کرتی ہے زمین لی جس میں سے ایک نے اندر میعاد بیعنامہ کرالیا دوسرے سے کہا گیا اور تقاضہ کیا گیا مگر وہ ٹال مٹول کرتا رہا اور اسی طرح چھ سال کا عرصہ گزر گیا اور بعد میں قطعی انکار کردیا کچھ دن ہوئے زید کا انتقال ہوگیا اور اس شخص کی ایگریمنٹ کی رقم زید کے پاس رہی، کیا اس رقم کا زید مالک ہو چکا تھا یا وہ اس شخص مذکورہ کو واپس کی جائیگی پھر جبکہ زید کا انتقال بھی ہو چکا رقم کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی؟

قمر (دیوبند)

الجواب وباللہ التوفیق:

ایگریمنٹ کی رقم کے بارے میں مشتری نے یہ معاہدہ کیا ہو کہ اگر اتنے دنوں کے اندر میں بیعنامہ نہ کراؤں تو یہ رقم

۱- ''ولا یجوز بیع ما یکون فی البحر کالضفدع والسرطان وغیرہ إلا السمک ولا یجوز الإنتفاع بجلدہ أو عظمہ، کذا فی المحیط، وفی النوازل: ویجوز بیع الحیات إذا کان ینتفع بها فی الأدویة وإن کان لا ینتفع بها لا یجوز، والصحیح أنه یجوز بیع کل شئ ینتفع به کذا فی التتارخانیة'' (فتاوی عالمگیریہ ۳/ ۱۱۴، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: عالمگیریہ ۵/ ۲۸۹)۔

سوخت ہوجائیگی، یا جب خرید نے سے قطعی انکار کیا تھا اس وقت بائع نے اس سے یہ معاہدہ کرلیا ہو کہ اب اس رقم کی واپسی نہ ہوگی اور مشتری نے اس معاہدہ کو تسلیم کرلیا ہو تو اس رقم کی واپسی زید پر اور زید کے ورثہ پر ضروری نہیں ورنہ زید کے ورثہ پر دیانتاً یہ ضروری ہے کہ اس رقم کو واپس کردیں تاکہ اس کے آخرت کا معاملہ صاف ہوجائے، اس لئے کہ یہ رقم محض توثیق وعدۂ بیع کے لئے بائع کے حوالہ کی جاتی ہے اور اس سے بائع اس کا مالک نہیں ہوجاتا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۱/۱۰/۱۴۰۱ھ

ایڈوانس دے کر مکان پر قبضہ کرلینا اور مدت کے اندر رجسٹری نہ کراسکنا:

میری والدہ صاحبہ نے ۲۵/ اپریل ۱۹۵۷ء کو ایک مکان خرید نے کا چوالیس ہزار روپیہ میں سودا کیا، ۱۸۰۰۰ روپیہ ایڈوانس دے کر مکان کا قبضہ لے لیا، اگریمنٹ میں رجسٹری کرانے کی مدت چھ ماہ مقرر ہوئی اور تقریباً والدہ صاحبہ کی زندگی میں پانچ سال گزرنے کے بعد میں رجسٹری نہ ہوئی، اکتوبر ۱۹۷۹ء میں والدہ صاحبہ کا وصال ہوگیا اور مکان کا مسئلہ یونہی رہ گیا، قانونی طور پر والدہ صاحبہ مرحومہ اس مکان کی مالک نہیں ہوئی اور نہ مکان ان کی ملکیت ہوا۔ اب شرعی طور پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا والدہ صاحبہ مرحومہ اس مکان کی مالک بنی یا نہیں اور یہ کہ مکان ان کی ملکیت ہوئی یا نہیں؟ کیا بقایا رقم والدہ صاحبہ مرحومہ کے ذمہ قرض ہے یا نہیں؟ اس مکان میں ورثہ کا کوئی حق شرعی طور پر بنتا ہے یا نہیں؟ جبکہ قانونی طور پر ملکیت نہیں ہے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق

اٹھارہ ۱۸۰۰۰ روپیہ ایڈوانس دے کر جب مکان پر قبضہ بھی لے لیا تو یہ بیع تمام وکمل ہوکر مشتریہ کی ملک ہوگیا اور مبلغ ۲۶ ہزار روپیہ بذمہ مشتریہ دین ہوگیا اور مدت رجسٹری چھ ماہ گذرنے کے بعد پانچ سال تک بائع کا مشتریہ سے واپسی

۱- جیسا کہ مہر کے باب میں مذکور ہے: "خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائماً فقط وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكاً لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الإسترداد" (الدر المختار مع رد المحتار ۴/ ۳۰۴)، "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع العربان قال مالك: وذلک فيما نرى والله أعلم، أن يشتري الرجل العبد أو يتكارى الدابة ثم يقول: أعطيک ديناراً على أني تركت السلعة أو الكراء فما أعطيتک لک" (سنن ابوداؤد ۳/ ۲۸۳ کتاب البیوع، باب فی العربان حدیث ۳۵۰۲)۔

مکان کا دعویٰ نہ کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ اس کے نزدیک یہ بیع تمام ومکمل ہو چکی تھی۔ اب اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مکان مبیعہ مشتریہ کے مرنے کے بعد مشتریہ کا ترکہ شمار ہوگا اور مبلغ ۲۶ ہزار جو بذمہ مشتریہ دین واجب الاداء تھا اس کو پہلے ادا کیا جائے گا چاہے ورثہ اپنے پاس سے ادا کریں یا وہ مکان فروخت کر کے ادا کریں، دین ادا کرنے کے بعد جس طرح اور تمام مملوکات تمام ورثہ شرعی پر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوں گے، اسی طرح یہ مکان بھی حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا، اس لئے کہ ادائیگی دین ووصیت صحیح حقوق متقدمہ علی المیراث میں سے ہے، ان حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد تقسیم وراثت کا حکم متوجہ ہوتا ہے، ہاں دین جس کا حق ہو وہ معاف کر دیں تو یہ بات دوسری ہوگی اور دین معاف ہو جائے گا، قانون اور کاغذی کارروائی کی تکمیل پر شرعاً تکمیل بیع معلق ہونا ضروری نہیں۔ شرعاً یہ بیع مکمل وتمام ہو چکی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

خنزیر کی چربی سے بنے صابن اور اس کی تجارت کا حکم:

۱۔ زید کا صابون بنانے کا کارخانہ ہے اور اس میں امریکن چربی استعمال کرتا ہے جس میں ساٹھ ۶۰ فیصدی خنزیر کی چربی ہے اور چالیس فیصدی بیل کی چربی ہوتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس چربی سے تیار ہوئے صابون کی تجارت جائز ہے یا کہ نہیں اور اس صابون کا استعمال جائز ہے یا کہ نہیں؟

۲۔ اگر یہ تجارت جائز نہیں ہے تو ابتک جو آمدنی حاصل ہو چکی ہے جس سے حج بھی کیا گیا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کی گئی اور اس کی آمدنی کی رقم موجود بھی ہے، ان سب کا کیا حکم ہے خود استعمال کر سکتا ہے یا کہ نہیں۔

۳۔ زید مذکور صابون بنانے والوں کی انجمن کا ممبر ہے جس میں تقریباً ۵۰۰ مسلم ممبر ہیں اور گورنمنٹ کچھ چربی کا کوٹہ (یعنی مقدار) انجمن کو دیتی ہے اور پھر وہ ان ممبروں کو تقسیم کرتی ہے جو پہلے سے اس کو استعمال کرتے رہے ہیں جن میں زید بھی شامل ہے اور کوٹہ اس شرط پر تقسیم کرتی ہے کہ اس سے صرف صابون بنا کر پبلک کو سپلائی کیا جاوے جو ۲۸ روپیہ میں دس کیلو ملتی ہے اور یہی مال بازاری بھاؤ سے ۳۲ روپیہ سے دس کیلو ملتا ہے، اس اعتبار سے اگر دس ہزار روپیہ کی چربی سے صابون بنا کر فروخت کیا جاوے تو آٹھ نو ہزار کا نفع حاصل ہو سکتا ہے تو اگر اس کی تجارت ناجائز ہو اور اس کی وجہ سے زید مذکور اپنے حصے کا کوٹہ نہ لے تو اس کوٹہ کو دوسرے ممبر آپس میں تقسیم کر لیں گے پھر اس کا نفع غیر مسلموں کو ہوگا اور زید کو نقصان رہے گا، ایسی صورت میں گنجائش نکل سکتی ہے یا کہ نہیں؟

۴۔ اگر اس چربی کا استعمال صابون میں ناجائز ہے تو زید اپنے حصے کی کسی سے بھاؤ طے کر کے اس کے بدلہ میں تیل لیکر اس سے صابون بنائے تو کیا حکم ہے؟

(نوٹ) اس امر کا بھی لحاظ رکھا جاوے کہ گورنمنٹ لا مذہب ہے جسکو دار الحرب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس سے کوئی گنجائش نکل سکتی ہو تو اسکی طرف بھی توجہ فرماویں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱ و ۲) خنزیر کی چربی یا کسی ناپاک چربی سے بنائے ہوئے صابون کی تجارت تو بلا کراہیت و بلا اختلاف جائز اور استعمال بھی مفتی بہ قول میں جائز ہے، لیکن اس قول جواز کا مدار انقلاب ماہیت پر ہے اور اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، اس لئے جب یقین ہو جائے کہ اس صابون میں خنزیر کی چربی یا ناپاک چربی پڑی ہے تو اس کے استعمال سے احتراز کرنا اولی اور تقوی ہوگا۔ مکروہ یا ناجائز نہ ہوگا۔

كما في الدر المختار على هامش الشامي ج ۲ ص ۲۹۱ (۱)، ويطهر زيت تنجس بجعله صابونا به يفتي للبلوىٰ و تحته في الشامي ثم هذه المسئله قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذى عليه الفتوىٰ واختاره اكثر المشائخ خلافاً لأبي يوسف الخ (وايضاً في الدرر في مقام آخر) ولا ملح كان حمارا أو خنزيرو لا قذر وقع في بير فصار حمأة لا نقلاب العين به يفتي (۲)۔

اس صابون کی تجارت وغیرہ جب جائز ہوگئی تو اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال و پاکیزہ ہوگی اور حج، زکوۃ خیرات جب جائز ہوگی تو اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال و پاکیزہ اور حج زکوۃ خیرات وغیرہ سب درست ہوگا۔

(۳ و ۴) خنزیر کی چربی کی ماہیت جب تک منقلب نہ ہوگی نجس العین ہے، اس کی خرید فروخت مسلمان کے لئے ناجائز ہے اس لئے آپ اس کی تدبیر یہ کر لیا کریں کہ اس کا جب آپکے لئے نامزد ہو جائے تو آپ کسی غیر مسلم سے بقدر ضرورت بھاؤ طے کر کے تیل خرید لیں اور اس غیر مسلم سے یہ کہیں کہ میرے نام کو ٹہ آگیا ہے میں اس کو نہیں لوں گا میں تمکو اختیار دیتا ہوں کہ تم لے لو یا جو چاہو کر لو پھر وہ غیر مسلم لے کر جو چاہے کرے آپ نہ لیں اور وہ غیر مسلم آپکو اس اختیار دینے پر صلے میں اس خرید کردہ تیل کی قیمت چھوڑ دے اس طرح آپ کا نقصان بھی نہ ہوگا اور کسی حرام میں مبتلا بھی نہ ہوں گے۔

۱- شامی ۱/ ۲۹۱، مطبع عثمانیہ۔

۲- شامی ۱/ ۳۰۱، مطبع عثمانیہ۔

نوٹ! جو گنجائش تھی کہہ دی گئی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح محمود عفی عنہ، سید احمد سعید عفی عنہ

ریڈیو کی مرمت وتجارت:

ہم لوگوں نے ریڈیو کی مرمت اور تجارت کے بارے میں مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند سے معلوم کیا کہ آیا ریڈیو کی بیع ومرمت درست ہے یا کہ نہیں؟ آپ کے یہاں سے تو صاف طور پر اجازت مل گئی مگر مظاہر العلوم والوں نے مع عبارت کے علماء کا اختلاف ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے اب یہ دونوں فتوے آپ کے سامنے ہیں ان دونوں میں کس کو ترجیح ہے مطلع فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

دونوں جوابوں میں کوئی خاص تعارض نہیں ہے، سہارنپور کے جواب میں احتیاط کا پہلو ہے اور دیوبند کے جواب میں اطلاق کا، اگر جوابوں میں تفصیل اور تشریح کچھ کر دی گئی ہوتی تو مستفتی کو الجھن نہ ہوتی، بہر حال سنئے ریڈیو اپنی اصل ذات کے اعتبار سے صحیح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہے یعنی بآسانی خبر رسانی کے لئے جو مقصد صحیح ہے، البتہ اس کا استعمال گانے بجانے اور لہو ولعب میں بکثرت ہو گیا ہے، ریڈیو اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی قباحت نہیں رکھتا ہے اور ایسی چیز جسکی ذات میں کوئی قباحت نہ ہو اس کی خرید وفروخت، تجارت وصنعت بے شبہ درست ہوتی ہے، استعمال میں چونکہ غلط ہے اور غلط طریقہ سے بھی ہوتا ہے جیسے خبر سننا، وعظ وخطبہ سننا وغیرہ تمام جائز کام میں اس کا استعمال جائز اور گانا بجانا وغیرہ جملہ لہو ولعب اور ناجائز چیزوں میں اس کا استعمال ناجائز ہے۔ اس کے پیش نظر مرمت کرنے میں چونکہ ٹسٹ کرنے کے لئے استعمال بھی کرنا پڑتا ہے، اس میں احتیاط کرنا واجب ہے کہ گانے وغیرہ لگا کر ٹیسٹ نہ کیا جاوے بلکہ محض خبریں مباح استعمال میں لگا کر جانچ لیا جائے تو مرمت کرنے میں بھی کوئی قباحت شرعی نہ ہوگی (۱)، اور ایک مسلمان کی شان سے بھی یہی ہے اور اس کے پیش نظر دیوبند کے فتوی میں جائز و درست لکھا ہے اور سہارنپور کے جواب فتوی میں غالب استعمال پیش نظر ہے، اس لئے کہ عموماً درست کرنے والے احتیاط نہیں کرتے ہیں اور بلاوجہ معصیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے احتیاط کرائی گئی ہے۔

۱- ''لأنه لا معصية في عين العمل'' (دیکھئے رد المحتار ۹/۵۶۱، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

اب امید ہے کہ آنجناب کے ذہن میں سے دونوں جوابوں کا تعارض بھی مرتفع ہوگیا ہوگا اور تسلی بھی ہوگئی ہوگی۔

وهكذا افاد العلامة المفتي محمد شفيع الديوبندي ثم الباكستاني، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۸/ ۸/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ

بائع مبیع بیچ کر بقیہ ثمن وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

زید نے عمر کے ہاتھ اپنا پاورلوم فروخت کیا اور عمر نے اس کا نصف روپیہ فوراً ادا کر دیا اور کہا کہ پندرہ بیس دن کے بعد بقیہ روپیہ دے کر پاورلوم لے جاؤں گا، مگر اس کے بعد ہی پاورلوم کی قیمت کم ہوگئی اور اب قیمت کم ہوتے ہوتے اتنا گھٹ گئی کہ اسی نصف روپیہ میں پاورلوم خریدی جاسکتی ہے، اب وہ بقیہ نصف روپیہ یعنی پاورلوم کی بقیہ قیمت مانگ رہا ہے، بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے تین برس تک تمہارے پاورلوم کی جو نگرانی کی ہے مجھے اس کا معاوضہ اور مکان کا کرایہ ملنا چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ عمر کے پاورلوم کی نگرانی کے اخراجات زید لینے کا حق دار ہے یا کہ نہیں؟

عمر نے پاورلوم کی بقیہ نصف قیمت تین سال تک ادا نہیں کی ہے تو اس کو بیچ کر زید اپنی رقم، نیز اخراجات وصول کرسکتا ہے، یا کہ نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

حسب تحریر سوال صورت مسئولہ میں بیع تمام ہوکر لازم ہوچکی ہے اور بائع کو اختیار ہے کہ وہ مشتری کو اس مضمون کا نوٹس دے کہ تم فلاں تاریخ کے اندر اندر مبیع لے جاؤ، ورنہ تاریخ مقررہ گزر جانے پر میں اس کو فروخت کر کے اپنی بقیہ ثمن وصول کرلوں گا۔ اس نوٹس کے بعد بھی اگر وہ تاریخ مقررہ کے اندر اندر پاورلوم نہ لیجاوے تو بائع اس کو فروخت کر کے اپنا بقیہ ثمن وصول کرسکتا ہے۔ باقی نگرانی کا معاوضہ یا اس مکان کا کرایہ جس کو پاورلوم محبوس کر رکھا ہے وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے۔ بچند وجوہ: اول تو اس لیے کہ یہ نگرانی وغیرہ کسی معاہدہ کے تحت نہیں تھا، اس لیے تبرع میں معاوضہ کے مطالبہ کا حق نہیں۔ دوئم اس لیے کہ یہ معاوضہ نگرانی یا کرایہ مکان نفع واجرت ہے اور "**المنافع لا ثمن لها**" مسلمہ قاعدہ فقہیہ، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

باب ربوا

لائف انشورنس کمپنی سے ملی ہوئی سود کی رقم انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ میں دے سکتے ہیں:

زید نے اپنی حیات میں لائف انشورنس (زندگی کا بیمہ) کرالیا تھا، اور ابھی تقریباً ایک ماہ ہوا زید کی وفات ہوگئی، زید اپنی وفات تک لائف انشورنس کمپنی میں بائیس ہزار روپیہ جمع کر چکا تھا، زید کے انتقال کے بعد لائف انشورنس کمپنی کے اصول کے مطابق زید کے ورثاء کو بیمہ کمپنی کی جانب سے متوفی زید کا اصل جمع شدہ سرمایہ بائیس ہزار روپیہ پر کمپنی کی جانب سے آٹھ ہزار روپیے کا اضافہ کردہ کل مجموعی رقم تیس ہزار روپے ملنے والی ہے، مذکورہ زید نے اپنی حیات میں الاٹسی (ہاؤسنگ بورڈ) سے ۱۹۷۵ء میں مکانات کی تعمیر وغیرہ کے سلسلے میں بتیس ہزار روپے سودی قرض لون لیا تھا، ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ء تک مذکورہ قرض کے سود کی رقم تقریباً چھ ہزار ہوتی ہے جو زید کے ذمہ قرض کی اصل رقم بتیس ہزار کے علاوہ ہاؤسنگ بورڈ کو واجب الادا ہے، اب لائف انشورنس کمپنی میں جمع شدہ اصل رقم پر مزید حاصل ہونے والی آٹھ ہزار روپے کی رقم کے بارے میں درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱-ہاؤسنگ بورڈ سے لی جانیوالی رقم بتیس ہزار روپے کے قرض کے سلسلے میں چھ ہزار روپے سود کی جو رقم واجب الاداء ہے، لائف انشورنس کمپنی سے حاصل ہونے والی مزید آٹھ ہزار روپے کی رقم میں سے زید کے ورثاء یہ سود کی رقم سے ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲-حکومت ہند کے قانون کے مطابق جس شخص کی ملکیت پچاس ہزار روپے سے زیادہ ہو، تو اس کے مرنے کے بعد اس کے مال میں موت ٹیکس کے نام سے کچھ رقم گورنمنٹ وصول کرتی ہے، اسی قانون کے تحت زید کی وفات کے بعد اس کے مال میں بھی یہ موت ٹیکس آٹھ سے دس ہزار روپے کی رقم واجب الادا ہے، لہذا لائف انشورنس کے سلسلے میں جمع شدہ رقم حاصل ہونے والی مزید آٹھ ہزار روپے کی رقم سے یہ موت ٹیکس ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳-اسی طرح لائف انشورنس سے حاصل ہونے والی مزید رقم انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، میونسپل کارپوریشن، اور میونسپلٹی

کے دوسرے ٹیکسوں (ہاؤسنگ ٹیکس وغیرہ) کے اندر ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۴-بغرض حفاظت بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں جمع شدہ اصلی سرمایہ پر سیونگ بینک سے حاصل شدہ سودی رقم ،موت ٹیکس ،سیل ٹیکس کے اندر اسی طرح مکانات کے سلسلے میں میونسپلٹی کی جانب سے عائد شدہ ٹیکسوں (ہاؤس ٹیکس وغیرہ) میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری راندیر سورت نے "فتاویٰ رحیمیہ" (۱۷۵/۳) میں ڈاکخانہ اور بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کو میونسپلٹی کے ہاؤس ٹیکس اور موٹر کے لاری انشورنس میں ادا کرنے کی گنجائش دی ہے۔

۵-اس سلسلے میں مزید توضیح و تصریح بحوالہ کتب فقہ مطلوب ہے، اس سلسلے میں ضابطہ کلیہ ہے کہ دس ہزار روپے یا اس سے زیادہ کی سالانہ آمدنی پر حکومت ہند کی جانب سے انکم ٹیکس عائد ہوتا ہے، لائف انشورنس (زندگی کا بیمہ) کے علاوہ بھی اس وقت بیموں کی بہت سی قسمیں رائج ہیں، دس ہزار روپے یا اس سے زیادہ سالانہ آمدنی والا بیمہ کی دیگر رائج الوقت اقسام میں سے کسی قسم کا بیمہ کرائے تو اس پر سے انکم ٹیکس معاف ہوجاتا ہے یا انکم ٹیکس کی رقم میں کمی ہوجاتی ہے، زیادہ نہیں دینا پڑتا ،تو کیا انکم ٹیکس کی معافی یا تقلیل کے لیے اس قسم کا کوئی بیمہ کرانے کی شرعاً اجازت و گنجائش ہے؟

۶-قومی فسادات میں یک طرفہ نقصان سے بچنے کی خاطر مکان، دوکان (املاک و جائداد) وغیرہ کے بیمہ کی شرعاً اجازت ہے، لیکن دوکان ،مکان وغیرہ کا قومی فسادات یا کسی ناگہانی حادثہ میں نقصان اور تباہ ہوجانے کی صورت میں جتنی مالیت کا نقصان ہوا ہے، اس سے زیادہ رقم کا بیمہ ہے، مثلاً دوکان یا مکان میں پچاس ہزار روپے کا نقصان ہوا ہے، بیمہ پچھتر ہزار روپے کا ہے تو نقصان سے زیادہ کی رقم بیمہ کمپنی سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر مذکورہ بالا صورت میں پچاس ہزار روپے کے بجائے پچھتر ہزار روپے وصول کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(نوٹ) قومی فسادات کی طرح دیگر ناگہانی آفات و حوادثات مثلاً سیلاب، زلزلہ، آگ لگ جانا ،چوری، ڈاک وغیرہ وغیرہ سے حفاظت کی خاطر دوکان ،مکان وغیرہ املاک و جائیداد کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد المنعم داروحال، بڑودہ، گجرات

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-لائف انشورنس کمپنی اگر مرکزی حکومت کی ہے اور ہاؤسنگ بورڈ بھی مرکزی بورڈ ہے تو ہاؤسنگ بورڈ کی سود میں

لائف انشورنس سے ملی ہوئی سود کی رقم دے سکتا ہے: **"ما حصل بسبب خبيث فالسبيل رده إلى رب المال"**(۱)۔

۲-لائف انشورنس کمپنی اگر مرکزی حکومت کی ہے تو موت ٹیکس میں بھی لائف انشورنس سے ملی ہوئی سود والی رقم دے سکتے ہیں۔

۳-لائف انشورنس کمپنی جب مرکزی حکومت کی ہو تو اس سے ملی ہوئی سود کی رقم انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس میں جبکہ مرکزی حکومت کی ہے، دے سکتے ہیں باقی میونسپل کارپوریشن بورڈ، میونسپلٹی ٹیکس اور اس کے علاوہ دیگر ٹیکسوں میں نہیں دے سکتے۔

۴-گورنمنٹ بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم انکم ٹیکس اور ہر ایسے غیر شرعی ٹیکس میں دے سکتے ہیں جو مرکزی حکومت کے ہیں اور ایسے ٹیکس میں دینا درست نہ ہوگا جو مرکزی حکومت کے نہیں ہیں، پس میونسپلٹی وغیرہ کے ٹیکس میں دیدینے سے برأت ذمہ نہ ہوگی۔

اصل ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی حرام مال ہو، اس کے بارے میں اصل حکم یہی ہے کہ جس کا وہ مال ہے اس کی ملک میں کسی تدبیر سے **لوٹا** دینا(۲)، اور جب اصل مالک کی ملک میں نہ پہنچا سکے تو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ کسی مستحق صدقہ کو دے کر جلد از جلد اپنی ملک سے خارج کردے اور خود کسی کام میں استعمال نہ کرے اور نہ اس کو صدقہ میں دینے کے بعد ثواب کی نیت کرے(۳)۔

۵، ۶-قانونی مجبوری یا ملکی فساد وغیرہ کے خطرہ سے بچنے کی نیت سے انشورنس کرانے کی گنجائش ہے، باقی اپنے جمع کیے ہوئے روپے سے زائد جو روپیہ ملے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ انشورنس کمپنی سے زائد رقم ملے تو اس کو ایسے ٹیکس میں دینا درست ہے جو براہ راست گورنمنٹ خزانے میں پہنچتا ہو، جیسا کہ ۲ کے تحت لکھے ہوئے ضابطہ میں بتلا دیا گیا ہے، اگر اس طرح کے ٹیکس میں نہ دینا ہو یا دینے سے بچ جائے تو پھر ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے ثواب کی نیت کیے بغیر غرباء ومساکین کو جلد سے جلد دیکر یا ایسے مدارس دینیہ میں دے کر جس میں غیر مستطیع طلبہ کو کھانا کپڑا دیا جاتا ہو، اپنی ملک سے نکال دیں، اور ان مدارس میں دیتے وقت ان کے مصارف میں صرف کرنے کی تاکید کردیں، بلکہ اگر اپنے یہاں ایسے دینی مدارس موجود نہ ہوں اور ان مدارس کی ضرورت ہو تو ایسے مدارس قائم کر کے غریب بچوں کو اس میں کھانا کپڑا

۱- قواعد الفقہ ۱۱۵۔

۲- "إذا علم المالک بعينه فلا شک في حرمته ووجوب رده عليه" (شامی ۴/۱۳۰، باب البیع فاسد)۔

۳- "وأما إذا كان عنده جل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء" (بذل المجہود ۱/۳۷، کتاب الطہارت)۔

وغیرہ دینے کا نظم کر کے اس میں بغیر نیت ثواب دیدینا چاہیے کہ اس سے دین اور علم دین کو فروغ اور ترقی ہوگی، اور اس فروغ وترقی کا ثواب خود بخود ملے گا، علی ہذا دین اور علم دین کی ترقی اور فروغ کے لیے ایسے مدارس کے قائم کرنے کا منجانب شرع حکم بھی ہے۔

(نوٹ) یہ بھی خوب سمجھ لیجئے کہ آج کل کے جاری شدہ نصاب جو سرکاری اسکولوں میں رائج ہیں اور ان میں قوم کے امیر وغریب ہر ایک کے بچے لازمی طور پر پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں۔ اور اردو زبان جس میں مسلمانوں کا دینی سرمایہ اگرچہ منتقل ہو چکا ہے مگر اردو زبان نہ پڑھنے اور نہ جاننے کی وجہ سے مسائل دین اور علم دین سے بیگانگت بڑھتی جارہی ہے اور ایسی صورت میں ان بچوں کو بلکہ اپنی نئی پود کے سب لوگوں کو اپنی زبان اردو ہو تو اردو زبان میں ورنہ جو اپنی مقامی زبان ہو اس میں اپنے دینی مسائل کو جلدی سے منتقل کر دینا ہر ذی حیثیت مسلمان پر واجب ہے، اور جہاں تک جلد ہو اپنا تمام دینی علمی سرمایہ مقامی زبان میں منتقل کر دینا لازم ہے، اور یہ عام لوگوں کے دین ومذہب کے بچاؤ کے لیے فرض ہو رہا ہے، اس طرف قوم کے ہر فرد پر اس کی مالی اور علمی استطاعت کے مطابق حکم خداوندی متوجہ ہے، جیسا کہ جب ایران میں مذہب اسلام پہونچا اور وہاں عربی زبان پوری طرح رائج نہیں تھی تو اس وقت کے علماء ومشائخ نے فوراً اور جلد سے جلد تمام مذہبی سرمایہ فارسی زبان میں اس طرح منتقل کر دیا کہ وہاں کا ہر فرد بشر جلد سے جلد دین سے اور دینی مسائل سے واقف ہو گیا اور کایا پلٹ گئی .... بالکل یہی حالت اس وقت ہندوستان میں ہندوستان کی قومی زبان رائج ہونے کی وجہ سے ہو گیا ہے، اور یہ کام اس وقت کا بہت بڑا دینی کارنامہ، دینی خدمت اور بہت بڑا اجہاد ہے، اہل فہم غور کریں اور جلد متوجہ ہوں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/۷/۱۴۰۰ھ

بحالت مجبوری بینک سے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

ہم لوگ بہت جلد دوسری جگہ منتقل ہونے پر مجبور ہوں گے، اس ملک کی سرکار کے قانون کے بموجب، سرکار ہم لوگوں کو نئی اراضی متعلقہ دکان میں ٹھہرائے گی جس کو ہم لوگوں کے واسطے بنایا گیا ہے، جیسے ہی اس دکان سے واسطہ ہوگا ہم لوگوں کو اپنا مکان بنانا ہوگا، مان لیجئے کہ ایک شخص کے پاس مکان بنانے کے لیے پیسہ نہیں ہے تو کیا وہ لون حاصل کر سکتا ہے جس میں سود لگتا ہے، اگر شریعت اسلام میں ایسا نہیں ہے تو یہاں کی سرکار یا بلڈنگ سوسائٹی بغیر سود کے منظور نہیں کرتی، کیا امارت شرعیہ ایسی حالت میں ایک شخص کو سود دینے کے لیے حکم دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کا قانون یہی ہے، زبردستی ہمیں اپنے گھروں اور دکانوں سے نکالا جارہا ہے، ہم لوگ ہر طرح سے مجبور ہیں، ہر کام ہماری مرضی کے خلاف ہوتا ہے، اگر امارت شرعیہ ایسی حالت میں بھی سود دینے سے منع کرتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرکار ہم لوگوں کو وہاں پہنچائے گی جہاں ہمیں بہت تکلیف ہوگی اور ہم ہر طرح لاچار و مجبور ہو جائیں گے۔

براہ کرم ہمارے ان مسائل کے سلسلے میں ایسی وضاحت سے جواب مرحمت فرمائیں کہ ہم سب آسانی سے اس کو سمجھ سکیں اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

المستفتی حاجی محمد سلیم سلیمان افریقہ

الجواب وبالله التوفيق:

اگر حالات تحریر کیے ہوئے صحیح ہیں تو واقعی یہ حاجت صحیح اور احتیاج صحیح ہے، اور ایسی حالت میں اگر بغیر سود کا قرضہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ نے بوجہ ضرورت اور حسب ضرورت بینک سے سودی قرض بھی لے لینے کی اجازت دی ہے(۱)۔

البتہ جہاں تک جلد ہو سکے ایسے قرض سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جب تک سبکدوشی حاصل نہ ہو جائے کچھ استغفار کرنے کا بھی معمول بنائے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتا رہے کہ اے اللہ! اس مال سے جلد نجات دے کر بہتر مال عطا فرما، اس لیے کہ ایسی صورتیں ہمارے ہی اعمال بد کی پاداش ہوتے ہیں، **کما ورد في الخبر: "اعمالكم عمالكم"** اور کسی شاعر نے کہا ہے:

یہ اعمال بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۳/۲/۱۴۰۱ھ

جمع شدہ زکوۃ کی رقم پر بینک سے ملنے والے سود کا مصرف؟

بحیثیت زکوۃ فنڈ کے خزانچی کے جو زکوۃ کی رقم بغرض حفاظت بینک میں جمع کرتا ہوں وہ بڑی رقم ہوتی ہے، ایک سال میں آہستہ آہستہ زکوۃ کی رقم خرچ ہو جاتی ہے اور مستحقین پر صرف ہو جاتی ہے، لیکن بینک زکوۃ فنڈ کی رقم پر سود

۱- ''ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح'' (الاشباہ والنظائر ۱۱۵)۔

دیتا ہے۔

میری مشکل یہ ہے کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بینک سے جو رقم زائد ملتی ہے، میں اسے کس طرح اور کہاں خرچ کروں؟

براہ کرم اس بارے میں قانون اسلامی کی رہنمائی کریں۔

المستفتی محمد باندوپ، مل سوانش

الجواب وباللہ التوفیق:

اصل بات تو یہی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جلد سے جلد مصرف میں پہنچا کر یا ادائیگی کر کے سبکدوش ہو جانا چاہیے (۱)۔

لیکن اگر بروقت مصرف نہ ملنے کی وجہ سے ذخیرہ کرنا پڑ جائے تو یہ بھی درست ہے اور ایسی صورت میں حفاظت کی غرض سے بینک میں جمع کرنا بھی درست ہے، پھر جو رقم سود کے نام سے بینک سے ملے اس کو بھی مستحقین زکوٰۃ پر اور قرضہ میں دبے ہوئے اور پریشان حال مسلمانوں پر بطور صدقہ کے خرچ کر دے اور اگر اس کے مصرف کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کرنا ہو، جیسے مسافر خانہ کی تعمیر یا دینی مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں تو شرعی حیلہ کے ذریعہ تملیک مستحق کر لینے کے بعد صرف کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/ ۷/ ۱۴۰۰ھ

بلاضرورتِ شدیدہ سودی قرض لینا ناجائز ہے، نیز فکس ڈپازٹ کا حکم:

میں سعودی عرب سے مستقل طور پر اپنے وطن واپس ہونا چاہتا ہوں، لیکن یہاں سے جانے کے بعد گذارے کے لیے ذریعہ آمدنی کیا ہوگا، ہمیشہ سوال رہا ہے، میرے پاس کچھ سرمایہ بھی جمع ہے، لیکن کاروبار میں آج کل اس قدر بے ایمانی ہے کہ ایسا شخص جو زندگی میں پہلی بار تجارت میں داخل ہونا چاہتا ہے ہمیشہ نقصان ہی سے دوچار ہوتا ہے، یہ صرف مفروضہ نہیں بلکہ میں اپنے ایسے متعدد ساتھیوں کو شخصی طور پر جانتا ہوں۔

اولاً تاجر برادری کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کا روپیہ ڈوب جائے اور وہ اپنے ہتھکنڈوں میں کامیاب

۱- الفتاوی الہندیہ ۱/ ۹۱ا باب المصارف۔

بھی ہو جاتے ہیں۔

ثانیاً جولوگ نفع بخش تجارت کرتے ہیں ان میں بھی اندر سے دیکھا جائے تو وہ اپنی تجارت کو منافع بخش بنانے کے لیے مختلف غیر اسلامی ذرائع مثلاً رشوت دینا، جھوٹ بولنا، ذخیرہ اندوزی کرنا، من مانی قیمتیں بڑھانا اپنائے ہوئے ہیں اول صورت میں ضیاع سرمایہ کا خوف ہے تو دوسری صورت میں حلال تجارت کو برقرار رکھنے کے لیے غیر حلال یا غیر اسلامی TACTIES ضروری ہیں اور دونوں ہی برے ہیں۔ واپس ہونے پر اپنی فیملی کے اخراجات چلانے کے لیے اپنا جمع شدہ سرمایہ میں FIXED DEPOSIT رکھ کر جو بھی منافع بینک سے ملے اس میں اپنی فیملی کی زندگی کے اخراجات پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، براہ کرم مذکورہ بالا دونوں صورتوں کی جو تشریح میں نے لکھی ہے، اس کو خیال میں رکھتے ہوئے بتلایے کہ مذکورہ بالا منافع بینک کے ذریعہ اپنے اور اپنی فیملی کے اخراجات پورا کرنا حلال ہے یا حرام؟

سید عبداللہ (سعودی عربیہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ صحیح ہے، بداخلاقیوں کا دور ہے، چھوٹی تجارت کی پہلی شکل حد و د دشمنی کی زد میں آکر اکثر فیل ہو جاتی ہے، باقی اس میں جو نفع و بچت ہوتی ہے وہ جائز طریقہ سے حاصل ہو کر حلال و جائز رہتی ہے، اور جو ذرا اونچے پیمانہ پر اور نفع بخش تجارت کرتے ہیں، اس میں بھی ایمانداری و دیانت سے کام کرنے کی تمنا و خواہش کے باوجود غیر اسلامی قانون ہونے کی وجہ سے وہ باتیں مجبوراً کرنی پڑتی ہیں جس کا ذکر آپ نے خود بھی کیا ہے، مگر ان تمام غیر شرعی معاملات میں حرام روپیہ اپنی ملکیت سے نکل جاتا ہے بلکہ غیر شرعی طریقہ سے کچھ اپنا جائز اور حلال روپیہ بھی اپنی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور چونکہ مجبوری کی وجہ سے نکلتا ہے، اس لیے اس پر استغفار کرنے سے خدا کی طرف سے معافی کی امید ہے، چنانچہ فقہاء کرام تشریح کرتے ہیں کہ رشوت جس کا لینا اور دینا مثل سود کے دونوں حرام ہیں، مگر مجبوری کی صورت میں اپنا حق بغیر رشوت کے نہ ملتا ہو تو رشوت دینے میں صرف رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا دینے والا معذور قرار دے کر انشاء اللہ گناہ سے محفوظ رہے گا، **"دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله، ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع"**(۱)، اسی طرح جب بغیر قرض لیے کام نہ چلتا ہو یا ناقابل عمل تکلیف کا سامنا ہو اور قرض غیر سودی نہ ملتا ہو تو بینک سے بقدر حاجت و ضرورت

۱- ردالمحتار ۱۰/ ۶۰۷۔

لینے کی گنجائش ہوجاتی ہے، کمافی الاشباہ والنظائر/۱۱۵ مع الحموی: **"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**۔

مثلاً اپنے جائز روپے سے بھی بڑا کاروبار کرنے میں قانون حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہوکر اپنا جائز روپیہ کالا روپیہ شمار ہوکر قابل ضبطی وغیرہ ہورہا ہوتو قانونی رو سے اور اپنے حلال روپے کو بچانے کے بقدر مجبوری میں بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہوجاتی ہے، البتہ استغفار برابر کرتے رہنا اور خدا سے دعاء کرتے رہنا کہ اے اللہ! یہ ہمارے اعمال بد کے نتائج ہیں، لقولہ علیہ السلام: **"کما تکونوا یولیٰ علیکم"** اَو **کما قال اولقولہ علیہ السلام: "اعمالکم عمالکم"** اس لیے ہمارے اعمال ایسے بنادیجئے اور ہمیں ایسی توفیق دیجئے کہ ہم اس قسم کے حالات سے محفوظ رہیں، غرض اس طرح تجارت کرنے میں اگرچہ غیر اسلامی حکومت ہونے کی وجہ سے مجبوراً کچھ غیر شرعی کام کرنے پڑیں جس کے لیے توبہ واستغفار کرنا بھی بسا اوقات کافی ہوسکتا ہے، لیکن جو پیسہ اور مال اپنے پاس آتا ہے اور جو نفع وبچت ہوتی ہے وہ جائز اور حلال مال ہوتا ہے، اس کے کھانے اور استعمال کرنے میں حرام مال اور خبیث مال کھانے کا گناہ ووبال نہیں ہوگا، اور بینک میں سرمایہ اسی نیت سے جمع کرنا کہ اس کے ذریعہ سے جو سود ملے گا اس سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفالت کروں گا، اس صورت میں سود کھانا لازم آئے گا جس کی حرمت پر نصوص قطعیہ شاہد ہیں، اور جس کے بارے میں قرآن پاک میں یہ تصریح بھی ہے کہ: **"یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات"** (۱) پھر صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک سودی معاملہ میں آٹھ آدمی لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہوجاتے ہیں، بلکہ سود خوار پر کھلم کھلا سرکار دوجہاں ﷺ کے دربار سے لعنت آتی ہے اور پھر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تمام قرآن میں آیت ربوا ہمارے درمیان جتنی خوفناک ہے دوسری کوئی آیت نہیں، غرض اس صورت میں بینک میں سرمایہ جمع کرکے کھلم کھلا سود کی رقم کھانے کا اور بغیر کسی مجبوری کے کھانے کا گناہ اور وبال لازم آئے گا اور ایسا گناہ اور وبال کہ اس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے، کیسے گنجائش ہوسکتی ہے، اس لیے اس کی اجازت شرعاً نہیں دی جاسکتی اور قانونی بات تو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/ ۷/ ۱۴۰۰ھ

بینک سے ملے ہوئے سود کا مصرف:

مروجہ بینکوں میں سیونگ اکاؤنٹ کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اکاؤنٹ کھولا گیا ہے تو اس کے سود کا کیا مصرف

۱- سورۂ بقرہ: ۲۷۶۔

ہے، کیا سودی روپیہ کو گاؤں کی سڑک کی تعمیر میں صرف کیا جاسکتا، یا کسی غریب مسلم یا غیر مسلم کی اعانت ثواب سمجھتے ہوئے کی جاسکتی ہے؟

مشتاق احمد اعظم گڈھ

الجواب وباللہ التوفیق:

پہلی بات تو یہ ہے کہ حفاظت کی غرض سے یا کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اگر بینک میں روپیہ جمع کرنا پڑے تو ایسے شعبہ یا کھاتہ میں جمع کرنے کی کوشش کرے جس میں سود کا حساب ہی نہ لگایا جاتا ہو، پھر اگر ایسا نہ ہوسکے تو جو رقم سود کے نام سے ملے اس کو بینک میں ہرگز نہ چھوڑے، بلکہ وہاں سے نکال لے، پھر اگر خود اس کے اوپر کوئی غیر شرعی ٹیکس مرکزی حکومت کا عائد ہو جیسے انکم ٹیکس وغیرہ تو اس میں دے، پھر جو رقم بچے اس کو غریبوں، محتاجوں، پریشان حال لوگوں قرضداروں بیواؤں، یتیموں کو بغیر نیت ثواب کے بلکہ اس رقم کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ دیدے، اور خود کسی کام میں خرچ نہ کرے، نہ گاؤں کی سڑک میں نہ کسی اور کام میں۔

اگر خرچ کرنے کی ضرورت آجائے تو حیلہ تملیک کے بعد خرچ کرے، یعنی مستحق صدقہ کو بطور صدقہ دے کر مالک بنادے، پھر وہ غریب اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جس کام کے لیے دے اس میں صرف کرے[۱]، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

سود کی رقم سود میں خرچ کرنا:

انڈیا گورنمنٹ کے قاعدہ کے مطابق ہر کاروباری کو اپنی آمدنی کی چوتھائی رقم لازماً حکومت کے بینک میں جمع کرنی پڑتی ہے جو پانچ سال سے پہلے واپس نہیں مل سکتی، البتہ اس کا سود جب چاہے نکال سکتے ہیں اور دوسری طرف اس تاجر کو اپنے کاروبار کے لیے سودی قرض لینا پڑتا ہے، کیونکہ رقم بینک میں اٹکی ہوتی ہے جس کے لیے وہ تیار نہیں ہے مگر مجبوراً قرض لے کر سود ادا کرنا پڑتا ہے۔

۱- ''والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء'' (الدر المختار مع الشامی، ج۲ ص ۲۳ کتاب الزکوٰۃ) (مرتب)۔

تو اگر مذکورہ تاجر اپنی جمع شدہ رقم کا سود نکال کر لون والے کو سود ادا کرے تاکہ سود کا مال سود ہی میں جائے، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

حاجی صدیق بھائی روایری روڈ یون مرچنٹ بھاؤنگر

الجواب وباللہ التوفیق:

سود کا مال سود میں جائے یہ تو کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ چونکہ خود گورنمنٹ لازماً ایک رقم کاٹ کر اپنے پاس جمع کر لیتی ہے اور اس کا سود بھی خود دیتی ہے، اور دس یا پانچ سال تک وہ شخص اپنا روپیہ بھی نہیں نکال سکتا ہے، اول تو اس نفع کو شرعی سود کہنا جب کہ روپیہ جمع کرنے پر مجبور ہے مشکل ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ سود مرکزی حکومت (سینٹرل گورنمنٹ) سے ملتا ہے اور یہ بینک سے قرض لے کر جو سود دینا ہوتا ہے وہ بینک کو دینا ہوتا ہے اور بینک بھی مرکزی حکومت کا ہوتا ہے، اور ہر حرام مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سے ملا ہو وہاں واپس کر سکے تو واپس کر دے (۱)۔

پس اس قاعدہ شرعی کے تحت جو رقم سود کے نام پر سینٹرل گورنمنٹ سے ملی تھی، اس کو بینک کے سود کے نام سے اگر چہ دیا مگر اصل میں جہاں کی وہ رقم تھی وہاں ہی پہونچا دی، اس لیے یہ صورت شرعاً گنجائش رکھے گی، اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو سود کی رقم کا حکم شرعی یہ ہے کہ اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء و مساکین کو بطور صدقہ دیدے، ”**ما أبیح للضرورة یتقدر بقدرھا**“ (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/۳/۱۴۰۲ھ

بینک کے سود کے بعض جدید احکام:

اگر بینک سے سود کی رقم اس مقصد سے حاصل کی جائے کہ اس کو شرعی حیلہ اختیار کرنے کے بعد جس کی فقہاء کرام

۱- ”وما حصل بسبب خبیث فالسبیل ردہ إلی رب المال“ (قواعد الفقہ ۱۱۵) ”وفي رد المحتار إذا عرفوھم وإلا تصدقوا بھا، لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبھا“ (شامی ۵/۳۵۵) ”ویتصدق بھا بلا نیۃ الثواب إنما ینوی بہ براءۃ الذمۃ“۔

۲- الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی ۱۰۸۔

نے اجازت دی ہو مفادِ عامہ کے امور جو حسبِ ذیل ہیں:

جیسے تعلیمی وظائف کا دینا، آنکھوں کا کیمپ لگانا، خیراتی ہسپتال چلانا، سیلاب زدگان کی امداد کرنا، سڑک یا پل تعمیر کرانا، دنیاوی تعلیم کے اسکول چلانا، ایسی عمارت بنانا جس میں مفادِ عامہ کے کام انجام دیے جائیں۔

تو کیا کسی شخص سے بطورِ قرض لے کر مذکورہ بالا امور میں صرف کر دیا جائے اور قرض دہندہ کو بینک سے حاصل شدہ سودی رقم سے قرض ادا کر دیا جائے تو اس صورت میں مسئلہ کی نوعیت کیا رہے گی؟ آیا یہ مصرف اور ان پر خرچ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

مسلم فنڈ دیوبند

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شخص محتاج غریب ان رقوم کا مستحق ہو یعنی کم سے کم مستحق زکوٰۃ ہو وہ اگر اپنی خوشی اور صوابدید سے قرض لے کر مندرجہ بالا کاموں کے لیے کچھ دیدے تو اس کو وہ پیسہ دے کر مالک بنا دینا کہ وہ خود اپنا قرض ادا کر دے تو درست ہو سکتا ہے اور اس کی گنجائش نکل سکتی ہے (۱)۔

باقی جو شخص ان پیسوں کا مستحق نہیں ہے، محتاج و پریشان نہیں ہے اس کا قرض لے کر ان کاموں کے لیے دیدینے کے بعد اس کو یہ پیسہ دیدینا خواہ قرض کی ادائیگی کے لئے ہی ہو درست نہ ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مذکورہ کاموں کے مقصد سے سود حاصل کرنے کے لیے بینک کے سودی شعبہ میں جمع کرنا خود محمل کلام ہے، اس مقصد کی تحصیل کے لیے بھی ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔

یہ مذکورہ بالا حیلہ بھی محض اس صورت کا ہے کہ کسی تجارتی یا قانونی مجبوری سے یا حفاظت کی مجبوری سے بینک میں کھاتہ کھولنا ناگزیر ہو گیا اور پھر غلطی سے یا کسی مجبوری سے ایسے شعبہ میں جمع کر دیا جس میں سود کا حساب لگایا جاتا ہے اور سود کی رقم ملتی ہے تو اس رقم کو وہاں نہ چھوڑے، وہاں سے نکال کر ان حیلوں کے ذریعہ سے جلد سے جلد اپنی ملک سے بغیر نیت ثواب کے نکال دے (۲)۔

۱- "والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمرہ بفعل ھذہ الأشیاء" (الدر المختار علی الشامی، ص ۲۳، ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

۲- رد المحتار، ص ۱۳۰ ج ۴ باب البیع الفاسد، بذل المجھود ے ۳/۱، کتاب الطہارۃ۔

یہاں اگر بینک میں جمع کرنے والا یہ شخص حکومت کو انکم ٹیکس یا سیل ٹیکس وغیرہ ایسا ٹیکس بھی دیتا ہے جس میں ٹیکس کی رقم براہ راست سرکاری خزانہ میں پہنچتی ہے تو اسٹیٹ بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم پہلے ان ٹیکسوں میں دیدینا چاہیے تاکہ یہ رقم جہاں سے آئی تھی وہاں پہنچ جائے (۱)، اور جو رقم ان ٹیکسوں میں دینے سے بچے اس کو مذکورہ حیلہ کر کے خارج از ملک کردے پھر وہ مستحق رقم کا مالک ہونے کے بعد جس مصرف میں چاہے دے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۳۹۹/۲/۹

سود کی تعریف اور بینک کے سود کا حکم:

اس سوال کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل کے ساتھ مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرماتے ہوئے ثواب دارین حاصل کریں۔

سود کی تعریف کیا ہے؟ بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود بینک کی جانب سے ملتا ہے، اس کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو کیا اس کو حاصل کر کے غرباء اور محتاجوں کو تقسیم نہیں کر سکتے؟ جب کہ اس کے حاصل نہ کرنے سے بینک میں ضائع ہوگا۔

مسلم بینک کے سود کا حکم؟

سعودی عرب جہاں سے تمام اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں آیا ہے کیا وہاں کے بینکوں میں سود ادا نہیں کیا جاتا اگر ادا ہوتا ہے تو وہاں کے علماء کیوں خاموش ہیں، یا وہاں کے بینک سے سود لیا جا سکتا ہے۔

محمد عبدالمقتدر (پوسٹ بکس ۴۷۳ ابوظہبی متحدہ عرب امارات)

الجواب وباللہ التوفیق:

ربوا سود مطلقاً حرام ہے (۲)، بینک سے جو رقم سود کی ملے اس کا لینا اور حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے، اگر کسی مجبوری

۱- ''ما حصل بسبب خبیث فالسبیل ردهٔ إلی رب المال'' (قواعد الفقہ، ۱۱۵، رد المحتار ۲۲۳/۵، فصل فی البیع) (مرتب)۔

۲- ''فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات أحلت لهم وبصدهم عن سبیل الله كثیراً وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه وأكلهم أموال الناس بالباطل وأعتدنا للكافرین منهم عذاباً ألیماً'' (سورۂ نساء ۲)، ''وعن ابن مسعود ؓ عن النبي ﷺ قال: الربوا ثلاث وسبعون باباً أیسرها ان ینكح الرجل أمه'' رواه الحاكم وقال: صحیح علی شرط البخاری ومسلم، وعنه أن النبي صلی الله

سے بینک میں جمع کرنی پڑ جائے تو ایسے صیغہ وشعبہ میں جمع کرے جس میں سود نہ لگایا جاتا ہو اور اگر کسی وجہ سے ایسے شعبہ میں جمع کر دیا ہو جس میں سود لگایا جاتا ہو تو اس کو ایسے صیغے وشعبے میں منتقل کرا لے جس میں سود نہ لگایا جاتا ہو۔

یہی حکم تمام بینکوں اور ان کے سود کا ہے۔

سعودی عربیہ میں سود لیا جاتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لیا جاتا ہے تو وہاں کے علماء کیوں خاموش ہیں ان سب باتوں کی وجہ وہیں کے علماء ومشائخ بتا سکتے ہیں۔

البتہ حکم شرعی یہ ہے کہ سعودی عربیہ بلکہ مسلم حکومتوں کے بینکوں سے اگر سودی رقم مل رہی ہو تو اس کو ان بینکوں سے نکالنا جائز نہیں ہے، بلکہ بینک میں ہی چھوڑ دینا لازم ہے اور غیر مسلم حکومتوں کے بینکوں کو قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے، غیر مسلم حکومتوں کے بینکوں سے جو رقم سود کی مل رہی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس شخص کو انکم ٹیکس وغیرہ کوئی شرعی ٹیکس اس طرح کا دینا ہو جس میں سود کی رقم اس کے خزانہ میں براہ راست پہونچ جاتی ہو تو ان ٹیکسوں میں اس سود کی رقم کو دے دینا چاہیے(۱)، اور پھر جو رقم اس ٹیکس سے فاضل پڑے اس کو خود کسی کام میں استعمال نہ کرے بلکہ بغیر نیت ثواب کے اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے مستحقین صدقہ کو دے کر اپنی ملک سے خارج کر دے(۲)۔

اور اگر اس رقم کا ٹیکس جو اوپر مذکور ہوا نہ دینا ہو، پبلک بینک سے وہ رقم مل رہی ہو تو کل کی کل رقم مستحقین صدقہ کو بطور صدقہ دے کر اپنی ملک سے نکال دینا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/۲/۱۳۹۹

سود کے پیسہ کا حکم:

زید آٹھویں درجہ تک تعلیم یافتہ ہے، زید کو سرکار کی جانب سے آٹھ ہزار (۸۰۰۰) روپے اور ایک سلائی مشین ملی، تین سال کے بعد فقط رقم واپس کرنی ہے، نیز زید کے نام اتنی رقم بینک میں ہے۔ اس کو آٹھ ہزار روپے سود کا دستیاب ہوا تو اب زید کے لئے یہ سود کی آٹھ ہزار رقم سرکار کو دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بالتفصیل مع حوالہ تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

نوٹ: اگر زید کے والد کی یہ رقم ہو (سود کی حاصل کردہ) تو کیا صورت ہوگی سرکار کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

علیہ وسلم قال: الربوا بضع وسبعون بابا مثل ذلک" (رواہ البزار)۔

۱- دیکھئے قواعد الفقہ، ۱۱۵۔

۲- فتاوی شامی ۱۲۰/۴، باب البیع الفاسد۔

الجواب وباللہ التوفیق:

آٹھ ہزار روپے جو حکومت سے بطور قرض لیا ہے وہ حکومت کا جائز مطالبہ ہے، اس میں بینک سے ملا ہوا سودی روپیہ دینا جائز نہیں ہے چاہے یہ سود کا پیسہ باپ کو ملا ہو یا خود اپنے کو دونوں کا یہی حکم ہے،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۱/۱۱/۱۴۱۰ھ

سودی رقم سے قرض کی ادائیگی:

حقیر نے ایک سماجی تنظیم انجمن اصلاح ملت کے نام سے تشکیل کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس کے اغراض ومقاصد میں سے ایک اہم مقصد سود کے استعمال کا بھی ہے جس کے تحت انجمن مسلم افراد کے شخصی بینک کے کھاتوں، مدارس کے بینک اکاؤنٹوں، خانقاہ ودیگر مسلم ٹرسٹوں کے بینک اکاؤنٹوں سے حاصل شدہ سود کو اپنی تحویل میں لے لیگی اور اس رقم سے ان مقروض لوگوں کو جو کہ مہاجنوں سے قرض لئے ہوئے ہیں اور اصل رقم وسود ادا نہیں کر پا رہے ہیں، ایسی صورت میں انجمن مقروض کی جملہ رقم اصل بمعہ سود مہاجن کو ادا کر کے اور مقروض کی زر ضمانت (مثلاً زیورات، مکانات ودیگر جائیداد کے کاغذاتوں) کو اپنی تحویل میں لے لیگی اور بعدہ مقروض کے اصل رقم ادا کر دینے پر ان کی زر ضمانت واپس کر دے گی، اگر انجمن کے سود کی آمد زیادہ ہوئی تو وہ مسلم کاروباری طبقہ کو بینک سے قرض دلا وے گی اور اس قرض کا سود انجمن خود ادا کرے گی تو آنجناب سے درخواست ہے کہ ان معاملات کو مذہب کی روشنی میں جانچ کر شرعی فتویٰ سے آگاہ فرما دیں۔

محمد انور خاں، کانپور

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ معاملہ شرعی حدود میں نہیں آتا اور نہ شرعی ضابطہ کے مطابق جائز ہی ہوتا ہے، ہاں اگر ایسا ہوجائے کہ جو لوگ مقروض ہیں یا قرض میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کو یہ رقم دیدی جائے کہ وہ لوگ اس سے خود اپنا قرض وسود ادا کردیں تو یہ درست وجائز ہوسکتا ہے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ اس رقم کو دوسرے کاموں میں خرچ کر ڈالیں گے اور اپنا قرض وغیرہ ادا نہیں کریں گے تو یہ بھی کرسکتے ہیں کہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر جائیں اور اپنے سامنے ان کو یہ رقم دے کر یہ قرض وغیرہ ادا کرادیں تاکہ وہ قرض سے سبکدوش بھی ہوجائیں اور دوسرے بیکار مصارف میں خرچ بھی نہ کرسکیں، باقی یہ کہ زر ضمانت (مثلاً زیورات وجائیداد

وغیرہ) کو اپنی تحویل میں کرلیں اور جب وہ مقروض اصل رقم ادا کردے تو اس وقت ان کو بیذ رضمانت واپس کیا جائے صحیح نہیں ہوگا بینک وغیرہ سے سود کی حاصل شدہ رقم کا یہ مصرف صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر اپنے ذاتی پیسے سے ایسا کرنا ہو تو کرسکتے ہیں اور سود کی رقم کا تو وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۲/۱/۱۹ھ

بینک کے سود کا حکم:

دوسرا مسئلہ میرے پاس یہ ہے کہ میں نے اب تک جتنا کمایا اور اس میں سے جو بھی بچایا وہ سب کا سب بینک میں ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر سال ۲½ فیصد زکوٰۃ بھی جاتی ہے، اب تک اس سود کے پیسے کو میں انتہائی غریب لاچار مجبور یا ایسے شخص کو دیدیتا تھا جو اپنے بیوی بچوں کی کفالت نہ کرسکتا ہو، اس میں لڑکیوں کی شادی بھی شامل ہے، غریبوں کا علاج بھی سب سے پہلے میں نے اپنے گاؤں کی گلی اور نالیاں پکی بنوادیں ایک ہسپتال کی عمارت بنوائی اور لاکھوں روپیہ غریبوں کو بانٹا، لیکن یہ پیسہ یعنی سود کا روپیہ کم نہ ہوا اس وقت میرے پاس تقریباً دس لاکھ روپیہ سود کا ہے، میں نے روپیہ بانٹنے کے لئے ایک ایماندار آدمی رکھا ہے ہر طرح سے چھان بین کرکے غریبوں کو روپیہ دیتا ہے میرے پاس تین قسم کے حساب ہیں:

(۱) سود کے روپیہ کا حساب انتہائی غریب، غریب طلباء انگریزی والے پیشاب پاخانہ وغیرہ۔

(۲) زکوٰۃ کا روپیہ دینی مدارس، دیندار غربا غریب عزیز واقارب غیرہ۔

(۳) کمیشن سے کمایا ہوا روپیہ۔ مساجد مدارس بنوانے کے لئے۔

اب آپ برائے مہربانی یہ بتائیں کہ کیا میرا یہ قدم اسلامی قاعدے کے مطابق صحیح ہے اور اگر نہیں صحیح ہے تو اس سود کی لعنت سے کیسے نجات ملے اور جو روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ تقریباً آٹھ لاکھ کیا اس کو اچھے مال سے بدلنا پڑے گا، آپ تفصیل سے تحریر کریں کہ میرا اقدام کہاں تک صحیح ہے، کہیں میں کسی گرفت میں تو نہیں آجاؤں گا جس سے میری عاقبت خراب ہو، یا اللہ کی ناراضگی مول لے رہا ہوں، اگر میرا اقدام غلط ہے تو اس سود کے روپئے کا استعمال کیا ہے تفصیل سے تحریر کریں۔

۱- ''لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد'' (البحر الرائق ۸/۳۶۹)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

بینک میں سود لینے کی نیت سے تو روپیہ جمع کرنا درست نہیں، البتہ چونکہ روپیہ اپنے گھر پر رکھ کر حفاظت مشکل ہو جاتی ہے خاص کر فی زمانہ، اس لئے بغرض حفاظت بینک میں جمع کرنا درست ہے، اس لئے آپ کا یہ فعل غلط نہیں بلکہ جائز وصحیح ہے، اور خاص کر سنگاپور کے بینک میں جمع کرنا مبنی بر احتیاط ہونے کی وجہ سے مستحسن ہے، نام کے لئے کرنٹ اکاؤنٹ میں سود نہ دینا ہوتا ہے باقی بینک کے عملہ ہر رقم کو سودی کاروبار میں چلا کر سود حاصل کرتے ہیں، اسلئے اس اعتبار سے کرنٹ اکاؤنٹ فیکس ڈپازٹ میں کوئی خاص فرق نہیں نکلے گا اور سود کا پیسہ بینک میں چھوڑ دینے سے خطرہ ظن غالب ہے کہ وہ لوگ اپنے مذہبی کاموں کے فروغ میں خرچ کریں یا ایسے کاموں میں خرچ کریں جس سے مسلم قوم کو من حیث مسلم قوم نقصان پہونچے، اس لئے بہ نیت حفاظت قوم مسلم یہ حکم دیا جاتا ہے کہ سود کے نام سے جو روپیہ ہے اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے بلکہ وہاں سے نکال کر شرعی ضابطہ کے مطابق اپنی ملک سے نکال دیا جائے اور چونکہ بینک سے ملی ہوئی سودی رقم کا اصل مالک معلوم نہیں اور نہ ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے ضابطہ نمبر ۴ کے مطابق اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین کو دے کر ان کو اس کا مالک بنا دینا چاہیے۔ ہاں جس ملک کے اسٹیٹ بنک سے یہ سودی رقم ملی ہے اگر اسی ملک کے اسٹیٹ کا کوئی غیر شرعی ٹیکس اپنے اوپر عائد ہو اس ٹیکس میں دیدیا جائے تو جتنی رقم اس ٹیکس میں دے گا اتنی رقم کا استرداد الی المالک مستحق ہو کر اتنی رقم سے حسب ضابطہ نمبر ۱ ذمہ سے بری ہو جائے گا اور باقی رقم کا حکم وہی رہے گا جو ابھی ضابطہ نمبر ۴ سے بیان کیا گیا۔

لہٰذا اس رقم کے بارے میں بھی آپ کا طریقہ انتہائی غریب ولا چار وغیرہ کو دینے میں بالکل صحیح ہے، البتہ لڑکیوں کی شادی کیلئے دینے میں اس کا لحاظ رکھیں کہ اگر اس کے والد یا والدہ غریب ومجبور ہوں تو ان کو بھی دے سکتے ہیں کہ وہ اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر ڈالیں اور اگر وہ غریب ولا چار نہ ہوں تو ان کو دے کر ان سے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ رقم لڑکی کی ہے اس کو دیدیجئے پھر لڑکی جس طرح چاہے خرچ کرے یا کرائے یا اگر کوئی سامان شادی کا خرید کر لڑکی کو دیدیا جائے تو یہ بھی درست رہے گا۔

اسی طرح غریبوں کے علاج میں دینے میں ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ خود نہ دیا جائے بلکہ بالمقطع ایک رقم ان کو دیدیا جائے کہ وہ خود ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ دیں یا جس طرح چاہیں علاج کرائیں، ہاں ان کو دوا یا کھانے پینے کی چیز ہو تو خرید کر دے سکتے ہیں۔ یہی طریقہ زکوٰۃ کے روپیہ کے ادائیگی کا بھی ہے، اسی طرح آپ کا یہ طریقہ بھی صحیح ہے کہ ان کاموں کے لئے

ایماندار آدمی رکھا ہے، البتہ اس میں اتنا لحاظ کرنا چاہیے کہ وہ ایماندار آدمی ادائیگی کا طریقہ اور تملیک مستحق کا طریقہ بھی اچھی طرح جانتا ہوتا کہ ادائیگی صحیح ہوکر ذمہ بری ہوجائے ورنہ اس میں اگر گڑبڑی ہوگی تو ادائیگی صحیح نہ ہوکر ذمہ بری نہ ہوگا۔

تینوں قسم کے حساب میں ادائیگی صحیح ہونے کے لئے ان اصول مذکورہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور مستحقین کی ملک میں پہنچادینا ضروری ہے، اب وہ مستحق مالک ہوکر پھر از خود کسی کام کے لئے دیدے یا اس کام میں خود صرف کردے تو یہ درست ہے اور سود کے پیسہ سے جو پیشاب خانہ وغیرہ بنوادیا ہے یا گاؤں کی گلی و نالی وغیرہ پکی بنوادیا ہے اس میں چونکہ بعض علماء نے غرباء و مساکین کی ملک میں جائے بغیر اس تصرف کی اجازت دیدی ہے، اس لئے اس میں جو روپیہ صرف ہو چکا ہے اس کو اچھے مال سے بدلنا یا اس کا ضمان وغیرہ کچھ عائد نہ ہوگا، البتہ آئندہ محتاط رہنا بہتر ہے کہ جب تک تملیک مستحق نہ ہو جائے اس وقت تک ان کاموں میں بھی خود صرف نہ کیا جائے ،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

لائف انشورنس یا بیمہ پالیسی کا شرعی حکم:

کیا بیمہ پالیسی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں ہے تو پھر کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

محمد اسماعیل (ضلع اورنگ آباد)

الجواب وباللہ التوفیق:

بیمہ میں چونکہ عموماً قمار، جواء اور ربوا ہوتا ہے، اس لیے ناجائز ہے، البتہ اگر کسی ملک یا خطہ کی بدحالی ایسی ہوجائے کہ بغیر اس بیمہ کے جان و مال کا تحفظ متعذر ہوجائے ، یا قانونی مجبوری ہوجائے تو اس اضطراری کیفیت کی وجہ سے اپنے تحفظ کے لیے بقدر ضرورت استعمال کی گنجائش ہوجائے گی۔

پھر اس کا لحاظ بھی ضروری رہے گا کہ اگر اپنی جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم ملے تو اسکو خود کسی کام میں نہ لائے بلکہ اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء و مساکین کو دیدے، ہاں اگر اپنے اوپر مرکزی حکومت کا کوئی غیر شرعی ٹیکس لاگو ہو تو اس ٹیکس میں دیدینے کے بعد جو رقم بچے اس کو بطریق مذکورہ غرباء و مساکین کو دیدے۔

نیز چونکہ ایسے حالات اپنی ہی بداعمالیوں کا ثمرہ عموماً ہوتے ہیں، اس لیے جب تک ان حالات سے نجات نہ مل

جائے، ہمیشہ توبہ واستغفار بھی کرتے رہنا اور اپنے حالات کے درست اور مطابق شرع کرنے کی کوشش کرتے رہنا اور اس کے لیے دعائیں کرتے رہنا بھی نجات آخرت کے لیے ضروری رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/ ۳/ ۱۴۰۱ھ

بیمہ کا شرعی حکم:

بیمہ کرانے کا رواج بھی عام ہوگیا ہے، اپنی مملوکہ چیز کا بھی بیمہ کرایا جاتا ہے، چنانچہ موٹر گاڑی بلا بیمہ کرائے نہیں رکھ سکتے ہیں۔ بیمہ کرائی ہوئی چیز اگر کسی حادثہ میں تباہ اور ہلاک ہو جائے تو بیمہ کمپنی ذمہ دار ہوتی ہے کہ اس کی قیمت ادا کرے، موجودہ حالات میں جب کہ املاک کے لیے ہر وقت خطرہ رہتا ہے، کیا مسلمان اپنی دکان کارخانہ یا کسی اور چیز کا بیمہ کرا سکتے ہیں، کیا ان خطرات کی بنا پر مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں کہ رقم بیمہ ان کے وارثوں کے کام آئے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

بیمہ کے اندر قمار اور ربوا ہونے کی وجہ سے تو نفس بیمہ ناجائز وحرام رہے، مگر سرکاری قانون کی مجبوری کی وجہ سے یا کاروبار کے یا ملازمت کے بقاء یا معاش ومعیشت کی مجبوری سے یا سوال میں ذکر کردہ خطرہ کے پیش نظر فقہاء محققین بیمہ کرا لینے کی اجازت دیدیتے ہیں، خواہ جان کا بیمہ ہو یا جائداد واملاک کا یا ورثاء کا، البتہ بیمہ میں اپنی جمع کردہ رقم سے جو زائد رقم حاصل ہو، اس کو مسلم غرباء ومساکین کو دیدینا ضروری ہے، خود استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر اس رقم کے تصدق کرنے سے قبل ہی وہ شخص انتقال کر جائے تو ورثاء میں جو لوگ غریب ومصرف زکوۃ ہوں گے وہ اس زائد رقم کو بھی استعمال کرسکیں گے اور جو زائد رقم بیمہ کرانے والے کو اس کی زندگی میں حاصل نہ ہو بلکہ اس کے انتقال کے بعد حکومت اپنے قانون کے تحت ازخود دے رہی ہو تو اس کو جمع کردہ اصل کی طرح تمام ورثاء بلا لحاظ غریب وغیر غریب سب استعمال کر سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

لائف انشورنس کا شرعی حکم:

پہلے یہ واضح ہو کہ پہلے پہل انشورنس کا شعبہ الگ تھا۔ اس کے قوانین وضوابط جدا تھے، اب محکمہ وشعبہ کو حکومت نے اپنے تحت لے کر اس کے قواعد کو بدل دیا اور اب حکومت جو رقم اس سے وصول کرتی ہے اس کے مصارف مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ملک کی ترقی کے لئے پانی کا نظم، دواخانہ، تعلیم وتربیت کے لیے مدرسے سڑکوں کی سہولت وغیرہ۔

۲- بڑی بڑی تجارتوں صنعت وحرفت میں خرچ کرنا۔

۳- عمارتیں تعمیر کر کے ان سے کرایہ وصول کرنا۔

۴- حکومت اپنی خاص خاص ضرورتوں پر بطور قرض لیتی ہے۔

غرض ان سارے مصارف کے لیے حکومت رقم دے کر ان سے سود وصول کرتی ہے اور سود کی اس رقم سے کارپوریشن اپنے سارے اخراجات خود برداشت کرتی ہے، جن لوگوں کی انشورنس پالیسیاں ہیں ان کو بطور وظیفہ کچھ دیدیتی ہے مگر سود کی غرض سے یہ رقم نہیں دی جاتی، اب انشورنس دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) انڈرمیعٹ پالیسی انشور ہے جس کی حکومت خود پوری طرح ذمہ دار ہے، اگر کوئی چند ہزار روپے اور چند سال کے لیے انشورنس کرتا ہے، اگر وہ بقید حیات ہے تو پوری رقم اور بونس دیدیتی ہے، دونوں قسم کے فائدے ہیں۔ اگر وہ مرجائے تو جتنی رقم کے لیے انشورنس کیا ہے، اتنی اس کے وارث کو لوٹا دیتی ہے، اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں، مگر اس طرح کے انشورنس کے لیے ان لوگوں کی پالیسی محکمۂ لائف انشورنس حق شرکت عطا نہیں کرتی جو لوگ معذور ومجبور ہوں، جیسے اندھے لنگڑے بوڑھے اور ذیابطیس کے مریض، بلڈ پریشر کے مریض وغیرہ ساٹھ سال والوں کے لیے بھی اس میں کوئی حصہ نہیں۔

دوسری قسم پیورانڈمیعٹ پالیسی کا کہلاتا ہے اس میں عمر کی کوئی قید نہیں اور نہ صحت ہی کی شرط ہے، مگر اس انشورنس میں حکومت کسی کی موت وحیات کی ذمہ دار نہیں ہوتی، اگر وہ باحیات ہے تو جو رقم جتنی مدت کے لیے جمع کی ہے وہ اور تھوڑا سا بونس دے کر اسکی پالیسی ختم کر دی جاتی ہے اور اگر مرجائے تو اس کے مرنے تک جتنا پیسہ جمع کیا ہے اتنا اسکے وارث کو لوٹا دیا جاتا ہے۔ غرض اس انشورنس میں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، موجودہ حکومت نے چونکہ اپنی رعایا پر جہاں ٹیکس لگایا ہے وہاں ایک رعایت یہ رکھی ہے کہ اگر کوئی بیوپاری اس انشورنس کی پالیسی لے تو ان کا انکم ٹیکس کم کر دیا جاتا ہے، اب جبکہ مذکورہ بالا قانون حکومت پیش کرتی ہے تو از روئے شرع ایک مسلمان کے لیے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- اگر کوئی بیوپاری یا اور کوئی شخص لائف انشورنس کی پالیسی محض اس غرض سے لیتا ہے کہ اس کے ٹیکس میں کمی ہو تو

آیا جائز ہے یا نہیں؟

۲-اوپر جو دو قسم کی پالیسیوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں دوسری قسم کی پالیسی انشورنس میں جو بونس دیا جاتا ہے وہ چھوڑ دی جائے یا نہیں۔ یا اس کو لے کر ثواب کی نیت اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے؟

۳-پہلی انشورنس میں، جبکہ دونوں طرح کے فائدوں سے ملنے والی رقم کے لیے کسی وارث کو وصیت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۴-اگر انشورنس کی پالیسی لینے کی اجازت ہو تو پہلی قسم کی انشورنس کی جا سکتی ہے۔ یا دوسری قسم؟

۵-حکومت کی عطا کردہ سہولت سے فائدہ اٹھانے میں کیا حرج ہے؟

۶-اگر دونوں انشورنس کی پالیسی والا حیات ہو اور اس کو اصل رقم اور بونس ملے تو کیا نیک کاموں میں خرچ کر سکتا ہے؟ ہماری غرض صرف یہ ہے حکومت ٹیکس زیادہ لیتی ہے اس سے بچنے کے لیے حکومت کی سہولت سے فائدہ اٹھایا جائے، علاوہ بریں کوئی نیت اور غرض نہیں ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

مرسلہ استفتاء کا ہر جز بغور پڑھ کر حکم شرعی لکھا جاتا ہے: لائف انشورنس خواہ کسی قسم کا ہو اس میں سود (ربوا) تو ضروری ہوگا اور اکثر میں قمار (جوا) بھی ہوگا اور سود قمار دونوں شریعت مطہرہ میں حرام و ناجائز ہیں، اس لئے لائف انشورنس کو جائز نہیں کہا جا سکتا، البتہ شدید مجبوری کی بات دوسری ہے، مثلاً کسی مقام کے حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ بغیر انشورنس کے جان و مال کی حفاظت مشکل ہو جائے، یا مثلاً ملازمت نہ ملے یا ملازمت برقرار و بحال نہ رہے اور بغیر ملازمت کے گزارہ مشکل ہو یا معاشرہ قائم نہ رہے تو بوجہ مجبوری کے محض بقدر گنجائش نکل سکتی ہے، مگر شرط یہ ہوگی کہ جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم سود کے نام سے جو ملے اس کو ثواب کی نیت کے بغیر، بلکہ اسکے وبال سے بچنے کی نیت سے محتاج غرباء و مساکین کو دے دیا جائے اور استغفار و دعاء کا معمول رکھا جائے کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کیجئے اور ہمارے حالات ایسے کیجئے کہ ان حرام و ناجائز چیزوں سے ہم محفوظ رہتے ہوئے اطمینان سے کمائی کر سکیں۔ اس تمہید کے بعد اب ہر سوال کا جواب نمبر وار درج کیا جاتا ہے بغور مطالعہ فرمائیں!

۱-بیجا اور غلط قسم کے دباؤ سے بچنے کی غرض سے مجبور ہو کر ضرورت کے بقدر گنجائش ہے۔

۲-وہ بونس وہاں نہ چھوڑا جائے، وصول کر کے بغیر نیت ثواب محض اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے محتاج غرباء ومساکین کودے دیا جائے۔

۳-اگر بوجہ مجبوری ایسا انشورنس کرائے تو یہ وصیت کرنی ضروری ہوگی کہ میری جمع کی ہوئی رقم سے جوزائد رقم ملے اس کو محتاج ،غرباء ومساکین کودے دیا جائے۔

۴-مجبوری کے تحت پہلی قسم کے انشورنس بھی کرا سکتے ہیں۔

۵-حدود شرع میں رہتے ہوئے کوئی حرج نہیں ہے۔

۶-دونوں پالیسیوں میں اپنی اصل رقم تو اپنے جس مصرف میں چاہے خرچ کر سکتا ہے، البتہ اصل رقم سے زائد جو رقم یا بونس ملے اس کا حکم وہی ہے جو نمبر ۲، ۳ میں گزرا، یعنی صرف محتاج غرباء ومساکین کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے دیدے اور کہیں خود خرچ نہ کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

ایک خاص قسم کے بیمۂ زندگی کا شرعی حکم:

ہندوستان میں گورنمنٹ کی طرف سے ایک کمپنی قائم ہے جو انسان کی زندگی کا بیمہ کرتی ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ ۱۰۰! زید کی زندگی کا بیمہ مبلغ پچیس ہزار کا کیا اور مدت بیمہ پندرہ سال ہے۔پندرہ سال میں زید کو پچیس ہزار روپیہ کی رقم اس کمپنی کو دینا ہے، لیکن قسط وار جب پندرہ سال پورے ہوجائیں تو پچیس ہزار روپیہ زید کو پورا کرنا ہوگا۔پندرہ سال کے بعد پوری رقم مع اس کے نفع کے کمپنی زید کو واپس کرے گی۔

لیکن اس شرط کے ساتھ کہ نفع میں پانچ فیصدی کمپنی نفع سے لے گی بقیہ زید کو واپس کرے گی اور دو سال ابتدائی میں زید کو قسط برابر دینا ہوگی، اگر اس نے ناغہ کر دیا تو جو رقم زید نے دی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔دو سال کے بعد اگر قسط وار نہیں دیا تو ساری نہیں جائے گی۔اور خدانخواستہ ایک قسط ادا کرنے کے بعد زید کا انتقال ہوجائے تو زید کے وارث کو پورا پچیس ہزار روپے مع نفع کے ملے گا۔تو آیا اس صورت میں زید کو زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ پانچ فیصدی رقم نفع کی جو کمپنی کاٹ لیتی ہے وہ نفع خود نہیں، بلکہ بیواؤں کو جو لوگ مرجاتے ہیں ان کی رقم عوض کر کے دے دیتی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس شرط سے (کہ کمپنی نفع میں سے پانچ فیصد کاٹ کر بقیہ نفع دے گی) تو خرابی واقع نہ ہوگی، البتہ اس معاملہ میں دوسری اور خرابیاں ہیں، مثلاً پندرہ سال بعد پوری رقم مع اس کے نفع کے کمپنی جو واپس دے گی، اس میں وہ پورے سرمایہ کے فیصد کے حساب سے دے گی۔ جیسے پورے سرمایہ (پندرہ ہزار کا) پانچ فیصد یا سات فیصد نفع تخصیص کرے گی یا کیا صورت ہوگی؟ اگر سرمایہ کے فیصد کے تعین کے ساتھ نفع متعین ہے، تو یہ نفع تجارت کے اصول پر نہیں ہوگا، کیونکہ تجارت میں کبھی نفع کم کبھی زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح پورے سرمایہ پر پندرہ سال میں بھی سرمایہ کا فیصد متعین نہیں ہوسکتا۔ فیصد سرمایہ کا متعین کرکے نفع مشخص کرنا یہ سود ہوجائے گا، دوسری خرابی یہ ہے کہ ابتدائی دو سال میں اگر کوئی ایک قسط بھی ناغہ ہوگئی تو کل دی ہوئی رقم ضبط ہوجائے گی یہ شرط غلط اور ناجائز ہے، معاملہ کو قمار بنا دیتی ہے۔ اسی طرح اگر رقم جمع کرنے والا ایک قسط بھی ادا کرکے مرجائے تو کمپنی کو پورے پچیس ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے یہ شرط کھلی ہوئی قمار کی ہے، اور ان خرابیوں کی وجہ سے یہ معاملہ (زندگی بیمہ کا) ناجائز و نادرست ہے، البتہ اگر بقائے ملازمت کی خاطر قانون حکومت سے مجبور ہوکر بیمہ زندگی کرنا پڑ جائے یا کسی خطہ کے ملکی حالات ایسے خراب ہوجائیں کہ بغیر بیمہ کے جان ومال وغیرہ کا تحفظ مشکل ہوجائے تو بات دوسری ہوگی اور ان مجبوریوں میں بوجہ مجبوری اس بیمہ کی اجازت ہوگی، البتہ اس بیمہ میں جمع کی ہوئی اپنی رقم سے زائد جو رقم ہے اس کو مسلم غرباء ومساکین کو دیدینا ضروری رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اور اس پر زکوۃ کا حکم:

الف- ایک شخص سرکاری ملازمت کرتا ہے، سرکاری ملازمین کے مطابق ہر ماہ اس کی تنخواہ میں سے ۱۰؍روپے لازمی طور پر کٹ جاتے ہیں اور سالانہ ۱۲ روپے پر کم از کم چار روپے یا اس سے زیادہ سود ملتا ہے، اور اسی رقم کے مجموعہ پر ہر سال اسی کے مطابق سود جمع ہوتا رہتا ہے، اور نوکری چھوڑتے وقت اس کو وہ تمام رقم مجموعہ مع سود در سود کے ملتے ہیں، سوال یہ ہے کہ یہ سود لینا رقم پر قبضہ کے وقت جائز ہے یا نہیں؟

ب- اگر ناجائز ہو اور سود لینے سے بچنے کے لیے وہ ہر سال اپنی مجموعہ رقم پر جو سود ملتا ہے، اس کے قبضہ سے پہلے اپنی جیب سے اتنی خیرات کردے اور قبضہ کے وقت تمام رقم اپنے پاس رکھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟ یہ اس لیے کہ آخر وہی رقم

سود کی نکلتی ہوئی نظر آئے اور اس سے دل میں تذبذب پیدا نہ ہو جائے، اس لیے کرنے کا ارادہ ہے۔
ج- اس رقم کی زکوۃ ہر سال نکالنی ہوگی، یا اس پر قبضہ کے بعد تمام سالوں کی نکالنی ہوگی، یا صرف ایک سال کی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

الف، ب: سرکاری ملازمین یا کسی بھی ملازمین کی تنخواہ سے ہر ماہ جو رقم محکمہ کاٹ کر جمع کرتا رہتا ہے اور اس پر سود کے نام سے یا جس نام سے بھی اضافہ کرتا ہے اور بعد ختم ملازمت ملازم کو دیتا ہے وہ سود نہیں ہے، وہ منجانب محکمہ انعام کے قبیل سے ہے، اس کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا سب بے تکلف جائز ہے، کسی قسم کا کوئی خیال یا شبہ نہ کریں، البتہ فنڈ سے جو قرض لیتے ہیں اور اس میں جو سود دیتے ہیں وہ شرعاً سود دینا ہے، اس سے بچنے کے لیے جہاں تک ہو سکے ایسا قرض نہ لیں۔

ج: اس رقم کی زکوۃ وصول ہونے کے بعد جب اس پر ایک سال گذر جائے گا اس وقت ادا کرنی ہوگی ابھی نہیں (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/ ۷/ ۹۱ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفرلہ

پراویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت:

پرائیویٹ فنڈ کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ فیصد ملازمین کی تنخواہ سے لے کر جمع کیا جاتا ہے اور اس کے بقدر ادارہ کی طرف سے رقم جمع کی جاتی ہے، یہ رقم بینک میں جمع ہوتی رہتی ہے اور جب ملازم سبکدوش ہو جاتا ہے تو اس کی رقم اور ادارہ کی مجموعی رقم کے ساتھ وہ سود بھی شامل کیا جاتا ہے جو اس اثنا میں بینک کی طرف سے دیا گیا تھا اور یہ ساری رقم ملازم کو دیدی جاتی ہے، بہت سے محتاط لوگ سود کی رقم نہیں لیتے ہیں، آپ نے فرمایا تھا کہ یہ سود سود نہیں ہوتا، اس درمیان ایک صاحب پاکستان سے آئے انہوں نے فرمایا کہ جناب مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا بھی یہی فتوی ہے، لیکن وہ فتوی میری نظر سے نہیں گذرا، اور نہیں معلوم کہ کس بنا پر وہ اس قسم کے سود کو سود نہیں قرار دیتے، براہ کرم آپ اپنی رائے مطلع فرمائیں۔

۱- ''وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه'' (فتاوی شامی ۲/ ۱۰ کتاب الزکوۃ)۔

بینکوں میں رقم اشخاص جمع کرتے ہیں اور اس پر سود لگتا ہے اس سود کے بارے میں غالباً ۱۹۲۸ء میں یہ فتویٰ شائع ہوا تھا کہ سود کی رقم بینک میں نہ چھوڑی جائے بلکہ لے کر کسی کو بلا امید ثواب دیدی جائے، کسی مدرسہ اور یتیم خانہ وغیرہ کو یہ رقم دی جاسکتی ہے، لیکن اگر اداروں کی رقم پر سود ملے تو کیا ادارے، مدرسے وغیرہ اپنے مصارف میں اس سودی رقم کو صرف کر سکتے ہیں یا انہیں بھی کسی اور کو دینی پڑے گی، اس سلسلہ میں آج کل یہ مسئلہ اٹھا ہوا ہے کہ امن و انتظام کی جو حالت ہے اس کی بنا پر مدرسوں اور دوسرے اداروں کو اپنے یہاں بھاری رقم نہ رکھنی چاہیے بلکہ کسی معتبر بینک میں جمع کر دینا چاہیے تاکہ محفوظ رہے اور جو رقم انٹرسٹ کے طور پر ملے اسے یہ مدرسے اور ادارے اپنی مدات میں خرچ کریں، کیا کسی معین مدت کے لیے مثلاً پانچ سال کے لیے فوری ضرورت کے علاوہ کی رقم بینک میں جمع کی جاسکتی ہے، جو اس مدرسہ یا ادارہ کا سرمایہ محفوظ ہو، ان طویل المدت جمع شدہ رقوم پر جو انٹرسٹ ملے اس کو بھی ادارہ اور مدرسہ کے کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے، کیا اس بارے میں حکومتی اور غیر حکومتی بینکوں میں کوئی فرق کیا جائے گا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حکومت چونکہ رعایا کے اموال پر تصرف کرتی رہتی ہے، آمدنی پر جتنی مقدار میں چاہتی ہے ٹیکس لگا دیتی ہے، جائیدادوں کے متعلق مالکوں کی مرضی کے خلاف قوانین بناتی ہے، جب مناسب سمجھتی ہے جائیداد کو ضبط کر لیتی ہے جیسا کہ خاتمہ زمینداری کے وقت کیا گیا کہ زمین کے جائز مالکوں کو ان آراضی سے محروم کر دیا گیا، مکانوں کے بارے میں ایسے قوانین بنائے ہیں کہ مالکان تقریباً بے اختیار ہو گئے ہیں اور اس میں بھی امکان ہے کہ حکومت زمینوں کی طرح مکانوں اور جن املاک کو چاہتی ہے مالکوں سے چھین لیتی ہے، ایسی صورت میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حکومت سے جو بھی مل جائے روا ہے، جیسا کہ خاتمہ زمینداری کے موقع پر جو بانڈ دیئے گئے تھے ان پر جو سود لگتا تھا اسے جائز قرار دیا گیا تھا، خیال ہوتا ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم اور دوسرے اصحاب نے کہا تھا کہ جو جائیداد حکومت لے رہی ہے اس کا جو معاوضہ دے رہی ہے اس کو جائیداد کی اصل قیمت سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس حالت میں جو بھی وہ دیتی ہے وہ بے حد کم ہے اور چاہے جس طرح پردے اسے لے لیا جائے۔

عبدالسلام

الجواب وباللہ التوفیق:

پراویڈنٹ فنڈ کے سلسلہ میں جو زائد رقم محکمہ دیتا ہے اس پر سود کی تعریف صادق نہ آنا تو ظاہر ہے، اس لیے کہ ملازم کی تنخواہ سے وضع کی ہوئی رقم کے برابر محکمہ جو رقم ملاتا ہے وہ رقم تو شروع ملازمت ہی میں طے شدہ ضابطہ کے مطابق ایک گونہ جزء اجرت قرار دی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور جو زائد رقم محکمہ خود ملاتا ہے خواہ بینک میں جمع رکھنے کی وجہ سے جو نفع اس کو

ملے اس کا اضافہ کر کے دیدیا خواہ کسی اور ذریعہ سے وہ حاصل کر کے دیدے یہ سب محکمہ کا اپنا ذاتی فعل ہے، ملازم اس کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ملازم کا اس میں کوئی دخل ہوتا ہے بلکہ محکمہ خود کرتا ہے، اس پر بھی سود کی تعریف صادق نہیں آتی، سود کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اموال ربویہ (اموال قدری متحد الجنس) میں تبادلہ کا معاملہ (عقد معاوضہ) کیا جائے، اور پھر کسی جانب کوئی زیادتی بلاعوض ہو، یہاں ایسا نہیں ہے، اس لئے اس رقم میں سود کی حرمت نہیں آتی، نیز اہل بینک یا اسٹیٹ غیر مسلم ہیں یا اگر مشترک ہو تو چونکہ اقتدار اعلیٰ غیر مسلم کا ہے، اس لئے اس کے احوال و احکام وہی ہوں گے جو عام غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے احوال و احکام ہوتے ہیں، غیر مسلم آپس میں سودی کاروبار اور سودی لین دین بھی کرتے ہیں، بہت سی بیع باطل و فاسد بھی کرتے ہیں، شراب بھی بناتے ہیں اور بیچتے ہیں اور اس کی قیمت لیتے ہیں، خنزیر بھی بیچ کر اس کی قیمت لیتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو یہ پیسے مزدوری میں انعام وغیرہ میں دیتے ہیں، اور ان سب پیسوں کا حرام ہونا معلوم ہونے کے باوجود ان پیسوں کا لینا اس وقت تک شرعاً جائز وغیر مکروہ شمار ہوتا ہے جب تک کہ یہ یقین نہیں ہوتا کہ یہ چیز جس کو کافر وخت کر رہا ہے یہ بعینہ وہی چیز ہے جس کو چرا کر یا ڈاکہ ڈال کر لایا ہے، جو قیمت دے رہا ہے یہ بعینہ وہی روپیہ ہے جس کو چرا کر یا ڈاکہ ڈال کر لایا ہے، غرض ان سب کا لے لینا اور استعمال کر لینا سب درست رہتا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکم جواز کیوں ہے؟ اس کی وجوہ متعدد ہیں۔ متعدد شرعی ضوابط اس کی بنیاد ہیں مثلاً:

الف: تبدیل ملک سے حکماً تبدیل عین ہو جاتا ہے۔

ب: الخلط استہلاک کا ضابطہ جو مسلم ہے۔

ج: مثلاً یہ کہ کفار ابتداء صرف ایمان کے اور حدود وعقوبت مشروعہ کے مخاطب ہوتے ہیں، باقی معاملات وجزئی احکامات کے مخاطب بعد میں ہوتے ہیں، اس لیے ان کے آپس کے معاملات برقرار اور نافذ رکھے جاتے ہیں، جب تک کہ وہ حرام لعینہ وقبیح خداع، چوری، ڈاکہ وغیرہ کا ارتکاب نہ کریں حتیٰ کہ زوجین کے ایک ساتھ اسلام لانے میں ان کے زمانۂ کفر کے نکاح کو بھی جو شرعی ضابطہ کے مطابق اکثر نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات شرعی احکام کے خلاف ہوتا ہے برقرار و باقی رکھا جاتا ہے، ہاں اگر حقیقی بہن یا ماں بیٹی کسی کے نکاح میں ہو تو اس صورت میں تفریق کرا دیتے ہیں، اس لیے کہ حرام لعینہ وقبیح لعینہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی حرمت قبیح عقلی بھی ہے، پس یہی حکم وحال یہاں بھی ہوگا کہ محکمہ جن کے اصحاب حل وعقد خالص غیر مسلم ہوں یا مشترک ہوتے ہوں مگر اقتدار اعلیٰ غیر مسلم کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنے طور پر سودی کاروبار نفع حاصل کر کے کوئی رقم جمع کرے اور بطور تبرع کسی مسلمان ملازم کو دے تو اس کا لینا جائز رہے گا اور بمد انعام داخل ہو کر طیب وحلال شمار ہوگا، اس

کے علاوہ پہلی دونوں وجوہ (تبدل ملک سے حکماً تبدل عین ہوجاتا ہے) اور (اختلاط استہلاک کا ضابطہ) بھی صادق آکر حکم حرمت ختم ہوجاتا ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا فتویٰ احقر کی نظر سے بھی نہیں گذرا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہی مذکورہ وجوہ حضرت مفتی صاحب موصوف کے فتوے کی بنیاد بھی ہوں۔ جو حضرات احتیاط برتتے ہیں اور یہ رقم نہیں لیتے، یہ احتیاط شرعاً اس وقت تک معتبر ہوگی جب تک کہ یہ ظن غالب ہو کہ نہ لینے کی صورت میں محکمہ اس رقم کو کسی غیر مسلم مذہبی ادارہ میں نہیں دیگا اور اگر اس کا ظن غالب ہوجائے کہ ملازم اس رقم کو نہیں لیگا تو محکمہ اس رقم کو کسی غیر مسلم مذہبی ادارہ میں ''دان کھاتہ'' میں دیدے گا تو پھر یہ نہ لینا شرعاً صحیح و معتبر نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں کوئی شخص تقویٰ پر عمل کرنا چاہے تو اس کی یہ صورت ہوگی کہ محکمہ سے وصول کر کے خود غریب و پریشان حال مسلمانوں پر بلا نیت ثواب صدقہ کردے یا کسی دینی ادارہ میں دیدے، جس میں غیر مستطیع یا غریب و یتیم بچوں کو کھانا کپڑا دیا جاتا ہو تاکہ وہ ان کے کھانے کپڑے میں خرچ کردیں یا کسی قرضدار کو دیدے کہ وہ اپنا قرض ادا کردے۔

۲-ہاں جب اداروں کی رقم پر اسی قسم کی رقم سود کی ہے تو اداروں کو بھی چاہیے کہ اگر اپنے یہاں غریب و غیر مستطیع (مستحقین زکوۃ) موجود ہوں تو ان کو بلا نیت ثواب اور بغیر جز و اجرت و بغیر جز و تنخواہ وغیرہ بتائے ہوئے بطور صدقہ کے دیدے، یا ان کے کھانے کپڑے پر خرچ کردے جیسا کہ دینی مدارس میں ہوتا ہے، اور اگر اپنے یہاں غریب و مستحق زکوۃ نہ ہوں تو پھر جس غریب و مستحق زکوۃ پر چاہے بلا نیت ثواب بطور تصدق دیدے، غرض تملیک مستحق بطور تصدق ضروری ہے بغیر اس کے کسی اور مصرف میں صرف کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر کسی اور مصرف میں صرف کرنا کسی شرعی مقصد کے تحت ضروری ہی ہوجائے تو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے حیلۂ تملیک کے بعد صرف کرے۔ یہ حکم غیر حکومتی بینکوں سے سودی رقم لینے کا ہے، حکومتی بینکوں سے اس قسم کی رقم ملنے کا حکم اگلے جواب میں آتا ہے۔

۳-جی ہاں ان تشویشناک ملکی حالات میں بغرض حفاظت مدرسوں اور دوسرے اداروں کو بھی اپنی رقوم کسی بھی معتبر بینک میں جمع کردینا جائز ہے، اور اگر اپنی ساری رقم کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کرنے میں دشواری یا قانونی مشکلات ہوں تو فکسڈ یا سیونگ جس اکاؤنٹ میں محفوظ سمجھیں جمع کرسکتے ہیں اور پھر اس پر سود کے نام سے ملی ہوئی جو رقم ہو اگر غیر حکومتی بینک سے مل رہی ہو تو اس کا بعینہٖ وہی حکم اور مصرف ہے جو ۲ کے جواب میں ابھی تفصیل سے مذکور ہوا، اور اگر حکومتی بینک سے مل رہی ہو تو مذکورہ ۲ کی صورتوں کے علاوہ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ ان رقوم کو انکم ٹیکس میں یا کسی بھی ایسے ٹیکس میں جس میں ٹیکس کی

رقم اسٹیٹ کے خزانہ میں براہ راست پہنچتی ہو دے سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۴/۱۲/ ۹۸ ۱۳ھ

پی ایف کا شرعی حکم:

۱- سرکاری نوکری کی تنخواہ سے کچھ روپیہ بطور فنڈ کاٹا جاتا ہے اور جتنا یہ فنڈ کٹتا ہے اس میں اس فنڈ کی آدھی رقم گورنمنٹ اس میں شامل کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہمارے ۲۰ روپئے فنڈ کٹا تو سرکار اس میں ۱۰ روپئے اور اپنی طرف سے ملا دیتی ہے، اور پھر ان ۳۰ روپیوں پر سود لگا دیتی ہے، کیا یہ دونوں حالت جائز ہیں، یا صرف ہمارے لیے ہماری اصل رقم جو کٹتی ہے وہ ہی جائز ہے؟

۲- ہماری تنخواہ سے سرکاری طور پر جبراً ۵ روپیہ کٹتے ہیں، ہمارے ریٹائر ہونے تک یہ اصل رقم دو ہزار روپئے بنتے ہیں، لیکن ریٹائر ہونے پر ہمیں سرکار دو ہزار روپیوں کے بدلے ۵ ہزار روپئے دیگی یا اچانک ہم کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں، یعنی مر جاتے ہیں تو یہ پیسہ، یعنی مبلغ ۵ ہزار روپئے ہمارے لواحقین کو ملتا ہے، چاہے ہماری کل رقم یعنی دو ہزار روپئے بھی جمع نہ کئے گئے ہوں، کیا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں؟

۳- بینک یا ڈاک خانہ میں ہم بذات خود کچھ روپیہ جمع کریں اور اس پر سرکار بطور سود کچھ رقم دے یا سرکاری طور پر کوئی رقم جمع ہو، اور اس پر کچھ روپئے بطور سود ملتے ہیں، تو کیا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں؟

۴- جو روپیہ ہمیں سود کا ملتا ہے اس کو ہم کسی آدمی کو بتا کر دیں کہ یہ سود ہے تو یہ ڈر ہے کہ وہ یہ نہ سمجھ لے کہ ہم سود خور ہیں، کیونکہ پوری بات وہ نہیں سمجھ پاتا تو ایسی صورت میں کیا:

الف- سود کی رقم بغیر بتائے کہ یہ سود کا پیسہ ہے، کسی مستحق کو دے دیا جائے؟

ب- یا اس رقم کو جلا کر یا پھاڑ کر ختم کر دیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں کونسی بہتر ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- فنڈ کاٹ کر حکومت اس میں جتنا ملا کر دیتی ہے، خواہ سود کے نام سے دے وہ سب لے لینا اور اپنے استعمال میں لانا سب جائز ہے، سود نہیں ہے، بلکہ وہ سب انعام ہے۔

۲-سرکاری طور پر جبراً جو روپیہ حکومت بیمہ کے نام پر کاٹ لیتی ہے وہ روپیہ اور اس میں جتنا ملا کردے وہ سب بھی ناجائز نہیں ہے لے سکتے ہیں اور اپنے کام میں خرچ کرسکتے ہیں، اسی طرح مرجانے پر لواحقین کو جو روپیہ دیتی ہے اس میں جو روپیہ ملازم کا اپنا جمع ہو وہ تو ترکہ بنتا ہے اس میں وراثت کے قاعدہ سے ہر وارث کا حصہ ہوگا اور جو روپیہ اس سے زائد حکومت دیتی ہے وہ اپنے قانون کے ماتحت جس کو دیتی ہے اس کا ہوتا ہے اور اس کا لینا جائز ہے۔

البتہ جو روپیہ انسان بیمہ میں خود کٹوائے اور حکومت کی طرف سے مجبوری نہ ہو اور نہ جبراً کاٹتی ہو تو وہ واقعی بیمہ ہے اور ایسا کرنا ناجائز ہے اور اس میں اپنے جمع کیے ہوئے روپے سے زائد جو ملے گا وہ سود اور ناجائز ہوگا، اس کو لے کر کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ کے دیدینا ضروری رہے گا اور اس محتاج مستحق زکوٰۃ کو دیتے وقت یا کسی وقت بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ سود کا روپیہ ہے، بلکہ اپنے دل میں چھپائے رکھنا بھی درست ہے، اور اس روپیہ کو جس طرح خود خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جلا ڈالنا یا پھاڑ ڈالنا یا پھینک دینا بھی جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۲/۹۶ ۱۳ھ

پی ایف کی رقم کا شرعی حکم:

میونسپلٹی میں کسی بھی ملازم کو ریٹائر ہونے کے بعد پنشن نہیں ہوتی ہے، اس کی تنخواہ سے جی فنڈ ماہواری کٹتا رہتا ہے اور بورڈ بھی اپنی طرف سے فنڈ سے آدھا روپیہ خود بھی ملازم کے فنڈ میں جمع کرتا رہتا ہے اور ہر پانچ سال ہونے کے بعد میونسپل بورڈ بونس بھی دیکر اسی کے فنڈ میں جمع کردیتا ہے یہ سب روپیہ بینک میں جمع ہوتا رہتا ہے، اس پر ہر سال بینک اپنے قاعدے کے مطابق اس فنڈ کی رقم کا انٹرسٹ یعنی سود ہر سال جمع کرتا رہتا ہے تو آپ اسکے لئے بھی مطلع فرمائیں کہ وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب نے یہ بھی بتایا ہے کہ دو اماموں نے اس کو جائز قرار دیا ہے، کیا مسلم ملازم اس بینک کے سود سے یعنی اپنے خرچ اخراجات میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

نسیم اختر محلہ ساہوان (دھام پور، ضلع بجنور)

الجواب وباللہ التوفیق:

جو ہر ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ فنڈ کٹتا ہے اور محکمہ خود جمع کرتا رہتا ہے اور پھر اپنی خوشی سے اور اپنی طرف سے اس میں

بڑھاتا رہتا ہے خواہ بونس کے نام سے یا کسی اور طرح سے اور جہاں چاہتا ہے خود اس رقم کو رکھتا ہے، اس میں ملازم کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے اور پھر اصل فنڈ جو تنخواہ سے کٹا تھا اس پر زیادہ کر کے دیتا ہے یہ سب محکمہ کا انعام ہے اس پر شرعی تعریف سود کی صادق نہیں آتی، اس لئے یہ سود اور حرام نہیں ہے، ان سب رقوم کا لینا اور اپنے کام میں لانا شرعا جائز ہے(۱)۔

بخلاف اس رقم کے جس کو انسان خود بینک میں جمع کرتا ہے اور اس پر زائد رقم ملتی ہے یہ البتہ سود اور حرام ہوتا ہے، اور اس کا اپنے کام میں لانا جائز نہیں رہتا ہے اور نہ اس رقم کو بینک میں چھوڑ دینا ہی جائز ہے بلکہ وہاں سے نکال کر خود غریبوں محتاجوں کو اس رقم کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ دیدینا واجب ہے (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱/۱/۴ ۱۴۰ھ

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم سود نہیں ہے:

زید نے بوجہ علالت سات آٹھ ماہ علاج کے باوجود افاقہ نہ ہونے کی صورت میں ملازمت سے استعفی دے دیا، زید نے ۷، ۸، ماہ کی مسلسل رخصت بھی لی تھی، زید کے بچے چھوٹے ہیں کوئی بھی بچہ برسر روزگار نہیں، زید کافی مقروض بھی ہوگیا ہے زید کا ایک ذاتی مکان ہے جس میں وہ بیوی بچوں کے ساتھ مقیم ہے کرایہ نہیں آتا ہے زید کپڑا بننے کی ملز (Millz) میں کام کرتا تھا مستعفی ہونے کے بعد زید کو پروویڈنٹ فنڈ کی رقم ملی اس رقم میں سود کی بھی رقم شامل ہے لیکن جتنی رقم سو کی ہے وہ الگ بتائی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید اپنے ان ناگفتہ بہ حالات کے تحت سود کی رقم استعمال کر سکتا ہے؟

پروویڈنٹ کو سرکاری یا کمپنی کی مدد بھی کہا جا سکتا ہے جسے ریٹائرڈ ہونے یا مستعفی ہونے کے بعد ملازم کو دی جاتی ہے۔

زید کی لڑکی اور بیوی دونوں مل کر ماہانہ چالیس پچاس روپیوں کا کام کر لیتے ہیں، لیکن اس کام کی صورت مستقل نہیں ہے ہوا تو کیا ورنہ کچھ نہیں، علاوہ ازیں لڑکی کی شادی ایک دو ماہ کے بعد ہونا قرار پائی ہے لڑکی کی شادی کے بعد یہ معمولی سی

۱- ''ولا یجوز قرض جر نفعاً ..... فإن قضاه أجود بلا شرط جاز ویجبر الدائن علی قبول الأجود'' (البحر الرائق ۶/ ۲۰۴)، ''کل قرض جر نفعاً حرام أی إذا کان مشروطاً'' (الرد المحتار ۷/ ۳۹۵)۔

۲- ''أن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه'' (رد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۵۳)۔

غیر مستقل آمدنی بھی ختم ہوجائے گی، کیونکہ زید کی بیوی شاید اکیلے کام نہ کرسکے، بچوں کو برسر روزگار ہوتے ہوئے کم از کم دو تین سال درکار ہیں ممکن ہے بڑا لڑکا ایک ہی سال کے اندر کوئی ملازمت کرلے زید کے ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں کہ کیا زید سود کی رقم استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جواب صورت مسئولہ میں زید کو طرف کی طرف سے جو پروویڈنٹ فنڈ کی رقم ملی ہے وہ حلال طیب ہے، اس میں اس کی جانب سے کوئی تصرف نہیں پایا گیا، اور اب اسے یہ رقم عطیۃً مل رہی ہے وہ اپنے کام میں لاسکتا ہے شرعاً جائز ہے اور یہ سود نہیں ہے، اگرچہ کمپنی اس کو سود کا نام لیکر دیتی ہے اور زید تو اس رقم پر ابھی قبضہ کررہا ہے، اس لئے پروویڈنٹ فنڈ سے سود کے نام کی جو رقم ملے اس کا استعمال جائز ہے(۱)۔

ٹیکس میں سودی رقم دینا:

اگر زید سود کی رقم استعمال نہیں کرسکتا تو اس رقم کو کیا کرے، کیا اس رقم یعنی سود کی رقم سے وہ ٹیکس جو میونسپل یا کارپوریشن کی طرف سے مکان کا لیا جاتا ہے ادا کیا جاسکتا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر زید غنی مالدار ہے تو سود کی رقم فقیر فقراء کو بلانیت ثواب مالک بنادینا چاہئے تحریر کردہ ٹیکس میں استعمال جائز نہیں، **''لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ''**(۲)۔

نوٹ: یہ حکم اس سود کا ہے جو پروویڈنٹ فنڈ کے علاوہ بینک وغیرہ سے ملے۔

دستخط احمد بیات

آپ کی رائے بطور فتوی مع دستخط و مہر و تاریخ

۱- ''ویجوز للمشتری أن یزید للبائع فی الثمن، ویجوز للبائع أن یزید للمشتری فی المبیع ویجوز أن یحط عن الثمن ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذلک فالزیادۃ والحط یلتحقان بأصل العقد عندنا''(ہدایہ ۳/۵۹)۔

۲- ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/۵۵۳۔

الجواب وبالله التوفیق:

مفتی احمد بیات صاحب کے یہ دونوں جواب بہت صحیح ہیں اور بہت عمدہ ہیں اس جواب کے بعد مزید کسی جواب کی ضرورت نہیں وہی جواب احقر کا جواب بھی سمجھا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/۱/۰۰ ۱۴ھ

جواب پر اشکال وجواب:

ازراہ کرم اس سول کا جواب بھی مرحمت فرمائیں:

سول: حضرت مفتی احمد بیات صاب میونسپل یا کارپوریشن کے اس ٹیکس کو سود کی رقم سے ادا کرنے کو منع فرمارہے ہیں جو مکان کا لیا جاتا ہے اور میں نے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کی تصنیف میں پڑھا ہے کہ سود کی رقم سے موٹر کا انشورنس، حکومت کے باقی ٹیکس اور مکان کا وہ ٹیکس جو میونسپل یا کاپوریشن لیتی ہے ادا کیا جاسکتا ہے، ازراہ کرم آپ اپنی رائے سے (فتوی) سے مطلع فرمائیں۔

طالب عفو آمر سورتی، ۵/۱۸۳۵ سیدپورہ نگی سورت

الجواب وبالله التوفیق:

نوٹ: پہلے چند فقہی ضابطے نقل کردئے جاتے ہیں انہی سے جواب خود بخود متفرع ہوجائے گا۔

(۱) (بعد بحث طویل) **والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه**(۱)۔

(۲) وشمل الرد حكما لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض (۲)۔

(۳)غصب دراهم إنسان من كيسه ثم ردها فيه بلا علم برئ وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى

۱- شامی ۱۳۰/۴۔

۲- شامی ۱۱۶/۵

کھبة أو إيداع أو شراء و كذا لو أطعمه فأكله(١)۔

(۴) ويردونها (ای الأموال الخبيثه) علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه(۲)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اسٹیٹ بینک یا مرکزی حکومت کے اور جتنے بینک ہیں ان سے سود کی جو رقم ملے اس کو اگر مرکزی حکومت کے کسی غیر شرعی ٹیکس میں دیدے تو ذمہ بری ہوجائے گا، جیسے انکم ٹیکس وغیرہ اور اگر مرکزی حکومت کے ٹیکس کے علاوہ صوبائی یا میونسپل بورڈ وغیرہ کے کسی مقامی یا نجی غیر شرعی ٹیکس وغیرہ میں دے دیا جائے تو ذمہ بری نہ ہوگا، بلکہ ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین پر تصدق کردینا لازم ہوگا، تصدق بغیر نیت ثواب کے علاوہ کہیں اور کام میں خرچ کردینا درست نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۲/۱۴۰۱ھ

بینک کی ملازمت اور شیئرز کی خریداری:

بینک کی ملازمت کرنا، نیز بینک میں پیسے جمع کروانا، یا بینک سے شیئرز خریدنا، اور ان شیئرز کا مع نفع کے بیچنا مثلاً دس روپے کا شیئرز ۲۵ روپے میں بیچنا، نیز بینک کے علاوہ بڑی بڑی کمپنیوں کے شیئرز کو اصل رقم سے زائد میں خریدنا، مثلاً کسی میل کا شیئرز ۱۰ روپے کا ہو تو اس کو دوسو پچاس روپے میں خریدنا و بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

بینک میں ایسے کام کی ملازمت کرنا جو جائز ہو جائز ہے، اس کی ہر ملازمت ناجائز نہیں، حفاظت کی ضرورت سے جمع کرنا درست ہے، جس بینک میں شرکت یا مضاربت کے اصول پر کاروبار ہوتا ہو اس کے شیرز اور اسی طرح تجارتی کمپنیوں اور فیکٹریوں کا شیرز خریدنا جائز ہے، یہ شیرز خریدنے والے ملکیت میں شریک اور مالکان فیکٹری وغیرہ کے افراد میں سے ایک فرد ہوجاتے ہیں، پھر جب شیرز کی حیثیت نقد سے بڑھ کر کمپنیوں میں اور فیکٹریوں میں سامان وآلات واثاثہ میں بھی منتقل ہو

۱- درمختار علی ہامش الشامی ۱۱۶/۵ وہکذا فی البزازیۃ "غصب دراهم انسان من كيسه ثم ردها في كيسه وهو لا يعلم يبرأ" (البزازیۃ علی ہامش العالمگیریہ ۱۷۹/۶)۔

۲- شامی ۲۴۷/۵۔

جائے تو خریدے ہوئے روپیوں سے زائد میں بھی فروخت کر سکتے ہیں، البتہ شیئرز کے محض متعین روپوں کو محض روپیوں کے بدلے میں فروخت کرنا ہو تو زائد پر فروخت کرنا درست نہ ہوگا، پس ۲۵ روپیہ کو ۲۵۰ روپے میں بیچنا تو جائز نہ ہوگا البتہ جب بھی ۲۵ روپیہ کے شیئرز کا مالک دس سال بعد جب کہ اسی نسبت سے پوری فیکٹری دولاکھ روپیہ کی ہو چکی ہو، ۲۵ روپیہ والا شریک بھی مالک وشریک ہوا، اور وہ اپنے اس حصہ کو ۲۵ روپیہ کے بجائے ہزار روپیہ میں بیچے تو یہ شریک بھی مالک وشریک ہوا، اور وہ اپنے اس حصہ کو ۲۵ روپیہ کے بجائے ہزار روپیہ میں بیچے تو یہ درست ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/ ۷/ ۹۱ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفرلہ

ڈاک خانہ کی ایک اسکیم اور اس کا حکم:

یہاں پر ڈاک خانہ میں ایک اسکیم جاری ہے کہ وہاں ایک پونڈ دو پونڈ پانچ پونڈ جمع کرتے ہیں اور وہ جمع کیے جانے کی رسید دیتے ہیں اور رسید کے اوپر نمبر ہوتے ہیں، جس وقت وہ روپیہ نکالنا ہو تو وہ رسید دے کر نکال سکتے ہیں اس کے اوپر کوئی سود نہیں ملتا ہے، لیکن ہر ماہ اخبارات میں کچھ نمبرات نکلتے ہیں، ایک پونڈ کا سو پونڈ ملتا ہے، لہذا اگر زید نے ایک پونڈ جمع کیا تھا اور اس کا نمبر نکلا تو کیا وہ سو پونڈ لے سکتا ہے؟ نمبرات نہیں نکلنے پر بھی جتنی رقم جمع کیا تھا وہ پوری پوری ملتی ہے، کوئی کمی نہیں ہوتی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طریقہ سے روپیہ رکھ کر جو زیادہ رقم ملے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

عبدالصمد احمد پٹیل (۱۳ الے نیر اسٹریٹ، گلاسٹر، لندن)

الجواب وباللہ التوفیق:

جب یہ حقیقت ہے کہ چاہے اس کے نمبرات نکلیں یا نہ نکلیں اس کا جمع کیا ہوا روپیہ پورا کا پورا ملے گا، اور جب چاہے واپس لے سکتے ہیں، اور اس روپیہ کے ضائع ہونے کا ڈر نہیں ہے تو اس معاملہ میں قمار تو نہ ہوا، رہ گیا نمبرات نکل آنے پر جو زائد رقم ملے گی اس کا شرعی حکم کہ وہ رقم سود میں شمار ہوگی یا نہیں؟

اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے پہلے اس بات کا بطور تحقیق مناط کے سمجھ لینا ضروری ہے کہ ربوا (سود) ایک شرعی لفظ ہے اور اس کا ایک شرعی مفہوم بھی ہے۔

اگر وہ شرعی مفہوم اس زیادتی پر صادق آجائے گا تو وہ زیادتی بالیقین (ربا) سود ہوگی، کسی کے اس کو غیر سود

(غیر ربوا) کہنے سے یا غیر سود سمجھنے سے غیر سود نہ ہو جائے گی، اور نہ حکم سود اور نہ حکم حرمت سے نکل جائے گی۔

اور اگر اس زیادتی پر سود (ربوا) کا شرعی مفہوم صادق نہ آئے گا تو کسی کے اس کو سود (ربوا) کہنے سے سود نہ ہو جائے گی اور اس کا حرام ہونا ضروری بھی نہ رہے گا۔

اس بات کو سمجھنے کے بعد اب یہ سمجھیے کہ جب روپیہ جمع کرتے وقت یہ معاملہ ہوتا ہے کہ اس پر واپسی کے وقت کچھ زائد رقم نہیں ملے گی اور معاملہ غیر سودی ہوگا، اور یہ معاملہ سودی نہ ہوگا، پھر جب اس زیادتی کے ملنے کا یقین بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کا مطالبہ ہی ہوتا ہے اور نہ سب کو وہ زیادتی مل ہی جاتی ہے، بلکہ محکمہ محض اپنی صوابدید اور محض اپنے ضابطہ کے مطابق کچھ نمبرات کے لئے زائد رقم دینے کا اعلان کرتا ہے اور جن کا نام نکلتا ہے صرف ان کو دیدیتا ہے اور کسی شخص کو اس زائد رقم کے لئے مطالبہ کرنے کا حق بھی نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اصل عقد میں غیر سودی اور زائد نہ لینے کا معاملہ کر چکا ہے۔

اس لیے اب اگر کسی کے نمبرات نکل آنے پر کچھ زائد رقم مل جانے سے چاہے ایک پونڈ پر سو پونڈ زیادتی کا حساب کیوں نہ آجائے، اس زیادتی کو (ربوا) شرعاً نہیں کہیں گے، کیونکہ ربوا (سود) کا شرعی مفہوم اس پر صادق نہیں آتا، اس لیے کہ شرعاً ربوا (سود) کے معنی میں جتنی عبارتیں فقہاء رحمہم اللہ نے نقل فرمایا ہے ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اموال ربویہ میں عقد معاوضہ کا معاملہ ہو اور اسی عقد میں کسی جانب کو زیادتی بلا عوض ہو (۱)، اور یہاں ایسا نہیں ہے، کیونکہ یہاں عقد میں زیادتی نہ ہونے کا معاملہ ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ زائد رقم تو صرف اسی کو ملتی ہے جو قرض دیتا ہے، لہٰذا اس زیادتی کو اس قرض نے ہی کھینچا ہے اور ''**کل قرض جر نفعا فهو ربوا**'' کے تحت داخل ہو کر یہ زیادتی ربوا (سود) ہو گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہر قرض دینے والے کو یہ زائد رقم نہیں ملتی بلکہ محکمہ جس کو چاہتا ہے صرف اسی کو ملتی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص قرض دینے والوں میں سے جس کا نام نہ نکلا ہو اس زیادتی کا مطالبہ کرے تو اس کو سابق عقد معاملہ کی بنیاد پر حق مطالبہ نہیں ہوگا، تو یہ زیادتی "**جر نفعاً**" کا مصداق نہیں ہوئی، کیونکہ "**کل قرض جر نفعاً**" کے تحت شامی ۴/ ۱۷۴ میں ہے کہ: ''**إذا کان مشروطا کما علم مما نقله عن البحر و عن الخلاصة، وفي الذخيرة وإن لم يكن النفع مشروطا في القرض فعلى قول الكرخي لا بأس به**''۔

۱- ''الربوا فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال ''(فتاویٰ شامی ۴/ ۱۷۶)'' الربوا في اللغة: الزيادة، وفي الشرع هو: فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة''(قواعد الفقہ ۳۰۲)۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ "جو نفعاً" کا مصداق وہ "جو" ہوگا جس میں نفع عقد معاملہ میں مشروط ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے، بلکہ یہاں تو نفع نہ ہونا مشروط ہے، اور اگر کچھ زیادہ زور لگایا جائے تو بہت سے بہت، "انجوار" ثابت کیا جا سکے گا، تو جرا اور انجرار دونوں میں فرق ہے، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، دونوں کا حکم ایک ہونا ضروری نہیں اور ممنوع جر ہے نہ کہ "انجوار" پس اگر یہاں ہوگا تو "انجوار" ہوگا اور وہ ممنوع نہیں ہے۔

ان تمام بحثوں کے بعد یہ بات منقح ہوکر سامنے آگئی کہ یہ زیادتی منجاب محکمہ تبرع ہے اور تبرع جائز ہوتا ہے ممنوع نہیں، لہذا یہ زیادتی لینا جائز رہے گا۔

ہاں اگر کوئی تقوی اختیار کرے تو یہ الگ اور اولی بات ہوگی، اور تقوی یہ ہوگا کہ اس رقم کو اس محکمہ میں نہ چھوڑے بلکہ وہاں سے نکال کر غرباء و مساکین پر، یا کسی کار خیر یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴/ ۵/ ۹۸ ۱۳ ھ

اصاب المجیب العلام: سید احمد علی سعید عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند

سود کی رقم مسجد کے بیت الخلا کی صفائی وغیرہ میں لگانا کیسا ہے؟

۱- زید کا مختلف بینکوں سے کاروبار ہے، اور بعض بینکوں میں رقم جمع بھی ہوتی ہے، مثلاً زید کا بینک ابیض میں پیسہ جمع ہے، جس کے سود کی ایک خاص رقم ہو چکی ہے، تو کیا جو رقم بینک ابیض سے سود میں ملی ہوئی ہے وہی رقم بینک سود میں دے سکتا ہے؟

۲- کیا بعینہ وہی رقم دینا شرط ہوگا، یا صرف حساب کر کے نیت کر لینا کافی ہے؟

۳- مسجد کا پیسہ بینک میں جمع ہے، اس کا سود کس طرح اور کہاں خرچ کیا جائے اور کون کرے؟

۴- کیا مسجد کے پیسے کی سود کی رقم مسجد کے پاخانہ کی صفائی میں خرچ کی جا سکتی ہے؟

۵- عام لوگوں کے پیسے کی سود کی رقم جو بینک سے ملتی ہے، مسجد کے پاخانہ کی صفائی میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

محمد رئیس (رنگو نگ، ساؤتھ تھائی لینڈ)

۱- ملاحظہ ہو: فتاوی شامی ۴/ ۱۳۰ باب البیع الفاسد۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱، ۲- اگر بینک ایجنٹ اور بینک اسود دونوں ایک ہی حکومت کے ہیں تو مذکورہ معاملہ کرلینا بلاشبہ درست رہے گا، اور زبانی حساب وکتاب کرلینا بھی کافی رہے گا اور اگر دونوں بینک دو مختلف حکومتوں کے ہیں تو مذکورہ معاملہ کرنا درست نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں اس کی تفصیل لکھ کر حکم شرعی معلوم کریں۔

۳، ۴- تملیک مستحق کے حیلہ کے بعد مسجد کے پاخانہ کی صفائی وغیرہ میں بھی استعمال کرنا درست ہوگا، اور حیلہ تملیک یہ ہے کہ جتنی رقم سود کی ہے وہ غرباء ومساکین کو جو مستحق صدقہ ہوں دے کر اس کا مالک بنادیا جائے، پھر وہ مستحق صدقہ اپنی طرف سے بطور چندہ مسجد میں دیدے(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

انشورنس کا شرعی حکم:

۱- "ما هو حكم التأمين (Insurance) في الإسلام؟ هل يجوز تأمين النفوس والبيوت والسيارات وغيرها أم لا، خصوصاً في ديار الكفر إذ لا يجد واحد مخلصاً منها"۔

دارالحرب میں بینک سے سود لینا:

۲- "هل يجوز استلام الربوا من البنوك في ديار الكفر وصرفها إلى الفقراء أم لا؟ بينوا بالأدلة الشرعية، توجروا والله الموفق"۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- التامين في الاسلام حرام لا جتماع المنهيات خاصة الربوا والقمار كما قال الله تعالى: "أحل الله البيع وحرم الربوا" (۲)، وقوله تعالى: "يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب

۱- "ولذا مدا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء" (الدرالمختار علی هامش الشامی، ص ۲۳ ج ۲ کتاب الزکوۃ) (مرتب)۔

۲- سورۂ بقرہ ۲۷۵۔

والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون" (۱)،وغيرهما كثير من الآيات التي تدل على حرمتها فالواجب الاحتراز عنها على كل مسلم مهما أمكن وإذا لم يجدوا مخلصا منها لديار الكفر (يجوز)(۲) للمضطر شرعيا بالشرائط۔

۲-"إن حكم مال الغير إذا أخذ بغير إجازة شرعية غصبا كان أو رباً أو نهبة أو غيرها يجب على الآخذ الرد على صاحبه كما قال النبي ﷺ: لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أحد لاعبا ولا جاداً فإن أخذه فليرده" (۳)۔

وفي تحت قوله :على الغاصب رد العين المغصوبة"

"الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه، ومفاد الحرمة وإن لم يعلم أربابه لا يحل له فيه ما لم يؤدبدله فاذا أخذ الزائد من التامين أو الربوا يجب رده على أصحابه وإن كان على الآخذ من الضريبة ما لا يجوز في ديار الكفر رخص له دفع الضريبة إلى الدولة وإلا صرفها إلى الفقراء بنية دفع الوبال من الحرام إن أردتم المزيد أن تطلعوا عليه فعليكم أن تراجعوا إلى الكتب الآتية مثلاً نظام الفتاوى المجلد الأول للعبد وإمداد الفتاوى لسماحة الشيخ التهانوي، وجواهر الفقه لسماحة الشيخ مفتي محمد شفيع وفتاوى عزيزية للشيخ عبدالعزيز المحدث الدهلوي رحمهم الله أجمعين كاملة(۴)،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

سودی رقم سے پنچایت کا سامان خریدنا:

زید بینک کے سودی رقم کو بستی کی پنچایت میں ایسے سامان کی خریداروں میں صرف کرسکتا ہے جس سے بوقت

۱- سورۂ مائدہ: ۵۵۔

۲- مابین القوسین بتقاضائے سیاق مرتب کی طرف سے اضافہ ہے۔

۳- سنن الترمذی ۴/۶۲ ۴ کتاب الفتن باب ماجاء لایحل لمسلم أن یروع، مسلم شریف میں یہ حدیث ان الفاظ میں وارد ہے: "لا یاخذ أحدکم عصا أخیه لاعباً أو جاداً فمن أخذ عصا أخیه فلیردها إلیه" (حدیث: ۲۱۶)۔

۴- دیکھئے ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/۲۶۶۔

ضرورت امیر وغریب زید وعمر سبھی استفادہ کرسکتے ہیں۔

محمد فروز عالم

الجواب وباللہ التوفیق:

سود کی رقم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں اور بطور تملیک کے اوپر لکھی ہوئی نیت سے بطور صدقہ ان کو دے دینا ضروری ہے، بغیر مستحقین کی تملیک کے کسی کام میں خود خرچ کردینا درست نہیں ہے، لہذا سود کی رقم کو بستی کی پنچایت میں تملیک مستحق کے قبل دینا درست نہ ہوگا، پنچایت کو تملیک مستحق سے قبل لینا درست نہ ہوگا۔

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

بینک سے سود نکالنے پر اشکال اور اس کا جواب:

ضروری امر یہ ہے کہ سارے علماء ومفتیانِ کرام بینک سے سود کے لینے کو جائز کہتے ہیں چاہے مجبوری کی وجہ کچھ بھی ہو۔

اس پر ایک زبردست اشکال یہ ہے کہ یہ تو قرآن پاک کی نص صریح پر قیاس سے زیادتی لازم آتی ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ پیسے عیسائیت کی تبلیغ پر خرچ ہوں گے، اس کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی نص صریح پر زیادتی کیسے جائز ہے؟

جب کہ قرآن پاک کی نص صریح ربوا کی حرمت پر دال ہے تو محض اس بنیاد پر کہ اسلام کو ان پیسوں سے نقصان پہنچے گا، اسلام کے صریح حکم میں تبدیلی کیسے جائز ہے؟

اس لیے کہ سود لیکر اس کو چاہے صدقہ کردیا جائے مگر لینا گویا کہ قرآنی حکم صریح کی مخالفت ہے، اس کے جواز کی کیا دلیل ہے؟

دارالحرب میں حربی سے سود لینا:

اسی طرح دارالحرب میں حربی سے سود لینے کا جواز بھی اس نص صریح پر زیادتی ہے؟ جب کہ قاعدہ ہے کہ قرآنی نص صریح کے مقابلہ میں اگرچہ حدیث صریح ہو تو وہ رد ہوگی۔

لہذا ہمارے علماء زمانہ نے موجودہ حالات سے متاثر ہوکر قرآنی نص کے مقابلہ میں بینک سے سود لینے کو فرمایا اس

کے اصولی دلائل کیا ہیں؟ مفصل ومدلل تحریر فرمایئے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

سود لینا قطعاً حرام ہے(۱)، بینک سے بھی لینا حرام ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ سود کے نام پر جو رقم بینک سے ملے اس کو بینک میں نہ چھوڑے، وہاں سے نکال کر مسلم غرباء ومساکین کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے دیدے تو یہ سود لینا نہیں ہے بلکہ وہاں چھوڑ دینے پر چونکہ وہ لوگ سود کی رقم رکھنے والے ہی کے نام سے الگ کر کے ایسے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں جس سے اسلام اور مسلمانوں کو ضرر اور ظلم ہوتا ہے اور ضرر وظلم سے بچنا اور بچانا بھی منصوص حکم ہے، جیسا کہ **"لاضرر ولا ضرار فی الاسلام"** سے اور آیت کریمہ **"ومار بک بظلام للعبید"**(۲) سے بھی اشارہ ملتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے یہ اشارہ ملتا ہے، اسی طرح احادیث بھی ہیں جن سے بھی اشارہ ملتا ہے، اس لیے اس ظلم وضرر سے بچانے کے لیے ان ہی آیات ونصوص کی مدد سے اس حیلہ کی جرأت ہے، یہ سود کے جواز کا فتوی یا قول ہرگز نہیں کہ اشکال وارد ہو، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۴/۲/۹۵ ۱۳ھ

بیمہ کے روپوں کا شرعی حکم:

۱- ہماری تنخواہ سے سرکاری طور پر جبراً پانچ روپے بیمہ کے کٹتے ہیں، ہمارے ریٹائر ہونے تک یہ اصل رقم دو ہزار روپے بنتی ہے، لیکن ریٹائر ہونے پر ہمیں سرکار دو ہزار روپے کے پانچ ہزار روپے دے گی یا اچانک ہم کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں، یعنی مر جاتے ہیں تو یہ پیسہ یعنی مبلغ پانچ ہزار روپے ہمارے لواحقین کو ملتے ہیں، چاہے ہماری کل رقم، یعنی دو ہزار روپے بھی جمع نہ کیے گیے ہوں، کیا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں؟

۱- "أحل اللہ البیع وحرم الربوا" (بقرہ:۲۷۵)، "یا أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین" (بقرہ:۲۷۸)۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء"۔ رواہ مسلم وغیرہ (مرتب)۔

۲- سورہ حم سجدہ:۴۶۔

۲-بینک یا ڈاک خانہ میں ہم بذات خود کچھ روپے جمع کریں اور اس پر سرکار بطور سود کچھ رقم دے، یا سرکاری طور پر کوئی رقم جمع ہو اور اس پر کچھ روپے بطور سود ملتے ہیں، تو کیا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں؟

۳-جو روپیہ ہم کو سود کا ملتا ہے اس کو ہم کسی آدمی کو بتا کر دیں کہ یہ سود ہے تو یہ ڈر ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ ہم سود خور ہیں، کیونکہ پوری بات وہ نہیں سمجھ پاتا، تو کیا ایسی صورت میں سود کی رقم بغیر بتائے کہ یہ سود کا پیسہ ہے کسی مستحق کو دے دیا جائے، یا اس رقم کو جلا کر یا پھاڑ کر ختم کر دیا جائے ان دونوں صورتوں میں کونسی صورت بہتر ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب وباللہ التوفیق:

سرکاری طور پر جبراً جو روپیہ حکومت بیمہ کے نام پر کاٹتی ہے وہ روپیہ اور اس میں جتنا ملا کر دے وہ سب بھی ناجائز نہیں ہے، لے سکتے ہیں اور اپنے کام میں خرچ کر سکتے ہیں، اسی طرح مر جانے پر لواحقین کو جو روپیہ دیتی ہے اس میں جو روپیہ ملازم کا اپنا جمع ہو وہ تو ترکہ بنتا ہے، اس میں وراثت کے قاعدہ سے ہر وارث کو حصہ ملے گا اور جو روپیہ اس سے زائد حکومت دیتی ہے، وہ اپنے قانون کے ماتحت جس کو دیتی ہے اس کا ہوتا ہے اور اس کا لینا جائز ہے، البتہ جو روپیہ انسان بیمہ میں خود کٹوائے اور حکومت کی طرف سے مجبوری نہ ہو اور نہ جبراً کاٹتی ہو تو وہ واقعی بیمہ ہے اور ایسا کرنا ناجائز ہے اور اس میں اپنے جمع کیے ہوئے روپے سے زیادہ جو ملے گا وہ سود اور ناجائز ہوگا، اس کو لے کر کسی غریب مستحق زکوۃ کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ کے دے دینا ضروری رہے گا (۱)۔

اور اس محتاج مستحق زکوۃ کو دیتے وقت یا کسی وقت بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ سود کا روپیہ ہے بلکہ اپنے دل میں چھپائے رکھنا بھی درست ہے اور اس روپیہ کو جس طرح خود خرچ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح جلا ڈالنا یا پھاڑ ڈالنا یا پھینک دینا بھی جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۲/۹۶ ۱۳ھ

حکومت کے یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا میں شرکت کا حکم:

حکومتِ ہند کی طرف سے ایک ادارہ بنام ”یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا“ ۳/۴ سال سے قائم ہے جو عوام سے سرمایہ

۱- ملاحظہ ہو بذل المجہود ۳/۱ کتاب الطہارۃ، فتاوی شامی ۴/۱۳۰ باب البیع الفاسد۔

حاصل کر کے اس کو کاروبار میں لگاتا ہے، اس کے ایک حصہ کی قیمت دس روپے ہے اور بازار میں ۱۰ر روپے ۲۰ر پیسے ہے۔

اسی طرح کمی بیشی کے ساتھ ملتے ہیں، اس میں لگائے ہوئے سرمایہ کے تحفظ کی ضامن حکومت ہے اور ہم جب چاہیں اس کو بازار میں فروخت کر سکتے ہیں، یا حکومت کو واپس کر سکتے ہیں اس کے منافع کا اعلان منجانب حکومت بذریعہ اخبارات کیا جاتا ہے جو کم وبیش ہوتا ہے۔

۱- اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس ادارہ میں مسلمانوں کے لیے سرمایہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۲- اس کی ایجنسی باقاعدہ قانونی طور پر لے کر کمیشن کی بنیاد پر مسلمانوں سے یا دیگر اقوام سے سرمایہ حاصل کر کے کیا اس ادارہ کو دینا جائز ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

(۱،۲) اس ادارہ میں مسلمانوں کے لیے سرمایہ لگانا بھی جائز ہے اور اس کی ایجنسی باقاعدہ اور قانونی طور پر لینا بھی جائز ہے۔

اسی طرح کمیشن سے اگر وہی صورت مراد ہے جو اوپر سوال میں ہے کہ مثلاً ۱۰ر روپے کا حصہ ۱۰ر روپے ۲۰ر یا ۲۵ر پیسے میں فروخت کرنا ہوتا ہے تو اس کی بھی شرعاً اجازت ہے اور اگر کمیشن کی کوئی اور صورت ہے تو اس کو لکھ کر حکم شرعی معلوم فرمائیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۸/ ۱۰/ ۹۵ ۱۳ھ

کپاس کی خریداری میں حکومت جو رقم سود کے نام سے دیتی ہے اس کا حکم؟

ہمارے یہاں کپاس کی کاشت عموماً ہوتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی فروخت نہایت آسان ہے، کسان کو بیک وقت تمام روپیہ مل جاتا ہے۔

لیکن سال گذشتہ حکومت مہاراشٹر نے قانون ادھیکار کے ذریعہ ہر کسان پر لازم کر دیا کہ وہ سرکاری کارندوں کے ہاتھ سرکاری ریٹ پر مرکز سے فروخت کریں، جس کا بھاؤ بھی مقرر کر چکی ہوتی ہے اب مجبوراً کسان ایسا کرتے ہیں جس کی وجہ سے پوری قیمت کا صرف ۳۰ر فیصد دیا جاتا ہے اور وہ بھی ہفتہ عشرہ کے بعد بذریعہ بینک، باقی ستر فیصد دو قسطوں میں غیر

معینہ مدت پر ملتی ہے جس میں آٹھ ماہ تک لگ جاتے ہیں پھر نرخ بھی اور صوبوں کے مقابلہ میں کم رکھا ہے۔

پھر دو قسطوں والی رقم واجب الاداء میں سے ایک قسط اور کر لی تو اعلان کیا کہ اس کا دس فیصد کے حساب سے سود ادا کیا جائے گا، جس کی وجہ سے وہ رقم ایک سال کے بعد کسانوں کو ملتی ہے!

لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس دس فیصد پر حکومت جو سود دیتی ہے، کیا وہ شرعاً سود کے حکم میں داخل ہو کر ہمارے لیے ناجائز ہے؟ امید ہے کہ جواب سے جلد نوازیں گے!

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر حکومت کسانوں کی مرضی کے خلاف ایسا کرتی ہے اور کسانوں کو مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے تو دس فیصد رقم جو سود کے نام سے حکومت خود کسانوں کو دیتی ہے، وہ شرعی سود کی تولیت میں نہیں آتی اور وہ رقم دس فیصد شرعاً سود نہ ہوگی، بلکہ شرعاً جزء ثمن ہوگی اور اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز اور درست رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹؍۴؍۹۶؍۸؍۱۳ھ

لون لے کر کام کرنے کی صورت میں سود سے بچنے کی کیا شکل ہے؟

آج کل ہر قسم کا سامان پرمٹ سے ملتا ہے اور پرمٹ وغیرہ کے حصول میں بہت دقتیں ہوتی ہیں، ضرورت اور وقت پر سامان مہیا نہیں ہو پاتا اور بعض موقعوں پر پرمٹ اور لائسنس بھی نہیں ملتا، نیز جو روپیہ کاروبار میں لگایا جاتا ہے وہ نہ صرف بتانا پڑتا ہے کہ کہاں سے حاصل کیا ہے، بلکہ اس کے لیے قابل قبول ثبوت بھی پیش کرنا ہوتا ہے خواہ وہ غلط ہی ہو، اپنے پاس سے لگائے ہوئے سرمایہ پر ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے اور اس ٹیکس کے سلسلہ میں حکام متعلقہ ناجائز طور پر بہت تنگ کرتے ہیں۔

اس لیے بعض لوگ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اور بعض لوگ مندرجہ بالا پریشانیوں سے بچنے کی غرض سے لون لیتے ہیں، چونکہ سرمایہ گورنمنٹ کا ہوتا ہے، اس لیے گورنمنٹ کو اس میں کافی دلچسپی ہوتی ہے اور ضرورت کا ہر سامان نیز لائسنس پرمٹ وغیرہ سہولت سے مل جاتا ہے!

اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جیسا کام ہو اس کے کل لاگت کی ۵۰؍ ۶۰؍ فیصدی رقم بصورت آلات و مشین اور ۱۰؍

۱۵ رفیصدی رقم بصورتِ نقد گورنمنٹ دیتی ہے اور اپنی کل لگائی رقم حسبِ قاعدہ مع سود کے کئی سالوں بعد مختلف قسطوں میں وصول کرتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص گورنمنٹ کی ایسی رقم سے (جس کا لینا بحالتِ موجودہ ضروری ہے) کوئی کام کرنا چاہے تو کیا طریقہ اختیار کرے کہ ربوٰ اور حرام سے بچ سکے۔

عبدالعزیز سعدی (گورکھپور، یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

آج کل حکومت نے اقتصادی ترقیات کے لیے جو مختلف محکمے کھول رکھے ہیں، ان میں عموماً حکومت کا مقصد سودی کاروبار کرنا یا زر اندوزی وغیرہ کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ محض عوام کا اقتصادی ومعاشی سدھار اور عوامی بے روزگاری اور پریشان حالی دور کرنے میں سعی کے درجہ کی ایک چیز ہے، جیسے پروجیکٹ وغیرہ کے محکمے اور اسی وجہ سے جب کوئی شخص محکمہ سے محض قرض طلب کرتا ہے جب بھی بسا اوقات محکمہ نقد قرض نہیں دیتا بلکہ اس کے کاروبار اور روزگار کی تحقیق وتفتیش کے بعد اس کے مناسب حال مشین ودیگر سامان وغیرہ، بہت سستے داموں پر چھوٹی قسطوں پر ادھار دیتا ہے اور نقد بہت تھوڑی مقدار کام چلانے کے لیے دیتا ہے جیسا کہ آپ کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے، پھر اس شخص کے کاروبار کی نگرانی بھی خود محکمہ کرتا ہے اور اس کاروباری کو رہنمائی اور مفید مشورے بھی کاروبار کے سلسلے میں دیتا رہتا ہے، پھر ان کاموں کے لیے اور اپنی دی ہوئی رقم ٹھکانے لگتی ہے کہ نہیں اس کا انتظام درست رکھنے کے لیے، بہت سے ملازمین کلرک، انسپکٹر وغیرہ بھی رکھنے پڑتے ہیں، دفاتر بھی قائم کرنے پڑتے ہیں، پھر ان اخراجات کو پورا کرنے اور درست رکھنے کے لیے دیئے ہوئے ادھار سامان کی قسطوں کے ساتھ کچھ رقم سود کے نام سے وصول کرتی ہے۔

پس اگر یہ بات صحیح ہے تو اس زائد رقم کو سود کا نام دینا شرعاً ضروری نہ ہوگا بلکہ انتظامی اخراجات کی فیس بھی قرار دیا جا سکتا ہے کہ محکمہ چونکہ مسلم نہیں ہے، اس لیے وہ شرعی اصطلاحی الفاظ بولنے کا نہ تو پابند ہے اور نہ وہ اس کا پابند کیا جا سکتا ہے، پھر بسا اوقات محکمہ اپنے دیئے ہوئے سرمایہ پر کچھ چھوٹ بھی دیتا ہے۔

مثلاً مجموعی دین کی محکمہ کی ۵۰ ہزار ہے مگر وہ ۵ ہزار کی چھوٹ اور معافی دے کر صرف ۴۵ ہزار قرار دے کر اس

میں قسطیں اور سود سب متعین کرتی ہے۔

اس صورت میں اگر کل ادائیگی مع سود کے ٹکہ کی کل دہنگی مجموعہ کے اندر ہے تو سود کا نہ ہونا بالکل ظاہر اور یقینی ہوگا۔

غرض ہر حال میں اس معاملہ کو ربوی معاملہ اور سودی لین دین نہیں کہہ سکتے، کیونکہ سود، ربوٰ ایک شرعی لفظ ہے اور اس کا ایک شرعی مفہوم ہے(۱)۔ جب تک وہ مفہوم صادق نہ آئے اس وقت تک کسی کے سود کہہ دینے سے وہ سود نہ ہوگا جس طرح جب وہ مفہوم صادق آئے گا تو کسی کے غیر سود کہہ دینے سے وہ سود ہونے سے نکل نہ جائے گا اور غیر سود نہ ہو جائے گا، علاوہ ازیں مذکورہ پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے اور اقتصادی ضرورتوں کے ماتحت بوجہ مجبوری کے بقدر مجبوری وضرورت یہ قرض لے لینا بھی گنجائش رکھتا ہے۔

جیسا کہ ''الاشباہ والنظائر مع الحموی'' (ص۱۴۰ مطبوعہ ہند) کے اس جزئیہ: **"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"** معلوم ہوتا ہے۔

پس سوال میں لکھی ہوئی پریشانیوں اور مجبوریوں کے ماتحت بقدر ضرورت و بقدر دفع مضرت لے لینے اور لے کر کام کرنے کی شرعاً گنجائش رہے گی۔

البتہ چونکہ بمصداق نصوص ''**أعمالکم عمالکم**'' اور ''**کما تکونوا یولی علیکم**'' یہ سب ہماری ہی نحوست اعمال کا ثمرہ ہے، اس لیے ایسا معاملہ کم سے کم کرنا چاہیے اور کر کے برابر استغفار بھی کرتے رہنا چاہیے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! اس قسم کے معاملات سے بخیر و عافیت نجات دیجئے اور محفوظ فرمائیے، اور ہمارا حال ایسا بنا دیجیے کہ ان باتوں سے حفاظت کے ساتھ فلاح دارین نصیب ہو، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

سود کے وبال سے بچنے کا طریقہ:

کناڈا میں مقیم مسلمانوں کا وہ پیسہ جس کو لوگ وہاں کے بینکوں میں رکھتے ہیں اس پر جو منافع ان کو ملتا ہے اس کو یہ سمجھ کر لینے سے احتراز کرتے ہیں کہ یہ سود ہے جس کا لینا حرام ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا منافع کی رقم حاصل کر کے ہندوستان و پاکستان اور دیگر ممالک کے مسلمان

۱- ''الربوٰ في اللغة الزيادة، والمراد في الآية كل زيادة لا يقابلها عوض'' (أحکام القرآن ابن العربی قواعد الفقہ ۱۱۵)۔

غریب اورنادارلڑکوں اورلڑکیوں کی بنیادی تعلیم وتربیت مثلاً ڈاکٹری، انجینیرنگ، ٹکنالوجی وغیرہ میں لگایا جاسکتا ہے یانہیں؟

اس بات کی وضاحت بے جانہ ہوگی کہ اگر اس پیسہ کومسلمان حاصل نہ کریں تو انگریزمشنری کےلوگ اس کوحاصل کرکے مسیحی تبلیغی کاموں میں صرف کرتے ہیں اوراس تبلیغ کی زدمیں تمام ادیان بشمول اسلام کےلوگ بھی آسکتے ہیں۔

جب کہ ایک موقع ایسا بھی گذرا ہے کہ جب محمدعلی جناح بمبئی میں وکالت کرتے تھے، اس وقت بمبئی کے بینکوں میں مسلمانوں کی جورقم تھی اس کاسودمسلمانوں کےانکارپرانگریزوں نے حاصل کرلیا اورمسیحی تبلیغ کےکاموں میں لگایا گیا۔

سیدحکیم الدین (سکندرآباد، اے پی)

الجواب وبالله التوفیق:

یہ صحیح ہے کہ سودکالینا حرام ہے(۱)، اس وجہ سے یہ حکم ہے کہ حفاظت وغیرہ کی غرض سے بینک ہی میں روپے جمع کرنا پڑے تو ایسے شعبہ وکھاتہ میں جمع کرے جس میں سودکا حساب نہ لگایا جاتا ہو، اگرکسی وجہ سے ایسے شعبہ میں جمع کردیا ہو جس میں سودملتا ہوتو ایسے خطرہ کی وجہ سے جواخیرسوال میں مذکورہے۔سودکی رقم بینک میں نہ چھوڑے بلکہ وہاں سے نکال کراس کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطورصدقہ کے مستحقین صدقہ کودےکرجلدازجلد اپنی ملک سے نکال دے اورخودکسی کام میں صرف نہ کرے۔

پس ہندوستان وپاکستان اوردیگرممالک کے مسلم غرباءومساکین اورنادارلڑکیوں اورلڑکوں کودینی تعلیم حاصل کرلینے کے لیے ہی نہیں بلکہ دنیاوی جائزتعلیم حاصل کرنے کے لیے بھی (جیسے ڈاکٹری اورٹکنالوجی وغیرہ) بطورتملیک دے سکتے ہیں۔

اسی طرح لاوارث وغریب بیواؤں، یتیموں اورنادارلڑکوں اورلڑکیوں کی شادی کے لیے بطورامدادبھی دے سکتے ہیں۔

اسی طرح نادارلڑکیوں کی شادی میں اس رقم سے زیوریا سامان جہیزوغیرہ خریدکران لڑکیوں کویا ان لڑکیوں کے غریب اولیاءکوبھی دے سکتے ہیں۔

۱- "أحل الله البیع وحرم الربوا" (بقرۃ: ۲۷۵)، "یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربوٰا إن کنتم مؤمنین" (سورۂ بقرۃ: ۲۷۸)۔

غرض جتنے مستحقین صدقہ وزکوۃ ہیں سب کوحسب درجہ ضرورت دے کر اپنی ملک سے نکال سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۶/ ۴/ ۹۹ ۱۳ھ

ایک خاص قسم کی سوسائٹی کی ملازمت اوراس کی تنخواہ کا شرعی حکم:

میں یہاں ایک فروٹ گرورس کوآپریٹو سوسائٹی میں عرصہ تین سال سے بحیثیت منیجر کام کررہا ہوں، یہ سوسائٹی زیرکنٹرول گورنمنٹ ہے اور اس کو چلانے والے یا اس کے ذمہ دار آٹھ افراد ہیں، اس سوسائٹی کا دائرہ کاروبار چھ حلقوں پر پھیلا ہوا ہے، ان ذمہ دار افراد کا کام بینک سے منافع پر روپے فراہم کر کے کسانوں کو ایڈوانس کے طور پر دینا اور وصول کر کے فروخت کرنے کے بعد روپے مع منافع داخل بینک کرنا ہے۔

اس درمیانہ داری پر بینک سوسائٹی کو ۲% دیتا ہے، جو اس کے دفتری اخراجات ہوتے ہیں۔

دیگر سوسائٹی کے طور پر آرٹ کی طرح کمیشن حاصل کرتی ہے جو اس کا کاروباری ہوتا ہے، اب اس تمام کاروبار کو چلانے کے لیے سوسائٹی نے بعوض تنخواہ چار ملازم رکھے ہیں، جو تنخواہ پر یہ کام چلا رہے ہیں یہاں ایک مقامی قاری صاحب ہیں جو یہ فرماتے ہیں کہ ہماری تنخواہ حرام ہے، کیونکہ یہ سودی کاروبار ہے، اور ایک مولوی صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی تنخواہ حلال ہے، کیونکہ آپ جسمانی یا دماغی محنت صرف کر کے اپنا معاوضہ حاصل کررہے ہیں۔

سود لینے یا دینے کا سوال لینے والا کسان اور دینے والا بینک ہے، ایک اور مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بہت سے صحابہ کرامؓ یہودیوں کے یہاں ملازمت کرتے تھے، حالانکہ یہودیوں کا تمام کام سود ہی پر چلتا ہے، ایک اور پیر طریقت فرماتے ہیں کہ آپ کی تنخواہ حلال ہے، کیونکہ منافع دینے والے لوگ ہیں اور لینے والا بینک ہے، ہندوستان میں دیگر جس قدر سرکاری ملازم ہیں ان کی اکثر تنخواہ سود کے روپے سے آتی ہے، آیا مجھے یہ نوکری کرنی چاہیے یا نہیں؟ فقط۔

شبیر احمد بیگ (کوآپریٹو مارکنگ چندن واڑی)

الجواب وباللہ التوفیق:

ذمہ دار افراد جو بینک میں سودی قرض لینے اور سود دینے کا کام کرتے ہیں ان کا تو یہ کام ناجائز ہوگا، باقی چونکہ سود کا

پیسہ اپنے پاس آتا نہیں بلکہ سود کا پیسہ دینا پڑتا ہے، اس لیے اس طرح قرض لینے میں جو پیسہ آئے گا وہ خود خبیث نہ ہوگا، البتہ خبیث طریقے سے آنے کی وجہ سے اس قرض لینے دینے میں قدرے خباثت آئے گی، باقی وہ لیا ہوا روپیہ اور اس سے کمائی ہوئی آمدنی حرام نہ ہوگی سب جائز وحلال رہے گی۔

جب یہ حکم ان ذمہ داروں کی آمدنی ونفع کا نکلا جو بینک سے سودی قرض لیتے اور دیتے ہیں تو جو لوگ اس ذمہ داری کے علاوہ ہیں اور بینک سے خود سودی قرض نہیں لیتے تو ان کا حکم بدرجۂ اولیٰ نکل آیا کہ ان کی آمدنی اور نفع وغیرہ اس وجہ سے حرام وناجائز نہ ہوگا بلکہ حلال وجائز رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۱۱/۵ھ

مسلم فنڈ کے سلسلے میں استفتا:

مسلم فنڈ محمدی جو قرض مسلمانوں کو بلا سود دیتا ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ پہلے مقروض کو کارکن مسلم فنڈ سے قیمتاً فارم خریدنا ہوتا ہے، اگر کسی کو دو سو روپے کا قرض لینا ہوتا ہے تو اس کو ہرے رنگ کا فارم خریدنا ہوگا غرض کہ مختلف رنگ مختلف قیمت کے ہوتے ہیں، مقروض اور کارکن مسلم فنڈ کے درمیان قرض کی مدت مقرر ہوتی ہے، کسی کی دو ماہ کی کسی کی تین ماہ اور کسی کی ایک ماہ۔

مسلم فنڈوں کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو سود جیسے عظیم گناہ سے بچانا اور مسلمانوں کے لیے روزگار فراہم کرنا ہے۔

بہر حال آپ حضرات کے نزدیک اگر کوئی شکل نکلے تو تحریر فرمائیں، اگر ناجائز ہے تو ہم لوگ مسلم فنڈ کو بند کردیں گے، ہم لوگوں نے مسلم فنڈ کے قیام کا مقصد اللہ کی رضا سمجھا ہے۔

محمد حسین قاسمی (سکریٹری مسلم فنڈ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر قرض لی ہوئی رقم کا فیصدی فی ہزار یا فی دس ہزار مثلاً ماہانہ یا سالانہ یا ششماہی کا حساب نہ آتا ہو اور نہ زر کشی یا سرمایہ اندوزی کی صورت ہو بلکہ محض کام کرنے والوں کی اجرت اور ان کے کام کی حیثیت میں ہو، یہاں تک کہ اگر ضرورت سے زائد پسماندہ ہونے لگے تو مقدار اجرت کم کردی جائے تو یہ معاملہ شرعاً درست ہوگا ورنہ نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۶/۱۹ھ

فیکٹری کی ملازمت کا حکم؟

اگر کوئی شخص کسی فیکٹری کا ملازم ہو اور اس کا کام فیکٹری کا حساب کتاب کرنا ہو، یعنی یہ لکھنا کہ اتنا فیکٹری کا نفع ہوا، اتنا نقصان ہوا اتنا ویز الیا، بینک سے اتنا پیسہ سود پر لیا، تو کیا یہ اور دیگر امور انجام دینا جائز ہیں؟ مہربانی فرما کر ایسا نکتہ تحریر فرمائیں کہ جس سے اور کاموں کے حلال وحرام ہونے کا حکم استنباط کرسکیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

سود لینے اور دینے کا حساب لکھنا بھی ناجائز ہے(۱)، اور باقی مذکورہ کام اور ان کی ملازمت جائز ہے، اگر سود لینے دینے کا حساب لکھنا کسی دوسرے غیر مسلم کلرک کے حوالہ کر کے خود لکھنے سے بچ سکیں تو بچ جائیں اور اگر مجبوری ہو تو دوسری جائز ملازمت تلاش کرتے رہیں اور جب تک نہ ملے اس ملازمت کو نہ چھوڑیں، البتہ استغفار کرتے رہیں اور یہ نیت رکھیں کہ جب دوسری جائز ملازمت مل جائے گی تو اس کو چھوڑ دوں گا، مجبوری کے درجہ تک گنجائش رہے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۵/۱/۹۶ ۱۳ھ

غیر سودی رفاہی اداروں سے متعلق استفتا:

آج پوری دنیا خاص کر ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں مسلمان جن معاشی اور اقتصادی دشواریوں سے دوچار ہیں اور مسلم سرمایہ کاروں کا سرمایہ مروجہ بینکوں میں پہنچ کر جس طرح غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن مفادات میں صرف ہو رہا ہے وہ ارباب فکر ونظر سے مخفی نہیں، یہ دشواریاں دنیوی اور مادی نہیں بلکہ شرعی اور معنوی ہیں، کیونکہ تجارت سرمایہ کاری قرض واستقراض کے جو بھی طریقے اور سسٹم موجودہ دور میں رائج ہیں وہ سب بینکنگ نظام سے مربوط ہیں جن کی بنیاد ہی سود پر ہے، انہیں کسی بھی حالت میں سود سے الگ کرنا ممکن نظر نہیں آتا، ان حالات میں مسلمانوں کو سودی کاروبار اور لین دین سے بچانے، اقتصادی مشکلات کو دور کرنے کے لیے ہندوستان جیسے ملک میں اسلامی اصولوں اور شرعی بنیادوں پر بینکنگ نظام رائج کرنا دشوار تر بلکہ ناممکن سا نظر آتا ہے، کیونکہ بینکنگ نظام پر جو قانونی پابندیاں عائد ہیں ان کی رو سے بینک تجارت

۱- عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء"۔ رواہ مسلم وغیرہ (مرتب)۔

نہیں کرسکتا جب کہ اسلامی بینکاری نظام، انواع تجارت، شرکت، مضاربت، مرابحہ اور اجارہ وغیرہ پر ہی قائم کیا جاسکے گا۔

ان مشکلات پر نظر کرتے ہوئے اسلامیان ہند کو سود کی لعنت سے بچانے، مسلم سرمایہ مسلم مفادات میں استعمال کرنے اور مسلم معاشرہ سے معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لیے نصف صدی پیشتر اس وقت کے اساطین امت، ارباب بصیرت فقہاء ومفتیان کرام (مفتی اعظم حضرت مولانا ومفتی کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد سہول عثمانیؒ وغیرہم) نے نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ غیر سودی رفاہی بنکاری کا ایک جامع لائحہ عمل پیش فرمایا تھا، جو ہندوستان کے طول وعرض میں عملی جامہ پہن کر اپنی افادیت ثابت کرچکا ہے، اس طرح کے غیر سودی رفاہی اداروں اور سوسائٹی کے قیام کے مفید اور ضروری ہونے میں دو رائے نہیں، اگرچہ اس طریقہ کار کے عملی صورت میں آنے اور نظام میں وسعت وہمہ گیری کے بعد بہت سے اشکالات، شبہات، اعتراضات بالخصوص ادارہ کے اخراجات پورا کرنے کے لیے آمدنی کے ذرائع پر ہوتے رہے، جس کے نتیجے میں ارباب حل وعقد اور اصحاب فقہ وفتاویٰ کے ایک طبقہ نے اس طریق کار کو مختصر شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا، جبکہ ایک طبقہ کو اس پر شرح صدر پوری طرح نہیں ہوا۔

جمعیۃ علماء ہند کے ادارہ مباحث فقہیہ نے ضروری سمجھا کہ اس طریقہ کار اور نظام کے مالہ وماعلیہ محاسن ومفاسد اور شرعی عوائق پر وسعت نظر کے ساتھ بحث کا موقعہ فراہم کیا جائے، تاکہ پوری گہرائی اور تدبر اور غور وفکر کے ذریعہ اس کے علمی وعملی نقائص کو منقح کرکے دور کرنے کی سعی کی جائے اور پیش آمدہ مشکلات کا شرعی حل تلاش کیا جائے، اس لیے آنجناب کی خدمت میں چند سوالات جواب وتحقیق کے لیے پیش کئے جارہے ہیں، اگر کوئی اہم سوال اور اشکال مزید آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو بھی شامل فرماکر مدلل ومفصل مقالہ سپرد قلم فرمائیں، ان حالات میں امت اسلامیہ، آپ جیسے ارباب فکر ونظر اور صاحب بصیرت کی رہنمائی کی شدید محتاج ہے، سوالات کا مقصد تحدید وپابندی نہیں بلکہ صورت واقعہ سامنے لانا ہے۔

سوالات سے پہلے ان رفاہی اداروں میں رائج طریقہ کار اور ان کے اغراض ومقاصد کو پیش کردینا مناسب ہوگا۔

الف: ادارہ کا قیام اس طرح ہو کہ بستی کے مخلص، دیانت دار، قابل اعتماد اور فعال اشخاص کو جمع کرکے ان میں سے چند افراد پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی جائے۔

ب: اغراض ومقاصد حسب ذیل ہوں:

(۱) مسلمانوں کو سودی لین دین کی لعنت سے بچانا۔

(۲) غریب، نادار اور حاجتمند لوگوں کی فلاح وبہبود کے لیے اقتصادی خوشحالی کے ذرائع مہیا کرنا۔

(۳) مسلمان بہی خواہوں سے بطور امانت رقوم جمع کرنا۔

(۴) طلائی اور نقرئی اشیاء کی کفالت پر حاجتمندوں کو قرض بلاسود دینا۔

(۵) جائز اور منافع بخش ذرائع سے حاصل ہونے والی رقومات (مثلاً) عطیات، فیس ممبر شپ، فروختگی لٹریچر، معاہدہ نامہ قرض بلاسود، پاس بک برائے کھاتہ دار وغیرہ درج ذیل امور میں صرف کرنا:

الف: دفتری امور میں لگانا۔

ب: نادار، مستحق طلبہ کی امداد کرنا۔

ج: مسلم قوم کے لیے رفاہی، فلاحی امور میں صرف کرنا۔

ج: ادارہ کے بنیادی کام حسب ذیل ہوں گے:

(۱) مسلم بہی خواہوں اور سرمایہ کاروں سے زیادہ سے زیادہ رقم بطور امانت جمع کرنا۔

(۲) جمع شدہ رقوم امانت میں سے نصف حصہ محتاجوں اور ضرورت مندوں کو زیورات مکفول کر کے موقت قرض تقسیم کرنا۔

(۳) مسلم معاشرہ سے اقتصادی بدحالی دور کرنے، اسراف وفضول خرچی کی بری عادتیں مٹانے اور پس اندازی کا عادی بنانے کے لئے غریب، مزدور، معمولی صنعت کار وتاجر نیز معاشرہ کے ہر طبقہ میں بچت کا جذبہ فروغ دینے کے لیے تدابیر اختیار کرنا مثلاً:

الف: ایسے شخص کا انتظام جو معمولی اور روزمرہ کی آمدنی والوں کے پاس جا کر جستہ جستہ حسب استطاعت رقم امانت حاصل کرے۔

ب: ہوم سیونگ بینک، گھریلو بچت، اسکیم کھولنا، یعنی ادارہ کی طرف سے گولکیں یا صندوق بنا کر مناسب قیمتوں پر گھروں کو دی جائیں، جس میں موقع بموقع گھر والے تھوڑی تھوڑی رقم پس انداز کرتے رہیں۔ متعین مدت کے بعد وہ رقم نکال کر ادارہ میں امانۃً جمع کردی جایا کرے

ج: ایسے مزدور، صنعت کار، رکشا پلر وغیرہ جو معمولی رقم مہیا نہ ہونے کے سبب اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ کرایہ وغیرہ کے نام پر دوسرے کی جیب میں منتقل کرنے پر مجبور رہتے ہیں، ان کا تعاون اس طرح کرنا کہ وہ قسطوں پر رکشا وغیرہ خرید لیں اور اپنی آمدنی سے یومیہ کرایہ کے بقدر رقم پاس بک کے ذریعہ ادارہ میں

جمع کرتے رہیں اور ہر ماہ جمع شدہ رقم سے قسط کی ادائیگی کرتے ہیں، اس طرح جلد ان کو رکشا وغیرہ کا مالک بنایا جا سکتا ہے۔

د: اخراجات ادارہ کی کفالت حسب ذیل طریقہ سے کی جائے:

(۱) ابتدائی مرحلہ میں ادارہ کے خرچ کے لیے تھوڑا بہت عوامی چندہ کیا جائے، کم از کم ایک سال کا خرچ چندہ سے جمع کرلیا جائے۔

(۲) رقم امانت جمع کرنے والے کھاتہ داروں کو، پاس بک فروخت کی جائے۔

(۳) قرض لینے والوں کو معاہدہ نامہ فارم سے فروخت کیا جائے جو مختلف نوعیت، مختلف حیثیت اور مختلف رنگ کے ہوں جو تناسب قرض کی مقدار سے مختلف قیمت کے ہوں، مثلاً ۵ تا ۱۰۰/ ایک روپیہ کا۔ ۱۰۱ تا ۲۰۰/ تین روپے کا اور ۲۰۱ تا ۳۰۰/ چار روپے کا وغیرہ۔

(۴) مدت قرض ختم ہونے کے بعد تجدید قرض کے لیے مستقرض سے نیا معاہدہ نامہ فارم پر کرایا جائے اور سابقہ تناسب سے فارم کی قیمت لی جائے۔

(۵) اشیاء مرہونہ کے علاوہ بغرض حفاظت بطور امانت زیورات یا قیمتی اشیاء رکھنے پر مدت کے اعتبار سے حفاظت کا کرایہ لیا جائے۔

ھ: ادارہ میں رقوم امانت کے جمع و واپسی کا طریقہ یہ ہوگا کہ:

منیجر ادارہ کے نام درخواست برائے اجرائے کھاتہ (جو دفتر میں مطبوعہ موجود ہو) پر کرکے پاس بک قیمتاً حاصل کرے، جس پر اندراج کرکے ہی رقم امانت جمع کرے، واپسی امانت کے وقت فارم واپسی امانت (جو دفتر میں مطبوعہ ہو) بھر کے جمع کرے جس کی بنیاد پر حسب طلب رقم امانت پاس بک میں اندراج کرکے واپس کرے۔

و: ادارہ سے حسب ذیل طریقہ سے ضرورت مندوں کو قرض تقسیم کیا جائے:

(۱) سونے، چاندی کے زیورات کی کفالت پر ہی قرض دیا جائے، شخصی ضمانت نیز مکان، زمین کاغذات پر قرض ہرگز نہ دیا جائے۔

(۲) زیورات مکفولہ کی موجودہ قیمت کا ۶۰/ یا ۷۰/ فیصد حصہ ہی بطور قرض دیا جائے۔

(۳) مقدار قرض کے مطابق متعینہ معاہدہ نامہ فارم خرید کر پر کرنے پر ہی قرض دیا جائے۔

ز: مدت قرض کی توسیع کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ اگر مقروض وقت معینہ پر ادائیگی قرض سے قاصر ہے تو مہلت کے طور پر مزید دو تین مہینے دیئے جائیں، اس کے لیے از سر نو معاہدہ ہو اور فارم قرض دوبارہ سابقہ طریقہ پر دے کر پر کرایا جائے۔ اور سابقہ فارم واپس لے کر جمع کر لیا جائے۔

نوٹ: دفتری نظم ونسق سے متعلق طریق کار کو ذکر نہیں کیا گیا۔

مذکورہ تفصیل کے مدنظر درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) ذکر کردہ طریقہ کار کے مطابق غیر سودی رفاہی اداروں اور سوسائٹیوں کا چلانا اور رائج کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں! تو پھر کیا طریقہ کار ہو؟

(۲) اس طرح کے ادارے قائم کرنے اور چلانے والے مسلمانوں کو صرف سودی لین دین کی لعنت سے بچانے کی نیت رکھیں یا جائز طریقہ سے حاصل شدہ آمدنی سے رفاہی امور کے فروغ دینے اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی بھی، یا دونوں کی؟

(۳) رقم امانت جمع کرنے والوں سے اجرائے کھاتہ کے لیے پاس بک (جس پر امانت کے جمع وواپسی کا اندراج ہوگا) کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ادارہ کے مصارف اور اخراجات کی کفالت کے لیے عطایا اور دیگر صدقات کی رقومات حاصل کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ بصورت اثبات (الف) کس مد کی رقم اس مقصد پر صرف کی جاسکتی ہے، صدقات واجبہ یا صدقات غیر واجبہ بھی، اگر صدقات غیر واجبہ تک محدود کیا جائے تو اتنی رقم کا مہیا ہوسکنا مشکل ہے جو اخراجات کو پورا کر سکے، اور اگر صدقات واجبہ کو بھی اس مقصد پر صرف کیا جائے تو یہ ایسا مقصد ہے جس میں حیلہ تملیک کی اجازت ہوگی یا بلا حیلہ تملیک صرف کیا جائے گا؟

ب: عطایا وصدقات قابل اعتماد اور مستقل ذریعہ آمدنی بھی قرار نہیں دیے جاسکتے جن پر اس نظام کے بقاوتحفظ کی ضمانت دی جاسکے، چہ جائیکہ نظام کو وسیع اور ہمہ گیر بنایا جاسکے جب کہ مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سودی لعنت سے بچانا اور ان کی معاشیات کو سدھارنا ہے۔

ج: اس صورت میں چندہ دہندگان ادارہ کے انتظام وانصرام میں دخیل ہوکر اس کی بقاوتحفظ کو خطرہ میں ڈال سکتے ہیں۔

د: فراہمی چندہ کے سلسلہ میں جو عملی دشواریاں پیش آتی ہیں جو اربابِ بصیرت سے مخفی نہیں، ان کے ہوتے ہوئے ان اداروں کے بقا کی کیا صورت ہوگی؟

(۵) ادارہ کے انتظامی مصارف اور اخراجات کے لیے قرض لینے والوں سے اجرۃ الخدمت وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو:

الف: کیا یہ اجرۃ الخدمت "کل قرض جر نفعاً فھو ربوا" میں داخل نہ ہوگا؟

ب: کیا اسے واقعی شرعی عقد اجارہ میں داخل کر کے اجرۃ الخدمت قرار دیا جا سکتا ہے؟

ج: اگر یہ عقد اجارہ ہے تو کیا مستقرض کو اس اجرۃ الخدمت کی ادائیگی پر جبر کیا جا سکتا ہے؟

د: اس اجرۃ الخدمت کا تعین کس تناسب سے ہوگا، مقدار قرض کا اعتبار ہوگا یا ہر مقروض سے برابر۔

ھ: مدت قرض کی توسیع و تجدید کے وقت کیا دوبارہ مستقرض سے اجرۃ الخدمت لیا جائے گا؟

و: اس اجرۃ الخدمت کو کیا ایسے ملازمین وادارہ پر صرف کیا جا سکتا ہے جو معاملہ قرض کے ساتھ دیگر امور ادارہ بھی انجام دیتے ہیں، اور کیا ادارہ میں تنخواہوں کے علاوہ دیگر اخراجات میں بھی اسے لگایا جا سکتا ہے؟

(۶) سرمایہ کو تجارت میں لگا کر اس کے منافع سے ادارہ کے اخراجات اور ضروریات پورا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس صورت کے اختیار کرنے میں درج ذیل امور قابل توجہ ہیں:

الف: تجارت کس سرمایہ سے ہوگی، رقوم امانت سے یا ادارہ کی آمدنی سے؟

ب: رقوم امانت سے تجارت ہو تو نفع کی صورت میں وہ نفع صرف ادارہ کا حق ہوگا یا مستودعین بھی حقدار ہوں گے؟ اگر مستودعین بھی حقدار ہوں گے تو کس تناسب سے؟

ج: خسارہ کی امکانی صورت میں اسے کون برداشت کرے گا ادارہ یا مستودعین؟ اگر ادارہ تو کہاں سے؟ اگر مستودعین تو کیوں؟

د: اگر ادارہ کی آمدنی سے تجارت کی جائے تو یہ آمدنی کہاں سے اور کیسے حاصل ہوگی؟

ھ: یہ تجارت کاری ادارہ کی جانب سے ہوگی یا کسی فرد کی جانب سے اور وہ فرد کون ہوگا؟ واضح رہے کہ ادارہ بحیثیت ادارہ ملکی قانون کے اعتبار سے تجارت نہیں کر سکتا۔

(۷)　ادارہ کے مصارف اور واقعی اخراجات کی کفالت کے لیے قرض لینے والوں سے قرض لینے کے وقت معاہدہ نامہ اور فارم حصول قرض کی قیمت لینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو:

الف:　کل قرض جر نفعاً فھو ربوٰ سے کیونکر خارج ہوگا؟ کیا اس میں انتفاع بالقرض نہیں؟

ب:　اس صورت میں شبہ ربوٰ نہ پایا جائے گا، یا اس مقصد کے لیے شبہ ربوٰ جائز قرار دیا جائے گا؟

ج:　اگر یہ حیلہ ہے تو عقود مالیہ میں مفید حل واقعی ہو سکے گا یا نہیں؟

د:　فارموں کی قیمت مقدار قرض کے تناسب سے ہوگی یا ہر مقروض سے یکساں؟

ھ:　اگر مقدار قرض کے تناسب سے فارموں کی قیمت رکھی جائے تو ان فارموں کا ہر حال میں یکساں ہونا ضروری ہے یا مختلف نوعیتوں حیثیتوں اور رنگوں کا؟

و:　اگر ہر مقروض سے برابر لیا جائے تو معمولی قرض لینے والوں اور زیادہ لینے والوں میں عدل کیونکر ہوگا؟

(۸)　قرض کی مدت متعینہ ختم ہونے کے بعد توسیع مدت اور تجدید قرض کے لیے از سر نو دوسرے معاہدہ نامہ کی قیمت مستقرض سے وصول کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو صرف پہلا معاہدہ نامہ باطل کر کے یا پہلا معاملۂ قرض بالکل ختم کرنے کے بعد؟ اگر پہلا معاملہ قرض بالکل ختم کرنے کے بعد تو اس کی کیا صورت ہوگی جب کہ وہ قرض کی ادائیگی سے بالکل عاجز ہے اور کہیں اور سے قرض بھی دستیاب نہیں۔

اور اگر تجدید قرض کے وقت از سر نو معاہدہ نامہ کی قیمت لینا درست نہیں تو زر قرض جلد وصول کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے، جب کہ زیورات مکفولہ کو فروخت کر کے زر قرض کو وصول کرنا ان اداروں کے لیے قانونی سرپرستی نہ ہونے کے سبب تقریباً ناممکن ہے، نیز اس طرز عمل سے ادارہ کا اعتماد بھی مجروح ہوتا ہے اور اس صورت میں لوگوں کو معاشی مشکلات سے نکالنے کے بجائے مزید اس میں ڈالنا بھی ہے، اس کے علاوہ منتظمین ادارہ اور مستقرض کے مابین زیورات مکفولہ کی قیمتوں وغیرہ کا نزاع اور اختلاف پیدا ہو کر معاملہ عدالت تک پہنچ جاتا ہے، جہاں ان اداروں کو کوئی مدد نہیں مل پاتی، اس صورت حال میں زر قرض کی واپسی کی کیا صورت ہوگی؟ جب کہ مستقرض نوٹس کے باوجود آتا بھی نہیں، کیا یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ مستقرض سے قرض لینے کے وقت معاہدہ نامہ میں یہ شرط منظور کرائی جائے کہ اگر وہ متعینہ مدت کے بعد قرض نہیں لوٹاتا ہے اور نوٹس کے باوجود آتا نہیں، تو اس کی جانب سے معاہدہ نامہ پر کر کے رکھ دیا جایا کرے گا، اور آخر میں جب زر قرض واپس کرے گا تو

ان کی قیمت کو بھی ادا کرنا ہوگا، اسی صورت میں شئے مرہون لوٹائی جائے گی جس طرح معاہدہ نامہ میں یہ شرط منظور کرائی جاتی ہے کہ وقت متعینہ پر زرقرض نہ لوٹانے کی صورت میں زیورات مکفولہ کو فروخت کرکے زرقرض وصول کرلیا جائے۔

(۹)　مستقرض سے اشیاء مرہونہ کی حفاظت کا کرایہ لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اشیاء مرہونہ کی حفاظت کے مصارف کون برداشت کرے گا مستقرض یا ادارہ؟ اگر ادارہ تو کہاں سے؟ خاص کر جب ان کی حفاظت کے لیے بینکوں کے لاکرس کرایہ پر لینے کی ضرورت پڑے۔

(۱۰)　اشیاء مرہونہ ومکفولہ میں مضمون بالقرض سے زائد مقدار کی حفاظت پر کرایہ لینا نیز اس کے حسابات رکھنے، رجسٹر وغیرہ میں درج کرنے، دیگر امانتوں میں اختلاط سے بچانے پر ادارہ کا جو خرچ آتا ہے اس کا راہن اور مستقرض سے لینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کو ادارہ کے مصارف میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۱)　اشیاء مرہونہ کے علاوہ اگر لوگ اپنے زیورات یا قیمتی اشیاء ان اداروں میں بغرض حفاظت رکھیں تو کیا ان کی حفاظت پر مدت کے اعتبار سے کرایہ لینا صحیح ہوگا؟ کرایہ لینے کی صورت میں اگر وہ چیز بلا تعدی ضائع ہوجائے تو ادارہ پر ضمان وتاوان واجب ہوگا یا نہیں؟

(۱۲)　ان اداروں کے لیے مروجہ بینکوں کے میعادی چیک کو ضرورت مندوں سے کم قیمت پر خریدنے کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟ جو جائز اور شرعاً درست ہو (یعنی وہ چیک جن کی ادائیگی بینک ایک مدت کے بعد ہی کرے گا، مثلاً وہ ایک ہزار کا ہے اور چھ ماہ بعد ملے گا، کیا ایسے چیک کو کسی ضرورت مند سے نوسو پچاس میں لینا اور وقت مقررہ پر بینک سے پورے ایک ہزار وصول کرنا جائز ہوسکتا ہے؟

اور کیا اس طریقہ سے حاصل ہونے والی رقم مصارف ادارہ میں لگائی جاسکتی ہے؟

(۱۳)　جائز صورت سے حاصل شدہ رقم اگر مصارف ادارہ سے بڑھ جائے تو اسے کیا کیا جائے؟ ادارہ کی ترقی میں لگایا جائے یا رفاہی امور پر صرف کیا جائے، یا غرباء پر صدقہ کرنا ضروری ہے؟

(۱۴)　یہ ادارے جمع شدہ رقم امانت بغرض حفاظت مروجہ بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ، سیونگ اکاؤنٹ اور فکسڈ ڈپازٹ میں رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں رکھ سکتے تو ان امانتوں کی حفاظت کی کیا صورت ہو؟ جب کہ اس کے علاوہ کوئی قابل اعتماد ذریعۂ حفاظت بھی نہیں، نیز ملکی قانون کی رو سے زیادہ رقم خود اپنے پاس بھی نہیں رکھ سکتے اور بغرض

حفاظت بینکوں میں رکھنا درست ہے تو اس پر مل سکنے والی سودی رقم کو کیا کیا جائے؟

معز الدین احمد غفرلہ (ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند)

الجواب وباللہ التوفیق:

غیر سودی رفاہی ادارہ میں کئی طرح کے اور کئی قسم کے کام اور معاملات ہوتے ہیں اور ہر قسم کا حکم بھی الگ الگ ہوتا ہے، اس لیے ہر قسم کے کام اور اس کے احکام الگ الگ بیان کیے جاتے ہیں، تا کہ احکام میں خلط واختلاط ہوکر باعث الجھن نہ ہو مثلاً:

(۱) یہ کہ کوئی شخص اپنا زیور وغیرہ کوئی چیز گروی رکھ کر بطور قرض روپے لیتا ہے تو یہ معاملہ رہن کا ہوگا اور اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے۔

(۲) یہ کہ کوئی شخص اپنا زیور یا کوئی سامان گروی رکھے بغیر محض قرض لیتا ہے تو یہ معاملہ محض قرض کا ہوگا، رہن کا نہ ہوگا، اور اس پر قرض کے احکام جاری ہوں گے، رہن کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

(۳) یہ کہ کوئی شخص اپنا زیور یا سامان قرض لئے بغیر محض حفاظت کے لیے رکھتا ہے تو یہ معاملہ محض امانت وودیعت کا ہوگا اور اس کے احکام الگ جاری ہوں گے۔

(۴) یہ کہ کوئی شخص اپنا نقد روپیہ محض بغرض حفاظت رکھے تو یہ معاملہ بھی محض امانت وودیعت کا ہوگا اور اس کا حکم بھی الگ ہوگا۔

(۵) یہ کہ کوئی شخص اپنا نقد روپیہ ادارہ میں کوئی کاروبار کرنے کے لیے دے تو یہ معاملہ مضاربت کا ہوگا اور اس کا حکم الگ ہوگا۔

اس تشریح کے بعد ہر ایک نمبر کا الگ الگ تفصیلی حکم لکھا جاتا ہے:

(۱) یہ کہ کوئی شخص اپنا زیور وغیرہ کوئی چیز گروی (بندھک) رکھ کر کچھ روپے لینا چاہے تو یہ معاملہ خالص عقد رہن کا ہوگا اور اس معاملے پر اس کے احکام جاری ہوں گے۔

روپے لینے والا راہن کہلاتا ہے اور بندھک رکھ کر روپے دینے والا مرتہن کہلاتا ہے اور جو شئے راہن رہن پر رکھتا ہے وہ مرہون کہلاتی ہے اور مرتہن نے جو رقم (روپیہ) دی ہے وہ بذمہ راہن قرض ہوجاتی ہے، اور اس طرح یہ معاملہ قرض

کے معاملہ پر بھی مشتمل ہوجاتا ہے: "الرهن في اللغة مطلق الحبس، وفي الشرع حبس شئي مالي بحق كالدين يمكن استيفاءه منه ويسمىٰ مرهونا ورهنا" (۱)، اور مرتہن شئے مرہون کو معاملہ رہن کی توثیق اور اپنے دیئے ہوئے قرض کی حفاظت کی غرض سے اپنے قبضہ میں لیتا ہے، لہٰذا اس شئے مرہون کی حفاظت مرتہن ہی کے ذمہ واجب رہتی ہے: قال في الدر المختار مع رد المحتار (۵ر۳۱۲): "ويجب على المرتهن أن يحفظه بنفسه وعياله وضمن إن حفظ بغيرهم، وضمن بإيداعه وإعارته وإجارته واستخدامه وتعديه كل قيمته (إلى أن قال) وأجرة بيت حفظه ومأوى الغنم على المرتهن" اھ اور اگر اس حفاظت کی وجہ سے یا جس وجہ سے بھی مرتہن کچھ رقم راہن سے وصول کرے گا، وہ حدیث پاک: "كل قرض جر نفعاً فهو ربا" میں داخل ہوجائے گی اور اس کا لینا ناجائز وممنوع رہے گا، ہاں مرتہن یہ کرسکتا ہے کہ توثیق رہن وتحفظ قرض کے خاطر راہن سے یہ کہے کہ اس رہن کے لیے ایک وثیقہ یا سرخط وغیرہ لکھ کرلاؤ تو ہم بندھک رکھ کر یہ قرض دیں گے، اور اس وثیقہ یا سرخط وغیرہ کی قیمت واجرت تحریر وغیرہ سب بذمہ راہن رہے گی، اسی طرح مرتہن فارم کی وہ قید بھی لگا سکتا ہے جو معاملہ ۲ میں تفصیل سے آئے گی: كما يستفاد هذا الأمر من قوله تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم (تعاملتم بدين كسلم وقرض) إلى أجل مسلمى (معلوم) فاكتبوه (استيثاقا ورفعا للنزاع) وليكتب (كتاب الدين بينكم) كتاب بالعدل (بالحق في كتابته، لايزيد في المال والأجل ولاينقص) ولا يأب كاتب أن يكتب كما علمه الله (أي فضله بالكتابة فلا يبخل بها) فليكتب وليملل (على الكاتب) الذى عليه الحق (المدين لأنه المشهود عليه فيقر ليعلم ما عليه (۲) وأيضا لقوله تعالىٰ: وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتباً فرهان مقبوضة (۳) بالخصوص آیت ثانیہ کا کلمہ (فرهان مقبوضة) راہن کے مدیُن ہونے کی جانب صریح اشارہ ہے، لہٰذا کتابت کی اجرت اسی کے ذمہ ہوگی۔

(۲) یہ کہ کوئی شخص اپنا زیور یا کوئی سامان رکھے بغیر محض نقد روپیہ لے تو یہ معاملہ خالص قرض لینے دینے کا معاملہ ہوگا "القرض هو عقد مخصوص، أي بلفظ القرض ونحوه يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله" (۴)۔

۱- قواعد الفقہ / ص ۴۱۱۔

۲- جلالین شریف ۱/ ۴۴۔

۳- سورۂ بقرۃ ۲۸۳۔

۴- درمختار مع الرد ۴/ ۱۷۱۔

اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس قرض دینے کے عوض میں کوئی چیز لینا یا اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا درست نہ رہے گا، ورنہ ''کل قرض جر نفعا فھو ربا'' کے تحت داخل ہو کر سود لینے کے حکم اور وزر میں ابتلاء ہوگا، ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ قرض دینے اور قرض کا معاملہ کرنے سے پہلے یہ کہے کہ مثلاً اس مقدار کا معاملہ کرنے کے لیے فلاں قیمت کا فارم کہیں سے خرید کرلاؤ اور ان فارموں کی قیمت قرض کے فیصد کے اعتبار سے نہ ہو، بلکہ اس سے مختلف اور محض توثیق معاملہ کی حد تک رہے، اس طرح اس معاملہ کے مکمل ہوجانے کے بعد یہ قرض دینا جائز رہے گا، کما سیجي انفاً پس اگر یہ شخص کہیں سے یہ فارم خرید کر دیدے اور اس کے بعد قرض کا معاملہ کرے تو یہ قرض دینا ''کل قرض جر نفعا فھو ربا'' کا نہ ہوگا بلکہ ''کل بیع جر نفعا'' کا ہوگا، بلکہ یہ فارم اگر خود وہ شخص جو اس کے بعد قرض دے گا وہ فارم خود بیع کردے یا اس کا کوئی نائب یا وکیل بیع کردے اور بیع کا معاملہ مکمل اور تمام ہونے کے بعد قرض دینے کا معاملہ کرے تو اس طرح بھی معاملہ کرنا ''کل قرض جر نفعاً'' میں شمار نہ ہوگا، اور اس طرح معاملہ جائز رہے گا جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے: ''شراء الشيء اليسير بثمن غال لحاجة القرض يجوز ويكره وتحته في رد المحتار بعد نقل صور الاختلاف مذکور ہے وكان شمس الأئمة الحلواني يفتي بقول خصاف وابن سلمة ويقول: هذا ليس بقرض جر منفعة بل هذا بيع جر منفعة وهي القرض''(۱)، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قرض دینے والا قرض دینے سے پہلے مستقرض سے یہ کہے کہ تم فلاں فارم مجھ سے یا کسی سے خرید کرلاؤ تو میں تمکو یہ قرض دے دوں گا تو اس کی بھی گنجائش رہے گی اور درمختار کے اس قول ''ويكره'' کی تشریح کرتے ہوئے شامی نے خود جو عبارت نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت کا یہ حکم قرض کا معاملہ کر لینے کے بعد اس طرح عمل کرنے پر ہے اور قبل القرض والی شرط کو محفوظ رکھا ہے جو اس کے جواز بلا کراہت کی طرف اشارہ کرتی ہے، لہٰذا فارموں کی اس رقم سے ادارہ کی کفالت کرنا جائز رہے گا، تنخواہ دینا بھی جائز رہے گا، لیکن چونکہ اس بیع وشراء (خرید وفروخت) کا انسلاک قرض سے یا شئی مرہون سے ہوگا اور فقہاء کے درمیان اس کے اندر اختلاف بھی ہے، خاص طور پر علامہ حلوانی جیسے جلیل القدر فقیہ کا اختلاف، نیز حرمت ربوا کی شدت کے خطرے سے بھی کچھ خلش معلوم ہوتی ہے اور ایسے معاملہ سے احتیاط ہی اولیٰ معلوم ہوتی ہے، اور اس سے احتراز کرنا اشبہ بالفقہ معلوم ہوتا ہے، ہاں کوئی تیسرا آدمی جو مسلم فنڈ کا ملازم یا نائب نہ ہو بلکہ آزاد ہو تو یہ خلش واقع نہ ہوگی اور معاملہ بے داغ رہے گا اور جب ہمدردان قوم اپنی بڑی بڑی رقمیں ادارہ کو غیر سودی قرض دینے کے لیے دیتے ہیں تو مستبعد نہیں ہے کہ کوئی صاحب خیر اپنی دکان یا فیکٹری میں ان

۱- درمختار علی الشامی نعمانی ۴/۱۷۵

فارموں کے بیچنے کا نظم کرلے اور ماہ بماہ اس کی رقم ادارہ کو ہدیہ کے طور پر دے دیا کرے کہ یہ بھی ایک کار ثواب ہوگا، کار خیر ہوگا، نیز جن صورتوں میں ادارہ خواہ مستقرض ہوکر یا کسی بھی اور صورت میں ادارہ میں آمدہ رقم کا خود مالک ہوجاتا ہے تو اس رقم سے بھی بغیر ان فارموں کے خرید فروخت کے بھی غیر سودی قرض دے سکتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ ادارہ جن صورتوں میں ملی ہوئی رقوم کا شرعاً مالک ہوکر ان مواقع میں خرچ کرنے کا شرعاً اگرچہ مجاز ہوجائے گا، لیکن جب یہ رقوم دفتری اخراجات میں خرچ کردے گا تو مقرض کے طلب پر کہاں سے ادا کرے گا، ازالہ شبہ اس طرح ہے کہ ان اخراجات کے پورا کرنے کی جائز صورتیں نکل سکتی ہوں تو ان کے ذریعہ سے اس کمی کو پورا کرے، ورنہ فارم کے سلسلے میں اوپر لکھی ہوئی شکلوں میں جو جائز شکل ہے اس کے مطابق عمل کرکے اس کمی کو پورا کردے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ رہن اور قرض کا معاملہ کم سے کم کتنے دنوں کا ہونا چاہیے، تو چونکہ یہ رفاہی ادارہ کے اس سب عمل سے غریب عوام کو سود کی لعنت اور زیرباری سے بچانا مقصود ہوتا ہے، اس لیے یہ معاملہ کم سے کم پورے ایک سال کے لیے ہونا چاہیے، تاکہ قرضدار سال بھر کے اندر محنت مزدوری کرکے ادائیگی قرض کے قابل ہوسکے، کیونکہ سال بھر میں فصلوں کے تغیر اور کاروبار کے اتار چڑھاؤ سے نفع حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے اور اس سے کم مدت میں عموماً اس کا موقع نہیں ملتا اور مروجہ طریقہ کہ ہر تین مہینہ میں واپسی قرض لازم کردے کہ اگر واپس نہ کرسکا تو تبدیل فارم پر قیمت فارم لازم کردیا جائے یہ ٹھیک نہیں رہے گا "وإن كان ذوعسرة فنظرة إلى ميسرة" پ ۳ر کے خلاف رہے گا اور اس طرح سے تو راہن کو اس عقد رہن اور اس قرض میں اتنی رقم دینی پڑجائے گی جتنی رقم بینک سے قرض لینے میں شاید نہ دینی پڑے، لہٰذا عوام کیونکر بینک سے ہٹ کر اس رفاہی ادارہ میں آئیں گے، بالخصوص جب بینک میں جمع کرنے میں دوسرے جائز فوائد بھی متوقع ہوں گے جب کہ رفاہی ادارہ کا یہ طریقہ اپنی وضع ادارہ کی غرض کے بھی منافی اور غلط ہوگا، رہ گیا یہ اشکال کہ پھر دفتری اخراجات کس طرح اور کہاں سے پورے کیے جاسکیں گے؟ تو اس کا ایک حل پہلے بھی لکھا جاچکا ہے اور آئندہ نمبروں میں بھی آئے گا قوم کے ہمدرد اور مخیر حضرات جس طرح اس رفاہی کام کو کار ثواب سمجھ کر ادارہ میں ایسی بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں کہ ان رقوم سے ضرورت مندوں کو غیر سودی قرض وغیرہ دیا جاتا ہے، اسی طرح مخیرین وہمدردان قوم کو اس کام کی اہمیت، افضلیت اور قیامت تک کے لیے صدقۂ جاریہ ہوجانا واضح کرکے بڑے بڑے چندے وصول کرکے پراپرٹی وجائدادیں حاصل کرکے ادارہ پر وقف کردی جائیں، تاکہ اس کے نفع سے دفتری اخراجات بھی پورے ہوتے رہیں، اور غریب ومسکین سود کی لعنت اور مالی زیرباری سے

بھی بیچ سکیں اور ان وقف کرنے والوں کو قیامت تک صدقہ جاریہ کا ثواب بھی ملتا رہے، اسی طرح جن معاملات کے اندر ادارہ مستقرض ہوکر جمع شدہ روپے کا شرعاً مالک ہوجاتا ہے اس رقم کو افراد ادارہ اپنے ذاتی مصرف میں صرف کرنے کے مجاز ہوکر اس سے بھی تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے بچت ادارہ معقول پراپرٹی اتنی بنا سکتے ہیں کہ کچھ ہی زمانہ میں ادارہ بالکل مفت اور بغیر کسی قسم کی شرطیں لگائے ہوئے غیر سودی طریقے سے بھی عوام کی امداد کرسکتا ہے۔

۳-کوئی شخص اپنا زیور یا کوئی سامان محض حفاظت کے لیے ادارہ میں رکھے اور کوئی قرض نہ لے تو یہ معاملہ بھی محض امانت وودیعت کا ہوگا" **الإيداع تسليط الغير على حفظ ماله**" (۱) اور اس کا حکم یہ ہوگا کہ وہ چیز یا سامان بعینہ محفوظ رکھا جائے اور اس کو کسی اور کام میں استعمال نہ کرے اور نہ اس کو کسی عاریت وغیرہ پر دے **في الهندية** (۴/۳۳۸) **:والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تواجر ولاترهن وإن فعل شيئا منها ضمن** "البتہ حفاظت کی اجرت متعارفہ امانت رکھنے والے سے لے سکتا ہے اور یہ اجرت ادارہ کی ملک ہوگی، پس اس سے بھی شئے مرہون کی حفاظت کرسکتا ہے "**المودع إذا شرط الأجرة للمودع على حفظ الوديعة صح ولزم عليه**" (۲) اور ایسی صورت میں حفاظت میں رکھنے والا حفاظت کی اجرت طے کر کے یا حسب ضابطہ حفاظت کوئی عمل کر کے اجرت لے تو جائز رہے گا، البتہ اس کے علاوہ کوئی اور عمل یا تصرف کرے گا تو خیانت کا گناہ ہوگا **كما قلمنا آنفا من الهندية** اور جس شخص نے حفاظت کے لیے رکھا تھا وہ فوراً اپنی چیز کی واپسی کا مطالبہ بھی کر سکے گا اگر وہ چیز واپس مل گئی تو خیر ورنہ اس کی واپسی کے وقت پوری قیمت پانے کا مستحق ہوجائے گا" **وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة في يده ووجوب اداته عند طلب مالكه**" (۳) اور اگر خدانخواستہ ادارہ کی تعدی وغلطی کے بغیر ضائع ہوجائے تو ادارہ پر شرعاً ضمان یا تاوان واجب نہ ہوگا، البتہ اگر ادارہ نے اس امانت کی حفاظت پر اجرت لینا بھی طے کیا ہے تو پھر ادارہ کی تعدی کے بغیر ضائع ہوجانے کی صورت میں بھی ادارہ پر اس کا تاوان ادا کرنا ضروری رہے گا" **هي أمانة فلاتضمن بالهلاک إلا إذا كانت الوديعة بأجر**" (۴) بلکہ باب ودیعت کے سارے احکام جاری ہوں گے۔

۴-یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنا نقد روپیہ محض بغرض حفاظت رکھے تو یہ معاملہ بھی خالص امانت وودیعت کا ہوگا،

۱- بحر ۷/۲۷۳۔
۲- ہندیہ ۴/۳۴۲۔
۳- عالمگیری ۴/۳۳۸۔
۴- اشباہ معزیاً للزیلعی، درمختار مع الرد ۴/۴۹۴۔

"الوديعة المال المتروک عند الإنسان يحفظه، وهي شرعاً: عقد أمانة تركت عند الغير للحفظ قصداً" (۱) اور اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ رقم بالکل بعینہ الگ تھلگ محفوظ رکھی جائے، حتی کہ اگر اس قسم کی امانت کی رقمیں کئی آدمیوں کی ہوں تو ان سب کو بھی الگ الگ رکھا جائے گی؛ **كما في الشامي النعماني ۴؍۴۹۷: وكذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر بحيث لاتتميز ضمنها لاستهلاكه بالخلط"**(۲) اور یہ معاملہ ابتداءً اگر چہ امانت کا ہوگا مگر انتہا قرض کا ہوجائے گا اور اگر ادارہ کی زیادتی وتعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے جب بھی اس کا عوض دینا لازم رہے گا، باقی اس رقم کے دینے والے کی اجازت سے یہ خلط ہوا ہے تو ادارہ کو کچھ گناہ بھی نہ ہوگا بلکہ ادارہ شریک ہوجائے گا، اور اپنے حصہ کا مالک ہوجائے گا "**وإن خلط بإذنه كان شريكا له**" (۳) اور اگر بعینہ الگ الگ محفوظ رکھی جائے اور بغیر کسی زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو ادارہ پر کوئی عوض ادا کرنا واجب نہ رہے گا، بلکہ اس مدت حفاظت کی متعارف اجرت یا طے شدہ اجرت بھی لے سکتا ہے: **"هي أمانة فلاتضمن بالهلاک"** (۴) ہاں اگر شئے مودع کی حفاظت پر اجرت لینے کا معاملہ بھی ہوا ہے تو پھر ہلاکت کی صورت میں بہر حال ضمان ادا کرنا لازم رہے گا (کما مر فی جواب ۳) امانت کی یہ رقم کسی دوسری رقم سے خلط ملط ہوجانے سے جس طرح قرض بن جائے گی، اسی طرح ادارہ اس کا شرعاً خود مالک متصور ہو جائے گا: **" قوله ضمنها أي إذا ضمنها ملكها"** (۵) پھر اپنی صوابدید سے جو معاملہ چاہے گا کرے گا تو شرعاً جائز یہ بھی رہے گا، پس اس رقم سے ادارہ کے تمام اخراجات کی کفالت بھی کر سکے گا، تنخواہ ملازمین وغیرہ بھی دے سکے گا، اور شئے مرہون کی حفاظت میں بھی اس رقم کو خرچ کر سکے گا۔

اور اگر کوئی چیز بندھک رکھ کر قرض دے گا تو یہ معاملہ عقد رہن کا ہوجائے گا اور معاملہ ۱ کی طرح معاملہ ہوا کرے گا اس کی تفصیل ۱ میں دیکھئے، اسی طرح اگر بغیر کوئی چیز بندھک لیے ہوئے محض قرض دے گا تو اس پر قرض کے احکام جاری ہوں گے اور اس کے لیے معاملہ ۲ کا حکم دیکھئے۔

۵- یہ کہ کوئی شخص اپنا نقد روپیہ لوگوں کو غیر سودی قرض دینے کے لیے دے یا ادارہ میں رکھے تو یہ معاملہ تو وکیل کا

۱- قواعد الفقہ ۵۴۲۔
۲- درمختار مع الرد ۴۹۷، وکذا فی البحر ۷؍۲۷۴۔
۳- بحر ۷؍۲۷۶۔
۴- بحر ۷؍۲۷۶۔
۵- شامی ۴؍۴۹۷۔

ہوگا، اور اس کے احکام یہ ہیں: یہ رقم دینے والا شرعاً موکل اور اصل مالک کہلائے گا، اور ادارہ محض وکیل کہلائے گا، وکیل (ادارہ) اس رقم کا مالک شمار نہ ہوگا بلکہ حسب اجازت غیر سودی قرض حدود شرع میں رہتے ہوئے لوگوں کو دینے کا مجاز ہوگا، ''التوكيل هو إقامة الغير مقام نفسه في التصرف ممن يملكه'' (۱) وفی قواعد الفقہ ۵۴۶: ''وهي شرعاً تفويض أحد أمره لآخر وإقامته مقامه، ويقال لذالك الشخص، موكل ومن أقامه وكيل والأمر موكل به'' (۲) ''صح التوكيل بالإقراض لا بالاستقراض'' پس اگر کوئی چیز گروی رکھ کر غیر سودی قرض دے گا تو یہ معاملہ عقد رہن کا ہوگا اور اس کا حکم معاملہ ۱ میں دیکھیے، اور اگر کوئی چیز بغیر گروی رکھے محض قرض دیا ہے تو اس کا حکم معاملہ ۲ میں دیکھیے، بقیہ پوری تفصیل کتب فقہ کے باب القرض اور کتاب الرہن میں دیکھی جاسکتی ہے اور ان سب کے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ وکیل (ادارہ) جتنا معاملہ کرے گا، وکیل ان سب معاملات کا خود ذمہ دار ہوگا، حتیٰ کہ نفع ونقصان وغیرہ کے سب احکام لاگو ہوں گے، وہ سب محض ادارہ (وکیل) ہی تک محدود رہیں گے، کیونکہ وکیل اصل مباشر اور شرعاً ذمہ دار شمار ہوتا ہے: ''والحقوق في مايضيفه الوكيل في نفسه كالبيع والإجارة والصلح عن إقرار تتعلق بالوكيل إن لم يكن محجوراً كتسليم المبيع وقبضه وقبض الثمن والرجوع عند الاستحقاق والخصومة في العيب'' (۳)۔

اور اس معاملہ کے حکم میں ۲ کے معاملہ سے یہ فرق رہے گا کہ معاملہ ۲ میں ادارہ خود مالک ہوجائے گا اور معاملہ ۵ میں رقم دینے والا ہی مالک رہے گا اور ادارہ محض وکیل رہے گا۔

۶- یہ کہ کوئی شخص اپنا نقد روپیہ ادارہ میں کوئی کاروبار کرنے کے لیے دے، تو یہ معاملہ مضاربت کا ہوگا اور اس کا حکم دینے والا شرعاً رب المال کہلائے گا، اور ادارہ مضارب کہلائے گا اور یہ رقم بضاعۃ و پونجی کہلائے گی: ''المضارب هو العامل في المضاربة ويقابله رب المال'' (۴)۔

''المضاربة هي عقد شركة في الربح بمال من جانب رب المال وعمل من جانب المضارب'' (۵) ''وشرطها كون رأس المال من الأثمان، في رد المحتار: الدراهم والدنانير(۶)'' اس کے

۱- بحر ۷/۱۴۱۔
۲- البحر ۷/۱۴۳۔
۳- کنز مع البحر ۷/۱۵۱۔
۴- قواعد الفقہ ۴۹۳۔
۵- درمختار مع الرد ۴/۴۸۳۔　　　　۶- شامی ۴/۴۸۳۔

سارے احکام کتاب المضاربۃ میں ہیں، یہاں صرف اتنا سمجھئے کہ رب المال (رقم دینے والا) ادارہ (مضارب) کو کسی خاص چیز کی تجارت کرنے کے لیے دے یا عام تجارت کرنے کے لیے مضارب (ادارہ) کو دے، سب جائز رہے گا، یہ دونوں صورتیں درست رہیں گی، ''في الدر المختار مع رد المحتار ۴؍۴۸۵'': ''ویملک المضارب في المطلقة التي لم تقید بمکان أو زمان أو نوع البیع بنقد و نسیئة متعارفة و الشراء و التوکیل بهما''۔

البتہ مجموعی نفع میں سے مضارب (ادارہ) کے لیے نفع کا ایک متعین مثلاً آدھایا جو حصہ ہو طے ہو جانا ضروری رہے گا کہ سال بہ سال حساب کے وقت جو نفع برآمد ہو اس کا مالک حسب معاہدہ (ادارہ) شمار ہوگا ''وشرطها کون الربح بینهما شائع فلو عین قدراً فسدت'' (۱) اور ادارہ (مضارب) کو اختیار رہے گا کہ اپنے جس کام میں چاہے خرچ کرے اور اس نفع کی رقم کو مرہون کی حفاظت میں بھی خرچ کر سکتا ہے، پس اگر کسی کو محض قرض دے یا کوئی چیز گروی رکھ کر قرض دے اس کا حکم ۳، ۲ میں دیکھئے۔

یہاں تک ان تمام کاموں کا اصولی حکم الگ الگ تسہیلاً للفہم بیان کر دیا گیا، اب آگے باقی ضمنی نمبروں کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

۱- صحیح ہے اور اس کا طریقہ بھی اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

۲- دونوں کی نیت کریں۔

۳- پاس بک کی قیمت لینا اور ادارہ کے مصارف میں صرف کرنا جائز رہے گا ''المودع إذا شرط الأجرة للمودع علی حفظ الودیعة صح ولزم علیه'' (۲)۔

۴- عطایا اور محض صدقات غیر واجبہ حاصل کیے جا سکتے ہیں ''لأن الحیلة للتملیک إنما جوزوها للضرورة ولا ضرورة ههنا'' (من العبد الضعیف)۔

ب، ج، د: ان سب نمبروں کا بہتر حل یہ ہے کہ جس طرح ہمدردان ملت و مخیر حضرات نے بڑی بڑی رقمیں جمع کر کے غیر سودی قرض دینے کا تعاون کیا ہے، اسی طرح صدقہ جاریہ کی اہمیت و فضیلت بتا کر بڑی بڑی رقمیں حاصل کر کے کوئی جائداد و پراپرٹی خرید کر ادارہ پر وقف کیا جائے اور اس کے نفع سے ادارہ چلایا جائے اور جب تک اتنی پراپرٹی

۱- درمختار مع الرد ۴؍۴۸۵۔

۲- عالمگیری ۴؍۳۴۲۔

وجائداد یں وقف نہ ہوجائیں اس وقت تک فارموں کی قیمت کے ذریعہ ادا کرنے سے بہتر یہ ہوگا کہ ۲،۴ کے ذریعہ حاصل شدہ رقوم سے ادارہ کے تمام اخراجات پورے کریں تو یہ جائز رہے گا۔

۵۔قرض دینے سے قبل قبل وہ دونوں فارموں کی قیمت جن کا ذکر معاملہ ۲، ۴، ۶ میں گذر چکا ہے، احقر کے تحریر کردہ ضابطے کے مطابق لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

الف نادہ: کے مناسب قیمت واخراجات کے ساتھ حسب قید مذکور جائز رہے گا اور اس کا نام اجرۃ الخدمت رکھا جائے یا کچھ بھی رکھا جائے درست رہے گا، باقی قرض دید ینے کے بعد کوئی رقم مستقرض سے لینا درست نہ رہے گا، بلکہ ''کل قرض جو نفعا'' میں داخل ہوکر شرعاً ممنوع رہے گا، ضمنی نمبرات (الف تا د) سب میں یہی حکم رہے گا، اور ان سب کے دلائل شرعیہ ۲، ۴، ۵ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۶-یہ سرمایہ اگر ادارہ کو مضاربت کا معاملہ کرنے کے لیے دیا گیا ہے تو اس میں عقد مضاربت کے احکام جاری ہوں گے اور اس کی ضروری تفصیل معاملہ ۶ میں مذکور ہے۔

الف تا د: اور اگر یہ سرمایہ دینے والوں نے لوگوں کو قرض بلاسودی دینے کے لئے ادارہ کو دیا ہے تو یہ معاملہ عقد توکیل کا ہوگا اور اس کا حکم معاملہ ۵ میں تفصیل سے مذکور ہے دیکھا جاسکتا ہے۔

ھ: اگر ملکی قانون کی رو سے ادارہ خود تجارت نہیں کرسکتا تو قانونی زد سے بچتے ہوئے ایسی کوئی شکل اختیار کرسکتے ہیں جو شرعی حدود کے خلاف نہ ہو، قانون دانوں (وکیلوں) سے اس کا طریقہ معلوم کرکے شرعی حدود کی مطابقت وعدم مطابقت بھی معلوم کرکے جب شرعی حدود کے مطابق نظر آئے تو اس پر عمل کریں۔

۷-معاملات کے اندر لکھے ہوئے ضابطہ کے مطابق بھی صحیح رہے گا اور ضمنی نمبروں۔ الف تا د: کا حکم بھی اس میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۸۔قرض کی مدت متعینہ ختم ہونے کے بعد توسیع مدت اور تجدید قرض کے لیے مذکورہ دونوں صورتوں میں سے صرف یہ صورت کہ پہلا معاملہ قرض بالکل ختم کرکے ازسرنو معاملہ کیا جائے تو درست رہے گی، اور قانونی پریشانی ہر صورت میں ہوسکتی ہے اور اس کا مخلص وہی ہے جو پہلے لکھا جاچکا کہ وکلاء سے مشورہ کے بعد کیا جائے۔

۹-اشیاء مرہونہ کی حفاظت خود مرتہن کے ذمہ واجب ہے، خود حفاظت کرے یا کسی سے کرائے، لہذا حفاظت کا کرایہ خود ادارہ پر لازم رہے گا، لہذا بینکوں کے لاکرس کرایہ پر لینے کی اجرت بھی ادارہ ہی کو برداشت کرنا ہوگی، اور اخراجات

کی فراہمی انہیں صورتوں سے کی جائے جو ۲، ۳، ۴ میں گذر چکیں، یعنی جن صورتوں میں ادارہ مالک ہوجاتا ہے۔" **وأجرة بيت حفظه وحافظه ومأوى الغنم على المرتهن**"(۱)۔

۱۰- اس جملہ (اشیاء مرہونہ ومکفولہ) میں غالباً اشیاء مرہونہ ہی مراد ہیں کوئی جائداد غیر منقولہ یا دستاویزات وغیرہ کا مکفول کرنا مراد نہیں ہے، جیسا کہ سوال نامہ کے اغراض ومقاصد کے غرض ۷ کے تحت ضمنی نمبر (و) میں تصریح ہے کہ سونا چاندی کے زیورات کی کفالت پر ہی قرض دیا جائے، شخصی ضمانت پر یا مکان وزمین کے کاغذات پر قرض ہرگز نہ دیا جائے، سے واضح ہے۔

پس اس صورت میں مضمون بالقرض سے زائد مقدار سے مراد متعین ہے کہ جو زیور قرض میں بندھک لیا ہے، اس زیور کی قیمت مقدار قرض سے زائد ہے اور ظاہر ہے کہ ان زیورات کی زائد مقدار زیور مرہونہ سے الگ وجود نہیں رکھتی، بلکہ اس طرح سے ہوگی کہ اس کا مقدار مرہون سے الگ وتمیز کرنا دشوار ہوگا، لہذا اس کی حفاظت بھی شئی مرہونہ ہی کی حفاظت کے ساتھ رہے گی، لہذا اس کا کوئی حکم الگ نہ ہوگا بلکہ وہی حکم ہوگا جو زیور مرہون کی حفاظت کا ہوگا، اور اگر وہ زائد مقدار مضمون بالقرض کی مقدار سے الگ تھلگ بھی ہو اور الگ وجود بھی رکھتی ہو تب بھی حسب تصریح فتاوی ہندیہ سب کی حفاظت مرتہن کے ذمہ ہی رہے گی: "**الأصل فيه إنما يحتاج إليه لمصلحة الرهن بنفسه وتبقيته فعلى الراهن سواء كان في الرهن فضل أو لم يكن (إلى قوله) وكل ما كان لحفظه كرده إلى يدالراهن أو كرد جزءٍ منه كمداواة الجرح فهو على المرتهن مثل أجرة الحافظ** (۲) **الأصل فيه أن كل مايحتاج إليه لمصلة الرهن بنفسه وتبقيته فعلى الراهن لأنه ملكه وكل ما كان لحفظه فعلى المرتهن إن حبسه له** (۳)**وبهذا يندفع ما قيل بانقسام أجرة الحفظ على المضمون والأمانة، لأن المقسوم على المضمون والأمانة ليس من قبيل الحفظ كما قال في الدر المختار وما مؤنة رده (إلى قوله)مضمونة على الراهن**" (من العبد الضعيف)۔

۱۱- جو لوگ اپنے زیورات یا قیمتی اشیاء ادارہ میں محض بغرض حفاظت رکھتے ہیں اور قرض نہیں لیتے، ان اشیاء کی حفاظت کرنے کا متعارف کرایہ ادارہ لے سکتا ہے جائز رہے گا، البتہ حفاظت پر اجرت کا معاملہ طے ہوجانے کی صورت میں اگر شئے مودع ادارہ کی تعدی وغلطی کے بغیر بھی ضائع ہوجائے تب بھی ادارہ پر اس کا تاوان ادا کرنا لازم رہے گا، کمامر دلیلہ فی

۱- درمع الرد ۵/ ۳۱۳۔

۲- فتاوی ہندیہ ۵/ ۴۵۴۔

۳- درمختار مع الرد ۵/ ۳۱۴۔

جواب سے۔

۱۲-میعادی چیک سند ووثیقہ ہے مال نہیں ہے، اس لیے اس کی بیع وشراء (خرید وفروخت) جائز نہیں، البتہ اس طرح کرنا جائز رہے گا کہ جس محکمہ کا چیک ہے اس محکمہ سے خود چیک کا مالک یہ اجازت لے لے کہ اس چیک کی رقم کو فلاں شخص وصول کرے گا، پس جب متعلقہ محکمہ اجازت دیدے (اپنے اصول سے جن لفظوں میں اجازت دیدے) تو میعادی چیک والا شخص یہ چیک کسی کے حوالہ کردے کہ اس کو تم بھنانے کی اجرت میں اتنا وضع کر کے باقی رقم مجھے نقد دیدو، پھر یہ شخص جس کے حوالہ کررہا ہے وہ چیک کے اندراج شدہ مقدار اور اس کی مدت ادائیگی کے اعتبار سے قیمت چیک کا نصف یا ثمث یا جس قدر مناسب ہو اجرت میں لینا طے کر کے بقیہ رقم نقد صاحب چیک کو دیدے اور بقیہ رقم باقساط خود وصول کرتا رہے تو اس طرح اس چیک کا اور اس طے شدہ رقم کا خود کو لینا درست رہے گا، جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے: **"تمليك الدين ممن ليس عليه الدين باطل إلا في ثلاث: حوالة، وصية، وإذا سلطه أي سلط المملك غير المديون على قبضه أي الدين فيصح حينئذ"** (۱) **هكذا يفهم من امداد الفتاوىٰ مبوب في بحث الحوالة ايضاً** ۳/۱۳۲۔

۱۳-جائز صورت جس کا تفصیلی حکم اصول شش گانہ میں مذکور ہے، اس کے مطابق جو جائز رقم اگر ادارہ کے مصارف سے بڑھ جائے تو پہلے ادارہ کی جائز ترقی میں لگائے پھر جو رقم بچے اس کو مذہبی رفاہی امور پر صرف کرے، جیسے مدارس علوم دینیہ جس میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت صحیح طریقہ پر ہوتی ہو اور عوامی چندے سے چلتا ہو پھر پریشان حال مسلم غرباء ومساکین کو بطور صدقہ دیدے، یا اسی طور سے اور جو دینی امور ہوں ان پر خرچ کرے۔

۱۴-بغرض حفاظت مروجہ سرکاری بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ وسیونگ اکاؤنٹ میں رکھ سکتے ہیں اور بغیر کسی قانونی سخت مجبوری کے فکسڈ ڈیپازٹ میں نہ رکھے، کیونکہ یہ حسب ضابطہ شرع اپنی جانب سے ربوائے شرعی کے معاملہ کرنے پر مشتمل ہوتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/۶/۱۴۱۱ھ

۱- درمختار فی فصل مسائل متفرقہ مع الشامی النعمانی ۴/۲۱۳۔

مکان وکارخانہ کے لئے حکومت یا غیر مسلم ومسلم سے سودی قرض لینا:

۱-کیا یہ جائز ہوگا کہ اپنے انفرادی کام مثلاً کارخانہ یا باغ یا کاشت کو ترقی دینے کے لیے یا مکان کی تعمیر کے لیے حکومت سے سود کی شرط پر قرض لیں؟

۲-کیا حکومت کے علاوہ غیر مسلم افراد سے بھی مسلمان سود پر قرض لے سکتے ہیں یا سود پر قرض دے سکتے ہیں؟

۳-کیا ہندوستان میں یہ سودی معاملہ خود مسلمانوں کا آپس میں بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان مسلمان کو سود پر قرض دے یا قرض لے؟

۴-بینک کا پورا نظام سود کی بنیاد پر ہوتا ہے، بینک میں اپنا حساب رکھنا سودی کاروبار میں شرکت ورنہ تعاون ضرور ہے، لیکن کاروبار میں عام طور پر بینک واسطہ بنتا ہے، مثلاً مطالبات کی ادائگی بینک کے چیک کے ذریعہ ہوتی ہے اور بہت سے سرکاری غیر سرکاری اداروں میں ملازمین کی تنخواہ چیک کے ذریعہ ادا کی جاتی ہیں، کیا ان ضرورتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بینک میں اپنا حساب رکھیں؟

چالو (کرنٹ) حساب کے علاوہ ایک شکل ڈپازٹ کی ہوتی ہے، کہ ایک خاص مدت کے لئے اپنی رقم بینک میں جمع کرادیتے ہیں، اس رقم پر سود بھی ملتا ہے، اگر ایک ہزار روپیہ جمع ہے تو سال بھر میں پچاس روپے ہوجائے گی، اس کا سود لیں، اگر اجازت دیجاتی ہے تو کیا یہ پچاس روپیہ جو سود کے لئے ہیں وہ مسلمانوں کے لیے حلال وطیب ہیں، ان کو وہ اپنے خرچ میں لاسکتے ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-کارخانہ قائم کرنے یا باغ لگانے یا کاشت وغیرہ کرنے یا درست رکھنے کے لیے حکومت سے جو اعانتیں لی جاتی ہیں یا جو قرض لئے جاتے ہیں۔ان کی کچھ نوعیت اس طرح ہوتی ہے کہ ان سب کا سود یا سودی لین دین ہونا لازم نہیں بلکہ بعض صورتیں غیر سودی اور بعض معاملے امدادی اور محض از قبیل اعانت بھی شمار ہوسکتے ہیں، اس کے ہر لین دین کو سودی یا سود کے شرط پر قرض لینا یا سودی معاملہ ہونا نہیں کہہ سکتے بلکہ بعض صورتیں بالکل جائز ہوں گی اور بعض ناجائز اور سودی بھی ہوں گی، توضیح کے لیے بعض صورتیں ذرا تفصیل سے بیان کردی جاتی ہیں مثلاً:

الف: اگر محض نقد روپیہ بطور قرض کے لیا جائے اور اس پر نفع دینے کا معاملہ کیا جائے، یا سامان وغیرہ کے ساتھ ہی

نقد بھی لیا جائے مگر نقد کی یہ مقدار سامانوں سے بہت زیادہ اور فاضل ہو اور اس پر نفع دینے کا معاملہ کیا جائے اور واپسی کی کل رقم یا قیمت سے زائد ہو جائے تو سود کی تعریف "**هو فضل خال عن العوض لأحد المتعاقدين في عقود المعاوضة**" (۱) صادق آجائے گی اور چونکہ معاملہ نقدین میں اور خالص مبادلہ اور عوض معاوضہ کا ہوگا، اس لیے وہ نفع کم ہو یا زیادہ سود ہی کا ہوگا اور "**كل قرض جر نفعاً فهو ربوا**" بھی صادق آجائے گا اور حتی المقدور اس کے قریب بھی جانا جائز نہ ہوگا، اور مجبوری کا حکم دوسرا ہوگا جو اس جزئیہ "**ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**"(۲) سے معلوم ہوتا ہے، اس قاعدہ کے تحت احتیاج شدید کی حالت میں فقہائے امت سودی قرض کو بھی بقدر ضرورت لینے کی اجازت دیدیتے ہیں۔

ب: جو نقد رقم سامان وغیرہ کے ساتھ محض کام چلانے کی مقدار میں لی جاتی ہے، اس میں تاویل چل سکے گی اور اس کو کام چلانے کے لئے اعانت میں داخل کر کے اس معاملہ کو غیر سودی ہونے کا حکم لگائیں گے اور اس زائد رقم کو سود نہ کہیں گے، بلکہ انتظامات کی درستگی کے لیے ایک قسم کی فیس میں داخل کیا جا سکے گا اور اس صورت میں یہ معاملہ جائز رہے گا۔

ج: کسی نے پروجیکٹ (محکمہ ترقیات کا ایک شعبہ) سے مثلاً چار ہزار روپے کنواں کھدوانے یا مکان بنانے یا کسی اور صنعت وحرفت کے لیے نقد لیے اور محکمہ پروجیکٹ نے اس میں سے اپنے قاعدہ کے تحت مثلاً ایک ہزار روپے بالکل معاف کردیے اور فقط تین ہزار قائم رکھ کر دو سال کا موقع دیا اور پھر دو سال بعد سے چھوٹی چھوٹی اور لمبی قسطوں میں ادائیگی کے لیے متعین کیا اور اس میں ان قسطوں پر کچھ اضافہ کر کے وصول کیا مگر کل رقم وصول کی چار ہزار کل رقم قرضہ سے زائد نہ ہوئی تو ان قسطوں میں اصل پر جو زیادتی محکمہ نے وصول کی وہ سود نہ ہوگی اور یہ معاملہ بھی جائز رہے گا، چونکہ مجموعہ قرض چار ہزار پر زائد وصول نہیں کیا گیا، اس لیے سود کی تعریف: "**فضل خال عن العوض**" **الخ** "**يا كل قرض جر نفعاً فهو ربوا**" صادق آئے گی۔

۲و۳-سود کا ایک شرعی مفہوم ہے اور اسی مفہوم کے اعتبار سے سود کی حرمت منصوص ہے، "**أحل الله البيع وحرم الربو**" (۳) اور بغیر قید کسی ملک و مذہب و بغیر قید کسی زمانہ یا فر اور زمانے کے مطلقاً منصوص ہے، اور اس کے مرتکب پر در کنار اس میں کسی حیثیت سے شرکت کرنے والے اور معاونین پر بھی طرح طرح کی وعیدیں و لعنتیں وارد ہوئی ہیں، اس لیے وہ مفہوم شرعی ربوا (سود) کا جس رقم پر صادق آجائے گا اور جس معاملہ پر سودی معاملہ ہونا صادق آجائے گا، وہ چیز یا

۱- الدر المختار ۴/۱۷۷۔

۲- الاشباہ والنظائر ۱۱۵۔

۳- سورۂ بقرہ ۲۷۵۔

معاملہ خواہ ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں ہو، مسلمانوں کے ساتھ ہو یا غیر مسلموں کے ساتھ ہو سب حرام و ناجائز رہے گا اور اس کا لینا دینا کچھ بھی درست نہیں رہیگا۔

۴- بینک کا ابتدائی دور ایسا ضرور تھا کہ اس کا پورا کاروبار محض سودی پر ہوتا تھا مگر اب ایسا نہیں ہے، اس کے اصول ومقاصد میں اور طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں۔ اب تو بہت سے بینکوں میں مختلف نوع کے مستقل کاروبار تجارتی اصول پر ہونے لگے ہیں، بہت سے بینک شرکت اور مضاربت کے اصول پر چلنے لگے ہیں جیسا کہ خود سوال کے بعض جملوں سے (مگر کاروبار میں عام طور سے) بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے، پس جن کاروباروں میں مطالبات کی ادائیگی بینک کے چیک کے ذریعہ ہوتی ہے یا جن ملازموں کی تنخواہیں بینک کے چیک کے ذریعہ برآمد ہوتی ہیں، ان میں اگر بینک اپنے لیے بھی کوئی رقم وصول کرے تو اس کا سود ہونا ہی ضروری نہ ہوگا بلکہ وہ بینک کا محنتانہ بھی کہا جا سکتا ہے، بینک ایجنٹ یا وکیل یا درمیانی واسطہ قرار دیکر اس رقم کو بینک کی اجرت یا عوض کارکردگی بھی کہا جا سکتا ہے، اس لیے اب ہر بینک کا ایک ہی حکم باقی نہیں رہے گا بلکہ ہر بینک کے اصول وضوابط وطریقہ کار ومعاملات کے اعتبار ولحاظ سے الگ الگ حکم رہے گا اور پھر جب بینک کے علاوہ دیگر ذرائع سے سرمایہ کی حفاظت دشوار یا پریشان کن ہو تو بوجہ احتیاج ومجبوری تو اس مسلمہ ضابطہ کی بناء پر سودی بینک میں جو ابتدائی دور میں تھے رقوم کے محفوظ رکھنے کا جواز علماء وفقہاء آج سے بہت پہلے بتلا چکے ہیں، تو اب ان بینکوں میں جن میں محض سودی کاروبار ہونا متیقن نہیں ہے محفوظ رکھنے کی غرض سے بدرجہ اولیٰ اجازت ہوگی۔

چالو (کرنٹ حساب) یا ڈپازٹ اس فرق سے تو حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو یہ ہوگا کہ جو بینک غیر سودی بینک کاری کے اصول پر کام کرتے ہوں یا شرکت ومضاربت کے اصول پر کاروبار کرتے ہوں؛ ان میں اکاؤنٹ یا سرمایہ رکھنے کو ترجیح ہوگی اور پھر جب تک اس زائد رقم کے بارے میں جو بینک سے سود کے نام پر ملتی ہو، غیر سودی ہونے کا ظن غالب نہ ہو جائے اس کا تصدق کر دینا مسلم غرباء ومساکین پر واجب رہے گا اور خود استعمال کرنا جائز نہ رہے گا، جیسا کہ اب تک محققین علماء کا یہی فتویٰ تھا اور ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

جس سے زمین لگان پر لی پھر اسی کو کاشت کے لئے دینا جائز ہے یا نہیں؟

۱- زید نے پانچ بیگھہ زمین سو روپیہ لگان پر ایک فصل کے لئے عمر کو دی اور فصل کٹنے پر روپیہ ادا کرنا طے ہو گیا، عمر

نے زید سے کہا اس میں گنا لگادو اور یہ لو پیسے بیج کے لئے اور پانی دوائی وغیرہ کے لئے اور گنے سے جو منافع ہوگا وہ دونوں میں نصف نصف اس لئے کہ تمہاری محنت دیکھ بھال ہوگی اور میرا پیسہ خرچ ہوگا تو کیا یہ شکل جائز ہے؟

۲- اگر مذکورہ شکل جائز نہ ہو تو کیا زید آدھی رقم اپنی طرف سے عمر کو بدیہ میں دے سکتا ہے اور اس کا لینا عمر کو جائز ہے یا نہیں؟

۳- جس کے پاس زمین نہ ہو صرف پیسہ ہو اور نہ ہی کھیتی کے تجربے سے واقف ہو تو ایسا شخص کھیتی میں اگر شرکت کرے تو شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے اور منافع سے کتنا اس کے نام کا لگایا جائے؟

عبداللہ معرفت عبدالکریم (نیابازار سہارنپور، یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

ا و ۲- عمر نے جب پانچ بیگھہ زمین لگان پر لیا تو اس کو ضروری تھا کہ خود کاشت کرتا یا اپنے مزدوروں سے کاشت خود کراتا یا کسی تیسرے کو کاشت پر دیتا لیکن جب عمر نے ایسا نہیں کیا بلکہ زید ہی کو کاشت کرنے کے لئے دیکر بیج وکھاد وغیرہ وغیرہ کی رقم دیا تو لگان والا معاملہ شرعاً ختم ہوگیا (۱) اور یہ سب روپے دینا قرض ہوگیا، اب اس سلسلہ میں پیداوار میں سے کوئی نفع لینا عمر کو جائز نہیں رہا۔ بلکہ "کل قرض جرّ نفعا فهو ربوا" (۲) میں داخل ہو کر وہ نفع لینا سود میں داخل ہوجائے گا اور ناجائز رہے گا یہی حکم سوال نمبر ۲ کا بھی ہے۔

۳- اس کے لئے یہ صورت جائز ہے کہ لگان پر اگر خود کاشت کرنا نہیں آتا یا خود کاشت کرنا نہیں چاہتا ہے تو لگان پر زمین لیکر مالک زمین کی اجازت سے کسی تیسرے کو کاشت کرنے کے لئے دیدے اور پیداوار میں نصف نصف یا جتنا چاہے شریک کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/۴/۱۴۰۲ھ

۱- "ولو آجرها من المؤجر لا تصح وتنفسخ الإجارة في الأصح" (الدر المختار مع رد المحتار ۹/۳۹)۔

۲- "أي إذا كان مشروطا" (رد المحتار على الدر المختار ۷/۳۹۵)۔

لاٹری کا حکم:

ایک شخص کے پاس لاٹری ٹکٹ میں ایک لاکھ روپیہ انعام نکلا ہے اگر وہ شخص انعام کے روپیہ سے دین کے کام میں روپیہ صرف کرنا چاہتا ہے تو کیا کر سکے گا یا نہیں اور کر سکتا ہے تو کس معاملہ میں کس جگہ استعمال ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک لاکھ روپیہ جو لاٹری سے مل گیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خود غریب و نادار اور مستحق زکوۃ ہے جب تو بقدر ضرورت خود رکھ کر بقیہ کو مستحقین زکوۃ کو بغیر نیت ثواب صدقہ کردے اور خود ایسا غریب و نادار مستحق زکوۃ نہ ہو تو سب رقم کو خواہ تھوڑا تھوڑا کر کے یا بیک وقت تصدق کردے اور جس صورت میں وہ خود اپنے خرچ میں بھی لا سکتا ہے، اس صورت میں بھی اگر وہ کسی دینی کام میں خرچ کرنا چاہے تو اس طرح جتنی رقم کسی دین کے کام میں دینا ہو اتنی رقم کسی سے قرض لے کر دین کے کام میں دیدے پھر وہ قرضہ اس ملی ہوئی رقم سے ادا کردے پھر بھی اعلی بات یہی رہے گی کہ اس رقم کو اپنے کسی کام میں لانے سے اجتناب واحتیاط رکھ کر اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے اپنی ملک سے بطور تصدق کے نکال دے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۲/۶/ ۱۴۰۳ھ

لاٹری کی خریداری اور اس سے حاصل ہونے والے انعام کا حکم:

یہاں حکومت لاٹری کے ٹکٹ دو روپے کے حساب سے فروخت کرتی ہے، ایک شخص جتنا ٹکٹ چاہے خرید سکتا ہے، دو مہینہ میں ایک بار قرعہ اندازی سے جس کا نمبر نکلتا ہے اس کو زیادہ ایک لاکھ کم از کم سات سو روپیہ انعام ملتا ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

یہاں مسلمان بڑی تنگی میں بسر کر رہے ہیں، ملازمت تجارت ہر ایک کا یہی حال ہے تنگدستی اور غربت عام ہے، اس لئے مسلمان زیادہ تر اس انعام کو لیتے ہیں اور اپنے کام میں لاتے ہیں چاہے جائز ہو یا ناجائز (اللہ تعالی معاف فرمائے) اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ گنجائش کی کوئی صورت ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ حرام سے بچیں خدانخواستہ حرام وحلال جاننا یا سمجھنا نہیں ہے بلکہ فقہاء کرام نے گنجائش کی کوئی صورت نکال رکھی ہو تو اس سے فائدہ اٹھانا مقصد ہے، اگر مقروض جو کسی طرح قرض کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے وہ اس رقم سے قرض ادا کر سکتا ہے اور اپنی ضرورت پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بیوی اپنی

خوشی سے اس روپئے کو بالکلیہ اپنے شوہر کو مالک بنادے اورشوہر اس روپئے سے قرض ادا کرے اور دیگر ضروریات پر خرچ کرے یا اپنی بیوی کو دے تو کیا حکم ہے، اس سے حرام کو حلال جاننا نہیں ہے بلکہ اگر گنجائش ہے تو اس سے فائدہ حاصل کرنا ہے کیونکہ (اللہ معاف فرمائے) مسلمان تو یہ روپئے لے رہے ہیں اور کام میں لا رہے ہیں یہاں سے ٹکٹ بھیجنا مشکل ہے معاف فرمائیں۔

ابوطلحہ

الجواب وباللہ التوفیق:

لاٹری کا ٹکٹ خریدنے میں شرعاً چونکہ قمار (۱) کا مفہوم صادق آجاتا ہے، اس لئے اس ٹکٹ کا خریدنا اور اس کا کام کرنا درست نہیں ہے، باقی اگر کسی نے غلطی سے ٹکٹ خریدلیا اور اس کو انعام ملا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اپنی جمع کی ہوئی رقم تو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور اپنے کام میں بھی لاسکتا ہے اور اپنی جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم کا یہ حکم ہے کہ اگر حکومت کا کوئی غیر شرعی ٹیکس اس ٹکٹ خریدنے والے پر لاگو ہو تو پہلے اس ٹیکس میں دے، پھر جو رقم بچے اس رقم کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غریب کو دے کر اپنی ملک سے خارج کردے (۲) اگر کسی عورت کا شوہر غریب ہے تو شوہر کو بھی وہ دے سکتی ہے، اسی طرح اگر ٹکٹ خریدنے والا خود غریب ہے اور اس نے کسی دوسرے کو بطور صدقہ دینے کے بجائے خود ہی استعمال کرلیا تو اگر وہ واقعی غریب و مستحق زکوۃ تھا تو امید ہے کہ عند اللہ مواخذہ سے محفوظ رہے، باقی اس عمل کی عادت کرنا اور بار بار خریدنا وغیرہ کسی طرح جائز نہ ہوگا، اسی طرح ٹکٹ میں دی ہوئی اپنی رقم سے زائد رقم کو اگر کسی قرضدار یا پریشان حال کو دے کر اپنی ملک سے نکال دیا جائے تو یہ بھی درست رہے گا، باقی ایسا کرنے کے لئے ٹکٹ خریدنا درست نہ ہوگا (۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۵/ ۴/ ۱۴۰۲ھ

۱- ’’القمار: ثم عرفوه بأنه تعليق الملك على الخطر والمال في الجانبين ‘‘(قواعد الفقہ/ ۴۳۴)۔

۲- ’’لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه ‘‘(ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/ ۵۵۳)۔

۳- ’’يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون‘‘ (سورہ مائدہ ۹۰)۔

بینک سے سودی قرض لینا:

ہندوستان کے موجودہ معاشی نظام کے پیش نظر یہ حقیقت ہے کہ گورنمنٹ سے حاصل ہوئی والی مراعات کی ادائیگی کے وقت سود دینا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اگر گورنمنٹ کے بینکوں سے پیسہ نہ لیں تو کوئی بھی تجارت قابل قدر ترقی نہیں کرسکتی اور اس طرح مسلم افراد ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

ان امور کے پیش نظر علماء کرام بینک کی فراہم کردہ رقوم پر سود کی ادائیگی پر کیا نظریہ رکھتے ہیں۔

سید احمد (جی-۸۴ (اے) کالکا جی، نئی دہلی)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے بینک سے قرض لینا پڑے یا بغیر بینک سے قرض لیے ہوئے کاروبار چلانا دشوار ہو اور ضرورت اس کی متقاضی ہو کہ بینک سے قرض لیا جائے اور اس کی تحت مجبوری ہو تو الاشباہ والنظائر ص ۱۴۵ مع الحموی کے اس جزئیہ "**ویجوز للمحتاج الإستقراض بالربح**" کے تحت حسب مجبوری وضرورت بینک سے سودی قرض لے لینے کی گنجائش ہوگی (۱)، البتہ چونکہ یہ سب حالات وپریشانیاں اپنی ہی بداعمالی کا خمیازہ ہیں، کما قال: **أعمالكم عمالكم**" (۲) اس لئے ہمیشہ ان حالات ومعاملات پر استغفار کرتے رہنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا کہ ہمارے اعمال وحالات ایسے بنا دیجئے کہ اس قسم کے معاملات سے نجات ملے ضروری رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۲/۶/۳۰ھ

انشورنس اور اس سے حاصل کردہ کمیشن کا حکم:

کیا انشورنس جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو یقیناً اس سے حاصل کردہ کمیشن (عمولہ) بھی جائز ہونا چاہیے۔ مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ سعودی عرب جہاں تقریباً ہر چیز باہر سے منگائی جاتی ہے، سعودی حکومت جو اسلامی حکومت ہے تمام تاجروں سے کہتی ہے کہ جو بھی مال آئے اس کی تامین وانشورنس ضروری ہے، زیادہ تر انشورنس کمپنی لندن میں ہوتی ہے، البتہ ان کے

۱- الاشباہ والنظائر طبعہ کراچی/ ۲۶ وطبعہ دیوبند/ ۱۴۹۔

۲- فیض القدیر شرح الجامع الصغیر لعبد الرؤوف المناوی ۷/۵ بلفظ: "أعمالكم عمالكم و كما تكونوا يولى عليكم" بحوالہ طبرانی عن کعب الاحبار۔

ایجنٹ ساری دنیا میں ہیں اور اسی طرح جدہ میں بھی۔ تاجروں کو نوری اور بڑے سے بڑے نقصان سے بچانے کے لئے حکومت انھیں انشورنس کروانے کو کہتی ہے، ایک جاننے والے مولینا سے بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ انشورنس سود کی دوسری شکل ہے، اس لئے قطعی حرام ہے اور اسے نہ تو میں ہندوستان میں کسی غریب ترین آدمی کو دے سکتا ہوں اور نہ ہی خود کسی طرح استعمال کر سکتا ہوں۔ اب اگر ایسا ہے تو سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ پندرہ لاکھ روپیہ جو غریب مسکین اور رشتے داروں پر خرچ ہو چکا ہے ان سب کا کیا ہوگا اور جو باقی ہے اسے کیا کروں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

جن مولانا صاحب نے سوال میں مذکورہ رقم کے بارے میں مطلقاً یہ کہدیا ہے کہ کسی غریب ترین آدمی کو بھی نہیں دے سکتے ہیں صحیح نہیں ہے، خلاف ضابطہ شرع تو بیشک کسی غریب ترین آدمی کو بھی نہیں دے سکتے ہیں، باقی شرعی ضابطہ کے مطابق غرباء مساکین کو دے سکتے ہیں اور دینے کا حکم ہے اور اس کے چند ضابطے ہیں۔

(۱) حرام پیسہ خواہ سود کا ہو یا غصب کا یا چوری کا یا قمار وغیرہ کا ہو اسکا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہو اور مل سکے تو اسکے پاس واپس کردے (۱)۔

(۲) اگر اس کا مالک نہ معلوم ہو یا نہ مل سکے مثلاً مر گیا ہو تو اگر اس کے ورثہ معلوم ہوں اور مل سکیں تو ان کو حسب تخریج شرعی واپس کردے۔

(۳) اگر اصل مالک نہ معلوم ہو اور ان کے مرنے کے بعد ان کے ورثہ شرعی بھی نہ معلوم ہوں یا نہ مل سکیں، لیکن ان کا مسلمان ہونا معلوم و متیقن ہو تو ان کے ایصال ثواب کی نیت سے غرباء و مساکین کو بطور صدقہ دے کر ان کو اسکا مالک بنادے۔

(۴) اگر ان کا مسلمان ہونا بھی نہ معلوم ہو تو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء و مساکین کو بطور صدقہ دے کر ان کو اس کا مالک بنادے، یہ چاروں احکام فقہ احناف کی کتب معتبرہ مثلاً شامی وغیرہ میں صراحۃً مذکور ہیں، اس تفصیل کے بعد اب آپ کے ذکر کردہ تمام رقوم کا حکم الگ الگ لکھا جاتا ہے:

۱- "والسبیل فی المعاصی ردھا وذلک ھھنا برد المأخوذ ان تمکن من ردہ بان عرف صاحبہ وبالتصدق بہ إن لم یعرفہ لیصل الیہ نفع مالہ إن کان لایصل إلیہ عین مالہ" (عالمگیریہ ۵/۳۴۹ باب الخامس عشر فی الکسب دارالکتب دیوبند)۔

انشورنس مال کے در آمد بر آمد کا یہ انشورنس اگر اس طرح ہوتا کہ یہ کمپنیاں حفاظت مال وغیرہ کا کوئی عمل کرتی ہیں تو شریعت اس رقم کو اجرت عمل قرار دے کر جائز قرار دیدیگی مگر جب ایسا نہیں ہے تو یہ اجرت بلا عمل ہوئی اور یہ ناجائز ہے، البتہ قانون حکومت کے جبر کیوجہ سے اس میں ملوث ہونے سے عند اللہ مجرم نہ ہوگا۔

باقی یہ معاملہ ربا شرعی میں داخل ہو جائے تو ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ ربا شرعی (سود) کی تعریف یہ ہے کہ اموال ربویہ میں عقد معاوضہ ہو اور اسی میں ایک جانب زیادتی بلا عوض ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے، ہاں قمار کے معنی کو متضمن ہو جاتا ہے اس وجہ سے یہ رقم حلال نہ ہوگی (۱)۔ اور اس کا حکم یہ ہوگا کہ چونکہ یہ کمپنیاں اکثر غیر مسلموں کی ہوتی ہیں اور یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس کا اصلی مالک کون ہے، اس لئے حسب ضابطہ نمبر ۴ سوال نمبر ۱ (کیا انشورنس) میں درج کردہ تمام رقوم کا حکم شرعی یہ ہے کہ ان رقوم کو ان رقوم کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین، بیواؤں قرضداروں وغیرہ کو بطور صدقہ دے کر مالک بنادیا جائے اور اپنی ملک سے نکال دیا جائے یہ یکمشت ایسا کرلیا جائے یا تھوڑا تھوڑا کر کے باقساط دیا جائے اور اگر رفاہی اور نفع عام کے کام میں خرچ کرنا مصلحت ہو تو تملیک مستحق کے حیلہ کے بعد صرف کیا جائے بس آپ نے تعلیم دلانے کی جو اسکیم بنائی ہے وہ بہت عمدہ ومبارک اسکیم ہے البتہ ان رقوم کو اس میں خرچ کرنے کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ جب لڑکا آپ کے معیار کے مطابق امداد پانے کا مستحق ہو جائے تو اس کی جملہ ضروریات کا اندازہ کر کے اس کو وہ رقم بطور وظیفہ ماہ بماہ یا سال بسال جس طرح مناسب ہو دے کر مالک بنادیا جائے۔

اسی طرح لاچار، مجبور، بیوہ قرضہ میں دبا ہوا پریشان حال وغیرہ مسکین کو دینا چاہیں تو ان کو بھی ان کے حال کے مطابق ایک متعین رقم بالتقسیم دے کر مالک بنادیا جائے، بطور اباحت دینے سے ذمہ بری نہ ہوگا، یہی طریقہ حکم اپنے محتاط اکابر کا ہے۔

پس ایسا آدمی یا ملازم آپ اس کام کے لئے رکھیں جو دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ تملیک مستحق کا طریقہ بھی صحیح صحیح جانتا ہو اسی طرح اگر تملیک مستحق کا موقع نہ ملے اور خرچ عند الشرع مطلوب وضروری ہو اور اس کے انتظام کا کوئی اور ذریعہ نہ نکلتا ہو تو ایسی صورت میں حیلہ تملیک مستحق کا طریقہ اچھی طرح جانتا ہوتا کہ بے شبہ ذمہ سے بری ہو جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

۱- "عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهی عن بیع الغرر" بیہقی ۵/ ۳۴۳۔ "لأن القمار من القمر الذی یزداد تارة وینقص اخری لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذهب ماله إلی صاحبه ویجوز أن یستفید مال صاحبه وهو حرام بالنص" (رد المحتار ۵/ ۴۵، بحوالہ فقہ اسلامی سیمنار ۴/ ۲۷۴)۔

بینک یا سوسائٹی سے سودی قرض لینا:

یہاں انگلستان میں تقریباً دس لاکھ مسلمان مع اہل وعیال مستقل طور پر آباد ہیں، رہائش کے لئے وہ یا تو خود مکان خریدتے ہیں یا کرایے کے مکانوں میں رہتے ہیں مگر دونوں صورتوں میں کچھ مشکلات درپیش ہوتی ہیں:(۱) جو حضرات خود مکان خریدتے ہیں لازماً بینک یا بلڈنگ سوسائٹیوں سے مکان بقیدرہن کے طور پر قرضہ لیتے ہیں اور ماہوار مقررہ حساب سے پندرہ ۱۵، بیس ۲۰، یا ۲۵ سال میں یہ قرضہ مع سود ادا کرتے ہیں، اس طرح ان کو مکان کی ملکیت بھی حاصل ہوتی ہے اور خود اپنے مکان میں رہنے کی آسانیاں بھی میسر رہتی ہیں، یہ واضح رہے کہ بینک یا بلڈنگ سوسائٹیوں سے قرضہ لیے بغیر پوری قیمت نقد چکا کر مکان خریدنا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا مگر ایسی صورت میں یہ حضرات سود دینے کی بہت بڑی شرعی حرمت کو فراموش کرتے ہیں۔

دوسری طرف جو حضرات کرایہ کے مکانوں میں رہتے ہیں، انہیں ماہوار کرایہ میں جو رقم ادا کرنی پڑتی ہے وہ عموماً اس رقم سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو مکان خریدنے کی صورت میں بینک یا بلڈنگ سوسائٹی کو ماہوار ادا کرنی پڑتی ہے، اس طرح یہ پہلے گروہ کی بنسبت مادی طور پر بہت ہی بڑے خسارہ میں ہوتے ہیں مزید برآں بسا اوقات کرایہ کے مکان مقامی کونسل کے بڑے بڑے فلیٹوں میں ہوتے ہیں جس کی بناء پر عورتوں کے لئے پردہ کی پابندی میں بڑی دشواریاں ہوتی ہیں اور یہ صورتحال اور بھی بہت سی شرعی واخلاقی قباحتوں کی موجب بنتی ہے پھر فلیٹوں میں چونکہ حالت یہ ہوتی ہے کہ بہت سے انگریز اور دوسرے غیر مسلموں کے اندر ایک مسلمان گھر میں ہوتے ہیں اس لئے فلیٹوں کی خاص مشکلات اور پابندیوں کی وجہ سے رات کے وقت آزادانہ نقل وحرکت اور عشاء وفجر کی جماعت کے لئے مسجد آنے جانے میں دشواریاں لاحق ہوتی ہیں، مذکورہ بالا صورت حال کی روشنی میں براہ کرام بتلائیں منشاء شریعت کے مطابق یہاں کے مسلمان اپنی رہائش میں کون سی صورت اختیار کریں۔

ابوالفضل علاءالدین لندن

الجواب وبالله التوفيق:

انسان کی اصلی وبنیادی ضرورتیں تین ہیں:

(الف) کھانا (طعام) (ب) کپڑا (کسوۃ) پوشاک (ج) مکان۔ مکان اگرچہ ان بنیادی ضرورتوں میں

تیسرے نمبر پر ہے لیکن اورتمام ضروریات ومجبوریوں سے اہم ضرورت ومجبوری ہے، اس لئے اس پرمجبوری کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔صورت مذکورہ (۱) میں سود دینے کے گناہ میں ابتلاء ہوتا ہے مگر فقہاء نے شدید مجبوری وضرورت میں کچھ گنجائش دی ہے کما فی الاشباه والنظائر للحموی قبیل القاعدۃ السادسة: "ویجوز للمحتاج الإستقراض بالربح" (۱)، اورصورت مذکورہ نمبر ۲ میں متعدد محرمات اورمعاصی میں ابتلاء کا اندیشہ ہوتا ہے بالخصوص بسا اوقات حسب تحریر جان ومال کے ضیاع کا بھی اندیشہ متصور ہوتا ہے اورنماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی میں بھی پریشانی ہوتی ہے اورحدیث پاک میں ہے: "إذا ابتليت ببليتين فاختر أهو نهما" او کما قال علیه السلام۔

اور جب دار (ملک) دارغیر اسلام ہو اقتدار اہل غیروں کے ہاتھ میں ہوتو ازالہ مشکلات قبضہ سے باہر ہوں گی، ایسی صورت میں اس حدیث پاک میں ضابطہ مذکورہ کے مطابق....صورت نمبر ۱ کی ہوگی کہ بینک حکومت یا سوسائٹی سے قرضہ لے کرضرورت پوری کرلی جائے اورحسب منشاء شرع باقی امورزندگی انجام دیئے جائیں اوربینک یا سوسائٹی جس میں کم سود دینا پڑے اختیار کیا جائے اورجلد سے جلد ادا کر کے سبکدوشی حاصل کرنے کی سعی کی جائے اوربرابر کثرت استغفار کی جائے اوردعا کی جائے کہ اے اللہ ایسے حالات پیدا فرمادیجئے کہ ناجائز معاملات کرنے سے پناہ وحفاظت مل جائے، کیونکہ یہ صورت اپنی بد اعمالیوں کے ثمرات ونتائج ہیں کما ورد فی الخبر: "أعمالكم عمالكم" أو كما قال عليه السلام (۲)اورخبر صادق میں وارد ہے کما تکونوا یولی علیکم او کما قال علیه السلام فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

کیا بنکر کودی جانے والی اضافی رقم سود ہے:

ہمارے یہاں بنکروں سے ہینڈلوم کے تیارکردہ کپڑے کے تھانوں کی خریداری کے لئے حکومت نے خریداری کے

۱- ص: ۱۵۱ القاعدۃ الخامسۃ منشی نول کشور لکھنؤ۔

۲- "قال النجم لم ار ه حديثا لكن سالي الاشارة اليه في كلام الحسن في حديث كما تكونوا يولى عليكم والاول رواه الطبراني عن الحسن البصري انه سمع رجلا يدعوا على الحجاج فقال له لا تفعل انكم من انفسكم اوتيتم انما نخاف ان عزل الحجاج اومات ان يتولى عليكم القردة والخنازير فقد روى: ان اعمالكم عمالكم وكما تكونوا يولى عليكم" (کشف الخفا ۱/۲۷ ،۱۷۳، حدیث ۲۷۴، کشف الخفاء ۱/۱۴۶ حدیث ۲۷۴ مکتبۃ القدسی القاہرۃ)۔

سینٹر قائم کرر کھے ہیں جس وقت کوئی بنکر کپڑے کے تھان لے کر ان سینٹروں میں جاتا ہے تو اس سے سینٹر کے ذمہ دار ایک معاہدہ کے ذریعہ بچاس پیسے یا اس سے کچھ زائد رقم فی تھان امداد باہمی کے ایک معاہدہ کے تحت کاٹتے ہیں، اس طریقہ کار سے سالانہ اس بنکر کی رقم مبلغ دوسو ۲۶۰ ساٹھ روپیہ ہوجاتی ہے اور معاہدہ پانچ سال کا ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ رقم اس عرصہ میں تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہوجاتی ہے اور مدت پوری ہونے پر سینٹر کے ذمہ دار اس بنکر کو مبلغ دوہزار ۲۰۰۰ ہزار روپیہ زائد بڑھا کر دیتے ہیں اس طریقہ سے بنکر کو مبلغ سات ۷۰۰۰ ہزار روپیہ مل جاتے ہیں، یہ مذکورہ صورت ایک قسم کا بیمہ ہے کیونکہ سینٹر کے ذمہ دار اس عرصہ میں مذکورہ رقم سے کسی کمپنی کے حصے شیرز خرید لیتے ہیں یا کسی اور تجارت میں لگادیتے ہیں، تو کیا اس صورت میں اس معاہدہ کو شرعاً مضاربت کا معاملہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ مذکورہ رقم سود میں شمار ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ اس معاہدہ میں صرف نفع ہے نقصان پیش نظر نہیں رہتا ہے، اگر مذکورہ معاہدہ کے تحت جو رقم ملتی ہے اور وہ سود ہی میں شمار کی جائیگی تو اس زائد رقم کو سینٹر سے وصول کر کے اس کا کیا کرے؟ اگر زید نے کسی بینک سے کچھ رقم بطور قرض لے رکھی ہو جس پر اس کو سود ادا کرنا ہوتا ہے تو کیا مذکورہ اس زائد رقم کو بینک کے سود میں بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا اس طرح دیگر سرکاری غیر شرعی ٹیکسوں میں بینک سے ملنے والی زائد رقم سود سے ادا کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ مع ادلہ شرعیہ حکم سے نوازیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱و۲) حسب تحریر سوال صورت مذکورہ میں اگر بنکر اپنے ذاتی مملوک سوت یا ریشم وغیرہ سے کپڑے تیار کر کے سینٹر مذکورہ فروخت کرنے کے لئے لے جاتا ہے اور سینٹر کے ذمہ دار ان کپڑوں کی قیمت میں سے کچھ رقم فی تھان خود کاٹ کر باقی ماندہ قیمت بنکر کو دیتے ہیں تو یہ معاملہ بیع کا ہوا اور مضاربت یا بیمہ وغیرہ کا نہ ہوا اور جو رقم ذمہ دار ان سینٹر خود کاٹ لیتے ہیں اور اس پر ابھی محض استحقاق ملک ہوا تھا تحقق ملک نہیں ہوا تھا، لہذا شرعاً قرض کا مفہوم بھی صادق نہ آیا اور جو زائد رقم ذمہ دار سنٹر پانچ سال میں دیتے ہیں اس پر شرعاً سود کا مفہوم بھی صادق نہ آیا بلکہ وہ زائد رقم مثل پرائیویٹ فنڈ کی زائد رقم ہوگی جو انعام شمار ہوگی اور اس کا استعمال بنکروں کے لئے شرعاً جائز رہے گا اور چونکہ یہ معاہدہ قانون حکومت کے دباؤ کے تحت ہوتا ہے، اس لئے یہ معاہدہ اس حکم کے خلاف کے لئے موثر نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر بنکر ان سینٹروں ہی سے سوت یا ریشم وغیرہ لیکر کپڑے تیار کر کے ان سینٹروں میں لے جاتے ہیں اور ان بنکروں کی جو اجرت ہوتی ہے اس میں سے کچھ رقم فی تھان خود کاٹ کر بقیہ رقم دیتے ہیں تو یہ معاملہ اجارہ کا ہوا اور اس

صورت میں بھی اپنی کاٹی ہوئی رقم سے پانچ سال میں جوزائد رقم دیتے ہیں یہ بھی سود نہ ہوئی اور نہ یہ معاملہ مضاربت یا بیمہ وغیرہ کا ہوا بلکہ معاملہ اجارہ کا ہوا اور یہ زائد رقم مثل صورت اولی کے انعام کے ہوئی جسکا استعمال کرنا اس اجیر کو بلاشبہ جائز رہے گا۔

جس بینک سے سودی رقم ملی ہوا سی بینک کے سود میں اس رقم کو بے شبہ دے سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

کاشت کے لئے بینک سے سودی قرض لینا:

مہاراشٹر کے اکثر اضلاع میں کاشت کا مسئلہ دوسری اسٹیٹ کی نسبت (دگرگوں ہے یعنی آلات وفر مقدار میں اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر دو ۲/ ایکڑ زمین کی زراعت کرنا منظور ہوتو دو ہزار ۲۰۰۰ نقد کیش درکا ہے، دوسری جگہ اتنی مقدار کی ضرورت نہیں بہرکیف کاشت ضروری ہے، کیونکہ اس پر مدار ہے اور کاشت کے لئے مذکورہ بالا اخراجات برداشت کرنا بھی ضروری ہے ورنہ نہیں کے برابر پیداوار ہوگی، اب اس صورت حال میں خود زمین دار کے پاس روپیہ نہ ہونے کے سبب دو چیزوں کا سہارا لینا ضروری ہوجاتا ہے ایک کچھ زمین فروخت کردے جس سے تلاش ہونے کی امید آشکار ہے، اگرچہ کچھ عرصہ میں کسی مسلم فنڈ کا قیام بغیر سرکاری بینک کے ساتھ تعلق کے مشکل ہے، **لامحالہ لوگ** سرکاری بینک کا سہارا لے رہے ہیں جس میں سود کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ حرج اور تنگی سے بچنے کے لئے سرکاری بینک سے سود پر روپیہ لینا فرمان رسول:''**الواشی والمرتشی کلاھما فی النار**'' کے رہتے ہوئے کیسا ہے کھجور کی تابیر کا واقعہ اور الحرج مدفوع عن امتی پیش نظر رہے۔

حاجی بسم اللہ خان (بلڈ انہ دھونی)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- ایسی مجبوری کی صورت میں بینک سے یا کسی سے سودی قرض لینے یا کچھ کھیت وغیرہ فروخت کرنے کے بجائے حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کے تحت جو اعانت حکومت کرتی ہے اس سے تعاون حاصل کریں، اس میں بعض صورتیں جائز و مباح بھی ہوتی ہے اس لئے اس تعاون لینے میں جو صورت مطلوب ہو اس کو تفصیل سے لکھ کر اس کا حکم شرعی معلوم کریں اور

جب اس سے کام نہ چلے تو صورت مذکورہ کی پریشانی واقعی ایسی پریشانی ہے جس سے معیشت میں ناقابل تحمل تنگی واقع ہونے کا ظن غالب ہے اور ایسی صورت میں اس جزئیہ: "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" الاشباہ والنظائر قبیل المقصد السادس کے تحت بقدر ضرورت بینک سے بھی قرض لے لینے کی گنجائش رہے گی اور " الواشی والموتشی "(۱) کی شرح میں شراح نے تصریح کی ہے کہ اگر اپنا حق بغیر رشوت دیئے حاصل نہ ہو رہا ہو تو اس صورت میں رشوت دینے والا معذور شمار ہو کر گنہگار نہ ہوگا (۲) باقی اس تعاون والے مسئلہ کا تعلق اس "الواشی والموتشی" سے ہر حال میں نہیں ہے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

بلاک سے ضرورۃً سودی قرض لینا:

آجکل گورنمنٹ کی طرف سے بعض محکمہ بلاک قائم کئے گئے ہیں جو دستکاریوں اور کاشت وغیرہ کے لئے روپیہ قرض دیتے ہیں اور اس میں سے ایک چوتھائی روپیہ چھوٹ دیکر باقی روپیہ مع سود قسط وار وصول کرتے ہیں، مقروض کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو قسط معینہ کے پہلے پورا روپیہ واجب الاداء ادا کر دے تو کیا یہ روپیہ قرض لیکر کاروبار کرنا جائز اور حلال ہے امسال نہر کا پانی بہت کم ہے فصل ربیع کا اکثر حصہ ابتک آبپاشی نہیں ہوتی ہے اور عام طور سے یہ سنا جا رہا ہے کہ اب نہری پانی حسب ضرورت نہیں ملے گا۔ ایسے حالات میں ٹیوبویل لگانے کے لئے بلاک سے روپیہ قرض لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر آپ کے پاس سوائے بلاک سے قرض لینے کے کوئی چارہ نہیں ہے اور مجبوری شدید ہے بغیر قرض لینے کے کام نہیں چلتا ہے اور آپ کو کھیتی کے بیکار ہو جانے کا خطرہ ہے تو آپ بلاک سے یہ سودی روپیہ قرض لیکر کھیتی کو پانی دینے کے لئے

۱- عن عبد اللہ بن عمروؓ عن النبی ﷺ قال: "الواشی والموتشی فی النار" (رواہ الطبرانی ورواتہ ثقات معروفون ورواہ البزار بلفظہ من حدیث عبد الرحمٰن بن عوفؓ) ترغیب وترہیب المنذری ۳/ ۱۲۰، مکتبہ دار الکلم الطیب، بیروت وفی الترمذی ۱/ ۲۴۲: "لعن رسول اللہ ﷺ الواشی والموتشی"۔ وقال: ہذا حدیث حسن صحیح۔

۲- "قال الخطابی الواشی المعطی والموتشی الآخذ وانما یلحقھم العقوبۃ معاً اذا استویا فی القصد والارادۃ ورشا المعطی لینال بہ باطلاً ویتوصل بہ الی ظلم، فاما اذا أعطی لیتوصل بہ الی حق أو یدفع عن نفسہ ظلماً فانہ غیر داخل فی ھذا الوعید" (بذل المجہود فی حل أبی داؤد ۴/ ۳۰۷ کتاب القضاء باب کراہیۃ الرشوۃ)۔

ٹیوبویل لگاسکتے ہیں اوراگر اس روپیہ کے علاوہ آپکا کام چل سکتا ہےتوپھر یہ قرض لینا اوراس پرسوددینا جائزنہیں ہے **"یجوز للمحتاج الإستقراض بالربح"** (۱)۔

کتبہ محمدنظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبندسہارنپور
الجواب صحیح:محمدجمیل الرحمٰن،محمودعفی عنہ

ہندوستان میں کافروں سے سود لینے کا حکم:

حنفی فقہاء نے دارالحرب میں جیسے ہندوستان وغیرہ ملکوں میں کافروں سے سودلینا جائزقراردیا ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔

الجواب وبالله التوفيق:

یہ قول صرف طرفین کا ہے امام ابویوسف اوردیگرائمہ ثلاثہ کانہیں ہے(۲) اس لئے احتیاط بہتر ہے،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمدنظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبندسہارنپور ۲۳/۱۰/۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح:محمودعفی عنہ

تعمیر اسکول میں سودی رقم لگانا:

ایک اسکول جہاں دینی ودنیوی تعلیم ہوتی ہو،اس کی عمارت خریدنے یابنانے میں کوئی صاحب اگرسود کی رقم دیں تو

۱- الاشباہ والنظائر لابن نجیم مع شرحہ ۹ ۱۴ مطبع ادارۃ النشر والاشاعت دارالعلوم دیوبند۔

۲- "أو من أسلم هناک شیئا من العقود التی لاتجوز فیما بیننا کالربویات وبیع المیتة جاز عندهما خلافا لابی یوسف" شامی ۴/۶۰ ۲،مطبع عثمانیہ،وعلی هذا الاصل یخرج ما اذا دخل مسلم دار الحرب تاجرا فباع حربیا درهما بدرهمین أو غیر ذلک من سائر البیوع الفاسدة فی حکم الإسلام انه یجوز عند ابی حنیفة ومحمد، وعند ابی یوسف، لایجوز (بدائع الصنائع ۴/۱۶ ۲)، فمنها ان یکون البدلان معصومین فإن کان أحدهما غیر معصوم لایتحقق الربا عندنا وعند ابی یوسف هذا لیس بشرط ویتحقق الربا،بدائع الصنائع ۴/۱۶ ۲،مکتبہ زکریا)۔

اس کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

یوسف ماوالندی

الجواب وباللہ التوفیق:

ان کاموں میں سود کی رقم بغیر حیلۂ تملیک کے استعمال کرنا درست نہیں ہے اور حیلۂ تملیک کے بعد ان سب کاموں میں استعمال کرنا بلا تکلف درست رہے گا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/۹/۱۴۰۰ھ

امدادی فنڈ سے نفع لے کر مدد کرنا:

یہاں پر ایک فنڈ امداد باہمی کے نام سے چند مسلمان طلبا ایجاد کئے ہیں اس کا مقصد اگر کسی ممبر کو مبلغ کی ضرورت ہو تو فی روپیہ ۵ پیسہ منافع ایک ماہ کے لئے دیتے ہیں یعنی دس روپیہ اگر کوئی فنڈ سے لیتا ہے تو ۵۰ پیسہ زیادہ دینے پڑتے ہیں سال بعد یہ فنڈ سے منافع جو ہوگا کل ممبروں میں تقسیم کردیتے ہیں کیا اس طرح کا فنڈ جائز ہے یا کہ نہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

طریقہ مذکورہ خالص سود کا ہے کسی طرح جائز نہیں ہے، "**أحل الله البيع وحرم الربوا**" (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۷/۸/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح محمود غنی عنہ

۱- جیسا کہ باب المصرف میں ''حل لمولاہ'' کے تحت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''لأنه انتقل إليه بملک حادث بعد ما ملكه المكاتب لأنه حرية وتبدل الملک بمنزلة تبدل العين'' (رد المحتار علی الدر ۳/۲۸۷) نیز حدیث میں ہے: ''أهدت بريرة إلى النبي ﷺ لحماً تصدق به عليها فقال: هو لها صدقة ولنا هدية'' (صحیح مسلم کتاب الزکاۃ حدیث ۱۰۷۴/۱۷۰)۔

۲- سورۂ بقرہ: ۲۷۵۔

لگان دینے کی وجہ سے مرہونہ زمین سے انتفاع کا حکم:

میں نے چار بیگھہ زمین چار سو روپیہ میں گروی رکھی ہے اور اس کی سرکاری لگان بھی میں ہی ادا کرتا ہوں جب زمیندار چار سو روپیہ دے گا میں اس کی زمین چھوڑ دوں گا یہ میرے لئے کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

محض سرکاری لگان دینا سود سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اتنی لگان آپ دیں جتنی آزادانہ طور پر مالک کھیت کو ملتی ہے، لہذا سرکاری لگان وضع کرنے کے بعد جو فرق پڑے وہ بھی آپ مالک کھیت کو دیں تو سود سے بچ سکتے ہیں اور یہ حکم زمینداری ٹوٹنے کے پہلے کیلئے ہے اور زمینداری ٹوٹنے کے بعد تمام آراضیات کی مالک خود حکومت ہوگئی جو قانون حکومت نے بنایا ہے اس کے مطابق عمل درآمد شرعی کا حکم ہوگا۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

ملکی فسادات کے حالات میں بیمہ کرانے کا حکم:

اس وقت ہندوستان کی جو حالت ہے وہ بہت ہی خراب ہے کوئی مسلمان اس سے ناواقف نہیں ہے۔ مسلمانوں کی جان ومال خطرہ میں ہے، سیکڑوں دکانوں کو نذر آتش کرنا یہ تو ایک معمولی بات ہوگئی ہے، نیز ہر طرف مسلمانوں کی بے شمار جانیں تلف ہورہی ہیں، صوبہ آسام وغیرہ میں بڑے بڑے تاجروں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں اگر بیمہ انشورنس کرالے، کیونکہ بیمہ کروانے کی صورت میں کمپنی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتی ہے، نقصان ہونے کی صورت میں اس کا پورا پورا معاوضہ دیتی ہے۔

براہ کرم بیمہ اور انشورنس کے جواز اور عدم جواز کے فتویٰ کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ نقصان کی صورت میں سرکاری بیمہ کمپنی سے جو معاوضہ ملے گا اس کو شریعت کی نظر میں عطیہ شمار کیا جائے گا یا اور کچھ بینوا توجروا۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ملکی حالات کی خرابی کے پیش نظر حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ کے بعض فتاویٰ سے اجازت معلوم ہوتی

ہے۔ اسی طرح بعض دیگر معتبر مفتیان کرام کے فتاویٰ سے بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور ۱۹۶۵ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تحقیقات شرعیہ کا کھلا ہوا فیصلہ آج کل کے حالات کے تحت جواز کا ملتا ہے۔ اور آج کل کے ملکی حالات کی خرابی بھی اس بات کی متقاضی ہو چکی ہے کہ جان ومال وجائداد واملاک غرض ہر چیز کے بیمہ کرا لینے کی اجازت کھلی دے دی جائے۔

اس لئے کہ اس سے اگر چہ پورا تحفظ نہ ہو، مگر کچھ تحفظ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ بیمہ کرانے والے بھی قانونی اعتبار سے پورے اتریں اور پھر پبلک اور پرائیویٹ بیمہ کمپنیوں کے اعتبار سے جو بیمہ کمپنی نیشنل اور حکومت کی ہو چکی ہے ان میں بیمہ کرانا زیادہ اچھا رہے گا اس لئے کہ حکومت کی بیمہ کمپنی اپنے قانون حکومت کے اعتبار سے جو رقم اپنے بیمہ کرانیوالوں کو دے گی اس رقم کا حکم وہی ہوگا جو پرائیویٹ فنڈ میں حکومت یا محکمہ اپنے قانون کے اعتبار سے، خواہ کسی نام سے دے، ہم اس کو شرعاً عطیہ وانعام قرار دے کر اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔

یا ایکسیڈینٹ وغیرہ میں یا کسی جانی ومالی نقصان کے حادثہ میں جو رقم حکومت دیتی ہے اس کو ہم عطیہ شمار کرتے ہیں، اس طرح اس رقم کو بھی حکومت کے عطیہ کے قبیل سے قرار دے سکتے ہیں، پس حکومت سے اس ملی ہوئی رقم کو خواہ نیشنل بیمہ کمپنی کے ذریعہ اور واسطہ سے دے اس کو یا اس کے کسی جزء کو ناجائز یا ربوا وغیرہ قرار دے کر اخراج عن الملک کا حکم شرعاً نہ ہوگا۔

بخلاف پرائیویٹ وپبلک بیمہ کمپنیوں سے ملنے والی رقم کے، کیونکہ یہ رقم اپنے ایک آپسی معاملہ کی بنیاد پر ہوگی جو عموماً قمار وربوا یا محض ربوا کی حقیقت پر مشتمل ہوگی، اس لئے اس ملی ہوئی رقم میں اپنی اصل رقم سے زائد ملی ہوئی رقم کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے تصدق کرنا یا اپنی ملک سے نکالنے کا حکم متوجہ ہو جاتا ہے۔

البتہ بیمہ کمپنی سے نقصان کا معاوضہ لینے کے لئے بہت سی شرائط وقیود اور ان کی تکمیل ضروری ہوتی ہے، یہ شرائط وقیود ہر بیمہ کمپنی میں ہوتی ہیں، خواہ حکومت کی بیمہ کمپنی (نیشنل) ہو یا پرائیویٹ کمپنی سے معاوضہ لینا ہو، سب پر ان شرائط وقیود کا موجود رہنا لازم رہتا ہے۔ مثلاً جو چیز نقصان ہوئی ہے اس کا سرمایہ کہاں سے آیا۔ نمبر ایک کا تھا یا نمبر دو کا یا کالا دھن تو نہیں تھا، اگر خدانخواستہ کالا دھن ثابت ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور طرح طرح کے وبال میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو جائے گا پھر اس کے بعد مثلاً کاروباری نقصان ہوا تو انکم ٹیکس سیل ٹیکس دینے کی رسید مکمل موجود ہونی چاہئے یا مثلاً عمارت کا نقصان ہے تو نمبر ایک کا سرمایہ ثابت ہونے کے باوجود بھی کسی علاقہ میں ہاؤس ٹیکس قانوناً لاگو ہے تو ہاؤس ٹیکس کی رسید بھی ہونا لازم ہے یا اپنی قدیم باشندگی ہو تو واٹر ٹیکس بجلی راشن کارڈ وغیرہ کی رسید بھی ہونا ضروری رہے گا وغیرہ وغیرہ سب

شرائط پوری ہونی چاہئیں، ورنہ معاوضہ ملنے کے بجائے مزید نقصان کے خطرہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔غرض ان سب امور میں چوکس رہنا بہر حال ہر ہندوستانی کو خاص کر مسلمانوں کولازم ہے،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۵/۱۴۱۱ھ

عطیات کی جمع شدہ رقم سے حاصل کردہ سود کو وکیل کی فیس اور مسجد کی احاطہ بندی میں خرچ کرنا:

یہ مراسلہ انجمن اصلاح المسلمین کی جانب سے ہے۔

یہ ٹورنٹو کی ایک اسلامی تنظیم ہے جس کا مقصد نفع کمانا نہیں ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلک حنفیہ کے مطابق اپنے مقاصد کی تکمیل ہے ۱۹۸۹ء میں اس انجمن نے وضو کی سہولت دینے کے لئے ایک تعمیر شروع کی اور حمام وغیرہ بنانے شروع کئے، نیز مردوں کو نہلانے کے لئے بھی تعمیر شروع کی یہ سب عمارتیں مسجد کے احاطہ میں واقع ہوں گی، ہر دست ٹھیکیدار کی غفلت اور کوتاہی کے سبب کام رک گیا ہے اور تعمیری پروجیکٹ نامکمل چھوڑ دیا ہے، اس پر دباؤ بھی ڈالا گیا، مگر بے سود، مجبوراً انجمن کی کمیٹی نے وکیل کر کے ٹھیکیدار کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے اس صورت حال کے پیش نظر درج ذیل سوالات کئے جا رہے ہیں:

۱-کیا انجمن مسلمانوں کے عطیات کی جمع شدہ رقومات سے حاصل کردہ سود سے وکیل کی فیس ادا کرسکتی ہے، تاکہ ٹھیکیدار کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہو سکے۔

۲-اگر سود کی رقم کے استعمال کی اجازت نہ ہو تو یہ رقم کن کن مدات پر خرچ کی جاسکتی ہے۔اس صورت میں مختلف کاموں کی تفصیلات سے آگاہ فرمائیں، یعنی مسجد سے متعلق کن کن تعمیرات پر یہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔مثلاً احاطہ بندی اور دیگر متفرق امور۔

الجواب وباللہ التوفیق:

مسلمانوں کے عطیات کی جمع شدہ رقم سے جو سود ملا ہے مال حرام اور خبیث ہے، اس کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہے۔ایسے مال کا پہلا حکم رد الی رب المال ہے-**كما صرح به في رد المحتار وغير ذلك من كتب المذهب**،پس اگر یہ سود سرکاری بینک سے ملا ہے یا مل رہا ہے تو اس سودی رقم کو بینک میں چھوڑنے یا واپس کرنے کی شرعا

اجازت نہیں ہے، بلکہ "اذا ابتلیت ببلیتین فاختر آھونھما" نیز حسب ضابطہ شرعی: "اذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتکاب أخفهما" (۱)، یہ ہوگا کہ سودی رقم بینک سے نکال کر پہلے یہ دیکھیں گے کہ حکومت کا اگر کوئی غیر شرعی ٹیکس اس پر لاگو ہو رہا ہے تو پہلے اس ٹیکس میں دیدے، تاکہ رد الی رب المال ہو جائے اور غیر شرعی ٹیکس سے ہر وہ ٹیکس مراد ہے جو شرعاً واجب نہیں ہوتا ہے، انکم ٹیکس سیل ٹیکس وغیرہ۔

پھر جو رقم سود کی بچ جائے اس کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے مسلم غرباء ومساکین اور ایسے مسلمانوں کو تملیکاً دیدیں جو بہت پریشان حال ہوں، خواہ قرض کے دباؤ سے یا کسی دوسری پریشانی سے پریشان حال ہوں پھر یہ لوگ مالک ہو کر اپنی مرضی وخوشی سے اپنے جس کام میں چاہے خرچ کرلیں جائز رہے گا حتی کہ اگر یہ لوگ ان مذکورہ کاموں اور ضروریات میں خرچ کے لئے دیدیں تو یہ بھی جائز رہے گا اور پھر ان رقوم سے ہر کام پورا کیا جا سکے گا۔

اگر ان غرباء ومساکین وغیرہ مستحقین سے یہ احتمال ہو کہ یہ لوگ ان مذکورہ ضروریات میں خود نہ دیں گے تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہوگا کہ جس ضرورت کے لئے جتنے روپوں کی ضرورت ہو اتنے روپوں کے لئے ان مستحقین سے کہا جائے کہ اتنے روپے کہیں سے قرض لاکر اس کام کے لئے دیدو تمہارا قرض ادا کرا دیا جائے گا اور جب کہیں سے لاکر قرض دیدے تو اس روپیہ سے مطلوبہ کام شروع کردیں اور اس شخص کو اس سودی رقم سے دیدیں اور وہ اس سے اپنا قرض ادا کردے، بلکہ اگر اس غریب کو کہیں سے قرض نہ ملے تو اپنے پاس بھی اپنی مملوک رقم سے بطور قرض دے سکتے ہیں اور جب اس کو یہ سودی رقم دیدی جائے تو اس شخص سے اپنا قرض وصول کرلیا جا سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہر سوال کا جواب الگ الگ بھی تقریب فہم کے لئے لکھ دیا جاتا ہے۔

(۱) کا جواب: وکیل سرکاری ہو یا آزاد ہو اس کو جو فیس دی جاتی ہے وہ خزانہ سرکار میں نہیں پہنچتی ہے، اس لئے اس میں یہ پیسہ دینا درست نہ ہوگا، ہاں جو پیسہ ٹکٹ یا اسٹامپ میں یا مقدمہ چالو وغیرہ میں جو رقوم حکومت کو ادا کی جائے وہ خزانہ سرکار میں پہنچتی ہے اس لئے ٹکٹ یا اسٹامپ یا رقوم سرکاری میں جو پیسہ دیا جائے گا وہ "رد المال إلی رب المال" کے ضابطہ شرعیہ کے مطابق ہوگا اور یہ دینا اس سودی روپیہ سے جائز رہے گا۔

(۲) کا جواب: تملیک مستحق کے مذکورہ بالا طریقہ کے بعد تمام مذکورہ چیزوں میں، یعنی لاوارث مردوں کو نہلانے کفنانے مدفین میں یا مسجد کی احاطہ بندی اور دیگر تمام متفرق امور میں جو مسجد کی تعمیر یا تزئین وغیرہ سے متعلق ہوں۔ سب

۱- الاشباہ والنظائر سفتی الثقلین۔

میں سود کا یہ پیسہ بعد حیلۂ تملیک بلا غبار درست و جائز ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیو بند سہارنپور ۶/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

۱-بینک کی سودی رقم سے بینک کا سود ادا کرنا:

زید کا روپیہ ایک بینک میں جمع ہے اور زید نے دوسرے بینک سے قرضہ لے رکھا ہے، زید جو روپیہ بینک میں جمع کر رکھا ہے اس کا جو نفع ملتا ہے وہ زید قرضے کا بیاج ادا کرتا ہے یہ کہاں تک غلط ہے اور کہاں تک درست ہے؟

۲-بینک سے ملنے والے قرض میں چھوٹ اور سود کا حکم:

زید کو ساڑھے چار ہزار روپیہ بطور قرضہ گورنمنٹ سے بمعرفت بینک مل رہا ہے جس میں 5100 روپیہ کی چھوٹ گورنمنٹ سے مل رہی ہے، اس کے بارے میں صحیح بیاج بینک ساڑھے نو روپیہ سیکڑا کے لے رہا ہے، چھوٹ کا کوئی بیاج نہیں ہے، چھوٹ ملنے کی مدت تک آپ اس بارے میں صحیح حل لکھئے گا۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-جس بینک سے بوجہ مجبوری (خواہ قانونی مجبوری ہو) قرض لیا ہے وہ بینک گورنمنٹ بینک ہے اور جس بینک میں حفاظت وغیرہ کی مجبوری سے روپیہ جمع کیا گیا ہے وہ بینک بھی گورنمنٹ بینک ہے تو اس بینک سے ملا ہوا سود اس بینک کے سود میں دے دینا درست ہوگا، ورنہ درست نہ ہوگا (۱)۔

۲-چھوٹ کی جتنی رقم بینک نے دی ہے اس رقم کے اندر اندر تک جو رقم سود کے نام سے دی جائے گی اس میں تاویل کی گنجائش رہے گی مگر اس رقم سے جب زائد رقم دینی ہوگی تو اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیو بند سہارنپور ۱۹/ ۸/ ۱۴۰۰ھ

۱- ''لأن المغصوب إن علمت أصحابه أو ورثتهم وجب رده عليهم'' (ردالمحتار ۳/ ۲۱۸) ''ويبرأ بردها ولو بغير علم المالك'' (درمختار مع الرد ۹/ ۲۶۶)۔

۲- جیسا کہ درمختار میں ہے: ''وكان عليه مثل ما قبض'' (درمختار مع ردالمحتار ۷/ ۳۹۴) نیز الاشباہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے: ''كل قرض جر نفعاً حرام'' (درمختار ۷/ ۳۹۵)۔

لائف انشورنس کا شرعی حکم:

کیالائف انشورنس بیمہ پالیسی جائز ہے یانہیں، اگر جائز نہیں ہے توپھر کیا کیا جاوے۔بینوا توجروا

محمداسمٰعیل عرف بادشاہ (سائیکل بس اسٹینڈ ضلع اورنگ آباد)

الجواب وباللہ التوفیق:

بیمہ میں چونکہ عموماً قمار جوا اور ربوا (شرعی سود) ہوتا ہے، اس لئے ناجائز ہے البتہ اگر کسی ملک یا خطہ کی بدحالی ایسی ہوجاوے کہ بغیر اس بیمہ کے جان ومال کا تحفظ متعذر ہوجاوے یا قانونی مجبوری ہوجاوے تو اس اضطراری کیفیت کیوجہ سے اپنے تحفظ کے بقدر استعمال کی گنجائش ہوجائے گی (۱)، نیز اس کا لحاظ بھی ضروری ہوگا کہ اگر اپنی جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم ملے تو اس کوخود کسی کام میں نہ لاوے بلکہ اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین کو دیدے، اگر اپنے اوپر مرکزی حکومت کا کوئی غیر شرعی ٹیکس لاگو ہوتو اس ٹیکس میں دیدینے کے بعد جو رقم بچے اس کو بطریق مذکور غرباء ومساکین کو دیدے نیز چونکہ ایسے حالات اپنی ہی بداعمالیوں کا ثمرہ عموماً ہوتے ہیں اس لئے جب تک ان حالات سے نجات نہ مل جائے ہمیشہ توبہ اور استغفار کرتے رہنا اور اپنے حالات کو درست اور مطابق شرع کرنے کی کوشش کرتے رہنا اور اس کے لئے دعائیں کرتے رہنا بھی نجات آخرت کے لئے ضروری رہے گا (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/ ۴/ ۱۴۰۱ھ

لازمی بیمہ کا حکم:

بیمہ زندگی شاید قطعی حرام ہے مگر وہ ملازم کیا کرے جس کا تعلق گورمنٹ ڈپارٹمنٹ سے ہے اور جس کے لئے بیمہ زندگی قطعی لازمی قرار دیا گیا ایسی حالت میں زید کیا کرے۔

۱- ''ما أبیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا'' (الاشباہ والنظائر مطبوعہ کراچی/ ۱۱۹)۔

۲- ''أن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ'' (رد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۵۳)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ہندوستان کی موجودہ حالت ومذکور مجبوری کیوجہ سے گنجائش ہے، ''**الضرورات تبیح المحظورات**(۱)''۔

کتبہٗ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

ڈاکخانہ اور بینک میں روپے جمع کرنا اور اس کے سود کا حکم:

ڈاکخانہ یا بینک میں روپیہ جمع کرنا کیسا ہے جبکہ لازمی طور پر اس پر مقررہ شرح کے مطابق سود وصول کرنا پڑتا ہے، کیا یہ صورت ممکن ہے کہ روپیہ کو محفوظ کرنے کی غرض سے ڈاکخانہ یا بینک میں جمع کیا جائے اور اس پر جو سود ملے اسکو غرباء و محتاج پر خرچ کیا جائے اپنے استعمال میں نہ لایا جاوے یا سودی حصہ وصول ہی نہ کیا جاوے اور ڈاکخانہ میں چھوڑ دیا جائے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

بلا ضرورت شدیدہ ومجبوری کے ڈاکخانہ یا بینک میں روپیہ جمع کرنا نہیں چاہئے، اگر کسی نے بوجہ مجبوری کے کردیا ہو تو اس کا سود وہاں پر ہرگز نہ چھوڑے ضرور وصول کرلے اور وصول کرنے کے بعد اپنے مصرف میں ہرگز خرچ نہ کرے بلکہ غرباء ومساکین یا کسی دینی رفاہ عام کے کاموں میں اپنے کو گناہ سے بچانے کے لئے خرچ کردے(۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہٗ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۱/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، محمود عفی عنہ نائب مفتی دارالعلوم

سودی رقم سے بیت الخلاء بنوانا اور وکلا کی فیس دینا:

بینک میں جمع شدہ رقم یا سرکاری مدات میں لگائی ہوئی رقموں کے سود سے مسجد کے متصل بیت الخلاء یا استنجاء خانہ بنوایا کیسا ہے نیز ایسی رقم کسی برحق مقدمہ کے دوران وکلاء وغیرہ کی فیسوں کے واسطے صرف کرنا ازروئے شریعت مطہرہ کیسا ہے؟ بصورت دیگر اس رقم کا مصرف تحریر فرماویں۔

۱- الأشباہ والنظائر/۱۲۶۔

۲- ''رجل دفع إلی فقیر من المال الحرام شیئا یرجو بہ الثواب یکفر'' (شامی قدیم ۲/۳۵)۔

الجواب وبالله التوفيق:

بہر دوصورت جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

بینک میں رقم جمع کرنا اور اس کے سود کا مصرف:

جولوگ حفاظت کے واسطے روپیہ بینک میں جمع کرتے ہیں اور بینک اس پر سود بھی دیتا ہے، بعض لوگ وہ روپیہ جو سود کا ہوتا ہے ان کو غرباء کو دیتے ہیں اور اصل رقم کو خود رکھ لیتے ہیں تو فرمائیں کہ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

جی ہاں درست ہے، اول تو بلا مجبوری شدید کے بینک میں روپیہ جمع نہ کرنا چاہئے اور اگر ضائع ہونے کے ڈر سے یا حفاظت وغیرہ کی مجبوری سے جمع کردیا ہے تو اس کا سود ضرور وصول کریں، بنک میں ہرگز نہ چھوڑے اور اس کا مصرف وہی ہے جس کو خود آپنے لکھا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۸/ ۷/ ۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح محمود عفی عنہ، سید احمد علی سعید

سود لکھنا، لینا، دینا کیسا ہے؟

سود کا لکھنا لینا دینا کیا شرعی حکم رکھتا ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

سب حرام ہے، "لعن رسول الله ﷺ آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهديه وقال: هم سواء" (۱)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- مسلم شریف ۲/ ۲۷۔

سیونگ اکاؤنٹ کھولنا اور سود کا مصرف:

مروجہ بینکوں میں سیونگ اکاؤنٹ کھولنا جائز ہے یا نہیں اور اگر اکاؤنٹ کھول لیا گیا ہے تو اس کے سود کا کیا مصرف ہے؟ کیا سودی روپیہ کو گاؤں کی سڑک کی تعمیر میں صرف کیا جا سکتا ہے یا کسی غریب مسلم یا غیر مسلم کی اعانت ثواب نہ سمجھتے ہوئے کی جا سکتی ہے؟

خادم مشتاق احمد (محمد پور صدر اعظم گڑھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

پہلی بات تو یہ ہے کہ حفاظت کی غرض سے یا کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اگر بینک میں رقم جمع کرنی پڑے تو ایسے شعبہ یا کھاتہ میں جمع کرنے کی کوشش کرے جس میں سود کا حساب ہی نہ لگایا جاتا ہو، اگر ایسا نہ ہو سکے تو جو رقم سود کے نام سے ملے اس کو بینک میں ہرگز نہ چھوڑے بلکہ وہاں سے نکال لے پھر اگر خود اس کے اوپر کوئی غیر شرعی ٹیکس مرکزی حکومت کا عائد ہو جیسے انکم ٹیکس وغیرہ تو اس ٹیکس میں دے پھر جو رقم بچے اس کو غریبوں محتاجوں، پریشان حالوں قرضداروں، بیواؤں، یتیموں، کو بغیر نیت ثواب کے بلکہ اس رقم کے وبال سے بچنے کی نیت سے بطور صدقہ دے دے اور خود کسی اور کام میں خرچ نہ کرے، نہ گاؤں کی سڑک میں نہ کسی اور کام میں اور اگر خرچ کرنے کی ضرورت آجائے تو حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کرے۔ یعنی کسی مستحق صدقہ کو بطور صدقہ کے دیکر مالک بنادے پھر وہ غریب اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جس کام کے لئے دے اس میں خرچ کرے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۵/۳/۱۴۰۱ھ

پمپنگ سیٹ یا ٹریکٹر کے لئے لون لینا:

آجکل اقتصادیات کا مسئلہ خاص طور سے مسلمانوں کے ساتھ اور اس پر بینک کا جال جسقدر پھیلا ہوا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اگر آدمی کوئی کاروبار وغیرہ کا ارادہ کر کے اپنی پریشانی دور کرنا چاہے تو بغیر بینک کی مدد سے اس میں کامیابی

۱- ''ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه'' (رد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۵۳)، ''والمعنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء'' (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۲۹۳)۔

بہت مشکل ہے۔

مثال کے طور پر اپنے کھیت کی زرخیزی اور صحیح غلہ کی پیداوار کے لئے آدمی اگر پمپنگ سیٹ لگوانا چاہے یا جوتائی کے لئے ٹریکٹر لینا چاہے تو اس کے لئے بینک سے قرض لیا جس پر لامحالہ سود دینا پڑے گا لازمی ہے تو اگر اس طرح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ بینک سے قرض لینے کی شکل میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے تو کیا شریعت اس کی اجازت دیدے گی، اگر کوئی صاحب پمپنگ سیٹ کے لئے بینک سے سود پر قرضہ لے لے تو اس سے حاصل شدہ آمدنی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

محکمہ اقتصادیات میں یا منصوبہ ترقیات میں حکومت جو قرضہ قوم کو دیتی ہے اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

الف:۔ ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ جتنی رقم حکومت براہ راست یا بذریعہ بینک بطور قرض دیتی ہے اس میں ۲۵ فیصد یا کم وبیش چھوٹ بھی دیتی ہے اور چھوٹ دینے کے بعد جو رقم بچتی ہے اس پر سود رکھ کر باحتیاط وصول کرتی ہے، پس اس صورت میں سود کی کل رقم ملانے کے بعد بھی واپسی رقم کی مقدار کل لئے ہوئے قرض سے نہ بڑھے جب تو شرعی سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی اور بلاشبہ یہ صورت جائز رہے گی۔

ب:۔ اور اگر واپسی رقم کی مقدار کل لئے ہوئے قرض سے بڑھ جائے تو یہ بڑھی ہوئی رقم شرعاً سود ہو جائے گی اور اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر بغیر اس قرض کے لئے ہوئے کاروبار نہ کر سکیں یا کاروبار قائم نہ رکھ سکیں یا اور کوئی قانونی مجبوری ہو تو اس مجبوری کو احتیاج کہا جائے گا اور اس مجبوری واحتیاج کے تحت بقدر ضرورت یہ قرض لے کر کام چلا لینا اس فقہی ضابطہ **"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**(۱)۔ **الاشباہ والنظائر القاعدۃ الخامسۃ: " الضرر یزال"**(۲) کے تحت شرعاً گنجائش رہے گی اور اس کی اجازت احتیاج وضرورت کی حد تک رہے گی۔

ج:۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومت کسی کام کے لئے سامان دینا منظور کرتی ہے اور سامان خریدنے کے لئے کنٹرول نرخ سے خریدنے کے لئے بینک سے روپیہ دلا کر خود اس کی نگرانی میں یا بغیر نگرانی سامان خرید لینے کی اجازت دے

۱- الاشباہ والنظائر/ ۱۴۹ مطبوعہ دار العلوم دیوبند۔

۲- الاشباہ والنظائر/ ۱۳۹۔

دیتی ہے مگر اس کام اور سامان کی نگرانی خود رکھتی ہے اور اس کے لئے کچھ انسپکٹر و سپر وائزر وغیرہ ملازم رکھتی ہے، اس کا ایک مستقل محکمہ ہوتا ہے، یہ ملازمین اس کے سامان کی نگرانی اور اس کے ترقی دینے کے راستے بھی بتلاتی ہے اور موقعہ بموقعہ مشورہ بھی دیتی ہے اور اس معاملہ میں دی ہوئی رقم پر کچھ زائد رقم سود کے نام سے وصول کرتی ہے تو اس زائد رقم کو ان کام کرنے والوں کی اجرت قرار دینے کے حیلہ سے شرعی سود کے حکم سے بچانے کی ایک تاویل کی جاتی ہے اور بقدر حاجت وضرورت گنجائش دے دی جاتی ہے، لہذا ان صورتوں میں سے جو صورت ہوگی اس کے مطابق حکم شرعی ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

سودی کاروبار والے سے قطع تعلق:

گاؤں کے چند لوگ کسانوں کو ڈیڑھی بوائی پر فروخت کردینے کا کاروبار کرتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تخم ریزی کے زمانہ میں کسان کو بیج فراہم کیا جاتا ہے اور فصل تیار ہونے پر ڈیڑھ گنا یا سوا گنا مقررہ شرح کے مطابق وصول کیا جاتا ہے چونکہ بظاہر یہ سود کی کھولی ہوئی شکل ہے اس وجہ سے گاؤں کے چند دیندار لوگوں نے فہمائش کے ذریعہ اس کاروبار کو بند کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ایک افراد اس فہمائش سے متاثر ہوئے اور اس سودی کاروبار کو بند کردیا لیکن اکثر لوگ اپنے اس پچھلے طریقہ پر آرہے ہیں اور اس پر اڑے ہوئے ہیں اور فہمائش سے بھی باز نہیں آتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں گاؤں کے دیندار طبقہ کو شریعت حقہ کی روشنی میں ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے آیا ان سے برادرانہ دوستانہ تعلقات قائم رکھے یا نہیں ان کے ساتھ کھانا پینا حقہ پانی بند کردیا جائے۔

الجواب وبالله التوفيق:

ان لوگوں کو بہی خواہانہ دوستانہ وعظ ونصیحت اور عذاب آخرت وغضب خداوندی سے ڈرتے رہیں اور مسلسل کرتے رہیں اور اس کی تدبیر بھی کرتے رہیں کہ ان کے قلوب میں خوف خدا آجائے اور وہ خود بھی چھوڑ دیں اور اس کی سہل صورت اور آسان ترکیب یہ ہے کہ ان کا تعلق اللہ والے مصلح سے کرادیا جاوے وہ مصلح خود سب کرلے گا، ہاں اگر ان سے برادرانہ و دوستانہ تعلقات ختم کردینے یا ان کے ساتھ حقہ پانی اور کھانا وغیرہ بند کردینے سے انکی اصلاح کا ظن غالب ہو اور یہ بند کرنے اور ختم کرنے والے ایسے معتبر وبا اثر ہوں کہ ان کے اس فعل سے ان پر اچھا ہی اثر ہوگا اور کسی اور فساد وعناد وغیرہ شر وفتنہ کا اندیشہ

نہ ہوتو گنجائش ہوسکے گی ورنہ نہیں، اس لئے کہ زمانہ فساد کا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۱-ٹھیکہ پر لی گئی زمین کو خود مالک زمین کا بٹائی پر لینا:

ہم نے ایک زمین ۱۰۰۰ روپئے میں چار سال کے لئے لی ہے ٹھیکہ پر، مالک زمین چاہتا ہے کہ ہم بٹائی پر شرکت میں خود اس کو ملالیں اس کے پاس ہل جوتنے کو نہ تو بیل ہیں اور نہ سامان شرکت، بٹائی کس طریقہ پر رکھا جائے، غریب آدمی ہے دیگر کوئی سبیل نظر نہیں آتی معاش کی تمام پہلو پر روشنی ڈالیں۔

۲-شیٔ مرہون سے فائدہ اٹھانا:

ایک زمین رہن ہے مالک زمین جب تک روپیہ نہ لوٹائے کاشت کر کے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں اگر مالک زمین بھی خود شرکت بٹائی کا خواہشمند ہے تو طریقہ کیا ہونا چاہئے، شرکت کے مالک زمین کا کہنا ہے کہ رہن کا روپیہ لوٹا دوں گا تب قبضہ بعد کاشت کروں گا اس وقت تک بٹائی یا شرکت ہی کرنا چاہتا ہے، اور مالک زمین بھی بغیر سامان کاشت ہے نہ ہل ہے نہ بیل اور نہ دیگر سامان، تو کیا شرعی طریقہ ہے؟

احمد علی و محمد علی (پرفومری سنیما روڈ پوسٹ کھرگون-ایم، پی)

الجواب وباللہ التوفیق:

جب چار سال کے لئے ۱۰۰۰ کے ٹھیکہ پر لے چکے تو اب ٹھیکہ لینے والے کو اختیار ہے کہ یا تو اسی ٹھیکہ پر چار سال تک باقی رہے اور چاہے تو ٹھیکہ کا معاملہ ختم کر کے بٹائی کا معاملہ کرے اور ٹھیکہ والی رقم اگر دے چکا ہے تو جتنی رقم دے چکا ہے اتنی رقم واپس لے لے، اگر مالک زمین کے پاس ہل بیل نہ ہو جب بھی بٹائی پر لے سکتے ہیں، اور جو معاملہ طے ہو کر سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی ایسی جہالت نہ ہو جو مفضی الی النزاع (جھگڑے تک پہنچانے والی ہو) ہو(۱)۔

۱- "عن حنظلة بن قيس الأنصاري قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لا بأس به، إنما كان الناس يؤاجرون على عهد النبي ﷺ على الماذيانات وإقبال الجداول، وأشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا، ويسلم هذا ويهلك هذا، فلم يكن للناس كراء إلا هذا فلذلك زجر عنه، فأما شيء معلوم مضمون فلا بأس به" (صحیح مسلم کتاب البیوع حدیث ۱۱۶/۱۵۴۷)۔

رہن شدہ زمین سے رہن پر لینے والے کو رہن کی بنیاد اور رہن کی وجہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر رہن کے بعد یہ معاملہ کرلیا گیا کہ مرہون اراضی کو مرتہن اجارہ (کرایہ ولگان) پر لے لے اور لگان وہ دے جو ایک تیسرا آدمی دیتا ہے اور قرض (زردین) کے دباؤ سے اس میں کمی نہ کی جائے اور راہن خوشی سے یہ معاملہ کرلے تو شرعاً رہن کا معاملہ ختم ہوکر لگان و اجارہ کا معاملہ قائم ہوکر جواز کی صورت بن جائے گی، اسی طرح یہ بھی جائز ہوسکتا ہے کہ مرتہن اس کو بٹائی پر کاشت کرے اور آزاد یعنی قرض نہ دینے والے کی طرح معاملہ کرکے آدھی پیداوار راہن کو دیا کرے، باقی یہ صورت جائز نہ ہوگی کہ راہن (مالک زمین) خود کاشت کرکے پیداوار کا آدھا حصہ یا کچھ حصہ مرتہن کو دے، راہن کی اجازت و مرضی سے بھی یہ صورت جائز نہ ہوگی(۱)، فقط واللہ علم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۱/۱۴۰۱ھ

سود کا مصرف:

بحیثیت زکوۃ فنڈ کے خزانچی کے جو زکوۃ کی رقم میں حفاظت کی غرض سے بنک میں جمع کرتا ہوں وہ بڑی رقم ہوتی ہے، ایک سال میں آہستہ آہستہ زکوۃ کی رقم خرچ ہوجاتی ہے اور مستحقین پر صرف ہوجاتی ہے لیکن بینک زکوۃ فنڈ کی رقم پر سود دیتا ہے، میری مشکل یہ ہے کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بینک کی رقم زائد ملی ہوئی میں کس طرح اور کہاں خرچ کروں؟ براہ کرم اس بارے میں قانون اسلامی سے رہنمائی فرمائیں۔

محمد بادوپ (۴۶ ہکس روڈ، روز ہل ماریشش)

الجواب وبالله التوفيق:

اصل بات تو یہی ہے کہ زکوۃ کی رقم جلد سے جلد مصرف میں پہنچا کر یا ادائیگی کرکے سبکدوش ہوجانا چاہئے۔

لیکن اگر بروقت مصرف نہ ملنے کی وجہ سے ذخیرہ کرنا پڑ جائے تو یہ بھی درست ہے (۲) اور ایسی صورت میں حفاظت کی غرض سے بنک میں جمع کرنا بھی درست ہے پھر جو رقم سود کے نام سے بینک سے ملے اس کو بھی مستحقین زکوۃ پر

۱- ''ولا ينتفع المرتهن بالرهن استخداماً وسكنى ولبسا واجارة واعارة، لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع'' (البحر الرائق ۸/۲۳۸)۔

۲- ''فتكون الزكاة فريضة وفوريتها واجبة فيلزم بتأخيره من غير ضرورة الإثم'' (فتح القدير ۲/۱۱۴)۔

اورقرضہ میں دیدے اور پریشان حال مسلمانوں پر بطور صدقہ کے خرچ کردے اور اگر اس کے مصرف کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کرنا ہو جیسے مسافر خانہ یا دینی مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں تو شرعی حیلہ کے ذریعہ تملیک مستحق کر لینے کے بعد صرف کریں(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۲/۱۳ھ

سودی رقم کا مصرف:

جن لوگوں کا روپیہ ہندوستان کے بینکوں میں جمع ہے اور اس روپیہ پر سود یا نفع ملتا ہے، اس روپیہ کا استعمال کہاں کہاں کیا جاسکتا ہے، غریبوں کی پرورش پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور ان پر خرچ کرتے وقت ان کو بتلانا ضروری ہے یا نہیں؟

حافظ مہدی حسن (پوسٹ بکس ۲۲۴، ریاض، سعودی عرب)

الجواب وباللہ التوفیق:

اس کا حکم صرف یہ ہے کہ سود کے وبال سے بچنے کی نیت سے بغیر نیت ثواب کے جلد سے جلد اپنی ملک سے خارج کردینا چاہیے(۲)، اور بصورت صدقہ مستحق زکوۃ کو دے کر الگ ہونا چاہیے، وہ مستحق زکوۃ مالک ہونے کے بعد اپنی جس ضرورت میں چاہے خرچ کردے اور دینے میں ان کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ رقم ایسی ہے بلکہ بتلانا نہیں چاہیے، اس لیے کہ شاید ان کو رنج وقلق ہو اور خود ان کی ضروریات پر ان کو مالک بنائے بغیر خرچ کردینا درست نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی کرسکتے ہیں کہ اگر ایسی رقم سودی اسٹیٹ بینک سے ملے تو اس کو انکم ٹیکس میں اور غیر شرعی ٹیکس میں دے سکتے ہیں جس میں یہ رقم براہ راست حکومت کے خزانے میں پہنچتی ہو(۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۳۹۹/۲/۲ھ

۱- "والعما أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء" (درمختار مع ردالمحتار ۳/ ۲۹۳)۔

۲- "وأما اذا كان عند رجل مال خبيث فاما ان ملكه بعقد فاسد او حصل له بغير عقد ولا يمكنه ان يرد الى مالكه ويريد ان يدفع مظلمة فليس له حيلة الا ان يدفع الى الفقراء" (بذل المجهود ۱/۳۷)۔

۳- "ماحصل بسبب خبيث فالسبيل رده أي إلى أرباب الأموال" (قواعد الفقہ، ص ۱۱۵)۔

بینک کے منافع سے اپنی ضروریات کو پورا کرنا:

میں سعودی عرب سے مستقل طور پر اپنے وطن واپس ہونا چاہتا ہوں، لیکن یہاں سے جانے کے بعد گذارے کے لئے ذریعہ آمدنی کیا ہوگا، ہمیشہ سوال رہا ہے میرے پاس کچھ سرمایہ بھی جمع ہے، لیکن کاروبار میں آجکل استدر بے ایمانی ہے کہ ایسا شخص جو زندگی میں پہلی بار تجارت میں داخل ہونا چاہتا ہے، ہمیشہ نقصان ہی سے دو چار ہوتا ہے، یہ صرف مفروضہ نہیں ہے، بلکہ میں اپنے ایسے کئی ساتھیوں کو خود شخصی طور پر جانتا ہوں، اولا تاجر برداری کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کا روپیہ ڈوب جائے اور وہ اپنے ہتھکنڈوں میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

ثانیاً جو لوگ نفع بخش تجارت کر رہے ہیں انہیں بھی اندر سے دیکھا جائے تو وہ اپنی تجارت کو منافع بخش بنانے کے لئے مختلف غیر اسلامی ذرائع مثلاً رشوت دینا، جھوٹ بولنا، ذخیرہ اندوزی کرنا، من مانی قیمتیں بڑھانا اپنائے ہوئے ہیں، اول صورت میں ORIGINAL CAPITAL LOSS کا خوف تو دوسری صورت میں حلال تجارت کو برقرار رکھنے کے لئے غیر حلال یا غیر اسلامی TACTIES ضروری ہے اور دونوں ہی برے ہیں، اس لئے میں RETIRE ہونے پر اپنی فیملی کے اخراجات چلانے کے لئے اپنا جمع شدہ سرمایہ BANK میں FIXED DEPOSIT رکھ کر جو بھی منافع بینک سے ملے اس میں اپنی فیملی کی زندگی کے اخراجات پورے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

براہ کرم مذکورہ بالا دونوں صورتوں کی جو تشریح میں نے لکھی ہے، اس کو خیال میں رکھتے ہوئے بتلایئے کہ مذکورہ منافع بینک SCHEMES CERTIFICATES PROFIT ON GOVT SAVING سے اپنے اور اپنی فیملی کے اخراجات پورے کرنا حلال ہے یا حرام؟ جائز ہے کہ نہیں؟

سید عبداللہ صاحب معرفت الفوشیہ (ٹریڈنگ کمپنی پوسٹ بکس ۳۲۶، الخبر - سعودیہ عربیہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ صحیح ہے، بد اخلاقیوں کا دور ہے، جھوٹی تجارت کی پہلی شکل حسد و دشمنی کے زد میں آکر اکثر فیل ہوجاتی ہے، باقی اس میں جو نفع و بچت ہوتی ہے وہ جائز طریقہ سے حاصل ہو کر حلال و جائز رہتی ہے...... اور جو تجارت ذرا او نچے پیمانہ پر اور نفع بخش تجارت کرتے ہیں اس میں بھی ایمانداری و دیانت سے کام کرنے کی تمنا و خواہش کے باوجود غیر اسلامی قانون ہونے کی وجہ سے وہ باتیں مجبوراً کرنی پڑجاتی ہیں جس کا ذکر آپ نے خود بھی کیا ہے مگر ان تمام غیر شرعی معاملات میں حرام روپیہ اپنے

پاس نہیں آتا بلکہ غیر شرعی طریقہ سے کچھ اپنا جائز اور حلال روپیہ اپنے ملک سے نکل جاتا ہے اور چونکہ مجبوری کی وجہ سے نکلتا ہے، اس لئے اس پر استغفار کر لینے سے خدا کی طرف سے معافی کی امید ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام تصریح کرتے ہیں کہ رشوت جس کا لینا اور دینا مثل سود کے دونوں حرام ہیں مگر مجبوری کی صورت میں اپنا جائز حق بغیر رشوت کے نہ ملتا ہو تو رشوت دینے میں صرف رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا، دینے والا معذور قرار دیکر انشاء اللہ گناہ سے محفوظ رہے گا(۱)، اسی طرح جب بغیر قرض لئے کام نہ چلتا ہو یا ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا ہو اور قرض غیر سودی نہ ملتا ہو تو بینک سے بقدر حاجت وضرورت لے لینے کی گنجائش ہو جاتی ہے، کما فی الاشباہ والنظائر ص ۱۱۵ مع الحموی: **"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**(۲)

مثلاً اپنے جائز روپیہ سے بھی بڑا کاروبار کرنے میں قانون حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہوکر اپنا جائز روپیہ بھی کالا روپیہ شمار ہوکر قابل ضبطی وغیرہ ہو رہا ہو تو قانونی رو سے اور اپنے حلال روپیہ کو بچانے کے بقدر مجبوری میں اور بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہو جاتی ہے، البتہ استغفار برابر کرتے رہنا اور خدا سے دعاء کرتے رہنا کہ اے اللہ یہ ہمارے اعمال بد کے نتائج ہیں، لقوله عليه السلام: **"كما تكونوا يولى عليكم"**(۳) **أو كما قال عليه السلام**، اور **لقوله عليه السلام: "أعمالكم عمالكم"**(۴) اس لئے ہمارے اعمال ایسے بنا دیجئے اور ہمیں ایسی توفیق دے دیجئے کہ ہم اس قسم کے حالات سے محفوظ رہیں، غرض اس طرح تجارت کرنے میں اگر چہ غیر اسلامی حکومت ہونے کی وجہ سے مجبوراً کچھ غیر شرعی کام کرنے پڑیں جس کے لئے توبہ و استغفار کرنا بھی بسا اوقات کافی ہو سکتا ہے، لیکن جو پیسہ و مال اپنے پاس آتا ہے اور جو نفع و بچت ہوتی ہے وہ جائز اور حلال مال ہوتا ہے، اس کے کھانے اور استعمال کرنے میں حرام مال اور خبیث مال کھانے کا گناہ و وبال نہیں ہوگا۔ اور بینک میں سرمایہ اس نیت سے جمع کرنا کہ اس کے ذریعے سے جو سود ملے گا اس سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفالت کروں گا، اس صورت میں سود کھانا لازم آئے گا جس کی حرمت پر نصوص قطعیہ شاہد ہیں اور جسکے بارہ میں قرآن پاک میں یہ تصریح بھی ہے، **"ويمحق الله الربوا ويربي الصدقات"**(۵)، پھر صحیح حدیث شریف

۱- "ثم الرشوة أربعة أقسام .... الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه وماله حلال للدافع حرام على الآخذ" (فتح القدیر ۶/ ۳۵۹ وعند الشامی ۸/ ۳۵)۔

۲- الاشباہ والنظائر مطبوعہ ادارۃ القرآن ودار العلوم الاسلامیہ پاکستان/ ۱۲۶۔

۳- الجامع الصغیر مع شرحہ فیض القدیر ۵/ ۴۷ حدیث ۶۴۰۶ بحوالہ مسند فردوس و شعب الایمان للبیہقی۔

۴- فیض القدیر شرح جامع الصغیر لعبد الرؤوف المناوی ۵/ ۴۷ بلفظ: "أعمالكم عمالكم وكما تكونوا يولى عليكم"۔

۵- سورۂ بقرہ ۲۷۶۔

میں وارد ہے کہ ایک سودی معاملہ میں آٹھ آدمی لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہوجاتے ہیں بلکہ سودخوار پر کھلم کھلا سرکار دوجہاں علیہ السلام کے دربار سے لعنت آئی ہے(۱) اور پھر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام قرآن میں آیات ربوا ہمارے نزدیک جتنی خوفناک ہیں دوسری کوئی آیت نہیں، غرض اس صورت میں بینک میں سرمایہ جمع کر کے کھلم کھلا سودی رقم کھانے کا اور بغیر کسی مجبوری کے کھانے کا گناہ اور وبال لازم آئے گا۔ اور ایسا گناہ اور وبال کہ اس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے کیسے گنجائش ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی اجازت شرعاً نہیں دی جاسکتی اور قانونی بات تو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/۷/۱۴۰۰ھ

بجلی اور پانی کے بل میں سودی رقم دینا:

بجلی اور پانی کے بل میں بینک کے سود کی رقم جمع کرانا جائز ہے یا ناجائز؟

محمد ادریس (چورو راجستھان)

الجواب وباللہ التوفیق:

ناجائز ہے، اس لئے کہ سود حرام ہے اور حرام رقم کا حکم یہ ہے کہ اس کو یا تو اصل مالک کے پاس رد (واپس) کردو اور اگر یہ نہ ہوسکے تو اس کے وبال سے بچنے کے لئے یا اگر اصل مالک مستحق ثواب ہو مثلاً مسلمان ہو تو اس کو ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کردے(۲)، اور بجلی اور پانی کے نل کے بل میں دینے میں ان دو صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے، بلکہ یہاں بجلی اور پانی جو خرچ کیا ہے اس کا عوض دیتے ہیں جس کو شرع میں اجرت کہا جاتا ہے اور اجرت میں طیب و پاکیزہ مال دینا

۱- غالباً خمر کے ملعونین سے اشتباہ ہوگیا، سود کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے ''قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا، وموکلہ، وشاھدیہ، وکاتبہ'' (سنن الترمذی ۳/۵۰۳ کتاب البیوع باب ماجاء فی آکل الربا حدیث ۱۲۰۶، وسنن ابی داؤد ۳/۲۴۴ کتاب البیوع باب فی آکل الربوا وموکلہ حدیث ۳۳۳۳ بلفظ "شاھدہ بدل "شاھدیہ"، اس طرح یہ کل چار یا پانچ ہوئے اور خمر کے متعلق مروی ہے: قال رسول اللہ ﷺ:" لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا وبائعھا ومبتاعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا والمحمولۃ إلیہا(سنن ابوداؤد ۳/۳۲۶ کتاب الاشربہ حدیث ۳۶۷۴) جس میں خمر سے ملعونین کی تعداد آٹھ مذکور ہے۔

۲- علامہ شامی مال حرام کے بارے میں لکھتے ہیں: ''والحاصل أنہ إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیھم وإلا فإن علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ'' (رد المحتار علی الدر المختار ۷/۳۰۱)۔

چاہئے اور سود حرام اور خبیث مال ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۶/۹/۱۴۰۰ھ

بینک کی سودی رقم اپنے مصرف میں استعمال کرنا:

نواز میاں کی عمر اس وقت ۷۶ سال کی ہے دو بیویاں باحیات ہیں جن کی عمریں بالترتیب ۷۰ اور ۴۵ سال ہیں جو اولاد سے محروم ہیں، حال ہی میں انہوں نے جائداد (زراعت) فروخت کر کے چالیس ۴۰ ہزار روپے بینک میں جمع کر رکھے ہیں، عمر کے لحاظ سے اور وہ کوئی کام یا تجارت نہیں کر سکتے ہیں نہ اولاد کا کوئی سہارا ہے، انہیں فکر ہے کہ ایسی صورت میں انکا اور دونوں بیویوں کا گزر کس طرح ہو، ان کا خیال ہے کہ بینک میں جو رقم جمع کی گئی ہے اس پر جو ماہوار زیادہ رقم بینک کی طرف سے ملے گی، اس رقم سے تینوں کی زندگی بسر کرنا یعنی گھر کا خرچ چلایا جائے کیوں کہ مہنگائی کا دور ہے تینوں کو کم سے کم گھر خرچ کے لئے ۴۰۰ روپے درکار ہوں گے تو سرمایہ پر جو زائد رقم ملے گی وہ گھر خرچ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں اور وہ اور اپنی دونوں بیویوں کا گزر بسر ضروریات زندگی کس طرح کریں جب کہ بڑھاپے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں جواب دے چکے ہیں برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

نواز میاں پٹیل (مقام پوسٹ لوہارہ، تعلقہ پاجورہ ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر)

الجواب وبالله التوفيق:

قرض کے بدلے میں جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہوتی ہے، اس کو اپنے گھر کے خرچ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، "أحل الله البيع وحرم الربوا" (۲) ہاں تجارتی بینک ہو اور اس میں مضاربت کے لئے دیدیں اور عقد مضاربت کے اصول پر نفع کا جو حصہ ملے اس کا اپنی ضروریات میں خرچ کرنا درست ہوگا (۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/۶/۱۴۰۱ھ

۱- "عن عبد الله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه" (سنن ابوداؤد ۳/ ۲۴۴ کتاب البیوع باب فی آکل الربا وموکلہ حدیث ۳۳۳۳)۔

۲- سورۂ بقرہ ۲۷۵۔

۳- "كل قرض جر نفعاً حرام أي إذا كان مشروطاً" (رد المحتار علی الدر المختار ۷/ ۳۹۵)، "المضاربة عقد يقع على الشركة

بینک کے سود سے متعلق چند استفسارات:

مسائل حاضرہ کے متعلق چندصورتوں کے جواب تشفی بخش مطلوب ہیں، دوران جواب اصول قواعد کی طرف بھی اشارہ ہوجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا۔

بینک میں جمع شدہ سود کی رقم کو بلانیت ثواب تملیکا مستحقین زکوٰۃ تک پہنچا دینا اولین ذمہ داری ہے، لیکن روپیہ میں عینیت نہیں ہوا کرتی، اس لیے بنام سود حاصل شدہ رقم کھاتے میں جمع رہنے دینا اور اس کی جگہ دوسرے روپے اپنے پاس سے خرچ کردینا اور نیت یہ کرنا کہ میرے حساب میں سود کے نام سے جو رقم شامل ہے وہ دے رہا ہوں، کیا یہ صحیح ہے؟

اگر صحیح نہیں ہے تو کن کن مواقع میں سود کی رقم دی جائے اور کس نیت سے دی جائے، اصولی وبنیادی فرق کی جانب رہنمائی فرماتے جائیں تو زہے نصیب۔

مثلاً دکان بنوانے، چلانے کا لائسنس، یا ڈرائیوری کرنے کا لائسنس وغیرہ وغیرہ کی رقم یا مثلاً انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، واٹر ٹیکس، روڈ ٹیکس وغیرہ وغیرہ کی رقم یا اسی قسم کی اور رقوم، ان رقوم میں بینک سے ملنے والی سود کی رقم کا دیدینا صحیح ہے یا نہیں؟

اسی طرح گاڑی انشورنس یا کسی بھی انشورنس میں دی جانے والی رقم میں اس سود کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

مفصل ومدلل بیان فرمائیں!

زین الاسلام قاسمی (امام وخطیب جامع مسجد گورکھپور، یوپی ۲۴/۷/۷۰۱۴ھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ خلجان اس لیے پیدا ہوگیا کہ روپیہ میں عینیت کی نفی ہر حال میں سمجھ لی گئی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، مثلاً نقود کو کسی کے یہاں بطور امانت ودیعت رکھدیا تو امین (مودع) پر لازم ہے کہ ان نقود کو بعینہ الگ رکھے، اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرے، حتیٰ کہ اس حالت میں اگر وہ گم وغیرہ ہوجائے تو بھی امین پر کوئی ضمان وغیرہ نہیں آتا، یہ اسی عینیت ذاتیہ کی وجہ سے ہے، اور اگر امین نے ان رقوم کو دوسری رقم میں از خود ملادیا تو محض اس ملانے ہی سے عینیت ختم ہوگئی، اور وہ خائن کے حکم میں شمار ہوگیا، اور گنہ گار بھی ہوگیا، اور بغیر تعدی کے بھی گم ہوجانے پر ضمان واجب الادا ہوگیا، اسی وجہ سے ہوشیاری یہ ہے کہ

بمال من أحد الجانبين ومراده الشركة في الربح وهو يستحق بالمال من أحد الجانبين والعمل من الجانب الآخر" (ہدایہ ۳/۲۴۱)۔

جب خلط ملط ہوجانے کا خطرہ ہوتو مودع سے بجائے امانت کے قرض کا معاملہ کر کے یا جس طرح مناسب ہو معاملہ صاف کر لے تا کہ گناہ نہ ہو۔

اسی طرح اپنی زکوۃ ادا کرنے کی نیت سے کچھ رقم الگ رکھدی (عزل کرلیا) تو اس الگ کی ہوئی رقم سے بغیر نیت ادائے زکوۃ بھی مستحق زکوۃ کو دینے سے ادائیگی زکوۃ صحیح ہوتی رہے گی، یہ حکم اسی عینیت ذاتیہ کے بقاء کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن اس الگ کردہ رقم کو اگر اپنی کسی رقم میں ملا دیا تو عینیت ختم ہوگئی پھر بوقت ادا جب تک ادائیگی زکوۃ کی نیت نہ ہوتو زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

یہ دو مثالیں سمجھنے کے لیے کافی ہیں اور انہیں وجوہ سے اعلیٰ بات وطریقہ تو یہ ہے کہ بینک سے اپنی ذاتی مقدار کی رقم الگ نکالے اور سود کی مقدار کی رقم الگ نکالے، اور اس کو الگ ہی رکھے اور اس کو بینک میں نہ چھوڑے اور نکال لینے کی وجہ شرعی تو معلوم ہی ہے کہ "**إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما**" "**من ابتلي ببليتين وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء وان اختلفا يختار أهونهما**" (۱) ہے، بہر حال اس کو نکال لینے کے بعد پھر الحکم شرعی حسب ضابطہ شرعیہ: "**الرد الى رب المال حسب الامكان**" متوجہ ہوجاتا ہے، اور اس وجہ سے کہ اب چونکہ بینک عموماً حکومت کی ملک قرار پا چکے ہیں، اس لیے حکومت کے جو غیر شرعی ٹیکس اس شخص پر خود لاگو ہوں جیسے انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، سیل ٹیکس، موت ٹیکس، پیدائش ٹیکس وغیرہ پہلے اس ٹیکس میں دیدے تا کہ اتنی رقم رد الی رب المال ہو کر خود اس سے بری الذمہ ہوجائے، اور باقی ماندہ کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے جہاں تک ہو سکے غرباء ومساکین کو دے کر اپنی ملک سے نکال دے اور اس کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ نہ کرے، کما یستفاد من هذه العبارات:

۱- "**إذا كان عنده جل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا ان يدفعه إلى الفقراء**" (۲)۔

۲- **إن علم أرباب الأموال (المحرمة) وجب الرد عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق بنية صاحبه** (۳)۔

اور اگر دونوں رقموں کو الگ الگ نہیں نکالا بلکہ ایک ساتھ ہی نکال لیا، یا بینک نے خود ایک ہی ساتھ دونوں رقمیں

۱- الاشباہ والنظائر ۱۴۵/۵۔
۲- بذل المجہود ۳۷/۱۔
۳- شامی ۱۳۰/۴۔

دیدیں تو خلط ملط ہو جانے سے وہ عینیت تو باقی نہیں رہی جو پہلے تھی مگر احکام سب وہی متوجہ ہو جائیں گے جو اوپر بیان ہوئے کہ جہاں تک جلد ہو سکے سودی رقم کی مقدار اپنی پاک ذاتی رقم سے سے نکال کر الگ کردے، اور پھر وہی معاملہ کرے جو ابھی اوپر بذل المجہود اور رد المحتار سے گذرا(۱)، لہٰذا ایسا کرنا کہ بنام سود حاصل شدہ رقم کھاتے میں جمع رہنے دیں اور اس کی جگہ دوسری رقم جو اپنی غیر سودی اور جائز رقم ہو دیدیں، صحیح نہ ہوگا، ایسا کرنے سے نہ تو اپنا ذمہ بری ہوگا اور نہ ہی گناہ سے بچ سکیں گے، رہ گیا معاملہ عینیت، تو عینیت نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ عینیت وصفیہ اصطلاحیہ باقی نہیں رہتی، اسی طرح ''الخلط استھلاک'' کا مفہوم بھی استہلاک وصفی و اصطلاحی ہوتا ہے نہ کہ استہلاک حقیقی، کیونکہ حقیقت میں شئے مختلط کی ذات تو موجود ہی رہتی ہے، محض متمیز وعلیحدہ علیحدہ نہیں رہتی۔

بینک میں کس نیت سے روپیہ رکھنا چاہیے؟

تو جواب یہ ہے کہ بینک میں محض حفاظت کی غرض سے اور اضاعت وضیاع کے خطرہ سے بچنے کی نیت سے رکھنے کی اجازت ہے، اور کسی غرض سے سودی بینکوں میں رکھنے کی شرعاً اجازت نہیں، اور ممنوع وناجائز ہی نہیں بلکہ بسا اوقات نہایت خطرناک معصیت ہوگی، مثلاً اگر اس نیت سے رکھا کہ اس کے سود سے غرباء ومساکین کی یا پریشان حال وغیرہ لوگوں کی اعانت کروں گا تو بظاہر یہ عنوان بڑا سنہرا ہے بلکہ ایسے کام تو بڑے ثواب کے ہوتے ہیں، اس میں تو ہم لقمہ وہم ثواب کا مصداق ہوگا، لہٰذا ایسا کرنے میں کیا خرابی ہوگی؟...... تو یہ خیالات احکام شرع سے لاعلمی کے باعث پیدا ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس طریقہ کار میں سود کا پیسہ جو حرام ہوتا ہے اس کو ثواب کی نیت سے یا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے بغیر حکم شرع کے دینا لازم آتا ہے اور اس کا کفر ہونا شرعاً واضح ہے (۲)، بلکہ اس کا حکم شرعی اوپر کی لکھی ہوئی دونوں عبارتوں سے یہ متعین ہو چکا ہے کہ ایسے پیسے کا پہلا حکم یہ ہے کہ اس کے شرعی مالک کو واپس کردینا ضروری رہتا ہے، اور جب ایسا نہ ہو سکے تو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے جہاں تک جلد ہو سکے غرباء ومساکین کو دے کر اپنی ملک سے نکال دینا واجب رہتا ہے۔

لہٰذا ایسے حرام پیسوں کا حکم شرعی سوائے اس مذکورہ صورت وحیلہ کے اور کوئی شکل اس کے وبال سے بچنے کی نہیں ہے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بعض لوگ فکسڈ ڈپوزٹ میں رقم جمع کرتے ہیں اور نیت اس قسم کی بھی رکھتے ہیں کہ بڑھاپے یا مجبوری میں اس کے نفع سے اپنا کام چلے گا یا بچوں کی تعلیم وتربیت اس سے ہوگی یا مرنے کے بعد اولاد کا گذر

۱- ''وإن لم یعلم صاحبه یعلم لکن لایصلح أن یکون محلا لإیصال الثواب یکفره حتی یتصدق بنیة فیدفع إلی الفقیر بنیة حصول الحفظ عن وباله ومظلمته کما علم من البذل''۔

۲- ''رجل دفع إلی الفقیر من المال الحرام شیئا یرجو الثواب یکفر'' (شامی ۴/۲۶)۔

اوقات اس سے ہوگا اور رقم بھی بچی رہے گی، وغیر ذلک اور یہ معاملہ خالص سودی معاملہ ہوگا اور اس کا حاصل شدہ نفع خالص شرعی سود ہوگا جو کسی طرح جائز نہ ہوگا۔

اور یہ تعریف فکسڈ ڈپازٹ کے معاملہ پر بلاشبہ صادق آتی ہے، کیونکہ فکسڈ ڈپازٹ میں جمع کرتے وقت طرفین کی رضامندی سے یہ معاہدہ اور عقد ہوتا ہے کہ یہ روپیہ اتنی مدت کے بعد لوگے تو اس روپیہ پر اتنا فیصد انٹرسٹ (سود) ملے گا اور اضافہ کے ساتھ یہ روپیہ واپس ملے گا، وعلی ہذا القیاس اتنی مدت میں واپس لینے پر اتنا فیصد انٹرسٹ اور اتنی مدت میں اتنا فیصد کے ساتھ واپس ملے گا وغیرہ وغیرہ، اور نقود کا اموال ربویہ میں ہونا ''الحنطة بالحنطة'' والی حدیث سے ظاہر ہے، علاوہ ازیں سودی معاملہ کرنے والے مسلمانوں کے حق میں بڑی سخت سے سخت وعیدیں مروی ہیں، مثلاً جو لوگ سودی معاملہ کرنے سے باز نہیں آتے ان کے لیے ''فاذنوا بحرب من الله'' (۱) یعنی اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کی دھمکی وارد ہے، نیز قرآن میں ''ویمحق الله الربو ویربی الصدقات'' (۲) وارد ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ''أخوف الآيات في القرآن عندي آية الربا'' وغیرہ وغیرہ اور فاسقوں فاجروں کے حالات پر اپنے کو قیاس نہ کرنا چاہیے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بینک میں کوئی کھاتہ یا شعبہ ایسا ہو جس میں نفع یا انٹرسٹ لینے دینے کا کوئی حساب نہ لکھا جاتا ہو یا لکھا جاتا ہو مگر وہ رقم حکومت خود اپنے اختیار وصوابدید سے محض روپیہ جمع کرنے والوں کو ہی دیتی ہو کسی اور جگہ نہ دیتی ہو، جیسے پرانیوٹ فنڈ میں اپنی جمع شدہ رقم سے زائد رقم میں ہوتا ہے تو اس شعبہ میں بغرض حفاظت جمع کرنا پھر جو زائد رقم حکومت بغیر واپسی کے معاملہ کے دے، اس کا لینا اور استعمال کرنا سود نہ ہونے کی بنا پر مثل پرانیویٹ فنڈ والی رقم کے حکم میں ہوگا، ہاں اگر اس کے خلاف کوئی شکل ہوگی تو اس کا حکم بھی دوسرا ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ بینک میں ساری ہی رقوم ایک ہی کھاتہ میں خلط ملط رہتی ہیں، محض سود کا اور غیر سود کا حساب صاف صحیح رکھنے کی غرض سے صرف کاغذات میں الگ الگ اندراج رہتا ہے اور بینک ہی میں الخلط استہلاک صادق آچکا ہوتا ہے تو اب بینک سے نکالنے کے بعد یہ تمیز وغیرہ سب فرضی ہی رہ جاتا ہے، اس لیے یہ سب احکام بے کار و بے محل ہیں، تو جواب یہ ہے کہ بینک حکومت غیر مسلمہ کے ہیں، اور وہ ان احکام کے مخاطب نہیں ہیں کہ یہ سب احکام ان پر ہوں اور ہماری اس میں

۱- سورۂ بقرہ ۲۷۹۔

۲- سورۂ بقرہ ۲۷۶۔

ذمہ داری بھی نہیں ہے اور نہ ہمارا اس میں کچھ دخل ہی ہے کہ بینک میں رہنے کی حالت میں ہم پر یہ احکام متوجہ ہوں، البتہ بینک سے نکل کر ہمارے پاس پہنچنے پر چونکہ ہم بفضلہ تعالیٰ مسلمان ہیں اور ان سب احکام کے مخاطب ومکلف ہیں، اس لیے یہ سارے احکام ہم پر متوجہ ہوجاتے ہیں جو ابھی مذکور ہوئے کما اشار الیہ قولہ تعالیٰ: **"انی جاعل فی الأرض خلیفۃ"**(۱) جس کی طرف سے منصب خلافت ملتا ہے اس کی پوری پوری اتباع وتابعداری حتی الوسع تمام امور میں خلیفہ پر لازم وواجب عقلاً ونقلاً ہر طرح ہوجاتی ہے، ورنہ منصب خلافت سے لائق معزولی قرار پاجاتا ہے، نیز اشار الیہ قولہ تعالیٰ: **"إنا عرضنا الأمانۃ علی السموات (الی قولہ تعالیٰ) فأبین أن یحملنھا و أشفقن منھا وحملھا الانسان"**(۲)، اس لیے کہ امانت سے مراد یہی امانت دین متین ہے اور اس پر صاحب امانت کی پوری اتباع حتی الوسع لازم رہتی ہے، ورنہ مجرم وخائن قابل مواخذہ قرار دیا جاتا ہے، اور بینک کے اندر رہتے ہوئے دخل دینا اپنی قدرت واستطاعت سے باہر ہوتا ہے، اس لیے اس کے مکلف نہیں **کما أشار إلیہ قولہ تعالیٰ: "لایکلف اللہ نفسا إلا وسعھا"**(۳)۔

جواب سوال ۲:

مندرجہ بالا گفتگو اور ضابطۂ شرعیہ سے درج ذیل تمام سوالوں کا حکم شرعی خود بخود واضح ہوجاتا ہے، مثلاً بنام سود حاصل شدہ رقم کو مندرجہ بالا مصارف میں دینے کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کرنا درست نہ ہوگا، اسی طرح سود میں دینے کی نیت سے سود کی رقم کے بدلے میں دوسری رقم دینے سے بری نہ ہوگا، اور اس تمہیدی گفتگو کے بقیہ ضمنی نمبرات کا جواب ایک تا چار نیز اور ضمنی سوالات وجوابات مع شئے زائد درج ذیل (الف، ب وغیرہ) نمبروں کے جواب میں ملاحظہ کیجئے۔

الف وب: دکان بنوانے یا چلانے کا لائسنس ہو یا ڈرائیوری کرنے یا کوئی گاڑی چلانے کا یا بندوق وغیرہ کا لائسنس ہو، اور یہ لائسنس لینا قانوناً لازم ہو کہ بغیر لائسنس کے بنوائے ہوئے کچھ نہیں کرسکتے، اور لائسنس کی رقم خزانہ حکومت میں پہنچتی ہو یعنی یہ لائسنس بھی مرکزی حکومت کا ہو تو ہندوستان جیسے ملک میں حکم شرعی یہ ہے کہ جس کو بینک سے سود مل رہا ہے اگر اسی شخص پر قانوناً ان لائسنسوں میں سے کوئی لائسنس لاگو ہو یعنی لینا ضروری ہو تو اس کو اپنے اس لائسنس میں سے دیدینا مثل انکم ٹیکس کی رقم کے دینے کے ضروری رہے گا اور ان کے بنوانے اور حاصل کرنے میں جو رقم بطور رشوت دی جاتی ہے اس میں سود والی رقم دینا درست نہیں رہے گا، اس لیے کہ اس میں ردالی رب المال کا تحقق نہ ہوسکے گا اور قانوناً یا واجبی اخراجات کا

۱- سورۂ بقرۃ:۳۰۔

۲- سورۂ احزاب:۷۲۔

۳- سورۂ بقرۃ:۲۸۶۔

جملہ بہت مبہم ومجمل ہے۔ اس سے کیا مراد ہے، اور اس کی کیا حقیقت وتفصیل ہے واضح ہونے کے بعد جواب واضح ہوگا۔

ج- اس ٹیکس میں بھی مثل انکم ٹیکس کے پہلے دیدینا چاہیے۔

د- روڈ ٹیکس ومکان ٹیکس میں بھی دینے کا حکم انکم ٹیکس میں دیدینے کی طرح ہے، البتہ روڈ پر چلنے والوں کی حفاظت ومعاونت کا معقول انتظام منجانب حکومت ہو اور اس کے عوض میں یہ ٹیکس لیا جاتا ہو تو اس ٹیکس میں بینک کا سود دیدینے سے ذمہ سے بری نہ ہوگا، بلکہ اس ٹیکس میں اپنا ذاتی اور جائز پیسہ دینا ضروری رہے گا، اسی طرح جن شہروں میں مکانوں کی حفاظت کا پورا پورا انتظام منجانب حکومت ہوتا ہے جیسے آگ وغیرہ لگ جانے میں فائر بریگیڈ والے فوراً موقع پر پہونچ کر پوری محنت وجانفشانی سے تحفظ کا انتظام کرتے ہیں ان شہروں میں ہاؤس ٹیکس کو غیر شرعی نہ کہہ سکیں گے اور اس ٹیکس میں سود والی رقم دینے سے ذمہ بری نہ ہوگا۔

ھ- واٹر ٹیکس سے اگر مراد یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے جو پانی گھروں میں یا سرکاری نہر سے کھیتوں میں لیا جاتا ہے اور اس کا چارج بل کی صورت میں دیا جاتا ہے تو یہ معاملہ عوض ومعاوضہ کا ہے، اس میں سود کا پیسہ دینا درست نہیں رہے گا بلکہ جائز اور صحیح پیسہ سے دینا ضروری رہے گا، اور اگر اور کچھ مراد ہو تو واضح کر کے لکھئے۔

و- سیل ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، انکم ٹیکس جو ٹیکس بھی غیر شرعی منجانب حکومت ہو اس میں پہلے دیدینا چاہیے پھر مابقیہ کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے جلد از جلد فقراء ومساکین کو دے کر اپنی ملک سے نکال دینا چاہیے۔

ز- دکان بندی کے دن پولیس والوں کو بطور رشوت جو رقم دی جاتی ہے یا انسپکٹر کے چیک کر لینے پر جو جرمانہ دیا جاتا ہے اس میں بینک سے حاصل شدہ سود دینے سے ذمہ بری نہ ہوگا، کیونکہ ان صورتوں میں مال حرام کا ردالی رب المال نہ ہوگا۔

ح- گاڑی انشورنس ہو یا لائف انشورنس ہو یا کسی اور جائداد واملاک کا انشورنس، اس میں تو حسب ضابطۂ قانون وقت کچھ رقم جمع کرنی پڑتی ہے اور اس میں قمار وربو دونوں ہوتا ہے اور ان دونوں کی حرمت بہ نص قرآنی منصوص ہے، اس لیے ان دونوں کا کرانا شرعاً حرام وناجائز ہے، البتہ ملکی حالات کی خرابی سے ایسی شدید مجبوری لاحق ہوجائے کہ بغیر اس کے حفاظت جان ومال متعذر ونا ممکن سا معلوم ہونے لگتے یا قانونی ایسی شدید معذوری لاحق ہوجائے کہ بغیر اس کے معیشت برقرار نہ رہ سکے تو ان شدید مجبوریوں میں حسب مجبوری وضرورت گنجائش ہوجاتی ہے (۱)۔

اور گنجائش ہوجانے کا مفہوم یہ ہے کہ آخرت میں محاسبہ تو اس عمل پر بھی ہوگا، اور حسب مجبوری واضطرار معاقبہ

۱- ''الضرورات تبیح المحضورات'' (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی ۱۰۸)۔

ومواخذ ہ بھی ہو مگر حسب مراحم خسروانہ، معافی تلافی کی امید بھی ہے کہ معافی ہوکر عذاب نہ ہو، اورحسب ضابطۂ شرع ظاہر بھی یہی ہے، مگر تقاضائے اعمالنا عمالنا اورتقاضائے "کما تکونوا یولی علیکم" أو کماقال علیه الصلاۃ والسلام، نیزفرمان باری تعالیٰ ہے: "ان الله لم یک مغیرانعمة أنعمها علی قوم حتی یغیر واما بأنفسهم"(۱)، لازم ہے کہ ان توسعات پرعمل کرنے پربھی استغفارکرتا رہے اوراللہ تعالیٰ سے دل سے یہ بھی دعا کرتا رہے، اللہ تعالیٰ سے کہتا رہے کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ ہم اس فعل سے راضی نہیں ہیں صرف بوجہ مجبوری ومعذوری ایسا کرتے ہیں، آپ قادر ہیں، آپ ہمارے یہ حالات بدل دیجئے اوردل میں یہ نیت بھی برابر رکھے کہ واقعی جب یہ حالات بدل جائیں گے تو میں اس کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔

اوران حالات میں بوقت واپسی اپنی جمع کردہ جتنی رقم ہواس کو بلا ریب وصول کرلینا درست رہے گا اوراس سے زائدرقم میں اعلیٰ بات تو یہی ہوگی کہ خود استعمال نہ کرے بلکہ غرباء ومساکین کواس کے وبال سے بچنے کی نیت سے دیدے لیکن چونکہ یہ معاملہ اپنی خوشی اوررضا سے نہیں کیا ہے اوریہ رقم کمپنی خوداپنے ضابطہ وقانون کے ماتحت خوداپنی خوشی سے اوراپنی مرضی سے دے رہی ہے تو ہندوستان جیسے ملک میں اس کا لے لینا مباح رہے گا بالخصوص جبکہ وہ شخص خودمصرف صدقہ ہو۔

اوراگربغیران گنجائش صورتوں کے کوئی انشورنس کرالے گا تو سخت گنہ گار ہوگا، اور یہ روپے دینا بھی باعث وبال بنے گا اوراس دی ہوئی رقم سے زائد جورقم ملے گی اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین کودیدینا واجب رہے گا اورفقط اپنی اس دی ہوئی رقم کوواپس لے لینا بھی ازروئے فتویٰ درست رہے گا۔

البتہ اگربغیرانشورنس وغیرہ کے کسی وقت اچانک ایکسیڈنٹ میں تلف جان یا مال ہوجانے پر یا چوری وغیرہ پیش آجانے پر کمپنی یا حکومت غرض جوکوئی بھی ازخودرقم دے وہ دیناد ینے والے کا ازخود دینا ہوگا جوتبرع ہوگا اوراس کا لے لینا اور اپنے استعمال میں لانا مباح رہے گا اورتلف جان کی شکل میں اورمنجانب حکومت ملنے میں دیت یا خون بہا کی شکل قرار دینے میں بھی اباحت کا یہی حکم باقی رہے گا جوابھی مذکورہوا۔ "هذاماعندی من الشرع الشریف فإن کان حقا وصحیحاً فمن الله والحمد لله علیه وإن کان غیر حق أوغیر صحیح فمنی ومن نفسی وما أبرئ نفسی فعلی الله التکلان وهو الملهم للصواب"، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۶/۸/۱۴۰۷ھ

۱- سورۃ انفال: ۵۳۔

باب الرشوۃ

بحالت مجبوری رشوت دینا کیسا ہے؟

ایک شخص مسلم پی، ڈبلو، ڈی انجینئر، اس کا ایک کلرک بھی مسلمان ہے، وہ دو تین اہل ہنود کو اور اپنے کو رشوت دلانے کے لئے دو تین مسلم ٹھیکیداروں سے جو نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور اپنے کو شریف مسلمان بھی سمجھتے ہیں اور ان کے علاوہ دو تین ہندو ٹھیکیدار بھی ہیں، ان سبھی اشخاص ٹھیکیداروں سے مسلم انجینئر اور اس کا کارکن ٹھیکہ دیتے وقت ایسا اسٹیمیٹ بناتے ہیں کہ محکمہ کا آدھا روپیہ ٹھیکیدار اور یہ کارکنان مل کر کھا جاتے ہیں، جب کہ محکمہ اچھی خاصی تنخواہ دیتا ہے کہ سادگی کے ساتھ رہ کر سادہ کھانا کھا کر بسر اوقات کر سکتا ہے، لیکن یہ سب فضول خرچی اور عیاشی میں مبتلا ہیں اور یہ سب افعال رشوت کی بنا پر ہیں، اگر کوئی شخص ان لوگوں کو رشوت لینے سے منع بھی کرے تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم وقت کے ساتھ چل رہے ہیں، ایسا نہ کریں تو ہمارا گذارہ نہ ہوگا۔

نسیم احمد (قصبہ دھام پور بجنور)

الجواب وباللہ التوفیق:

راشی، مرتشی یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم کی آگ میں جلیں گے، اور ساتھ ساتھ جس کا حق اس سلسلے میں تلف ہوگا اس کا وبال بھی ان پر پڑے گا، دنیا میں بھی بے برکتی، ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی، ایسے لوگ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوجاتے ہیں، اب انسان خود دیکھ لے، ایک پلہ میں آخرت کا نقصان رکھے، اور ایک پلہ میں دنیا کی چند روزہ پریشانیاں رکھ لے، پھر خود موازنہ کرے، دیکھ لے کہ کس کو اختیار کرنا چاہیے، دنیا کی پریشانی یا آخرت کی پریشانی، ظاہر ہے کہ آخرت کی تھوڑی پریشانی بھی دنیا کی ساری پریشانیوں سے بڑھ کر اور سخت ہے۔ باقی اگر اپنا جائز حق لینا

بغیر رشوت دیئے حاصل نہ ہوسکے تو رشوت دیدے، اور رشوت دینے والا گنہ گار نہ ہوگا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴/۱/۱۴۰۱

ظلم وضرر سے بچنے کے لئے رشوت دینا:

آجکل عام طور پر شہروں اور قصبات وغیرہ میں جائز اور حلال طریقہ پر کسی بھی کاروبار کرنے کے راستہ میں مقامی یا دیگر سرکاری محکمہ کے ارکان نت نئی بندشیں اور رکاوٹیں عائد کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں جبکہ ان کے اس اقدام کی حمایت میں قوانین بھی کچھ اس قسم کے رائج ہیں جو حقیقۃً ظلم اور زیادتی پر مبنی ہیں، اب ایسی صورت میں اپنے کاروبار یا تجارت کو باقی رکھنے کی خاطر اگر انکو کچھ رقم یا بطور تحائف کچھ اشیاء وغیرہ دی جایا کریں جبکہ بغیر اس کے چارۂ کار نہ ہو اور نقصان کا احتمال ہو تو کیا یہ رشوت ہے اور شریعت میں رشوت کے کیا معنی ہیں۔

الجواب وبا اللہ التوفیق:

ظلم اور ضرر دفع کرنے کی مجبوری میں رشوت دینا جائز ہے، "**الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنفع وهو حرام على الآخذ**" (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۵/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

۱- "الضرورات تبيح المحظورات" (الأشباه والنظائر مع شرح الحموی، ص ۱۰۸) "الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب انتهى" (فتاویٰ شامی ۴/۲۱۶)۔ "الراشی والمرتشی فی النار" ان الفاظ کے ساتھ سیوطی نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت طبرانی فی الصغیر کی طرف کیا ہے، (الجامع الصغیر مع شرحہ فیض القدیر ۴/۳۳) اس کے علاوہ سنن ابوداؤد ۳/۳۰۰ کتاب الاقضیہ باب فی کراہیۃ الرشوۃ حدیث ۳۵۸۰ میں ان الفاظ میں مذکور ہے "عن عبد الله بن عمرو قال: لعن رسول الله ﷺ الراشی والمرتشی"۔ "عن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله ﷺ: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبیٰ (مشکوۃ المصابیح / ۲۵۵)۔

۲- شامی ۸/۳۵ کتاب القضاء۔

حج کے لئے رشوت دینا:

موجودہ دور میں حج پر جانے اور واپس آنے پر خواہ سامان ہو یا نہ ہو بغیر رشوت کے بہت مشکل ہوتا ہے اگر رشوت دیدی تو چھوڑ دیا جاتا ہے ورنہ پریشان کرتے ہیں اور شریعت رشوت دینے کو ناجائز کہتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں کیا صورت اختیار کریں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حتی الوسع رشوت دینے سے بچنا چاہئے اور مجبوری میں دفع ظلم کے لئے اس کی گنجائش ہے، "**واعطاء شئ لمن یخاف ھجوہ ولو خاف الوصی ان یستولی غاصب علی المال فلہ أداء شئ لیخلصہ کما فی الخلاصہ**" (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۱۱/ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفی عنہ

اپنا حق وصول کرنے کے لیے رشوت دینا کیسا ہے؟

مسئلہ ذیل کی وضاحت مطلوب ہے! ابوبکر کی زمین زید ہڑپنا چاہتا ہے، تو کیا ابوبکر کچھ رشوت دے کر اپنی زمین کو نہ ہڑپنے دے، جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اپنا جائز حق اگر بغیر رشوت دیئے نہ حاصل ہو تو رشوت دے کر اپنا حق حاصل کر لینے کی گنجائش رہتی ہے، البتہ رشوت لینے والا ہر حال میں گنہگار رہے گا، "**دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولاستخراج حق لہ لیس برشوۃ یعنی فی حق الدافع**" (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۸/ ۱۴۱۱
الجواب صحیح: حبیب الرحمن خیرآبادی، محمد ظفیر الدین مفتاحی، کفیل الرحمن

۱- الاشباہ والنظائر القاعدۃ الرابعۃ ص ۲۴۹، مطبوعہ دارالعلوم دیوبند۔
۲- ردالمحتار ۵/ ۲۷۲۔

باب الرہن

مرتہن کے لئے شئ مرہون سے فائدہ اٹھانا:

زید نے اپنا کھیت بکر کے پاس رہن رکھا، بکر اس میں کاشت کر کے فائدہ اٹھاتا ہے جس کی وجہ سے زید کولگان، یعنی مالگزاری دیتا ہے، اور رہن شدہ مکان میں رہتا ہے اور اس کا کرایہ دیتا ہے، تو کیا بکر کا مکان میں رہنا اور کاشت کرنا جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر رہن شدہ کھیت کا لگان اتنا دیتا ہو، جتنا کہ ایک تیسرا آدمی (جس نے روپیہ نہ دیا ہو) دیتا ہے، اور پھر راہن کو اختیار بھی دیدیا ہو کہ تم جب چاہو گے ہم کاشت کرنا روک دیں گے، اسی طرح مکان کا کرایہ بھی اتنا دیتا ہو جس میں رہن کے دباؤ کا شبہ نہ ہو، اور راہن کو تخلیہ کا اختیار بھی دے رکھا ہو تو کاغذی اندراج کے ماتحت اگر چہ یہ معاملہ رہن کا ہے مگر شرعاً رہن کا معاملہ ہو کر اجارہ کا ہو جائے گا اور جائز رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۹/۱۸ ۱۴ھ

مدت متعینہ کے بعد شئ مرہون، مرتہن کی ہو جائے گی یہ شرط عقد رہن کے خلاف ہے:

کچھ اشخاص نے دوسرے اشخاص کے پاس چار ہزار روپیہ میں ساٹھ سال یا کچھ سال کی مدت کے لئے اپنی زمین گروی رکھی اور یہ شرط طے پائی کہ جتنے سال کی مدت مقرر ہوئی ہے اس مدت کے اندر رہن گروی زمین کو واپس چھوڑانی ہوگی، اگر مدت گزر گئی تو مرتہن (گروی لینے والا) زمین کا مالک بن جائے گا اور راہن (گروی دینے والے) کا کوئی حق نہیں رہے گا۔

(الف) کیا اس شرط کے مطابق مدت گزرنے پر مرتھن (گروی لینے والے) کے ورثہ جو اس وقت بقید حیات ہیں، رہن کے خریدار سمجھے جائیں گے یا مرتھن (گروی لینے والے) کے روپیہ کی سلامتی کے لئے زمین کو رہن (گروی) رکھنا درست سمجھا جائے گا۔

(ب) رہن گروی رکھی ہوئی زمین کو دنیوی شرط و قانون کے مطابق راہن گروی دینے والے کو نہ واپس کرنا اور احکام خداوندی و قانون قدرت کے مقابلہ میں دنیا کے قانون کو ترجیح دینا اور خدا کے احکام کا انکار کرنا، جھٹلانا اس پر کیا وعید ہے، کیا ایسی زمین مغصوب (لوٹی ہوئی) حرام ہوگی؟

(ج) اپنی دنیاوی اغراض کے لئے شرعی احکام کے خلاف کرنا، راہن (گروی دینے والے) کو زمین واپس لوٹانے سے روکنا یا جان بوجھ کر جھوٹا بہانے بنانا اور شرعی احکام کے ساتھ چالاکی کرنا اس پر کیا وعید ہے۔

(د) مرتھن (گروی لینے والے) کے ورثہ یا خریدار نے یہ ہوئی زمین دوسرے اشخاص کو فروخت کردی تو ان خریداروں کے لئے یہ زمین حلال ہوگی نیز ایسی زمین میں نماز صحیح ہوگی کب تک اس زمین میں نماز درست نہ ہوگی اس کا گناہ کن کن لوگوں پر کس حد تک رہے گا۔

(ھ) شرعی احکام کے مطابق رہن (گروی) رکھی ہوئی زمین راہن (گروی دینے والے) کو واپس لوٹائے بغیر مرتھن گروی لینے والے کے ورثہ کی توبہ قبول ہوگی ایسے اشخاص کی توبہ قبول ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں مرتھن (گروی لینے والے) کے کہاں تک کے ورثہ گناہ میں شریک شمار ہوں گے۔

حسین ابراہیم

الجواب وبالله التوفيق:

جو چار ہزار روپیہ میں زمین رہن رکھا ہے یہ جائز اور درست ہے لیکن اس نے جو شرط لگائی کہ اگر مدت گزر گئی تو مرتھن زمین کا مالک بن جائے گا، یہ شرط غلط ہے، عقد رہن کے تقاضہ کے خلاف ہے، لیکن اسکے باوجود عقد رہن درست و باقی رہے گا، کیونکہ عقد رہن اس قسم کے شرط لگانے سے بیع کی طرح فاسد نہیں ہوتا ہے یعنی بیع جس طرح شرط فاسد سے فاسد ہوجاتی ہے رہن اس طرح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے، ''ہدایہ'' کے حاشیہ میں ہے:

"ولو تفرق الرهن بتفرق التسمية لا يتضرر بالراهن (الى قوله وهو شرط فاسد والبيع يفسد

به أما الرهن فلا يفسد بالشرط الفاسد لانه تبرع كالهبة"(۱)، لہٰذا یہ عقدِ رہن اسی قاعدہ کے تحت "**كل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الإستحقاق يفسده**" (۲) داخل ہو کر فاسد نہیں ہوگا جب یہ عقد صحیح ہوگیا تو جب تک دین کی پوری ادائیگی نہ ہوگی مرتہن کے ہاتھ میں یہ زمین بطور رہن ہی رہے گی، "عنایہ" میں ہے:

"**الرهن يبقىٰ مضمونا ما دام القبض والدين باقيا**" (۳)۔

اور عقدِ رہن کسی کے نزدیک چاہے راہن ہو یا مرتہن باطل نہیں ہوتا ہے، شامی میں ہے: "**الرهن لايبطل بموته (الراهن) ولا بموت المرتهن**"(۴)۔

لہٰذا مرتہن کے انتقال کر جانے سے ان کے ورثاء کے ہاتھ یہ زمین بطور رہن ہی رہے گی اور اس کو بیچنا یا اور کوئی تصرف کرنے کا یا اس سے انتفاع حاصل کرنے کا کچھ بھی مرتہن کے ورثہ کو حق نہیں اگر کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا، "شامی" میں ہے:

"**لا يحل له (للمرتهن) ان ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن لأنه أذن في الربوا لأنه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربا وهذا أمر عظيم**"(۵) اور فتح القدیر (۶) میں ہے: "**وليس للمرتهن أن ينفع بالرهن وليس له أن ينتفع لانه ليس له ولاية الانتفاع بنفسه فلا يملك تسليط غيره عليه فان فعل كان متعديا ولا يبطل عقد الرهن بالتعدى**"۔

اس سے نمبر الف کا جواب آگیا کہ شرط کے مطابق مدت گزرنے سے مرتہن کے ورثاء کو جو بقید حیات ہیں زمین کا خریدار سمجھا نہیں جائے گا بلکہ زمین کو شرعاً رہن ہی سمجھا جائے گا مثلاً نیز اس سے نمبر (د) کا بھی جواب معلوم ہوگیا کہ مرتہن کے ورثاء کو وہ زمین دوسرے اشخاص کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں اور نہ یہ درست ہے، اگر فروخت کر دیا ہے تو یہ راہن

۱- حاشیہ ہدایہ ۴/ ۵۳۵، مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

۲- ہدایہ ۳/ ۱۳۴۔

۳- عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۸/ ۲۰۱ مطبعۃ الکبریٰ، الامیریہ بمصر، اور الدرالمختار میں ہے: "**حكم الرهن الحبس الدائم حتى يقبض دينه**" (الدرالمختار ۶/ ۲۶۶-۲۶۷۔ الرد المحتار مع الدر ۱۰/ ۹۱، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۴- شامی ۵/ ۳۴۶۔

۵- شامی ۵/ ۳۴۷۔

۶- ہدایہ ۴/ ۵۲۲، مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔ یہ عبارت علامہ ابن الہمام کی نہیں ہے فتح القدیر کا حوالہ دینے میں تسامح ہے۔

کے اختیار پر موقوف رہے گا اگر راہن اجازت دیدے تو بیع فاسد ہوگی اور اگر راہن چاہے تو اس بیع کو ختم کر کے زمین کو واپس لے لے تو اس کا بھی اس کو حق ہے، ''شامی'' میں ہے:

''**وکذا توقف علی اجازۃ الراھن بیع المرتھن فإن اجازہ جاز وإلا فلا ولہ أن یبطلہ ویعیدہ رھنا**'' (۱)، یعنی اگر راہن نے اجازت دیدی تو بیع صحیح ہونے کی وجہ سے خریدار کے لئے وہ زمین حلال ہوگی اور اگر راہن کی اجازت کے بغیر جبراً قبضہ کر رکھا ہے راہن کو دیتا نہیں تو اس زمین میں نماز مکروہ ہوگی، ''الدر المختار'' میں ہے:

''**تکرہ الصلوۃ فی الکنیسۃ (الی قولہ) فی الصلواۃ فی الأرض المغصوبۃ**'' (۲) ''**وقال الشامی: فالصلوۃ فیھا مکروہ تحریماً فی قول**'' (۳)۔

لہٰذا یہ زمین جب تک ایسے حالات میں رہے گی اس میں نماز مکروہ ہوگی اور مرتہن کے ورثہ جو اس زمین کو بیچنے والے ہیں اگر وہ معاملہ کی صفائی نہ کریں تو وہ گنہگار رہیں گے اور اگر زمین کے خریدنے والے ہی معاملہ کی صفائی کرنے نہ دیں جس پر اس زمین کو واپس کرنا لازم تھا، جیسے ''شامی'' میں ہے:

''**الحاصل أنہ إن علم ارباب الأموال وجب ردہ علیھم وإلا فإن علم عین الحرام لایحل لہ**'' (۴) تو وہ بھی گناہ میں شامل ہوں گے۔

جواب: (ب، د، ج) شئی مرہون کی قیمت عموماً دین سے زائد ہوتی ہے اور جو زائد ہوتی ہے وہ مرتہن کے ہاتھ امانت ہوتی ہے، ''ہدایہ'' میں ہے: ''**لأن الزیادۃ علی مقدار الدین أمانۃ**'' (۵)، ص ۵۰۶ ج ۴ فتح القدیر میں ہے:

''**وإن کانت قیمۃ الرھن أکثر فالفضل أمانۃ فی یدہ**'' (۶)۔

۱- شامی ۵/ ۳۵۰۔

۲- الدر المختار علی حاشیہ رد المحتار ۱/ ۳۵۳۔

۳- شامی ۱/ ۳۵۴۔

۴- شامی ۴/ ۱۸۰۔

۵- ہدایہ ۴/ ۵۲۲ مکتبہ اشرفیہ۔

۶- (قدوری ص ۸۸ مکتبہ امدادیہ دیوبند۔ ہدایہ ۴/ ۵۱۹، فتح القدیر کا حوالہ دینے میں تسامح ہے)۔ فی یدہ (ای فی ید المرتہن) ص ۱۹۸ ج ۸ جس کو بحکم خداوندقدوس لوٹانا فرض ہے قرآن کریم میں ہے: "ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الا منٰت الی اھلھا" (سورۂ نساء ۵۸) اور چونکہ اس میں تجزی نہیں ہوتی "کما فی الھدایۃ: الرھن اضیف الی جمیع العین وھلاما لا یقبل الوصف بالتجزی فصار محبوسا لکل واحد" (ص ۵۱۹ ج ۴)، اسلئے پوری زمین کو واپس کرنا جب راہن قرضہ (دین) ادا کرے تو ضروری ہے ورنہ وہ زمین مغصوبہ حرام ہوگی، حدیث شریف میں ان لوگوں

اور دنیوی قانون کو احکام شرع پر ترجیح دینا اگر اصلاً ہے تو فقہاء نے اس کے بارے میں من احسان الدین فقد کفر جیسی وعید کا حکم بیان فرمایا ہے اور قرآن کریم میں بھی مختلف وعیدیں آئی ہیں فرمایا ہے: **"ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الكافرون"** (۱)، دوسری آیت میں ہے: **"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون"** (۲)، اور ایک دوسری آیت میں ہے: **"ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الفاسقون"** (۳)، اسی طرح دینوی اغراض کے لئے شرعی احکام میں جھوٹے بہانے بنانا گناہ ہے۔

جواب: (ھ) جن لوگوں نے شئی مرھون میں بیع وغیرہ خلاف شرع کام کر لئے ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اس معاملہ کو شریعت کے مطابق صاف کرلیں، یعنی راھن کو ان کا حق ادا کر کے راضی کرلیں یا معافی تلافی کرلیں شرح فقہ اکبر میں ارکان توبہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "إن أركان التوبة ثلاثة" (۴)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/ ۲/ ۱۴۰۲ھ

کے لئے جو اس طرح ظلماً قبضہ کئے ہوئے ہوتے ہیں سخت وعید ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے: "عن سعيد ابن زيد قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين" (متفق علیہ ص ۲۵۴)۔

۱- سورۂ مائدہ ۴۴۔

۲- سورۂ مائدہ ۴۵۔

۳- سورۂ مائدہ ۴۷۔

۴- (۱) "الندامة على الماضي (۲) والاقلاع في الحال (الى قوله) وان كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الاموال فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالیٰ على الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال بان يتحلل منهم اويردها اليهم" (شرح فقہ الاکبر ۱۴۴ ص ۱۴۴، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر)۔

باب الھبہ

شوہر کا کہنا مکان اور سب مال میری بیوی کا ہے کیا یہ ہبہ ہے؟

زید نے اپنی بیوی خالدہ بیگم کے متعلق اپنی زندگی میں چند مرتبہ لوگوں کے سامنے بار ہا یہ کہا کہ یہ گھر بھی تمہارا ہے اور سب کچھ تمہارا ہے اور یہ کہا کہ یہ مکان بھی میری بیوی کا ہے اور سب مال میری بیوی کا ہے، ایک عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، انتقال کے وقت زید کے ہوش وحواس بالکل درست تھے، لیکن بیماری کی وجہ سے رجسٹری بند ہونے کی بنا پر بیوی کے نام ایک اقرار نامہ بشکل بیع نامہ لکھ دیا، بیماری کی وجہ سے دستخط نہ کر سکا انگوٹھا لگا دیا، سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں مکان اور متروکہ مال کی وارث صرف بیوی ہوگی یا شوہر کے دوسرے بھائی بھی وارث ہوں گے کیونکہ بیوی نے زید کی حیات ہی میں کافی مال چند اشخاص کے پاس بطور امانت رکھ دیا تھا۔

حافظ نور احمد عرف کن (کیرانہ ضلع مظفر نگر، یوپی)

الجواب وبالله التوفيق:

بیوی کے بارے میں شوہر کا محض یہ کہنا (یہ گھر بھی تمہارا ہے اور سب کچھ تمہارا ہے یا یہ کہنا کہ یہ مکان بھی میری بیوی کا ہے اور سب مال میری بیوی کا ہے) اثبات ہبہ کے لئے کافی نہ ہوگا، ہاں اگر اس کہنے کے وقت عقد ھبہ کے الفاظ بھی بول دیا ہو، یا پہلے اس کے ھبہ کر چکا ہو اور اس کی اس وقت وہ خبر دے رہا ہو اور بعد اس ہبہ کے مکان اور سامان کو اپنے قبضہ دخل سے نکال کر بالکل بیوی کے قبضہ دخل میں دے چکا ہو تو اس صورت میں یہ مکان اور سب سامان تنہا بیوی کا ہوگا، اور شوہر کا متروکہ شمار نہ ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو یہ ہبہ غیر مقبوض اور غیر تسلیم شدہ ہو کر غیر مفید اور بیکار ہوگا اور زید ہی کا ترکہ شمار ہو کر حسب تخریج شرعی سب ورثہ شرعی پر تقسیم ہوگا کما یوخذ من ھذہ العبارۃ أیضاً "ولو وھب داراً دون ما فیھا من

متاعہ لم یجز"(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۳/۲/۱۴۰۱ھ

کیا اقرارنامہ یا حلف نامہ باعث ملک ہے:

تقریباً پندرہ سولہ سال کا عرصہ ہوا کہ زید کے والد نے ایک حلف نامہ کا اقرارنامہ نوٹری ٹکٹ لگا کر اور ایک بیع نامہ بھی لکھدیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم نے اپنے آٹھ لڑکوں کو مکان، کاروبار گرہستی کا مالک بنایا، آج سے برابر کے حقدار ہیں، ایک لڑکا آٹھوں میں سے ۱۹۷۰ء میں علیحدہ ہونے لگا اس وقت تقریباً دو سو کرگھا تھے۔ علیحدہ ہونے والے سے والد اور بڑے بھائی نے کہا آپ صرف دو کرگھا لیں اس لئے کہ آپکو کوئی تجربہ نہیں اور جو کچھ تمہارا شرعی حصہ ہے دیدیا جائے تو تم محفوظ نہیں رکھ سکتے لیکن تمہارا حصہ کچھ مہینے بعد ہم دیں گے، علیحدہ ہونے والے کے اصرار پر بڑے بھائی نے چند پنچان کو جمع کیا جن کی موجودگی میں والد صاحب اور بڑے بھائی نے کہا کہ یہ دو کرگھا لیکر علیحدہ ہوجائیں، چار پانچ ماہ بعد انکا شرعی حق اور حصہ دے دیں گے، دو کرگھا کے سامان کی قیمت اور عیدالفطر کے مصارف اور کھانے پکانے کے سامان کی قیمت مجموعی دو ہزار چھ سو پچیس روپئے علیحدہ ہونے والے کو ملے، دریافت طلب یہ ہے کہ علیحدگی کے وقت ۱۹۷۰ء میں جو اثاثہ جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ تھی اس حساب سے شرعی حصہ ملے گا یا ۱۹۸۰ء میں جو پوزیشن ہے اس اعتبار سے؟ بینوا توجروا

نوٹ: اگر زید کے اقرارنامہ کے بعد والد نے دوبارہ زید کی عدم موجودگی میں دوسرا اقرارنامہ صرف سات لڑکوں کو لکھدیا تو کیا اقرارنامہ صحیح ہے؟ اور زید اپنے حق و حصہ سے محروم ہوجائے گا۔

شمس الدین

الجواب وباللہ التوفیق:

پندرہ سولہ سال قبل والد نے جو اقرارنامہ یا حلف نامہ لکھا کہ (ہم نے اپنے آٹھ لڑکوں کو مکان کاروبار الخ) تو اس تحریر کو اگر ہبہ کہا جائے تو چونکہ تخلیہ وتفویض وافراز یعنی بعد ہبہ ہر لڑکے کا حصہ تقسیم کر کے اپنے قبضہ اور دخل سے نکال کر الگ الگ ان لڑکوں کے قبضہ دخل میں نہیں دیا، اس لئے یہ ہبہ شرعاً غیر مفید وغیر نفع بخش رہا(۲)، اور اگر اس تحریر کو وصیت نامہ کہا

۱- ردالمحتار علی الدرالمختار ۸/ ۴۹۳۔

۲- "وتتم الھبۃ بالقبض الکامل" (درمختار مع ردالمحتار ۸/ ۴۹۳)۔

جائے تو حدیث پاک "لا وصیة لوارث" (۱)، اَوکما قال کے تحت یہ وصیت بھی صحیح نہیں، اسی طرح بعد میں جو دوسری تحریر زید کی عدم موجودگی میں لکھا ہے اگر وہ بھی اسی قسم کی ہے جو اوپر والی ہے تو وہ بھی شرعاً غیر نافع اور بیکار ہے بلکہ شرعاً والد تمام املاک وکاروبار کا مالک ہے اور سب املاک وکاروبار والد کے انتقال کے بعد حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا اور تمام لڑکے بشمولیت زید برابر کے حق دار رہیں گے۔

اور حق وارث بعد موت مورث متحقق ہوتا ہے پہلے نہیں، البتہ دوکرگھا کے سامان وغیرہ کی قیمت جس کا مجموعہ دوہزار چھ سو پچیس روپئے ہوئے ہیں اس کا مالک تنہا زید ہوگیا اور اس دوکرگھا پر جتنی ترقی ہوگی اور اس کے ذریعہ جتنا اضافہ ہوگا اس کا تنہا زید مالک ہوگا (۲)، لہذا ایسی صورت میں ۷۷ء اور ۸۰ کی قیمت وحیثیت کے فرق کی کوئی بحث ہی نہ پیدا ہوگی، فقط واللہ تعالی اعلم

نوٹ: زید کے الگ ہوجانے سے زید اپنے باپ کے ترک کی وراثت سے محروم نہ ہوگا (۳)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور ۱۹/۳/۱۴۰۱ھ

ہبہ میں ملکیت کے لئے قبضہ شرط ہے:

مرحوم نے مندرجہ ذیل اولاد چھوڑی تو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کس طرح تقسیم ہونی چاہئے۔

محمد جان مرحوم

۱۔ لڑکی	۲۔ لڑکی	۳۔ لڑکی
آمنہ بی	مغلانی بی	نورجہاں عرف مکو بی
محمد دین لڑکا	مغیث الرحمن	بہن بھائی

محمد جان کی لڑکی۔ ۲ کا انتقال انکی حیات میں ہوا اور اپنا لڑکا مرحومہ نے خدا کو درمیانی رکھکر والد کے سپرد کیا، اس

۱- "عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله قد أعطى لكل ذي حق حقه فلا وصية لوارث.... الحديث" (سنن الترمذی ۴/۳۳۳ باب ماجاء لا وصیة لوارث حدیث نمبر ۲۱۲۰، ۲۱۲۱)۔

۲- کیونکہ اس علیحدہ کردہ حصہ پر اس کا قبضہ پایا گیا" وتتم الهبة بالقبض الكامل" (درمختار مع ردالمحتار ۸/۴۹۳)۔

۳- "ما يستحق به الإرث شيئان: النسب والسبب، فالنسب على ثلاثة أنواع المنسوبون إليه وهو الأولاد" (البحر الرائق ۹/۳۶۵)۔

کی پرورش کی پوری پوری ذمہ داری کا عہد لیا، چنانچہ انہوں نے بحیثیت والد کے اس بچے کی پرورش کی اور تاحیات اپنے سے جدا نہ کیا حتی کہ اپنی حیات میں اپنی جائیداد غیر منقولہ تقسیم کی جس میں اس لڑکے کو بھی پورا پورا حصہ دیا اور اپنے عہد کو فرض اولین ہمیشہ سمجھا بعد ازاں محمد جان کے انتقال کے وقت لڑکا موجود نہ تھا اور لوگوں نے دو روز بعد اطلاع دی چنانچہ جب تک پہنچتا، تمام تر فیصلہ مکمل کر کے لڑکے کو جائیداد غیر منقولہ سے محروم کردیا جاتا ہے جب کہ مرحوم نے اپنی حیات میں اس کو جائیداد غیر منقولہ پر قابض کردیا تھا اور ہمیشہ ساتھ رکھا کرتے تھے، کیا بروئے شرع کوئی حق پہنچتا ہے یا پھر ان دونوں بہنوں پر تقسیم مساوی ہوگی تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

مجیب الرحمٰن منصوری و محمد دین (۱۰۴۳ گلی راجان فراش خانہ دہلی)

الجواب وباللہ التوفیق:

جتنی جتنی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ محمد جان نے تقسیم کر کے اپنے عیال میں سے جس جس کو بالغ ہونے کے بعد دی ہے اور قبضہ کرادیا ہے یا بالغ ہونے سے پہلے دی ہے اگر چہ قبضہ نہ کرایا ہو تو اتنی اتنی جائداد ان افراد میں سے ہر ایک کی ملک ہے، ان میں سے کسی فرد کو اس کے حق و ملک سے محروم کرنا ناجائز ہے، پس مغیث الرحمٰن کو اس کی نابالغی کے زمانہ میں جتنی چیزیں ہبہ کر کے دیدی گئیں اگر چہ اس پر مغیث الرحمٰن کا قبضہ نہیں کرایا تھا اور اپنے قبضے سے نہیں نکالا تھا جب بھی وہ مغیث الرحمٰن ہی کی قرار پائیں گی اور جو چیزیں بالغ ہونے کے بعد مغیث الرحمٰن کو دے کر قبضہ بھی کرادیا ہے وہ بھی مغیث الرحمٰن کی ہوگئیں ان چیزوں سے اس کو محروم کرنا جائز نہیں ظلم ہے۔

بقیہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ محمد جان کا ترکہ ہے جو اس کے ورثاء کے درمیان حسب قاعدہ شرعیہ تقسیم کیا جائے گا، لہذا اگر محمد جان کے پس ماندگان یہی مذکورہ افراد ہیں تو یہ ترکہ آمنہ بی اور نور جہاں عرف مکو بی کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا یعنی حقوق مقدمہ علی الارث (جیسے قرضہ اور وصیت وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد ترکہ دو سہام پر منقسم ہو کر ایک سہام آمنہ بی کو اور ایک سہام نور جہاں عرف مکو بی کو ملے گا اور اس ترکہ میں سے مغیث الرحمٰن کو کچھ نہیں ملے گا۔

"وهبة من له ولاية على الطفل وهو كل من يعوله فدخل الأخ والعم عند عدم الاب لو في عيالهم تتم بالعقد الخ" (الدر المختار علی ہامش الطحطاوی ۴/ ۳۹۸)(۱)۔

۱- الدر المختار مع رد المحتار ۸/ ۴۹۸، ۴۹۹، "وفيه: وهبة من له ولاية على الطفل في الجملة وهو كل من يعوله .... الخ وفي

"وقوله على الطفل اخرج به الولد الكبير فان الهبة لا تتم الا بقبضه ولو كان في عياله" (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۴/ ۳۹۸)(۱)۔

"والظاهر أن القول في أنه لا يشترط عدم الأب في الهبة الصادرة من الأجنبي يأتي هنا والمراد بالأب من له ولاية التصرف في ماله" (حوالہ بالا ۴/ ۳۹۸)(۲)۔

"ولو قبض له من هو في عياله مع حضور الأب قيل: لا يجوز وقيل: يجوز والصحيح الجواز الخ" (۴/ ۵۱۳)(۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۳/ ۴/ ۱۴۰۱ھ

زندگی میں اپنی تمام جائداد اپنے لڑکوں کولکھ دینا:

مسمی برساتی میاں کے تین لڑکے مسمیان ڈومن، علی حسین اور محمد حسین تھے تینوں شادی شدہ تھے۔ برساتی میاں نے اپنی زندگی میں اپنی ساری جائداد منقولہ وغیر منقولہ انہی تینوں لڑکوں کو بذریعہ دستاویز رجسٹری ہبہ کرکے مالکانہ حیثیت کردی تھی، برساتی میاں کی موجودگی میں پہلے ڈومن بعد ازاں علی حسین دولڑکے قضا کر گئے، اس دوران تیسرے لڑکے محمد حسین جو بقید حیات تھے کی بیوی کا انتقال بھی ہوگیا، مسمی ڈومن مرحوم کی بیوی مساۃ صبیحن کے بطن سے دولڑکیاں اور ایک لڑکا مسمی دوست محمد نابالغ تھا اور مسمی علی حسین کی بیوہ معصومہ کے بطن سے ایک لڑکا محمد شفیع کمسن تھا۔

چوں کہ برساتی میاں کی مذکورہ بالا دونوں بہویں مساۃ صبیحن ومساۃ معصومہ بیوہ ہوچکی تھیں اوردونوں ابھی نوجوان عقد ثانی کے قابل تھیں اوردونوں کے بچے پرورش کے محتاج تھے اور برساتی میاں ایک بڑے دولت مند کاروباری آدمی تھے

ردالمحتار تحت قوله "في الجملة": أي ولو لم يكن له تصرف في ماله۔ الدرالمختار علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۳/ ۳۹۸ میں بھی اسی طرح ہے۔

۱- حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۳/ ۳۹۸، وفی ردالمحتار تحت قولہ "علی الطفل" فلو بالغا يشترط قبضه ولو في عياله" (۸/ ۴۹۹)۔

۲- حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار ۳/ ۳۹۸، وفیہ: والظاهر أن القول الصحيح الآتي في أنه ...... الخ"۔

۳- وفی ردالمحتار علی الدرالمختار ۸/ ۵۰۰، "قلت: لكن في البرجندي: اختلف فيما لو قبض من يعوله والأب حاضر فقيل لا يجوز والصحيح هو الجواز"۔

اور گھر میں ہر طرح کی خوشحالی تھی انہوں نے دونوں بہو کا نکاح (عقد ثانی) اپنے تیسرے لڑکے محمد حسین کے ساتھ کر دیا تاکہ دونوں بہویں بچوں کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ عقد کر کے نہ جانے پائیں۔ بچوں کو لے کر رہ جاویں سب کی پرورش ایک ساتھ ہو دونوں بھائیوں کے مرنے کے بعد بر ساتی میاں بھی قضاء کر گئے اس کے بعد مسماۃ صدیقن کے بطن سے محمد حسین کے نطفے سے نبوت نذیر بعد از ان نبین اور آمنہ پیدا ہوئیں نبوت اور نبین بچپنے میں ہی گذر گئی نذیر اور آمنہ بقید حیات ہیں ان کے ماں باپ صدیقن و محمد حسین بھی چند سال ہوئے مر چکے ہیں۔

مسماۃ معصومہ جو محمد حسین کی بیوہ بھاوج بعد از اس منکوحہ دوسری بیوی تھی ان کے بطن سے محمد حسین کے نطفے سے صرف ایک لڑکا مسمی دین محمد پیدا ہوا چونکہ مسماۃ معصومہ کے میکے میں بجز ان کے بوڑھے سن رسیدہ باپ مسمی گوہر میاں کے اور کوئی نہ تھا۔ بوڑھی ماں بھی مر چکی تھی اس لئے باپ کی خدمت گذاری اور دیکھ بھال نیز باپ کی جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ کے حصول کے پیش نظر (جو گوہر میاں کو اپنے دونوں بھائیوں جھبو اور پیر بخش سے خانگی بٹوارہ کے بعد ملی تھی) اپنے دونوں لڑکے محمد شفیع ابن علی حسین مرحوم و دین محمد ابن محمد حسین کو لے کر کوپا گنج اپنے میکہ میں اپنے شوہر محمد حسین کے نان ونفقہ سے بے نیاز ہو کر رہنے سہنے لگی، دین محمد سات آٹھ سال کا تھا وہ بھی اپنی ماں معصومہ کے ساتھ ہے، اب لے دے کے گوہر میاں کے دونوں بھائیوں جھبو و پیر بخش سے جائداد بچانے کے لئے گوہر میاں نے اپنی ساری جائداد حسب تفصیل ذیل دو قطعہ مکان خام سفالہ پوش اور ایک قطعہ آراضی بشکل احاطہ دونوں نواسوں مسمیان محمد شفیع و دین محمد برادران اخیافی بذریعہ رجسٹری دستاویز ہبہ کر کے بخش دیا مگر جائداد موہوبہ مشترک مابین ہر دو برادران اخیافی تھی گوہر نے اپنی زندگی میں بٹوارہ نہیں کیا اور اسی دوران میں دین محمد (بن محمد حسین) کا جو محمد شفیع (بن علی حسین) کا اخیافی تھا انتقال بھی ہو گیا بعد از اں گوہر میاں و معصومہ و محمد شفیع اور ان کے چچا محمد حسین والد دین محمد یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے۔ اور جو جائداد غیر منقولہ محمد شفیع و دین محمد کو مشترک گوہر میاں نے ہبہ کیا تھا اس پر محمد شفیع کی اولاد قابض اور دخیل ہے اور اپنے کو بلاشرکت غیرے اس جائداد کی مالک تصور کرتی ہے۔

اب محمد نذیر اور آمنہ جو صدیقن کے بطن سے محمد حسین کی اولاد ہیں اور دین محمد کے علاتی بھائی بہن، دین محمد کی من جانب گوہر میاں کی موہوبہ جائداد پر دعویدار ہیں اور اپنا حق جتلاتے ہیں کہ دین محمد کی موہوبہ نصف جائداد موہوبہ منجانب گوہر میاں ہم کو ملنی چاہیے۔

اب علماء کرام و مفتیان عظام صورت مذکورہ بالا میں کیا حکم دیتے ہیں، کیا محمد نذیر اور آمنہ دین محمد کی جائیداد موہوبہ کے حقدار ہیں یا نہیں، ایک بات اور واضح کر دینا ضروری ہے کہ محمد شفیع ہی نے اپنے بھائی، گوہر اور ماں معصومہ اور برادر اخیافی

دین محمد کی تا زیست پرورش کی اور مر جانے پر ان کی تجہیز و تکفین پر مصارف بھی برداشت کئے۔ بینوا توجروا

حاجی حبیب اللہ، محبوب عالم، عبدالغنی (سبزی منڈی، مئو)

الجواب وباللہ توفیق:

اگر تحریر کردہ واقعات اس طرح ہیں جس طرح تحریر ہیں تو صورت مسئولہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ گوبر میاں کے ہبہ کرنے کے وقت اگر محمد شفیع و دین محمد دونوں نابالغ تھے اور اگر گوبر میاں ہی کے زیر کفالت وزیر تربیت تھے تو جتنی جائداد وچیزیں گوبر میاں نے ان دونوں کو ہبہ کیا ہے سب کے نصف نصف کے حقدار و مالک دین محمد و محمد شفیع ہو گئے (۱)، اور یہ الگ بات ہوگی کہ گوبر میاں نے اپنے بھائیوں کو محروم کرنے کی وجہ سے اگر ایسا کیا ہے تو وہ گنہگار ہوں باقی ہبہ میں اس سے فرق نہ پڑے گا، پھر دین محمد کے انتقال کے وقت چونکہ اس کے باپ محمد حسین زندہ تھے، اس لئے دین محمد کا سب ترکہ وحق تنہا محمد حسین کو ازروئے تخریج پہنچ گیا، پھر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ دین محمد کا انتقال محمد شفیع کے مرنے سے پہلے ہوا ہے پس یہ بات بھی صحیح ہے تو محمد حسین کا جتنا ترکہ وملکیت تھی سب تین برابر حصے ہوکر دو حصہ نذیر احمد کا حق ہوگیا اور ایک حصہ آمنہ کا حق ہوگیا، دین محمد کو جو کچھ گوبر میاں سے ملا تھا اس کا بھی یہی حکم ہوگا اور اس صورت میں محمد شفیع کا حق صرف گوبر میاں کی نصف جائداد کا ہوگا اور یہی نصف جائداد محمد شفیع کے لڑکوں کا حق ہوگا زائد کا حق نہ ہوگا اور محمد شفیع کا انتقال محمد حسین کے انتقال کے بعد ہوا ہے تو محمد حسین کا کل ترکہ پانچ برابر حصہ کر کے دو حصہ محمد شفیع کا حق ہوگا (۲) اور دو حصہ نذیر احمد اور ایک حصہ آمنہ کا ہوگا اور یہی حکم اس نصف جائداد و مال کا بھی ہوگا جو دین محمد کو گوبر میاں سے بذریعہ ملا تھا۔ غرض محمد شفیع کا جو کچھ حق ہوگا صرف وہی محمد شفیع کی اولاد کی طرف منتقل ہوگا نہ کہ گوبر میاں کا کل موہوبہ۔

(نوٹ) تا زیست بلا معاہدہ پرورش کرنے سے اور تجہیز و تکفین کے مصارف بلا کسی معاہدہ کرنے سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ یہ سب تصرف تبرع اور احسان شمار ہوگا جس کا بدلہ اور ثواب آخرت میں ملے گا دنیا میں اس کے

۱- ''وھبة من له ولاية علی الطفل فی الجملة وھو کل من یعوله فدخل الأخ والعم عند عدم الأب لو فی عیالھم تتم بالعقد لو الموھوب معلوماً وکان فی یده أو ید مودعه، لأن قبض الولی ینوب عنه'' (الدر المختار مع رد المحتار ۸/ ۴۹۸)۔

۲- سوال نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد شفیع معصومہ کے بطن سے اس کے شوہر اول علی حسین کے نطفہ سے ہے اور معصومہ کے بطن سے محمد حسین کے نطفہ سے صرف ایک لڑکا دین محمد ہے لہذا محمد حسین کے ترکہ سے محمد شفیع کیونکر وارث ہوگا البتہ سیاق سوال سے یہ لگتا ہے کہ محمد شفیع کا انتقال اس کی ماں معصومہ کے بعد ہوا ہے لہذا اس کی ماں کے ترکہ سے اس کو حصہ ملنا چاہئے جس کا جواب میں ذکر نہیں ہے

عوض کا مطالبہ نہیں کرسکتے (۱)۔

۲۔ اگر بوقت ہبہ دین محمد محمد شفیع (دونوں نابالغ نہ تھے تو حکم دوسرا ہوگا اس کو بھی لکھ کر پھر حکم شرعی معلوم کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۱/۳/۱۴۰۲ھ

موہوبہ جائداد میں سے حصہ کا مطالبہ:

زید مورث اعلی نے اپنی جدی جائداد کی ایک تہائی اپنی حقیقی بہن کو منتقل کردیا اور مابا قی ۲/۳ حصہ کو خالدہ لڑکی کے انکار کرنے پر دونوں لڑکوں کو دے دیا، کچھ دن بعد اپنی ۱/۳ حصہ پھوپھی نے بھی بڑے لڑکے عمر کو داماد ہوتے ہوتے ہبہ کردیا، اس صورت میں بڑے لڑکے (عمر کے پاس) کل جائداد کا ۲/۳ حصہ ہوگیا مابقیہ ۱/۳ حصہ چھوٹے بھائی بکر کو ملا تھا پاکستان جانے پر چھوٹے بھائی کے حصہ کو کسٹوڈین نے قبضہ کرلیا اور دو سال تک کل جائداد بچانے کی غرض سے مقدمہ چلا، اس میں تین سو پچاس روپیہ خرچ ہوئے آخر کار چھوٹے بھائی کا ۱/۳ حصہ میں نیلام ہوگیا جو بڑے بھائی عمر نے خرید لیا عمر تینوں حصہ کا مالک ہوگیا، بڑے بھائی عمر کے لاولد ہونے پر خالدہ اپنا حصہ لینا چاہتی ہے اس صورت میں خالدہ کو زرخرید جائداد میں سے بھی حصہ مل سکتا ہے یا کل میں سے اور خرچہ جو مقدمات وحصہ لینے میں صرف ہوئے وہ اس کے ادا کرنے کے بھی حقدار ہیں یا نہیں اور کس قدر اسوقت عمر کے لاولد ہونے کے وقت دو وارث ہوئے ایک بیوی دوسرے بہن خالدہ۔

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال صورت مسئولہ میں جب زید مورث علی نے اپنی زندگی ہی میں ایک تہائی بہن کو اور باقی ۲/۳ حصہ اپنے دونوں لڑکوں کو منتقل کردیا ہے، اس طرح زید کی بہن نے جو منتقل اپنی زندگی میں اپنے داماد عمر کو کی ہے اگر بذریعہ بیع کے ہے یا بذریعہ ہبہ کے ہے موہوب لہم کے قبضہ دخل کے ساتھ تو یہ سب منتقلیاں صحیح ونافذ ہوگئیں اور زید کی لڑکی کا حق ختم ہوگیا اب اس کا مطالبہ صحیح نہیں ہے نہ زرخرید میں سے نہ کل میں سے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۳/۱۱/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ

۱- ''أنفق بلا إذن الآخر ولا بأمر قاض فهو متبرع'' (رد المحتار علی الدر المختار ۹/۳۱۱)۔

بغیر تصدیق منتظم مدرسہ کے لئے زمین ہبہ کرانا:

عرصہ پندرہ سال کا ہوا چند مسلمان کاشتکاروں نے بسلسلہ گذر اوقات کچھ آراضی اپنے قریب کے دوسرے موضع میں ایک مسلمان زمیندار سے بطریق نذرانہ مبلغ پچاس روپیہ بیگھہ سے لی تھی، یہ آراضی کچھ بھومی دھری اور کچھ سرداری ہے، ایک سال تک لگان زمیندار نے وصول کیا، اس کے بعد نو سال تک سرکاری لگان ادا کر کے رسید حاصل کرتے چلے آرہے ہیں اور آراضی مذکورہ کو متواتر پندرہ سال سے وہ کاشتکار بوتے چلے آئے ہیں نہیں معلوم کہ کس بنا پر زمیندار لالچ میں کاشتکاروں کے نام خارج کرا کر عرصہ چار سال سے اپنا نام درج کرالیا ہے، لگان بھی اس کا چار سال سے کاشتکاروں کے نام نہیں آیا ہے، بلکہ زمین دار کے نام سے ہی کاشتکاران لگان ادا کرتے رہے لیکن جوتنا بونا متواتر کرتے رہے ہیں عدالت میں چارہ جوئی بھی کی گئی ہے اب بذریعہ نوٹس معلوم ہوا کہ زمیندار صاحب نے بغیر بے دخل قانوناً کرائے اس آراضی کو ایک مدرسہ اسلامیہ کے نام سے منتظم مدرسہ کے نام ھبہ کردیا ہے، منتظم مدرسہ ان کاشتکاروں کو بالکل علیحدہ کر کے آراضی کو اپنے قبضہ میں لیتا جاتا ہے۔ یہ آراضی ۸۰ بیگھہ ہے، ایسی صورت میں ان کاشتکاروں کو بڑی پریشانی ہوتی ہے، سرکاری قانون کے اعتبار سے ان کاشتکاروں کو کیا حق گنجائش ہے ایسی حالت میں شرعاً:

(الف) منتظم مدرسہ کا بغیر تصدیق کئے ہوئے اس آراضی کا ہبا نامہ کرانا درست ہے یا کہ نہیں؟

(ب) ان کاشتکاروں کو یہ آراضی چھوڑنی مناسب ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب وباللہ التوفیق:

پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ زمینداری ٹوٹنے کے بعد آراضیات پر حکومت کا استیلاء ہوگیا ہے اور تمام آراضیات زمیندار کی ملک سے نکل کر حکومت کی ملک قرار پا گئی، اب قانون حکومت کے مطابق جو شخص جس آراضی کا بھومی دھر یا سردار ہے وہ قانون حکومت کے مطابق اس پر قابض اور متصرف قرار پائے گا (کما ھو مبرہن فی مقامہ) پس اگر یہ کاشتکار ان مذکورین قانون حکومت کے مطابق ان آراضیات کے بھومی دھر یا سردار بن چکے ہیں اور زمیندار نے خداع اور دھوکہ دیکر یہ حرکتیں کی ہیں تو زمیندار کا ھبہ بالکل غیر درست ہے اور نا جائز ہے اور اس صورت میں منتظم مدرسہ کا ان آراضیات کو ان کاشتکاروں سے بے دخل کرانا بھی نا جائز اور غیر صحیح ہوگا۔ اور اگر یہ کاشتکاران اب تک من جانب حکومت بھومی دھر یا سردار نہیں بن سکے ہیں بلکہ زمیندار ہی منجانب حکومت بھومی دھر یا سردار ہے تو مطابق قانون حکومت اور اس کا ھبہ کرنا صحیح و درست

ہوسکے گا،عبارت سوال سے یہ چیز منقح نہیں ہوتی ہے، اس لئے پہلے اس کی تحقیق کرلی جائے کہ بھومی دھر یا سرداری کس کو حاصل ہے زمین دارکو یا کاشتکارکو پھر اسکے مطابق عمل درآمد کیا جائے ،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیوبند،سہارنپور

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید،محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند

مکان مشترک غیر منقسم کا ہبہ جائز ہے یا نہیں؟

ا-آج سے ۲۶ برس پہلے کا واقعہ ہے کہ محمد علی ومحمد اسحق دونوں حقیقی بھائی اپنے موروثی مکان میں برابر کے حصہ دار تھے جو غیر منقسم تھا،محمد علی کے ذمہ ان کے چچازاد بھائی حاجی عبدالرحیم صاحب کا تقریبا ۵۰۷ا روپیہ باقی تھا،محمد علی نے بقیہ میں اپنے (غیر منقسم مشترک)مکان کے حصے کو مذکورہ حاجی صاحب کے نام بیع اور با قاعدہ رجسٹری کرنے کے لئے تحصیل محمد آباد، ضلع اعظم گڑھ بیعنامہ کرانے کے بجائے محمد علی کے حقیقی بھتیجے اوراپنے چچازاد بھتیجے محمد یعقوب محمد زکریا پسران محمد اسحق کے نام ہبہ نامہ لکھوا کر با قاعدہ رجسٹری کرادیا جس کی خبر عرصہ تک ان لوگوں کو نہیں ہوئی اب سوال طلب امر یہ ہے کہ مکان مشترک غیر منقسم کا ھبہ جائز ہوا یا ناجائز ہوا۔

۲-اگر ہبہ ناجائز ہے تو شرعا و دیانۃ مکان مذکورہ حاجی عبدالرحیم صاحب کا خرید کردہ سمجھا جائے یا محمد علی کی جائداد اور ملکیت جنکا انتقال ہبہ کرنے کے کچھ سال بعد ہوگیا ہے۔

۳-اگر محمد علی مرحوم کی جائداد وملکیت سمجھا جائے تو انکے قرض کا دیندار کون ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

رجسٹرار کے وہاں لکھوادینے پر مدار معاملہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اصل ایجاب وقبول اور اسکی نوعیت پر معاملہ کا مدار ہوتا ہے،پس جب حاجی عبدالرحیم نے اپنی بقایا رقم ۵۰۷ا روپیہ کےعوض میں لیا ہے،تو خواہ رجسٹری میں کچھ بھی لکھا یا ھبہ یا کچھ اور ہر حالت میں یہ معاملہ بیع ہی قرار پائے گا اور بیع شئی مشترک میں بقدر حصہ کے جائز ہوتی ہے،لہٰذا یہ بیع جائز ہوئی اور حاجی عبدالرحیم صاحب مشتری اور مالک اس شئی مبیع کے شرعا ہوگئے اور ہیں اور اگر معاملہ اس طرح ہوا کہ بیع کا معاملہ تو زبانی طے ہوا اور پھر حاجی عبدالرحیم صاحب نے واقعۃً اپنی طرف سے محمد یعقوب ومحمد زکریا کو ہبہ کرکے ان دونوں کے نام ہبہ نامہ لکھوا

دیا ہے تو اس صورت میں بیع تو صحیح ہوگئی، البتہ شئی مبیع پر اپنا قبضہ دخل کر کے اور تقسیم کر کے ہبہ نہیں کیا ہے بلکہ مشاعاً کر دیا حالانکہ شئی موہوب (وہی شئی مبیع) قابل تقسیم تھی، اس لئے اس ہبہ کی صحت ونفاذ ابھی معلق ہے اور نا تمام ہے، حاجی عبدالرحیم صاحب کو اختیار ہے کہ چاہیں تو شئی موھوب (وہی شئی مبیع) قابل تقسیم تھی تقسیم کرا کے اس پر اپنا قبضہ دخل کرنے کے بعد موہوب لہم (یعقوب، زکریا یا ان کی اولاد) کو قبضہ دخل دلا کر ہبہ نافذ اور تمام کر دیں، یا اگر چاہیں تو استرداد ہبہ کر لیں یعنی اپنا ہبہ واپس لے لیں اور شئی موھوب کو واپس لیکر اپنی ملک قرار دے لیں، یہ سب اختیار حاجی عبدالرحیم صاحب کو ہے، تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فی کتاب الہبہ والعالمگیری۔

اتنے جواب کے بعد اگلے نمبروں کے نہ سوال کی ضرورت ہے نہ جواب کی حاجت، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۳/ ۸/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

مکان کی تقسیم سے قبل اپنا حصہ ہبہ کرنا:

متوفی کی زوجہ نے دو سال کے بعد شادی کی ہے اور شادی کرتے وقت اپنے شرعی حصے کو جو متوفی کے مکان سے ملا تھا لڑکی کو دی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اور لڑکے کو کچھ بھی نہ دیا تو اب اس میں شرع کا کیا حکم ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

متوفی کی زوجہ نے اگر اپنا ($\frac{1}{8}$) تقسیم کرا کے اپنا قبضہ پہلے اس پر کر کے پھر لڑکی کو دیا ہے اور لڑکی کا قبضہ دخل کرا دیا ہے جب تو ہبہ صحیح و نافذ ہوگیا اور وہ حصہ ($\frac{1}{8}$) تنہا لڑکی کا ہوگیا ہے اور اگر زوجہ نے اپنے حصہ ($\frac{1}{8}$) تقسیم کرا کے اپنے اس پر پہلے قبضہ دخل کئے بغیر محض یوں ہی دیدیا ہے تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا چاہے اس حصہ $\frac{1}{8}$ پر لڑکی کا قبضہ کرا دیا ہے جب بھی ہبہ صحیح نہیں ہوا بلکہ زوجہ ہی کا ہے زوجہ کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے **کما فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ**۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

مال کے ضیاع کے خوف سے ہبہ:

میرا برادرزادہ عرصہ سے یار باشی میں فضول اخراجات کرتا رہتا ہے، فضول خرچی کے باعث اپنی بیوی کے حقوق نان نفقہ سے بھی غافل رہتا ہے، میں لا ولد ہوں میرے پاس ایک قطعہ باغ امرود کا ہے کہ برادرزادہ باغ بھی خرد برد کر ڈالے گا، میں چاہتا ہوں کہ باغ امرود برادرزادے کی بیوی جو کہ میری بھانجی بھی ہوتی ہے، اس کے نام ہبہ نامہ رجسٹری کردوں، اگر ایسا کردوں تو شرعاً مجھ سے مواخذہ حق تلفی برادرزادہ ہوگا یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر برادرزادہ کی چال چلن واقعی ٹھیک نہیں ہے اور مال کے خرد برد اور ناجائز امور میں خرچ کرنے کا ظن غالب ہے تو آپ کو باغ امرود برادرزادے کی بیوی کے نام ھبہ کر کے اس پر اسکا قبضہ دخل سب کرادینا شرعاً جائز ہے، ایسی صورت میں آپ پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ امید ہے کہ ثواب زیادہ ملے گا، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۷/۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

کیا مکان کی کنجی حوالہ کردینا قبضہ کے قائم مقام ہے؟

۱-عمر نے زید کو اپنی تقسیم شدہ جائداد اپنے حقیقی بھائی کی موجودگی میں اسکے حسن خدمت و پرورش حقیقی کے صلہ میں ھبہ و بخشش دو گواہوں کے سامنے کردیا ہے اور کنجی بھی دے دیا اور کچہری جا کر انہی گواہوں کے سامنے ھبہ و بخشش کی رجسٹری بھی کردیا، یہ ہبہ درست ہوا یا کہ نہیں؟

۲-قبضہ کن کن صورتوں میں ثابت ہوتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱و۲) اگر اس موہوب میں سے اپنا سامان نکال کر بالکل خالی کر کے کنجی حوالہ کی ہے تو قبضہ صحیح ہوکر ہبہ درست

اور نافذ ہوگیا ہے اور اگر اپنے سامان سے مشغول رکھتے ہوئے محض رسمی طور پر کنجی حوالہ کیا ہے تو ہبہ تام رہا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۱۰/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ

زندگی میں جائداد کی تقسیم:

میری ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور ایک بچہ کی ماں ہے، اس کے علاوہ ایک بیٹا ہے عمر تقریباً ۲۰ سال زیر تعلیم ہے اور غیر شادی شدہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں شریعت کے مطابق دونوں کے حصے ابھی سے دونوں کو بتلادوں براہ کرم بتلائیے کہ شریعت اسلامی فقہ حنفی کے مطابق دونوں کتنے کتنے فیصد کے حقدار CASHANIMMOVE-ABLE PROPERTY ہیں؟

سید عبداللہ صاحب معرفت الخوتیہ (ٹریڈنگ کمپنی پوسٹ بکس ۲۶ ۳، الخبر - سعودیہ عربیہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر آپ ان دونوں کو اپنی زندگی میں دیدینا چاہتے ہیں تو یہ دے دینا بطور ھبہ کے ہوگا اور اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں کو یعنی لڑکی ولڑکے کو برابر برابر دیں کمی بیشی باعث گناہ ہوگی (۱)، نیز دونوں کا حصہ تقسیم کرکے الگ الگ دیکر اپنے قبضہ دخل سے نکال کر ان کے قبضہ دخل میں دے دینا ہوگا (۲)۔

اور اگر ابھی انکو کچھ دینا نہیں چاہتے ہیں بلکہ صرف یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد تم لوگوں کا اتنا حق

۱- ''ولو وھب رجل شیئاً لأولادہ فی الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض فی ذلک لا روایة بھذا فی الأصل عن أصحابنا وروی عن أبی حنیفة رحمہ اللہ أنہ لا بأس بہ إذا کان التفضیل لزیادة فضل لہ فی الدین وإن کانا سواء یکرہ، وروی المعلی عن أبی یوسف رحمہ اللہ تعالی أنہ لا بأس بہ إذا لم یقصد بہ الإضرار وإن قصد بہ الإضرار سوی بینھم یعطی الابنة مثل ما یعطی للابن وعلیہ الفتوی وھکذا فی فتاوی قاضی خان وھو المختار کذا فی الظھیریة'' (فتاوی عالمگیریہ ۴/ ۳۹۱، نیز فتاوی قاضی خان علی ہامش فتاوی عالمگیریہ ۳/ ۲۷۹)۔

۲- ''وتتم الھبة بالقبض الکامل'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۸/ ۴۹۳)۔

ہوگا تو چوں کہ قرآن پاک میں منصوص ہے: "**یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین**"(۱) اس لئے آپ یہ بتلا سکتے ہیں کہ یہ میراترکہ ہے یہی ترکہ رہے یا جتنا ترکہ میرا رہے اس میں سے دوحصہ لڑکے (ابن) کا حق ہوگا اور ایک حصہ لڑکی (بنت) کا حق ہوگا اسی قاعدہ سے تم لوگ تقسیم کرلینا اور اگر بطور وصیت کے کچھ دینا چاہتے ہیں تو حدیث شریف میں ہے: "**لا وصیّۃ لوارث**" اوکما قال علیہ السلام (۲) اور اولاد تو شرعاً وارث ہوتی ہی ہے، اس لئے یہ وصیت ان کے حق میں درست نہ ہوگی۔

نیز اپنی زندگی میں کسی اولاد وغیرہ کسی کا حق وراثت قائم نہیں ہوتا سب کا مالک ومختار خود مورث ہوتا ہے، اس لئے یہ سوال کہ اپنی زندگی میں کس کا کتنا حق ہے۔ معلوم نہیں مورث کے مرنے تک کون کون زندہ رہے گا اور کون مر چکا ہوگا، اس لئے قبل از وقت حق وراثت کی تعیین نہیں کرسکتے ہیں، البتہ جولڑکا زیر تعلیم ہے اس کی تعلیم پر ابوین مناسب جو چاہیں خرچ کرسکتے ہیں وہ نفقہ میں شمار ہوجائے گا، خلاصہ جواب یہ ہے کہ جب تک آپ زندہ ہیں یہ دونوں آپ کے مملوک واثاثہ میں سے کسی فی صد کا حقدار ابھی سے نہیں ہیں بلکہ مرنے کے بعد حسب تخریج شرعی حقدار ہوں گے جس کو اوپر بیان کردیا گیا ہے، اور اگر آپ خود کچھ دینا چاہیں تو بطور ھبہ کے دونوں کو برابر برابر دیں اور کل اثاثہ ومملوک نہ دے دیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۳۰/۷/۱۴۰۰ھ

دو لڑکوں کے نام مکان لکھنا اور بقیہ کے نام نہ لکھنا کیسا ہے؟

ایک باپ ہے اس نے اپنے مکان کو پانچ بیٹوں میں سے صرف دو بیٹوں کے نام کیا (تملیک کیا)، کیونکہ تین بیٹے ان کی خدمت نہیں کرتے تھے اس لئے باپ ناخوش تھے پھر ایک بیٹے کا انکی حیات میں ہی انتقال ہوگیا اس کے باوجود باپ نے اپنی بیوہ بہو تک کو مکان میں بالکل بھی حصہ نہیں دیا، وہ صرف ایک بیٹے کو یہ کہہ کر انتقال کرگئے کہ یہ اور اس کے بچے اگر تیرے ساتھ اچھا سلوک رکھیں تو مکان میں رہنے دینا ورنہ باہر نکال کھڑا کرنا پھر اس بیٹے نے اپنی بیوہ بھاوج کو (چھوٹے بھائی کی بیوی) تقریباً ۲۵ سال تک اپنے مکان میں رکھا اور برابر دکھ سکھ میں ساتھ دیا، لیکن اس بیوہ بھاوج اور بچوں کا سلوک اپنے جیٹھ کے ساتھ اچھا نہیں رہا، اور آئے دن گالی گلوج ہوتی رہی، اس عرصے میں بیوہ بھاوج کا ایک لڑکا داداقسم کا ہوگیا

۱- سورۂ نساء ۱۱:۴

۲- سنن الترمذی ۴۳۳/۴، کتاب الوصایا باب ماجاء لاوصیۃ لوارث حدیث ۲۱۲۰، ۲۱۲۱، سنن ابوداؤد ۱۱۴/۳، کتاب الوصایا باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث حدیث ۲۸۷۰۔

اور گھر میں طوائف لے آیا، اور اپنے بڑے باپ یعنی تایا کو دھونس دی کہ دیکھیں کون مکان سے ہمیں نکالتا ہے یہ مکان ہمارا ہے۔

تو کیا شرعاً وہ اپنے حصہ لینے کا حقدار ہے؟ جبکہ سسر نے اپنے سامنے بیوہ ہونے کے باوجود اسے مکان کی تملیک نہیں کی اور کیا وہ دو بیٹے بھی مکان میں سے حصہ لینے کے حقدار ہیں، جنہیں باپ نے کچھ بھی تملیک نہیں کیا اور اپنی حیات میں ہی گھر سے باہر نکال دیا تھا، معاف فرمائیں سوال ذرا لمبا ہو گیا ہے کیونکہ بات پوری سمجھانی تھی میں نے یہاں عالموں سے اس سوال کو پوچھا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ مفتی صاحب کو دیوبند لکھئے اور فتویٰ منگائیے اور سوال پر غور سے توجہ فرمائیں کہ وہ ''بیوہ'' مکان میں حصہ دار ہونے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام

حافظ نفیس احمد قریشی اجین، ایم-پی

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر باپ نے صرف اپنے دو بیٹوں کو مکان دیکر اور تقسیم کر کے الگ الگ قبضہ دخل دلا دیا ہے جب تو اس مکان موہوب کے صرف دولڑکے جن کے قبضہ دخل میں دیا ہے شرعاً مالک ہو گئے اور اب اس میں کسی کا کچھ نہیں رہا(۱) اور یہ بات الگ ہوگی کہ باپ اس زیادتی کی وجہ سے عند اللہ عاصی ہوگا، باقی ہبہ کے نفاذ و تکمیل میں کوئی فرق نہیں ہوگا(۲)۔

اور اگر مکان تقسیم کر کے دولڑکوں کو الگ الگ قبضہ دخل نہیں کرایا تھا یا اپنا تخلیہ نہیں کیا تھا یعنی خود بھی ہمیشہ اس میں رہا اور کبھی اپنے قبضہ دخل سے خالی کر کے ان دولڑکوں کا قبضہ دخل نہیں کرایا تو یہ ہبہ شرعاً فاسد ہو کر ختم ہو گیا (۳)، اور باپ کے مرنے پر باپ کا ترکہ قرار پا کر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا۔

اور اس صورت کا حکم شرعی یہ ہوگا کہ جو لڑکا باپ کی زندگی میں انتقال کر گیا اس کی اولاد حق وراثت سے محروم ہو گئی اور شرعاً حق دار نہ رہی (۴)، باقی اور سب صلبی اولاد حقدار ہو گئیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور ۱۵/ ۴/ ۱۴۰۱ھ

۱- ''تتم الھبة بالقبض الكامل'' (درمختار مع ردالمحتار ۸/ ۴۹۳)۔

۲- ''ولو نحل بعضاً وحرم بعضا جاز من طريق الحكم، لأنه تصرف في خالص ملكه لا حق لأحد فيه إلا أنه لا يكون عدلاً، سواء كان المحروم فقيهاً تقياً أو جاهلاً فاسقاً على قول المتقدمين من مشائخنا، وأما على قول المتأخرين منهم لا بأس أن يعطي المتأدبين والمتفقهين دون الفسقة الفجرة'' (بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۲)۔

۳- ''والهبة لا صحة لها بدون القبض'' (بدائع الصنائع ۸/ ۱۷۶)۔

۴- ''وهو مبني على أصلين أحدهما أنه يحجب الأقرب ممن سواهم الأبعد لما مر أنه يقدم الأقرب فالأقرب الحد في

کیا ہبہ درست ہونے کے لئے شئ موہوب کا قبضہ میں ہونا ضروری ہے؟

اگر زید یوں کہے کہ عمرو جو کہ زید کا وارث ہے میں اس کو مبلغ تین سو روپیہ ہبہ کرتا ہوں لیکن حال یہ ہے کہ زید کے پاس فقط پچاس ۵۰ روپیہ ہے اور زید چاہتا بھی ہے کہ کسی بھی صورت سے عمرو کو تین سو روپیہ مل ہی جائے اور زید کے پاس جائداد وغیرہ ہے جس سے کرایہ بھی آتا ہے اب زید کہتا ہے کہ اگر میں زندہ رہوں تو میں وہ رقم دوں گا اور اگر مر جاؤں تو یہ رقم دین ہے میرے ذمہ جس کو تم وارثین سے لے سکتے ہو کیا یہ درست ہے اور اگر دین سے لیں تو زید کا جو ارادہ ہے وہ کسی دوسرے طریقہ سے پورا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ تو سب ہی جانتے ہیں ہبہ صحیح و نافذ ہونے کے لئے شئ موہوب پر موہوب لہ کا پورا پورا قبضہ دخل ہو جانا شرط اور لازم ہے (۱)، اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے اس لئے ہبہ کا بھی انعقاد نہیں ہوا۔

اور زید کا یہ چاہنا کہ عمرو کو کسی بھی طرح تین سو روپیہ مل ہی جائے اسی ارادہ ہبہ کی تکمیل کا بے حد اشتیاق ہے اس طرح یہ جملہ کہ اگر میں مر جاؤں تو رقم دین میرے ذمہ تم دوسرے وارثوں سے لے سکتے ہو)، یہ جملہ بھی محض اس اشتیاق ہبہ کے مکمل کرنے کا ارادہ ہے اور عزیزم ان جملوں سے بھی نہ تو ہبہ ہی متحقق ہوا اور نہ تو وصیت ہی متحقق ہوئی، البتہ واہب کی بے پناہ خواہش کا اظہار ہے، اسکا حکم شرعی یہ ہے کہ جب واہب کے پاس جائداد وغیرہ ہے واہب مفلس نہیں ہے اور نہ ورثہ ہی مفلس و نادار ہوں تو واہب کی خواہش کو پورا کر دینا عند اللہ بہت محبوب و پسندیدہ ہوگا۔ اگر یہ تکمیل واہب کی زندگی ہی میں ہو جائے جب تو بہتر ہے ہی، ورنہ مرنے کے بعد بھی پورا کر دینا عند اللہ بہت ہی پسندیدہ مرغوب چیز ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

السبب أم لا، والثاني أن من أدلى بشخص لا يرث معه كابن الابن لا يرث مع الابن" (الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/ ۵۴۹)، "فالأقرب يحجب الأبعد كالابن يحجب أولاد الابن" (فتاوی عالمگیریہ ۶/ ۴۵۲)۔

۱- "وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزا غير مشغول وركنها الايجاب والقبول" درمختار مع تنوير الابصار (کتاب ہبہ شامی ۸/ ۴۸۹، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

باب الاجارہ

پگڑی کا حکم:

ا-مالک مکان یا کرایہ دار پگڑی کے نام سے (مکان یا دوکان کرایہ پر لیتے ہیں) روپیہ لیتے ہیں جو کرایہ میں وضع نہیں ہوتا اور اس کا لینا دینا جب کہ باہمی رضامندی یا مجبوری سے درست ہے یا کہ نہیں؟

۲-کرایہ دار وہ پگڑی کے روپے مالک مکان کو نہیں دیتا بلکہ خود رکھ لیتا ہے اور اس مکان پر قبضہ دیدیتا ہے اس کو لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ا-مالک مکان کرایہ پر دیتے وقت جو رقم پگڑی کے نام پر لیگا اس کی تو گنجائش ہے، توجیہ ہوسکتی ہے، باقی جو کرایہ دار لیتا ہے یہ صحیح نہیں ہے خواہ کرایہ داروں کی باہمی رضامندی سے کیوں نہ ہو، ہاں اگر کرایہ دار پگڑی کی یہ رقم مالک مکان کو دیدے یا اس کی صریح اجازت سے خود لے تو گنجائش نکل سکتی ہے اور لینا جائز ہوسکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

پگڑی سے متعلق نظام الفتاویٰ پر ایک اشکال کا جواب:

آپ کی کتاب "نظام الفتاویٰ" دیکھنے کا موقع ملا۔ نظام الفتاویٰ (۱/۱۵۰، و۲/۲۶۶) میں پگڑی کی ایک یہ صورت مذکور ہے کہ ایک کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے معاملہ کر کے مکان یا دکان خالی کر کے اس کے حوالے کر دیتا ہے اور کچھ روپیہ خالی کرنے کا لیتا ہے، گویا کرایہ داری جو کہ حق منفعت ہے کی بیع کرتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ کرایہ دار مکان یا دکان خالی کر کے اصل مالک کے حوالہ کرتے وقت پگڑی کے نام سے کچھ رقم لیتا ہے ان دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اس رقم

کا لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لیکن پگڑی کی صورت جو آج کل عموماً رائج ہے، پگڑی کی مذکورہ بالا صورت سے مختلف ہے وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ آج کل عموماً مالک مکان کرایہ دار سے ایک خاص رقم پگڑی کے نام سے وصول کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دکاندار (مالک) یہ پیسے لیکر اس کی ضمانت دے رہا ہے کہ مجھے اس دکان کے خالی کرانے کا حق نہیں، شرعی اعتبار سے یہ رقم نمبر الینا اور دینا کیا حکم رکھتا ہے، نمبر ۲: بعض لوگ کرایہ دار سے رقم تو لیتے ہیں، لیکن اس کو پگڑی کا نام نہ دے کر صرف پیشگی کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کرایہ دار جب دکان خالی کرے گا یہ رقم اس کو واپس دیدیں گے، کیونکہ عموماً آج کل کرایہ دار خالی نہیں کرتے۔ اب اگر ان سے پیشگی رقم لے لی جاتی ہے تو وہ خالی کر دیتے ہیں اور خالی نہیں کرتے تو یہ رقم مالک ہی کے پاس جمع رہتی ہے، اس طرح کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں اور مالک دکان کیا اس رقم کا مالک ہو جائے گا اگر نہیں ہوگا اور وہ دکان بھی خالی نہیں کر رہا ہے تو اس رقم کو کیا کرے؟

نوٹ: کرایہ سے اس رقم کا کوئی تعلق نہیں۔ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

برادرم آپ نے غالباً غور نہیں فرمایا یا سمجھا نہیں، یا تو اجارہ پیشگی کے لفظ سے متوحش ہو گئے احقر بھی جانتا ہے کہ لاپرواہی یا ناواقفیت کی وجہ سے مسلمان بھی اکثر معاملات خلاف حکم شرع کر کے گرفتار معصیت ہو جاتے ہیں، جیسا کہ احقر نے خود بھی جواب میں ایک دو ناجائز معاملہ صورت مسئولہ کا شروع جواب میں عرض کر دیا ہے۔ باقی اگر مسلمان ذرا سی توجہ کرے اور تھوڑی سی تاویل سے کام لے لے تو عدم جواز کے ارتکاب سے نکل کر حد جواز میں آکر مستحق اجر وثواب ہو جائے یا کم از کم ارتکاب معصیت سے محفوظ ہو جائے۔ اور حکم شرع بھی یہی ہے کہ عاقل بالغ مسلمان کے معاملہ کو جہاں تک ہو سکے محمل حسن پر لانے کی سعی کرنی چاہئے، **کما صرح به فی کتب المذهب**۔ یہ اصل: **"إن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره" (وتحته في حاشية) من باع درهما وديناراً بدرهمين ودينارين جاز البيع وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحريا للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح"** (۱)، انہی وجوہ سے احقر جائز معاملات واعمال کی تشریح وتحسین میں نہیں جاتا، بلکہ مسلمان کو اس جائز طریقے سے

۱- قواعد الفقہ / ۱۲ اشرفی بکڈپو۔

کر لینے کا راستہ بتاتا ہے تا کہ اس راستہ کی اتباع کر کے مستحق اجر وثواب ہوجائے یا کم از کم محفوظ عن المعصیۃ ہوجائے۔ اسی اصل شرعی کی بنیاد پر احقر نے اس معاملہ کرایہ داری میں ناجائز معاملات کی تفصیل وتشریح کرنے کے بجائے اس معاملہ کرایہ داری کو حد شرع میں لانے کی تدبیر بتادی، اور اس جواز میں لانے کا ثبوت اس عبارت سے ہے:

"واعلم أن الأجر لا يلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به بل (يجب تسليمه) بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة (إلى قوله) فيفتي برواية تملكها بشرط التعجيل للحاجة" (۱) **"إذا عجل الأجرة لا يملك الاسترداد إلى آخره"** (۲) اور جب فی زمانہ کرایہ دار اجارہ پر لی ہوئی چیز عموماً خالی نہیں کرتے اور ہمیشہ غاصبانہ قبضہ کی وجہ سے گنہگار ہوتے رہتے ہیں اور مواجر قانوناً خالی بھی نہیں کرا پاتا اور نقصان میں مبتلا رہتا ہے اور اگر اس مذکورہ طریقہ کے مطابق ذرا سمجھ سے کام لے لے تو مستاجر معصیت سے اور مواجر ضرر سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور اس صورت میں پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرایہ دار نہیں کرسکتا کما دل علیہ عبارۃ الشامی المعمانی، بلکہ بعض محققین نے جیسے محقق (زرقاء) نے اس اجارہ شدہ کرایہ داری کو اس ضابطہ: **"وقیل تجعل عقود في الأحكام"** کے تحت دو الگ الگ صفقہ قرار دیکر جواز کا فتویٰ دے دیا ہے اور وہ یہ ہے: بڑی رقم جو ایک مشت شروع عقد میں لی جائے اس کو صرف ایک ماہ کی اجرت قرار دی جائے اور اس کا حق شرعاً مواجر کو مستاجر کے راضی ہونے کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے پیشگی رقم شروع ہی میں لے لینا جائز ہے اور بعد میں بھی ہر ماہ کے لئے برضا جو مقدار طے ہوا گلے مہینوں کے لئے طے کردی جائے، یہ بھی ایک تاویل حد جواز میں لانے کی رہے گی۔

اب رہ گیا آپ کا ذکر کردہ دونوں صورتوں کا شرعی حکم تو صورت نمبر ۱، کا حکم شرعی یہ ہے کہ جب کرایہ داری کا معاملہ ہر ماہ متعین کرایہ طے کر کے دیا گیا ہے تو اب یہ بڑی رقم محض خالی نہ کرانے کا عوض یا حق قرار پائے گا اور یہ صورت محض حق کا عوض شمار ہوکر ممنوع ہوگی، اس لئے اس صورت میں اوپر لکھے ہوئے دونوں معاملوں میں سے کوئی معاملہ بنالیا جائے تو شرعاً وزرونقص سے حفاظت ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

اور صورت نمبر ۲ میں تو یہ بڑی رقم شرعاً امانت ہوگئی اور امانت کی رقم بعینہ محفوظ رکھنا واجب رہتا ہے۔ ورنہ خیانت وتعدی شمار ہوکر خیانت کا گناہ ہوتا ہے اور تصرف کر لینے کے بعد وہ رقم قرض بن کر حق واجب الرد ہوجاتی ہے، اور معلوم نہیں

۱- درمختار علی الشامی ۶/۵،۷، وتحتہ فی الشامی المعمانی۔

۲- شامی ۶/۵،۷۔

کرایہ دار کب دوکان واپس کرے گا، یہ ایک پریشانی کی ذمہ داری الگ ہوگی، اس لئے اس طرح یہ معاملہ کرنا شرعاً صحیح نہیں ہوگا، اگر اس طرح معاملہ کرلیا جائے کہ یہ بڑی رقم جو میں لے رہا ہوں اس میں سے ماہ بماہ کرایہ کی مقدار وضع کرتا جاؤں گا، تو اس طرح یہ معاملہ شرعاً صحیح ہوجائے گا، یا پھر اسی طریقہ پر معاملہ کرلیا جائے جس طریقہ پر اوپر جواب میں لکھا ہوا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

دوکان ومکان کی پگڑی:

ہر شہر روز بروز ترقی کی طرف تیزی سے گامزن ہے اور اس کے پیش نظر ہر شہر میں تجارت کے مواقع زیادہ سے زیادہ فراہم ہونے لگے ہیں جس کے لئے مالک مکان اور دوکان دار کو ''پگڑی'' لینا دینا پڑتی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سامنے والا جب خوشی سے پیسے دے رہا ہے یا لے رہا ہے تو اس کے لینے دینے میں کیا حرج ہے میں ایک مالک مکان ہوں اور مجھے آئے دن اس مسئلہ سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ''پگڑی'' لینا دینا جائز ہے؟

حافظ نفیس احمد قریشی (امین، ایم-پی)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- پگڑی کے معاملہ میں اصل مالک مکان اور اصل مالک دوکان کا حکم دوسرا ہے اور کرایہ والوں کا حکم دوسرا ہے، کرایہ دار کے لئے تو شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کرایہ دار نے اصل مالک کی اجازت سے اس مکان یا دوکان میں ایسی چیز کچھ بنوایا ہے جو برابر قائم رہتی ہے جیسے فرش یا سائبان وغیرہ تو اس کے عوض کے طور پر جو مناسب ہو کرایہ داری چھوڑتے وقت لے سکتا ہے اور اگر کچھ نہیں بنوایا ہے تو محض حق کرایہ داری میں کچھ عوض لینا درست نہیں (۱)۔

۱- ''إذا قال القيم أو المالک أذنت له في عمارتها فعمر بإذنه يرجع عليه وعلى الوقف، هذا إذا كان يرجع نفعه إلى الوقف والمالک وإن كان يرجع إلى المستأجر وفيه ضرر كالبالوعة والتنور فإنه لا يرجع إلا إذا شرط الرجوع'' (البحر الرائق ۱۹/۸)، نیز ''لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳۳/۷)۔

اور اصل مالک مکان اور مالک دوکان جو کچھ زر پیشگی لیتا ہے خواہ پگڑی کے نام پر لیتا ہے اس کو زر اجارہ پیشگی کی تاویل سے جائز کہا جا سکتا ہے (۱)۔

یہ تفصیل تو لینے کے اندر ہے اور دینے میں تو اگر دینے والا مجبور ہے کہ بغیر دیئے مکان یا دوکان کچھ نہیں ملے گی اور بغیر مکان یا دوکان لئے گذارہ ہی ناممکن یا مشکل ہے اور لینے والا غلط طریقے سے لیتا ہے جب بھی یہ دینے والا مجبور ہے، امید ہے کہ اس دینے والے سے مواخذہ نہ ہوگا (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/ ۴/ ۱۴۰۱ھ

چکی والوں کا گردہ (جلن) کے نام سے آٹا کاٹنا:

آٹے کی چکی والے گیہوں پیسنے پر دو آنہ فی کلو کے حساب سے اجرت لیتے ہیں اور ایک من میں سے ایک کلو آٹا جلن (گردہ) کے نام سے کاٹتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پسائی کے وقت چکی چلنے کی گرمی سے اتنا آٹا اندازاً جل جاتا ہے، اس طرح چکی والوں کا گردہ کے نام سے آٹا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جب کہ عموماً چکی والے آٹا نہیں خریدتے، اسی گردہ کی مد میں اتنی بچت ہو جاتی ہے کہ جس سے گھر کا خرچ چلتا رہتا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس مذکورہ طریقہ سے گردہ یا جلن کاٹنا قفیز طحان کی خرابی پر مشتمل ہے جس کی ممانعت حدیث پاک میں ہے، اس لیے شرعاً اس طرح سے معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا۔

بلکہ اس کا آسان اور بہتر طریقہ جو شرعاً عام طرح سے جائز بھی ہے اور اس میں جتنا کام پہلے کرنا پڑتا تھا تقریباً اتنا ہی کرنا پڑے گا، صرف تھوڑی توجہ کرنی پڑے گی۔

۱- ”واعلم أن الأجر لا يلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة“ (درمختار مع ردالمحتار ۹/ ۱۳)، ”يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها“ (شرح المجلہ ۱/ ۲۶۴ مادہ رقم ۴۷۳)۔

۲- ”ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب“ (ردالمحتار علی الدرالمختار ۸/ ۳۵)۔

اس لیے کہ جب غلہ پیسنے کے لیے آتا ہے تو چکی والا وزن کر کے سب غلہ پیس لیتا ہے اور بعد میں اسی پیسے ہوئے میں سے گردہ کے نام پر جتنا لینا ہوتا ہے، لے لیتا ہے، یہی قفیز طحان ہے جو منع ہے۔

پس اگر وہ پسنے کے بعد بجائے کاٹنے کے یہ کرے کہ جب شروع میں غلہ وزن کر لے اسی وقت جتنا آٹا گردہ وغیرہ کے نام سے بعد میں نکالنا ہے پیسنے سے پہلے ہی نکال لے، اور جتنا غلہ بچے اس کو پیس کر پورا کا پورا دیدے، اگر دوبارہ وزن کرنے میں کچھ کم وبیش ہو تو اپنے پاس سے ملا دے جیسے اس وقت کرتا تھا، جب پیسنے کے بعد کم وبیش آٹا ہونے پر اپنے پاس سے ملانے یا نکالنے کا عمل کرتا تھا، مزید کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا اور معاملہ جائز ہو جائے گا، ورنہ اگر گردہ نہ کاٹے اور پسائی کی اجرت بڑھا دے تو پسانے والا اس کو بار اور غلط سمجھے گا اور آئندہ غلہ پسائی کے لیے نہیں لائے گا، اور بدنام الگ کرے گا، اور مذکورہ بالا تدبیر سے گاہک بھی مطمئن رہے گا اور پریشانی کی کوئی بات بھی نہ آئے گی۔ اور قفیز طحان کی شرعی خرابی سے بھی حفاظت ہو جائے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۱/۶/ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

دلالی کی اجرت کا حکم شرعی:

کچھ لوگ دلالی (ایجنٹ) کا کام کرتے ہیں، دیکھا جاتا ہے کہ وہ بائع اور مشتری دونوں سے کمیشن لیتے ہیں، کیا دلال کے لیے دونوں سے کمیشن لینا جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

دلال شرع میں اجیر کا نام ہے، اور دلالی اور کمیشن اجرت کا نام ہے، اور اجیر جس کا کام کرتا ہے اسی سے اجرت پانے کا مستحق ہوتا ہے، یہ دلال اگر بائع کا کام کرتا ہے تو بائع کا اجیر ہے اور بائع سے اجرت پانے کا مستحق ہوگا اور اگر مشتری کا کام کرتا ہے تو مشتری سے اجرت پانے کا مستحق ہوگا، اور یہ جائز نہ ہوگا کہ عمل تو صرف ایک کا کرے اور اجرت دونوں سے لے، اسی کا نام ڈبل اجرت ہے جس کو ناجائز کہا جاتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دونوں کا کام الگ الگ کرے تو الگ الگ کام ہونے کی بنا پر دونوں سے اس کے متمیز عمل کی

اجرت متعارفہ لے سکتا ہے(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن غفرلہ، محمد ظفیر الدین مفتاحی غفرلہ، کفیل الرحمٰن غفرلہ

بٹے پر نوٹ تبدیل کرنا:

پھٹے پرانے نوٹوں کا استعمال شہروں میں ہوتا ہے، ہم کوئی پھٹا ہوا نوٹ بدلنا چاہیں تو وہ لوگ بٹے پر یعنی ہمارے نوٹ میں کچھ کٹوتی کر کے بدل دیتے ہیں، اس طرح سو روپے کا نوٹ دے کر ۹۵ اور پچاس کا نوٹ دے کر ۴۸ روپے لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

نوٹ: (کاغذی نوٹ) نہ کیلی ہے اور نہ وزنی بلکہ عددی ہے، اس لیے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور، ۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن، محمد ظفیر الدین مفتاحی، و کفیل الرحمان نشاطی مفتی دار العلوم دیوبند

ہنڈی کے ذریعہ رقم بھیجنا شرعاً کیسا ہے؟

باہر ملک میں رہنے والے جب اس ملک میں پیسے بھیجتے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: کبھی تو بینک کے ذریعہ بھیجتے ہیں، کبھی ہنڈی کے ذریعہ، بینک کے ذریعہ معینہ مقدار ملتی ہے اور ہنڈی کے ذریعہ کرنسی سے کچھ زیادہ رقم ملتی ہے، ہنڈی رقم کا یہ طریقہ کار حکومت سے چھپا کر کیا جاتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہنڈی کے ذریعہ کرنسی کے مقابلہ مقررہ رقم سے زیادہ جو پیسے ملتے ہیں ان کا لینا جائز

۱- "وأما الدلال فإن باع العين بنفسه باذن ربها فأجرته على البائع (قال الشامي) وليس له أخذ شيء من المشتري (إلى قوله) فظاهره أنه يعتبر العرف هنا لأنه لا وجه له، وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف (قال الشامي) فتجب الدلالة على البائع أو المشتري أو عليهما بحسب العرف" (فتاویٰ شامی ۴/ ۴۲)(مرتب)۔

ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جب ہنڈی کا یہ طریقہ قانون حکومت کے خلاف ہے تو یہ قانونی چوری ہوگی، اگر اس میں پکڑا جائے تو عزت وآبرو، مال سب کی بربادی ہوگی اور ان سب چیزوں کا بچانا شرعاً واجب ہے اور ہنڈی کے ذریعہ بھیجنے میں اولاً ہنڈی بھنانے میں بھی دینا پڑتا ہے اور اگر کسی حیلہ سے سود دینے سے بچ جائیں تو بھی بیش از بیش ہنڈی سے بھیجنا شرعاً محض مباح وجائز رہے گا مگر مباح حکم کے مقابلہ میں واجب حکم کو چھوڑنا درست نہیں رہتا، اس لیے اس کی اجازت نہ ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن، محمد ظفیر الدین مفتاحی، مفتی دارالعلوم دیوبند

ہنڈی کے مروجہ کاروبار کے سلسلے میں حکم شرعی:

آج کل جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں ہنڈی کا کاروبار کیا جاتا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے کہ اس دور میں اس کی شدید ضرورت ہے، اور ابتلاء عام ہے مثلاً سفراء حضرات مدارس اسلامیہ کے چندے کے لئے دوسرے ممالک کا سفر کرتے ہیں اور چندہ اکٹھا کر کے اس ملک کے کسی تاجر کے پاس جمع کر دیتے ہیں اور وہ تاجر اس کو ایک رسید یا وثیقہ دیتا ہے وہ سفراء اپنے ملک میں آکر اس رسید یا وثیقہ کو دیکر اسی جمع کردہ رقوم کی تعداد اپنے ملک میں اس سے لے لیتے ہیں جس کے نام اس تاجر نے رسید دی الغرض اس طرح کی اور بھی ضرورتیں ہیں۔

عبدالحق (خادم جامعہ عربیہ نصیر العلوم ناظر ہاٹ، چاٹگام)

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعاً ہر شخص کو اختیار رہے کہ وہ اپنا نقد یا غیر نقد اپنے ملک میں یا باہر جہاں چاہے جس طرح چاہے حدود شرع میں رہتے ہوئے، یعنی خداع وغدر نہ ہو بھیج سکتا ہے، پس جس ملک سے بھیجنا چاہتا ہے اس ملک میں یہ بھیجنا خلاف قانون نہ ہو، آزادی ہو، اسی طرح جس ملک میں بھیجتا ہو وہاں بھی کوئی چیز خلاف قانون نہ ہو آزادی رہے تو پھر منی آرڈر، بیمہ، ڈرافٹ،

چیک وغیرہ ہر طرح سے یہ رقم بھیجی جاسکتی ہے اور اگر بینک کے ذریعہ سے بھیجنے میں خرچ زیادہ پڑتا ہو اور کفالت مقصود ہو تو اگر کوئی ایسا آدمی مل جائے جو معتبر بھی ہو اور جس ملک میں بھیجنا چاہتا ہے وہاں کوئی شخص اس کا معتبر ہو اس کے ذریعہ بھیج دے اس طرح پر کہ یہ آدمی ایک تحریر (رسید یا وثیقہ) کے طور پر رقم والے کو دیدے، پھر یہ آدمی اس ملک میں جاکر یہ رسید دکھلا کر اس سے اپنی رقم لے لے پھر مدرسہ میں داخل کردے، پس اس صورت میں اگر ان دونوں نے کوئی پیسہ نہیں لیا جب تو ان کا یہ تبرع ہو گیا اور اس طرح یہ معاملہ شرعاً بلا ریب درست ہو گیا۔

اور اگر رسید یا وثیقہ دینے والے نے کچھ پیسے اپنے لئے بھی لے لئے تو اس کو اس تحریر کرنے کی اجرت قرار دے کر جائز کہا جائے گا اور جس کے پاس یہ رسید اور وثیقہ رقم دینے کے لئے بھیجا گیا ہے، اگر وہ شخص اس پہلے شخص کا نائب یا وکیل ہے جب تو اس کے لئے حکم شرعی یہ ہوگا کہ وہ بغیر کچھ پیسہ لئے ہوئے بعینہ وہ رقم ادا کردے، اگر کچھ پیسہ لئے بغیر نہیں دیتا ہے تو یہ پیسہ لینا رشوت ہوگا۔ اور رشوت کا حکم یہ ہے کہ مجبوری کی وجہ سے دینے والا گنہگار نہ ہوگا، صرف لینے والا گنہگار ہوگا اور رقم کے مالک کا پیسہ وصول کر لینے سے گنہگار نہ ہوگا، بلکہ جائز رہے گا۔

اور اگر یہ شخص رسید بھیجنے والے کا نائب یا وکیل نہیں ہے تو پھر حکم شرعی یہ ہوگا کہ اگر اس کو یہ رقم دینے میں کچھ عمل کرنا پڑتا ہے تو وہ اجرت قرار دے کر لے سکتا ہے۔ یہاں تک کے اس معاملہ کا تعلق ہنڈی سے نہیں ہوگا۔

البتہ چونکہ یہ طریقہ خطرہ سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے جب اجرت وغیرہ لے دیکر کیا جائیگا تو سفتجہ کا معاملہ ہو کر کراہت سفتجہ آجائے گی اور اس کے جواز کا حیلہ یا بوجہ مجبوری اس کے ارتکاب کی جو گنجائش فقہاء کرام فرماتے ہیں اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ہنڈی سے اس معاملہ کا تعلق اسلئے نہیں ہوگا کہ ہنڈی عموماً مہاجنوں کے درمیان چلتی ہے، تقریباً ہر مہاجن کا تعلق لین دین کا دور تک کے مہاجنوں سے ہوتا ہے اور ان کو جب کسی گاہک کو رقم دینی ہوتی ہے تو وہ اس گاہک کے کسی قریبی مہاجن کے لئے ایک تحریر بطور سند لکھ کر دیدیتے ہیں یا بھیج دیتے ہیں کہ یہ رقم فلاں مہاجن سے وصول کرلو، جب وہ تحریر اس مہاجن کو پہنچتی ہے تو وہ اول مہاجن سے اس کی تحقیق کرتا ہے اگر سابق مہاجن قرار کرلیتا ہے (جن کو مہاجن کی اصطلاح میں سکارنا بولتے ہیں) تو وہ ثانی مہاجن رقم کا فیصد کاٹ کر وہ رقم مستحق کے حوالہ کردیتا ہے، اور مہاجنوں کا طریقہ ان کے اپنے مقصد سے اور سہولت کی غرض سے ہوتا ہے جس کا تعلق اسی مستحق رقم سے ہوتا ہے، اس لئے یہ فیصد کاٹی ہوئی رقم بلاشبہ سود (ربوا) بن جاتی ہے اور اس طرح یہ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

پس اگر کوئی شخص مہاجنوں کی طرح رقم کا فیصد لے کر کاروبار کرنے لگے تو اس کا یہ معاملہ بھی بیشک ہنڈی کے معاملہ کی طرح ناجائز شمار ہوجائے گا۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس شخص کی یا جس دوکاندار کی معرفت دوسرے ملک میں اپنی رقم بھیجنا چاہتا ہے اگر اس دوسرے ملک میں اس شخص کی دوکان ہے، پس اگر بھیجنے والا کتابت تحریر وسند کی اجرت کے طور پر کچھ لے کر تحریر دیتا یا بھیجتا ہے تو اجرت کتابت کی تاویل سے یہ امر جائز کہا جائے گا، باقی دوسرے دوکاندار پر لازم ہے کہ اپنے ملک کی کرنسی کے مطابق جتنی رقم (زیادہ یا کم) تجویز ہوئی ہو پوری دیدے، اگر کچھ رقم خود لئے بغیر نہیں دے گا تو یہ لینا سود ہوگا، اور اس صورت کا حکم مہاجنوں کی ہنڈی کے احکام کے ضمن میں تفصیل سے گزر چکا ہے، پھر ایسا کاروبار بالکل ہنڈی کے کاروبار کی طرح شرعا ناجائز شمار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

پگڑی اور بعض دوسرے کرایہ داریوں کا شرعی حکم:

آج کل عام رواج ہے کہ کرایہ دار کسی مکان یا دوکان کو خالی کرتے ہیں تو لینے والے سے کچھ روپیہ لیکر مکان یا دوکان خالی کرتے ہیں اس میں اکثر مالک جائداد سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ ایک کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے معاملہ کر کے مکان یا دوکان دوسرے کے حوالہ کردیتا ہے اور کچھ روپیہ خالی کرنے کا لے لیتا ہے۔ براہ کرم یہ فرمائیں کہ یہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔ اسی طرح اگر ایک دوکان یا مکان کے دو کرایہ دار مشترک طور پر ہوں اور ان میں ایک کرایہ دار اپنا حق کرایہ داری دوسرے کو دینا چاہتا ہے، مگر اس کے معاوضہ میں وہ پانچ ہزار روپیہ مانگ رہا ہے، روپیہ اس کے لیے لینا جائز ہے یا ناجائز؟

کرایہ داری حق ملکیت نہیں ہے بلکہ حق منفعت ہے، کیا حق منفعت کے انتقال یا اس کو فروخت کرنے کی شریعت میں کوئی مثال موجود ہے، فقہ حنفی میں بظاہر اس کی کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی کیا دوسرے ائمہ سے کسی کے یہاں حق منفعت ناقابل انتقال یا ناقابل فروخت ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس حق منفعت میں جس میں صاحب منفعت نے کوئی محنت صرف کی ہے، مثلاً کتاب کا حق اشاعت مصنف کی طرف سے، دوسرے صاحب منفعت نے کوئی محنت صرف نہیں کی، جیسے مذکورہ بالا صورت ہے۔ براہ کرم ان تمام صورتوں کو واضح فرمائیں۔

مجیب اللہ ندوی (مہتمم جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

کرایہ دار کسی مکان یا دوکان کو محض خالی کرنے کے عوض میں جو رقم لیتے ہیں جس کو پگڑی کہتے ہیں، اس رقم کو لینا جائز نہیں، ہاں اگر کرایہ دار نے اصل مالک کی اجازت سے دوکان یا مکان میں کوئی تعمیر کی ہو یا اس کی عمارت میں کوئی ایسا اضافہ کیا ہو یا اس کی مرمت وغیرہ اس طرح کی ہو جس سے اس مکان یا دوکان کی مالیت وحیثیت بڑھ گئی ہو تو اس اضافہ کے اعتبار سے مناسب معاوضہ لے سکتا ہے، کرایہ داری حق ملکیت نہیں ہے وہ حق منفعت ہے، اس کی خرید فروخت درست نہیں ہے۔ البتہ بعض فقہاء متاخرین نے بعض کرایہ داروں کو حق قرار دیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کرایہ دار تقاضائے وقت کے مناسب معقول کرایہ دیتا ہے اور اس کی کرایہ داری سے مکان یا دوکان کا کوئی ضرر نہ ہو تو بغیر وجہ شرعی کے اس کرایہ دار سے تخلیہ نہیں کرا سکتے، ہاں اگر مالک مکان یا مالک دوکان کو اور اگر موقوفہ ہو تو وقف کو خود اپنے لیے ضرورت ہو تو ان لوگوں کو ہر صورت میں تخلیہ کرا لینے کا پورا حق رہے گا۔

اسی طرح کرایہ دار اگر اپنا حق قرار (حق سکونت) کسی دوسرے شخص کو دینا چاہے تو انہی مذکورہ بالا شرائط وقیود کے ساتھ بطور ہبہ کے دے سکتا ہے اور اگر بطور کرایہ داری کے دینا چاہے تو جو کرایہ خود اصل مالک کو دیتا تھا تو صرف اسی کرایہ میں دے سکتا ہے، اس سے زائد کوئی مقدار اپنے لئے نہیں لے سکتا۔

غرض یہ پگڑی کی مروجہ صورت جو ایک کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے لیتا ہے تو یہ شریعت مطہرہ کے خلاف ہے، البتہ اصل مالک مکان، یا مالک دوکان اگر کسی کو کرایہ پر دے اور ماہانہ کرایہ کے علاوہ کوئی رقم ایک مشت بھی وصول کرے تو اسے اگر چہ پگڑی کا نام دے کر لیا جائے اس میں کچھ زر کرایہ پیشگی وغیرہ کی توجیہ کر کے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اور تمام شرائط اجارہ اجرت متعین ومعلوم ہوں۔

رہ گئی یہ بات کہ دوسرے ائمہ میں سے کسی کے نزدیک اس کا جواز ہے یا نہیں تو اس کا تحقیقی جواب دیگر ائمہ کے محققین سے ہی لینا مناسب ہے، البتہ علامہ شامی نے جلد رابع میں مذکورہ صورتوں کی اباحت کا قول مالکی مشائخ سے نقل کیا ہے۔

رہ گیا حق تصنیف کے محبوس کرنے کا مسئلہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب تک کہ وہ تصنیف مسودوں کی شکل میں ہے اس وقت تک وہ محض مصنف کی ملک ہے اور اس کو اختیار ہے کہ چاہے خود شائع کرے یا کسی کے ہاتھ جس قیمت پر چاہے فروخت کر دے یا مفت دیدے، پھر اس لینے والے کو بھی سب اختیارات حاصل ہو جائیں گے، لیکن جب طبع ہو کر اس کی اشاعت عام ہو جائے تو اب اس میں علماء کی دو رائیں ہیں: ایک جماعت یہ فرماتی ہے کہ عام طباعت واشاعت کے بعد جو نسخہ

کوئی شخص خرید ے گا وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور مالک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس پر ہر مالکانہ تصرف (پھاڑ کے پھینک دے، جلادے، یا طبع کرادے وغیرہم)، سب حاصل ہوجائے، لہذا خریدنے والے کو پابند کرنا کہ وہ طبع نہ کرائے اصول شرع کے خلاف ہوگا، نیز اس طرح پابندی کرنے میں اچھی چیزیں اور علوم کی ترویج واشاعت کو بھی مسدود کرنا لازم آئے گا، اس کا عدم جواز بھی ظاہر ہے۔

دوسری جماعت مثلاً صاحب "عطر ہدایہ" اور ان کے موافقین ہیں وہ اس پابندی کے جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں حقوق مجردہ کی بیع نہیں ہے اور نہ اصول شرع کے خلاف ہے، بلکہ یہ اپنے سرمایہ محنت کا تحفظ ہے اور تحفظ کا ایک طریقہ ہے، نیز یہ ترویج کو مسدود کرنا نہیں ہے، بلکہ اشاعت کو منتظم و درست رکھنے کا، نیز تصنیف وتالیف میں ترقی کا ذریعہ ہے۔ احقر کا بھی میلان پہلے اسی طرف تھا، مگر غور کرنے سے یہ بات محقق ہوگئی کہ کتب دینیہ وعلوم دینیہ کی تصانیف ومضامین کو اس پابندی سے مستثنیٰ رکھا جائے، اس لئے کہ اس پابندی سے اگرچہ ترویج اشاعت من کل الوجوہ مسدود نہ ہوتی ہو، لیکن اس میں تقلیل صواب لازم آئے گا اور یہ تقلیل بھی مزاج شرعی کے اور ارشادات نبوی ﷺ مثلاً **"ولیبلغ الشاهد الغائب"** (۱) اور **"بلغوا عني ولو آية"** (۲) وغیرہا کے خلاف ہونا لازم آتا ہے، نیز جو حضرات یہ پابندی لگاتے ہیں وہ عموماً دنیوی مفاد واغراض اور دنیوی کاروبار کے طریقہ پر لگاتے ہیں جس سے ابہام وشبہ **"ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا"** (۳) کی مخالفت کا بھی مترشح ہوتا ہے، اس لئے بھی کتب دینیہ کی تصانیف کو یا اس کے حق اشاعت کو محبوس نہ کیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/۵/۹۷ ۱۳ھ

کرایہ دار کا مکان دوسرے کو زائد کرایہ پر دینا:

اگر کسی شخص کے اجارہ کا مکان ہے اور وہ اس اپنے مکان میں الماری جو دیوار میں لگی ہوئی ہے اور چارپائی اور کچھ دوسرا فرنیچر جو دیوار میں لگا ہوا ہے وغیرہ چھوڑ کر زیادہ اجرت سے دوسروں کو مکان دیتا ہے آیا یہ جائز ہے یا نہیں جائز کرنے کے لئے وہ زبان سے یوں کہتا ہے کہ میں ان ساری استعمالی چیزوں کا جو مکان میں چھوڑی ہے اس کے بدل اجرت وصول کرتا

۱- صحیح البخاری ۱/۲۳۵ باب الخطبۃ ایام منیٰ۔
۲- مشکوۃ کتاب العلم للخطیب التبریزی ۱/۳۲۔
۳- سورۂ مائدۃ ۴۴۔

ہوں تو شرعاً یہ معاملہ کرنا کیسا ہے؟

محمد سلیمان بھاگلپوری (مہتمم جامعہ نذیریہ کاکوسی، ضلع مہسانہ، گجرات)

الجواب وباللہ التوفیق:

جائز ہے اور اجرت زائدہ اس کے لئے حلال طیب ہے جواز اور حلت زیادت کے لئے یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں اجرت زائدہ الماری و چارپائی وغیرہ کی اجرت میں دے رہا ہوں (۱)، "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها وكذا كل مالا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد لأنه غير مفيد بخلاف ما يختلف به كما سيجئي ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل الا في مسئلتين اذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً" (۲)۔

"قوله بخلاف الجنس أي جنس ما استآجر به وكذا اذا آجر مع ما استآجر شيئاً من ماله يجوز أن تعقد عليه الإجارة فإنه تطيب له الزيادة" (۳)۔

"قوله أو أصلح فيها شيئاً بأن جصصها او فعل فيها مسنّاة وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابله مازاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما في المبسوط" (۴)۔

"الأصل ان أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره" (۵)۔

طوائف کو مکان کرایہ پر دینا:

زید نے اپنا مکان عرصہ ایک سال ہوا کرایہ میں دیدیا تھا اس کے کچھ عرصہ بعد عمرو نے وہی مکان ایک طوائف کے نام کچھ روپیہ لے کر اسی طوائف کے نام الاٹ کرادیا، لہذا اب وہ عورت زید کو پیشے کے پیسے کما کر کرایہ ادا کرتی ہے، لہذا اب زید اس کے لئے کیا صورت اختیار کرے جو کہ جائز ہو اور کرایہ اس کے لئے حلال ہو سکے، بینوا توجروا

مفتی محمد فاروق قاسمی مدرسہ دارالعلوم گذری بازار، میرٹھ

۱- اس سے آگے بھی مفتی صاحب کی عبارت سمجھ میں نہیں آسکی (مرتب)۔
۲- الدرالمختار علی ہامش ردالمختار ۵/ ۱۸۔
۳- ردالمختار ۵/ ۱۸۔
۴- حوالہ بالا ۵/ ۱۸ نعمانیہ۔
۵- اصول الکرخی مع قواعد الفقہ/ ۱۲۔

الجواب وباللہ التوفیق:

حرام کاری کرانے کے لئے تو مکان کا دینا جائز نہیں نہ کرایہ لے کر نہ بغیر کرایہ لئے ہوئے، البتہ رہائش یا تجارت وغیرہ کے لئے مطلقاً کرایہ پر دیا اور اس میں کرایہ پر لینے والی حرامکاری کرانے لگے یہ خود اس کا فعل ہوگا اور اس کا اثر کرایہ پر نہ آئے گا، یہ ایسا ہی ہوجائے گا کہ کسی غیر مسلم کو مکان رہائش یا تجارت کے لئے دیا اور وہ اس میں غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرنے لگے پس جس طرح اس غیر مسلم سے کرایہ کی رقم لینا جائز ہے اسی طرح اس سے بھی لینا جائز ہوگا(۱)، البتہ جب یقین ہو کہ یہ اسی حرامکاری کا پیسہ دیتی ہے تو اس سے کہا جائے کہ تو یہ پیسہ کرایہ میں نہ دے بلکہ جائز دے اور اس سے مکان خالی کرانے کی کوشش کی جائے۔ اگر مکان خالی کردے تو فہو المراد اور اگر مکان خالی نہ کرے لیکن اس کے پاس حلال کمائی ہو اور اس کا پیسہ دے یا قرض لے کر دیدیا کرے اور پھر بعد میں اپنا قرض ادا کرے جب بھی لے لینے کی گنجائش رہے گی اور اگر وہ یہ نہ کہے کہ جائز وحلال پیسہ سے دیتی ہوں اس کے پاس حلال کمائی نہ ہو اور مکان بھی خالی نہ کرایا جاسکے تو پھر یہ حیلہ کرلے کہ ادھار قرض کسی غیر مسلم سے لے کر کام چلائے اور جب وہ رقم کرایہ کی دے تو اس سے غیر مسلم کا وہ قرض اتار دیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۱۲/۱۴۰۱ھ

کسی مسلمان کا ناچ گانے کی تقریب میں اپنا شامیانہ لگانا اوراس کا کرایہ وصول کرنا کیسا ہے؟

کسی مسلمان ٹینٹ ہاؤس والے کو ناچ گانے کی تقریب میں اپنا شامیانہ لگانا اور اس کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

گانے بجانے کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہ رہے گا اور نہ اس کی آمدنی حلال رہے گی، البتہ ان نامشروع چیزوں کے لیے کرایہ پر دے اور کرایہ پر لے جانے والا ان نامشروع چیزوں میں خود استعمال کرلے تو چونکہ یہ فعل مالک شامیانہ کا نہ

۱- ''ولا (تصح الإجارة) لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي ولو أخذ بلا شرط يباح'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/۷۵)۔

ہوگا اس لیے اس کی گنجائش امام صاحب علیہ الرحمۃ کے اصول پر رہے گی، صاحبینؒ کی تصریح کے مطابق اعانت علی المعصیت ہوکر ممنوع رہے گا(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/۴/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمان نائب مفتی

سفر حج کے زمانہ کی تنخواہ کا حکم کیا ہے؟

ایک مولانا صاحب ایک مدرسہ میں مدرس ہیں وہ فریضہ حج ادا کرنے کے واسطے تین ماہ کی چھٹی لے کر حج کرنے گئے حج سے واپس آکر ان تین ماہ کی تنخواہ لینا چاہتے ہیں آیا ان تین ماہ کی تنخواہ کے وہ مستحق ہیں یا نہیں؟ اور ان کے واسطے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر سابق میں اس طرح کی تنخواہ دینے کی نظیر اس مدرسہ میں موجود ہو جب تو اس تنخواہ کے دینے میں کوئی کلام ہی نہیں، اور اگر اس مدرسہ میں اس کی نظیر موجود نہیں، لیکن اگر قرب وجوار کے مدارس دینیہ میں اس طرح دینے کا رواج موجود ہے تب بھی اس تنخواہ کے دینے میں کوئی شبہ نہیں اور اگر ایسا بھی نہیں ہے تو پھر چونکہ اراکین وذمہ داران انتظامیہ قوم کے وکیل ہوتے ہیں اگر وہ عوام کی زبوں حالی کی بنیاد پر دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، اس طریقہ کار کی نظیر اپنے اکابر کے مدارس میں مل سکتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۷/۱۲/۱۴۱۰ھ

۱- "(وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة لابغيرها على الأصح ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر وقالا لاينبغي ذالک لأنه إعانة على المعصية وبه قالت الثلاثةٌ) قوله (وجاز إجارة بيت الخ) هذا عنده أيضا، لأن الإجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه (الى قوله)والدليل عليه أنه لو اجره للسكنىٰ جاز وهو لابد له من عبادته فيه"(فتاویٰ شامی ۵/۲۵۵)۔

۱-امامت پر تنخواہ لینا:

امامت کی تنخواہ لینا یا بذات خود طے کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲-قرآن خوانی پر اجرت لینا:

اکثر بمبئی اور دیگر مقامات پر کلام پاک پڑھنے جاتے ہیں یہ درست ہے کہ نہیں۔

مفتی حسن انصاری (مقام گڈھی سلیم پور، مرادآباد)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-کسی مقام پر قرآن پڑھ کر یا سن کر خواہ تراویح میں ہو جیسے بھی ہو اجرت لینا جائز نہیں خواہ طے کر کے لے یا بغیر طے کئے ہوئے سب ناجائز ہے(۱)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/ ۸/ ۱۴۰۰ھ

دو ماہ کی تنخواہ کی شرط پر چندہ کرنا:

مدرسین مدرسہ کو چندہ کے لئے نکلے ہوئے ماہ میں دوگنا تنخواہ لینا یعنی یہ شرط لگانا کہ ہم جس مہینے میں چندہ کے لئے نکلیں گے اس ماہ ایک ماہ کے ساتھ دو ماہ کی تنخواہ لیں گے جائز ہے یا نہیں، دلیل میں والعاملین علیہا پیش کرتے ہیں، اگر ہے تو کیا مدرسہ کے روپئے سے یہ تنخواہ دینا جائز ہے بینوا توجروا۔ وباللہ التوفیق

الجواب وباللہ التوفیق:

مدرسین یا ملازمین مدرسہ جو چندہ کے لئے جاتے ہیں اگر زمانہ تعطیل میں بھیجے جائیں تو علاوہ تنخواہ کے مزید جس معاوضہ کا معاملہ طے ہوا اس کے وہ مستحق ہوں گے اگر کوئی معاملہ مزید طے نہیں ہوا ہے تو خرچ کے علاوہ ڈبل تنخواہ کے مستحق نہ

۱- ایک مقررہ مدت کے لئے قراءۃ قرآن کے متعلق ''جوہرہ'' میں جو منقول ہے: ''قال بعضهم لا يجوز وقال بعضهم يجوز، وهو المختار'' اھ اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: ''والصواب أن يقال على تعليم القرآن، فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فإنه لا ضرورة فيها .... فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز'' (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/ ۷۶، ۷۷، ۷۸)۔

ہوں گے اور زمانۂ تعلیم میں بھیجے جائیں اور کوئی مزید معاملہ طے نہ ہوا ورنہ کوئی اس سلسلہ کا دستور ہو تو صرف تنخواہ اور سفر خرچ کے مستحق ہوں گے ورنہ جو مزید معاملہ اس کام کے لئے طے یا دستور مدرسہ ہوا سکے مستحق ہوں گے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۰/ ۸/ ۱۴۰۰ھ

جانور بٹائی پر دینا:

جانور خرید کر تہائی یا چوتھائی حصہ پر دینا تو ناجائز ہے لیکن اس میں کوئی جواز کی صورت ہے یا کہ نہیں مثلاً یہ صورت ہو کہ جانور والے سے کہا جائے کہ تم اس جانور کی پرورش کرو اس جانور کی فروخت پر تم کو تیس فیصدی یا چالیس فی صدی مزدوری دیں گے کیا یہ شکل جواز کی ہوگی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جیسے جانور تہائی یا چوتھائی پر پرورش کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے اسی طرح یہ صورت مذکورہ بھی جائز نہیں ہے، اس کے جواز کی یہ صورت ہے کہ آپ جس کو جانور پرورش کے لئے دیں اس کو اس پرورش کی مزدوری مقرر کر کے دیں پھر اس کو وہ مزدوری دیجاوے جو ایسے جانور کی اس طور پر پرورش کرنے پر عام طور سے دیجاتی ہے جس کو اجر مثل کہتے ہیں (۲)، ایک جواز کی صورت یہ بھی ہے کہ جو جانور پرورش کے لئے دیا جائے تو پرورش کرنے والے کو وہ نصف جانور قیمت متعینہ پر فروخت کر دیا جاوے اور وہ قیمت اس کو معاف کر دی جاوے تو اب یہ دونوں اس جانور کے اور جو اس سے فائدہ ہوگا اسکے شریک ہوں گے "والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه عنه"(۳)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمن، مفتی محمود غفی عنہ

۱- اجارہ کی بحث میں مذکور ہے "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتها تفضي إلى المنازعة" (درمختار مع ردالمحتار ۹/ ۷)۔

۲- "وعلى هذا إذا أعطى البقرة بالف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر أجر مثل علفه أو اجر مثله" (ردالمحتار ۳/ ۸۴ ۲)۔

۳- عالمگیری ۴/ ۳۳۰۔

جانوروں کو ادھیا پر دینا:

مرغی، بکری، گائے، بھینس وغیرہ ادھیا پر دینا کیسا ہے؟ جواز و عدم جواز بدلائل بیان کریں۔

خادم مشتاق احمد محمد پور صدر اعظم گڑھ

الجواب وباللہ التوفیق:

ان چیزوں کو ادھیا پر دینے میں اجرت و مدت عمل دونوں مجہول ہوتی ہے اس لئے یہ اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کے جواز کا ایک حیلہ محققین علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس جانور ہی میں سے آدھا جانور اس ادھیا پر لینے والے کے ہاتھ کم سے کم قیمت پر جتنی قیمت پر مناسب ہو فروخت کردے اس طرح وہ لینے والا خود آدھے جانور کا مالک ہوجائے گا اور آدھے دودھ و بچے کا بھی مالک بوجہ شرکت کے ہوجائے گا اور اس کا کھلانا پلانا سب تبرع ہوکر جائز رہے گا(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۵/۳/۱۴۰۱ھ

اجرت لے کر جنات کا علاج:

اگر غیر اسلامی مذہب جیسے ہندو یا عیسائی وغیرہ ہیں ان کے جنات وغیرہ کا علاج کرنا اور علاج پر اجرت لینا درست ہے یا کہ نہیں غیر مذہب کے لوگوں سے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

کافروں کو بھی تعویذ دے سکتے ہیں مگر آیات قرآنی یا اسماء حسنی وغیرہ لکھ کر نہ دینا چاہئے کہ ان سے ان چیزوں کے واقعی اور صحیح احترام متصور نہیں اگر ہو جب بھی خلاف احتیاط ہے تعویذ گنڈے وغیرہ پر جو اس فن کو جانتا ہو اجرت لے سکتا ہے

۱- ”وشرطها (الإجارة) كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة“ (درمختار ۹/۷) اور اس کے تحت شامی میں مذکور ہے ”ولو كانت حيوانا فلا يجوز إلا أن يكون معينا“ (ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/۷)، ”الفق بلا اذن الآخر ولا أمر قاض فهو متبرع“ (ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/۱۱)۔

ہر آدمی کو جائز نہیں ہے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

کمیشن پر سفیر مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

کمیشن پر سفیر مقرر کرنا جائز ہے یا کہ نہیں دارالعلوم میں سفارت کے لئے کیا قواعد ہیں مختصر طور پر ان کو بھی تحریر کریں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

کمیشن پر سفیر مقرر کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۹/ ۸/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب دارالعلوم دیوبند

امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

کیا امام مسجد کو نماز پڑھانے کی تنخواہ لینی جائز ہے اور کیا علاوہ نماز پڑھانے کے کوئی دوسرا کام کرنا یا تلاش کرنا جائز نہیں ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے (۱)، اور امامت کے کام میں فرق نہ پڑے تو دوسرے کام کی تلاش بھی درست ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند

۱- ''ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان'' (ردالمحتار ۹/ ۷۶ مکتبہ زکریا)۔

تعویذ پر اجرت لینا:

تعویذ گنڈے کے عوض میں رقم لینا کن صورتوں میں جائز ہے اور کن صورتوں میں نا جائز ہے۔ کیا جھوٹ بولکر کہ تمہارے مریض کی اتنے روپیہ کی دوائیاں ہیں لینے اور اتنے روپیہ خرچ ہوں گے کچھ روپیہ تو تبدیل وغیرہ میں صرف کر کے باقی ماندہ کو بغیر اس کے اطلاع دیئے خرچہ میں لانا کیسا ہے مقصد یہ ہے وضاحت تحریر کریں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

تعویذ گنڈہ ایک علم ہے اگر جانتا ہے تو اس پر اجرت لینا جائز ہے جھوٹ بولکر معمولی مرض کو شدید بتا کر پیسہ وصول کرنا فریب وخداع ہے جو جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۷/۹/۸۵ ۱۳ھ

قرآن خوانی پر اجرت لینا:

کیا میت کی مغفرت کے لئے جو ختم کلام اللہ شریف پڑھا جاتا ہے اس ختم میں کھانا پینا درست ہے ختم کی اجرت لینا ٹھیک ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اجرت ختم قرآن خوانی لینا جائز نہیں ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

بلاٹکٹ یا کم ٹکٹ پر سفر کرنا:

ریل، بس میں کنڈیکٹر سے ملکر بلاٹکٹ یا کم ٹکٹ پر سفر کرنا آج کے ہندوستان میں کیسا ہے کیا شرعی طور پر جائز ہے؟

محمد ادریس چورو راجستھان

۱- ''فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قرأة الأجزاء بالاجرة لايجوز'' (ردالمحتار ۹/۷۷ مکتبہ زکریا)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

کنڈیکٹر اگر بس کا مالک ہے جب تو گنجائش جواز ہے(۱) ورنہ جائز نہیں، اور ریل میں تو عدم جواز ظاہر ہے اس لئے کہ بعض صورتوں میں خداع ہوگا اور بعض صورتوں میں چوری اور بعض صورتوں میں غصب ہوگا اور بدمعاملگی اور قانونی چوری بھی ہونے کی وجہ سے عزت وآبرو کا ہر وقت خطرہ بھی ہوگا جس سے حفاظت بھی واجب ہے پس اس ترک واجب کا بھی گناہ مزید برآں ہوگا(۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۶/۹/۱۴۰۰ھ

سوسائٹی کے تحت کام کرنے والے ملازم کی تنخواہ:

میں یہاں ایک فروٹ گرورس کوآپریٹیو سوسائٹی میں عرصہ تین سال سے بحیثیت منیجر کام کرتا ہوں، یہ سوسائٹی زیر کنٹرول گورنمنٹ ہے اور اس کو چلانے والے یا اس کے ذمہ دار آٹھ افراد ہیں۔ اس سوسائٹی کا دائرہ کاروبار چھ حلقہ پر پھیلا ہوا ہے، ان ذمہ دار افراد کا کام ہے بینک سے منافعہ پر روپیہ فراہم کر کے کسانوں کو ایڈوانس میوہ پر دینا، میوہ وصول کر کے فروخت کرنے کے بعد روپیہ معہ منافعہ داخل بینک کرنا۔ اس درمیانہ داری پر بینک سوسائٹی کو 2% منافع دیتا ہے جو اس کے دفتری اخراجات ہوتے ہیں۔ دیگر سوسائٹی میوہ پر آڑتی کی طرح کمیشن حاصل کرتی ہے جو اس کا کاروباری نفع ہوتا ہے۔ اب اس تمام کاروبار کو چلانے کے لئے سوسائٹی نے بعوض تنخواہ چار ملازم رکھے ہیں جو تنخواہ پر یہ کام چلا رہے ہیں۔ یہاں اک مقامی قاری صاحب ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہماری تنخواہ حرام ہے چونکہ یہ سودی کاروبار ہے اور اک جامع کے مولوی صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی تنخواہ حلال ہے چونکہ آپ جسمانی یا دماغی محنت صرف کر کے اپنا معاوضہ حاصل کر رہے ہیں سود لینے یا دینے کا مسئول دینے والا کسان اور لینے والا بینک ہے ایک اور مثال مولوی صاحب فرماتے ہیں بہت سارے صحابہ کرام تھے جو یہودیوں کے یہاں ملازمت کرتے تھے، حالانکہ یہودیوں کا تمام کام سودی سود پر چلتا تھا۔ ایک اور پیر طریقت فرماتے ہیں آپ کی تنخواہ حلال ہے چونکہ منافع دینے والے لوگ اور لینے والا بینک دیگر ہندوستان میں جس قدر سرکاری ملازم ہیں ان کی اکثر تنخواہ سود کے روپیہ سے آتی ہے آیا مجھے یہ نوکری کرنی چاہیے یا نہیں؟

۱- "ولو قال: حملتک علیها فی سبیل الله فهو إعارة هكذا فی فتاوى قاضی خان" (فتاوی عالمگیریہ ۴/ ۳۶۳)۔

۲- "يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيماً" (سورہ نساء ۲۹) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح" (الاشباہ والنظائر طبع کراچی/ ۱۲۵)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ذمہ دار افراد جو بینک سے سودی قرض لینے اور سود دینے کا کام کرتے ہیں ان کا یہ کام تو ناجائز ہوگا باقی چونکہ سود کا پیسہ اپنے پاس آتا نہیں بلکہ سود کا پیسہ دینا پڑتا ہے اس لئے اس طرح قرض لینے میں جو پیسہ آئے گا وہ خود خبیث نہ ہوگا، البتہ خبیث طریقہ سے آنے کی وجہ سے اس قرض لینے دینے میں قدرے قباحت آئیگی (۱)، باقی وہ لیا ہوا روپیہ اور اس سے کمائی ہوئی آمدنی حرام نہیں بلکہ سب جائز وحلال رہے گی (۲)، جب یہ حکم ان ذمہ داروں کی آمدنی ونفع کا نکلا جو بینک سے سودی قرض لیتے اور سود دیتے ہیں تو جو لوگ ان ذمہ داروں کے علاوہ ہیں اور بینک سے خود سودی قرض نہیں لیتے بلکہ ان کا حکم بدرجہ اولیٰ نکل آیا کہ ان کی آمدنی اور نفع وغیرہ اس وجہ سے حرام وناجائز نہ ہوگا۔ بلکہ جائز وحلال ہوگا (۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۵/۱۱/۱۴۰۱ھ

جس فیکٹری میں خنزیر کا چمڑا استعمال ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم:

برطانیہ کی بعض فیکٹریوں میں جن کے مالک نصرانی ہیں اور ان میں خنزیر کا چمڑا دباغت شدہ استعمال ہوتا ہے، جس سے مختلف چیزیں تیار ہوتی ہیں، کیا ایسی فیکٹری میں ایک مسلم ورکر (عامل) کا ملازمت کرنا یا مزدوری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مقبول احمد خادم جامع مسجد گلاسگو

الجواب وباللہ التوفیق:

خنزیر کا چمڑا گوشت سب نجس العین ہے (۴)، مثل انسانی پاخانہ کے ناپاک ہے یہ دباغت کے بعد بھی ناپاک ہی

۱- ''عن ابن مسعودؓ قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ'' (سنن الترمذی ۳/۵۰۳ کتاب البیوع باب ماجاء فی آکل الربا حدیث ۱۲۰۶)۔

۲- ''واعلم أن المقبوض بقرض فاسد کمقبوض ببیع فاسد أی فیفید الملک بالقبض کما علمت'' (رد المحتار علی الدر المختار ۷/۳۸۹)۔

۳- تنخواہ اجرت ہے اور غیر مسلم سے اجرت لینا جائز ہے جبکہ ان کے کاروبار سودی بھی ہوتے ہیں، ''ولو استاجر المشرکون مسلما لیحمل میتا منہم إلی موضع یدفن فیہ إن استاجروہ لینقلہ إلی مقبرۃ البلدۃ جاز عند الکل'' (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۴۹)۔

۴- ''أما الخنزیر فجمیع أجزاءہ نجسۃ'' (فتاوی عالمگیریہ ۱/۲۴)۔

رہتا ہے (۱) جس طرح پاخانہ خشک ہونے کے بعد بھی ناپاک ہی رہتا ہے، اور خنزیر کا چمڑا مسلم کو خریدنا اور فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے (۲)، پس اس چمڑے کو خریدنے بیچنے کی ملازمت تو جائز نہیں۔ اور اس کام کی اجرت وتنخواہ بھی نادرست وغیر حلال ہوگی (۳)، ہاں اگر وہ چمڑا خریدنے اور فروخت کرنے کا کام کرنے کے بجائے اس سے چیزیں بنانے کا مثلاً موزہ، جوتا، وغیرہ بنانے کا کام سپرد ہو تو اس کی اجرت وتنخواہ، حلال وجائز رہے گی (۴)، البتہ یہ کام بہت خراب ہوگا اس لئے کہ اگر خشک چمڑے کاٹنے چھٹنے سلنے وغیرہ کا کام ہو تو اگرچہ جب تک اس چمڑے کا اثر (رنگ، بو مزہ) اپنے ہاتھ وغیرہ پر نہ آوے ناپاک نہ کہا جاوے کہ اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے انسانی پاخانہ کو خشک ہونے کے بعد اس کو کاٹنے چھٹنے اور ہاتھوں سے اٹھائے رکھے۔

اور اگر وہ چمڑا پانی وغیرہ سے تر کر کے استعمال کرنا ہو یا چھونا وغیرہ پڑے تو ہاتھ بھی نجس ہو جائے گا اور جہاں جہاں اسکی چھینٹ بدن وکپڑے وغیرہ پر پڑے گی نجس ہو جائے گا۔ اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے انسانی پاخانہ پانی سے تر کر کے چھووے اور کسی کام میں استعمال کرے (۵)۔

اس لئے ان دونوں قسم کے کاموں کی ملازمت بغیر سخت مجبوری کے اس فیکٹری میں نہ کرنا چاہئے اور اگر پہلے سے ان کاموں پر ملازم ہو تو دوسرے جائز کام کی ملازمت تلاش کرنا ضروری ہے البتہ جب تک دوسرا جائز کام نہ ملے اس وقت تک استعفیٰ دے کر الگ نہ ہو جائے بلکہ توبہ واستغفار کرتا رہے اور دعا کرتا رہے کہ یا اللہ کوئی جائز وحلال کام عنایت فرما اور جب مل جائے تو فوراً اس کام کو چھوڑ دے (۶)۔

۱- ”وكل إهاب دبغ فقد طهر وجازت الصلاة فيه والوضوء منه إلا جلد الخنزير والآدمي“ (ہدایہ ۱/ ۴۴)۔

۲- درمختار میں ہے: ”وبعده أي المبيع يباع إلا جلد إنسان وخنزير وحية“، علامہ شامیؒ ان کے قول ”إلا جلد إنسان“ کے تحت لکھتے ہیں: ”فلا يباع وإن دبغ لكرامته وفي الباقي لإهانته ولعدم عمل الدباغة فيه“ (رد المحتار علی الدر المختار ۷/ ۲۶۶)۔

۳- ”ولو استاجر مسلماً ليرعى له الخنازير يجب أن يكون على الخلاف ولو استاجره ليبيع له ميتة لم يجز هكذا في الذخيرة“ (فتاویٰ عالمگیریہ ۴/ ۴۵۰ نیز دیکھئے ص ۴۴۹)۔

۴- جیسے نوحہ کرنے اور گانے پر اجرت لینا جائز نہیں مگر ان کی کتابت پر اجرت لینا جائز ہے ”بخلاف الاستئجار لكتابة الغناء والنوح إنه جائز لأن الممنوع عنه نفس الغناء والنوح لا كتابتهما“ (بدائع الصنائع ۴/ ۳۹)۔

۵- ”السرقين الجاف أو التراب النجس إذا هبت به الريح فأصاب ثوباً لا ينجس ما لم ير فيه أثر النجاسة ولو مر الريح على النجاسة وثمت ثوب مبلول معلق تصيبه الريح قيل بأنه ينجس“ (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش العالمگیریہ ۱/ ۲۵)۔

۶- ”الحاجة تنزل منزلة الضرورة“ (الاشباہ والنظائر/ ۱۲۶، ادارۃ القرآن کراچی)۔

ہاں اگر ان دونوں کاموں (چمڑے ہی کی خرید وفروخت کا کام یا ان چمڑوں سے چیزیں بنانے کا کام) کے علاوہ کلرکی وغیرہ کا کام ہوتو اس کی ملازمت کرنا اور اس کی تنخواہ لینا سب جائز ودرست رہے گا(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴/۸/۱۴۰۰ھ

مؤذن کی تنخواہ سے متعلق:

ہمارے انجمن میں مؤذن ملازم ہیں، جن کو تنخواہ پچاس روپیہ ماہانہ دیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

جمیل احمد (ریٹائر پولس سی، آئی، ڈی، محلہ گوپٹلا ناغ لکھیم پوریوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح موذن کی تنخواہ ماہانہ مقرر ہے اس طرح چندہ وصول کرنے کی تنخواہ بھی ماہانہ متعین کردیجئے اس سے کہے کہ ہر ماہ اتنی رقم (مثلاً ہزار دو ہزار جو مناسب ہو) لانا ضروری ہے اور اگر تم اس سے زیادہ لاؤ گے تو ہم تم کو اس زائد کے اعتبار سے انعام بھی دیں گے اور انعام واضح کردیجئے جب زائد رقم لائے تو پہلے سے جو پیسہ آیا ہوا موجود ہے اس میں سے انعام دے دیجئے اس طرح کام اچھا اور جائز رہے گا۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- ’’وأما في حق الأجير الخاص فلا يشترط بيان جنس المعمول فيه ونوعه وقدره وصفته، إنما يشترط بيان المدة فقط‘‘ (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۱۱)۔

كتاب الذبائح والأضحية
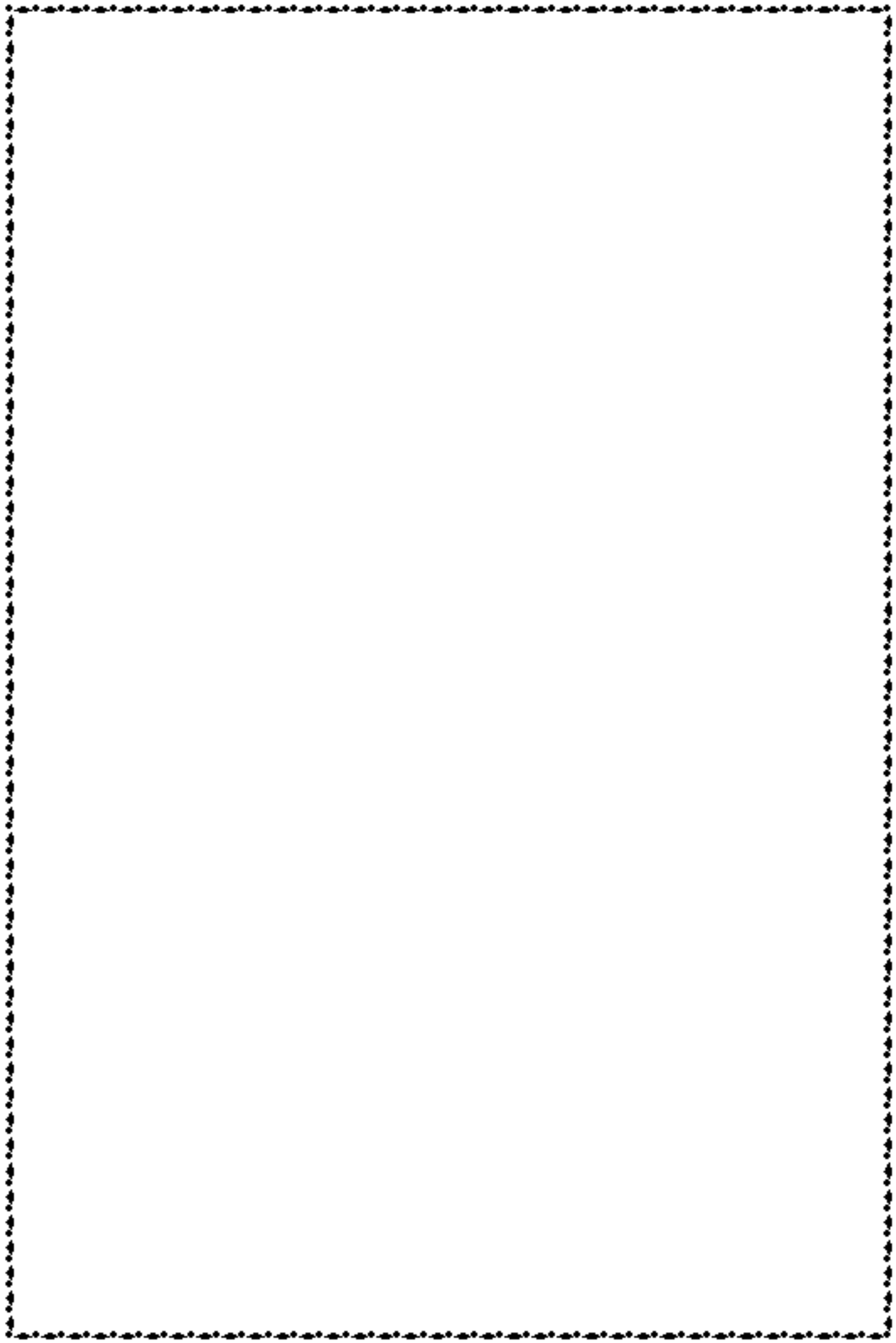
کتاب الذبائح

بجلی کے جھٹکے یا گولی مار کر جانور کے ذبح کا حکم:

ہمارے شہر میں ذبح کے دو طریقے رائج ہیں:

۱-جانور کو بجلی کے جھٹکے سے بے ہوش کرتے ہیں، رگیں کاٹ کر خون بہادیا جاتا ہے۔

۲-دماغ میں کارتوس کی گولی مارتے ہیں، رگیں کاٹی جاتی ہیں، ممکن ہے پورا خون بہہ جاتا ہو، لیکن یقین نہیں ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱، ۲-اگر بجلی کا جھٹکا لگنے سے یا کارتوس کی گولی لگنے سے روح فنا نہیں ہوتی اور نہ دم گھٹ کر خون محتبس و منجمد ہوجاتا ہو بلکہ گردن کی رگوں کے کٹنے سے روح پرواز کرتی ہو اور خون سارا کا سارا نکل جاتا ہو اور گردن کی اکثر رگیں کٹ جاتی ہوں اور اس طرح گردن کی رگیں کاٹنے والے مسلمان یا ایسے اہل کتاب ہوں جو رگ کاٹتے وقت (بوقت ذبح) صرف اللہ کا ہی نام لیتے ہوں تو اگرچہ یہ طریقہ مکروہ اور خلاف سنت اور خلاف طریق انبیاء ہوگا مگر وہ جانور اگر ماکول اللحم ہے تو اس کا گوشت پاک وحلال رہے گا اور اس کا کھانا درست رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۵/۳/۱۴۰۱ھ
الجواب صحیح: محمود ظفر لہ

گائے وغیرہ کو ذبح کرنے سے قبل بندوق کی گولی سے گرانا کیسا ہے؟

ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے کینیڈا میں گائے ذبح کرتے ہیں، ایک آدمی کا گائے ذبح کرنا بہت مشکل ہے

چنانچہ ایک چھوٹی سی بندوق کے ذریعے گائے کے سر میں چھوٹی سی گولی ماری جاتی ہے جس سے گائے فوری گر جاتی ہے پھر فوری ان کو ذبح کر دیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

اسلامک سینٹر آف عربک، کناڈا

الجواب وباللہ التوفیق:

ذبح کا یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، اور بے وجہ اذیت پہنچانا ہے جو حقوق بہائم کے خلاف اور ان پر ظلم ہے اور باعث گناہ ہے (۱)، باقی اگر جانور اس طرح بیہوش ہو کر ذبح سے قبل مر نہیں جاتا ہے زندہ رہتا ہے اور گردن کی چار رگوں (ودجین حلقوم مری) میں سے ودجین اور بقیہ دو میں سے ایک رگ کٹ کر خون پورا پورا نکل جاتا ہے تو ذبیحہ حلال کہا جائے گا اور اس کا کھانا جائز رہے گا (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/۱۲/۱۴۰۰ھ

گولی سے بیہوش کرنے کے بعد ذبح کرنا:

الیٰ حضرة المفتی بدار العلوم دیوبند الاستفتاء ما قولکم رحمکم الله فی المسئلة التالیة:

اللحوم التی تصدر من دانمرک إلی البلاد العربیة الإسلامیة تذبح کالتالی:

۱۔ یأتی بالحیوان حیاً الی المجزرة المعدة له میکانیکیا۔

۲۔ یضرب الحیوان بنوع من المسدس یکون فیه الرصاص علی مقدم رأسه (ارسل صورة المسدس وطرق عملیته الی فضیلتکم مع هذه الاستفتاء) الرصاص لا یدخل فی رأسه حتی لا یمس الجلد والعظم واللحم منه۔

۱- ''عن شداد بن أوس قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال: إن الله کتب الإحسان علی کل شیء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ولیحد أحدکم شفرته، فلیرح ذبیحته'' (صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح حدیث ۵۷/۱۹۵۵)۔

۲- ''وذکاة الاختیار ذبح بین الحلق واللبة بالفتح المنحر من الصدر وعروقه الحلقوم کله وسطه، أو أعلاه أو أسفله وهو مجری النفس علی الصحیح والمرئ هو مجری الطعام والشراب والودجان مجری الدم وحل المذبوح بقطع أی ثلاث منها'' (الدر المختار مع رد المحتار ۹/۴۲۴)۔

۳۔ يصرع الحيوان مغشياً عليه بعد الطرق مباشرة ولكنه يبقى حياً، يحرك الرجلين والذنب والعينين واعضاء بدنه يدق قلبه وعروقه الى وقت طويل ....بعد أن يصرع الحيوان مغشيا يأتي المسلم المراقب من طرف المركز الثقافي يأخذ السكين ويذبح الحيوان بالطريقة الشرعية الإسلامية يقطع الأوداج والمرئ قائلا بسم الله الله أكبر۔

۵۔ الحيوان يتحرك بعد الذبح بالقوة والشدة ويخرج منه الدم بالفوران۔

۶۔ كل المراحل بعد ذلک حتى التطحين والتلفيف تكون تحت اشراف مسلم صحيح العقيدة لا يكون قاديانياً ولا بهائياً هل الذبح بهذه الطريقة حلال ام حرام؟ بعض المنظمات الإسلامة عللوا بأنه يدخل في استثناء قوله تعالىٰ إلا ما ذكيتم

وان دخل في تعريف الموقوذة ما رأيكم؟ بينوا بالأدلة الشرعية توجروا۔

محمد ادریس (امام المرکز الثقافی،کوپنہیگن، ڈنمارک)

الجواب وبالله التوفيق:

من المعلوم ان ذكوة الشرعي نوعان اختياري واضطراري وذكاة الاضطرار انما يصار إليها عند العجز عن ذكاة الاختيار كما في الشامي(۵/۲۶۴) (۱) وفتح القدير (۸/۵۲)(۲) وكلاهما سواء في إنهار الدم المسفوح والتسمية على المذبوح وكون الذابح مسلما او كتابيا صحيح العقيدة وغير ذلک مما ذكره الفقهاء وما ثبت بالآية كما قال الله تعالى: حرمت عليكم الميتة والدم(۳) وفي آية اُخرى أو دما مسفوحا(۴)وقوله تعالى: فكلوا مما ذكر اسم الله عليه(۵) وقوله تعالى: إلا ما

۱- "لأن ذكاة الإضطرار إنما يصار إليها عند العجز عن ذكاة الاختيار "(الدر المختار مع رد المحتار ۹/۴۴۰)۔

۲- دیکھئے: ہدایہ مع فتح القدیر ۸/۴۰۶، "وفيه: والثاني كالبدل لأنه لا يصار إليه إلا عند العجز عن الأول"، نیز دیکھئے: ۸/۴۱۶۔

۳- "حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما أكل السبع إلا ما ذكيتم وما ذبح على النصب وأن تستقسموا بالأزلام ذلكم فسق..."(سورہ مائدہ: ۳)۔

۴- "قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير فإنه رجس أو فسقاً أهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولا عاد فإن ربک غفور رحيم "(سورہ انعام: ۱۴۵)۔

۵- "فكلوا مما ذكر اسم الله عليه إن كنتم بآياته مؤمنين "(سورہ انعام: ۱۱۸)۔

ذکیتم(۱) فی حق المسلم وقوله تعالی: وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم(۲)فی حق الکتابی مع أن طریق الذکوة مختلف فذکوة الإختیار موقوف علی أشیاء مثلاً إنهار الدم المسفوح والتسمیة علی المذبوح عند الذبح کما قال النبی ﷺ عن رافع بن خدیج عن النبی ﷺ أنه قال ما أنهر الدم وذکر اسم الله علیه فکلوا إلا ما کان السن أو الظفر (۳)، وهکذا فی الترمذی ایضا بتغییر یسیر (۴) وقطع الحلقوم المری والودجین اللذین بینهما الحلقوم والمرئی وکون المذبح بین الحلق واللبة وغیر ذلک وهذا کله موجود فی السوال وإن کان غیر واضح کما کتبت یأتی المسلم من طرف المرکز الثقافی الإسلامی یأخذ السکین ویذبح الحیوان بالطریقة الإسلامیة ویقطع الأوداج والمری قائلاً بسم الله الله أکبر إلی آخره۔

فلما یبقی الحیوان حیاً بعد صدمة المسدس أیضا ویکون الذابح مسلما صحیحا لا قادیانیاً ولا بهائیاً ویذبح بالسکین قائلاً بسم الله الله أکبر و یفری الأوداج وینهر الدم فالمذبح بهذه الطریقة المذکورة وإن کان مکروهاً ومخالفاً للسنة ولکن ذبیحته لا یکون حراما بل یکون حلالا یحل أکله بلا شک وریب لدخول هذا المذبح تحت قوله تعالی: إلا ما ذکیتم الآیة

فاللحوم التی تصدر من دنمراک إن کانت بعد المذبح المذکور یکون حلالا بلا ریب ولکن العمل بهذا الطریق مکروه لمخالفة الطریق المسنون ولتعذیب الحیوان بالرصاص أو ضرب الحیوان بنوع من المسدس بلا فائدہ ولترک الحیوان الذی أمر النبی ﷺ إن الله کتب الإحسان علی کل شئی إلی قوله وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ولیحد أحدکم شفرته ولیرح ذبیحته (ابوداؤد ۲/۳۳) (۵)

۱- سورہ مائدہ ۳۔

۲- سورہ مائدہ ۵۔

۳- احکام القرآن للجصاص ۳۰۸۔

۴- "عن رافع بن خدیجؓ قال :قلت یار سول الله! إنا نلقی العدو غدا ولیست معنا مدیٌ، فقال النبی ﷺ: ماأنهر الدم وذکر اسم الله علیه فکلوا ما لم یکن سنٌ أو ظفر وساحدثکم عن ذلک: أما السن فعظم وأما الظفر فمدی الحبشة "(سنن الترمذی ۱/ ۱۸۰ کتاب الاحکام باب ماجاء فی الذکاۃ بالقصب وغیرہ حدیث: ۱۴۹۱)۔

۵- "عن شداد بن أوس قال: خصلتان سمعتهمامن رسول الله ﷺ: إن الله کتب الإحسان علی کل شئ فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ولیحد أحدکم شفرته ولیرح ذبیحته "(سنن ابوداؤد ۳/ ۱۰۰ کتاب الاضاحی، باب فی الرفق بالذبیحۃ حدیث ۲۸۱۵)۔

فالمناسب تركه أى طريق الذبح المذكور وأخذ السنة بالنواجذ يجب على كل مسلم للنجاة والفوز ومع هذا غير داخل في الموقوذة بل ما قال بعض المنظمات الإسلامية معللاً بأنه يدخل في استثناء قوله تعالى: إلا ما ذكيتم صحيح۔

وليس من الموقوذة لأن تعريف الموقوذة غير صادق عليه قال صاحب احكام القرآن الموقوذة فإنه يروى عن ابن عباسؓ والحسن وقتادة وغيرهم: إنها المضروب بالخشب ونحوه حتى تموت (۱)، وفي عمدة القاری الشرح للبخاری: الموقوذة: هي التي تضرب بشئي ثقيل غير مُحددٍ حتى تموت وقال قتادة: كان أهل الجاهلية يضربونها بالعصاء حتى إذا مات آكلوها (۲) وكتبت أن المسلم المراقب يذبح الحيوان بالطريقة الاسلامية فكيف يدخل في تعريف الموقوذة، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/۹/۱۴۰۲ھ

مشینی ذبیحہ کا شرعی حکم:

الاستفتاء ما قولكم رحمكم الله في المسألة التالية حول قضية ذبح الدواجن في المجازر الدانمركية التي تصدرُها إلى البلاد العربية الإسلامية تأتي الدواجن (الدجاج والبط) معلقة من الرجلين في الصف)۔

۲۔ تمر الدواجن من ماء يمر فيه تيار الكهربائي يصير الدجاج مسكرا مغشيا عليه ولكنه يبقى حيا إذا كان تيار الكهربائي أقل من ثلاثين درجة۔

۳۔ المشرف المراقب المسلم يؤكد مسبقا ان التيار الكهربائي أقل من ثلاثين درجة۔

۱- احکام القرآن للجصاص تحقیق محمد صادق قمحاوی دار احیاء التراث العربی بیروت ط:۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء ج ۳/۳۰۱ وفیہ "وقتادة والضحاک والسدی" بدل "وغیرهم"۔

۲- عمدة القاری شرح صحیح البخاری ۲۱/۹۱ مکتبہ مدینہ لاہور ۱۴/ ۳۷۳ مکتبہ زکریا دیوبند ۲۱/ ۱۳۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)، مذکورہ تمام نسخوں میں "غیر محدد" بدون الواو کے بجائے "غیر محدود" با لواو مذکور ہے البتہ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۸ دار المعرفہ بیروت، میں "غیر محدد" ہے جیسا کہ فتوی کی عبارت میں ہے اور یہی صحیح ہے۔

۵۔ يأتي المراقب المسلم وينوى انه سيذبح اليوم عشرة الاف دجاج مثلاً۔

بعد ذلک يقول بسم الله آكبر يفتح الآلة الميكانيكة وبعد ذلک يكرر التكبير حسب استطاعته۔

۶۔ يأتي الدجاج ويذبح بالآلة من الإمام من الحلق ويجرى منه الدم۔

۷۔ ان بقي دجاج من المذبح الميكانيكي يذبحه المراقب المسلم بيده قائلا بسم الله الله آكبر والتلفف والتلفيف يكون تحت إشراف المراقب المسلم أرجو من سماحتكم أن تكتبوا لي الجواب مدللاً بالأدلة الشرعية إن هذا حلال أو حرام، والمسئولية على البلاد المستوردة آكثر منها على البلاد المصدرة والأكل الحلال من الشروط الإسلامية لقبول جميع العبادات وفقنا الله وإياكم لما يحب ويرضى، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔

اخوکم محمد ادریس امام المرکز الثقافی - ڈنمارک

الجواب وبالله التوفيق:

لما يبقى المواجن بعد المرور في التيار الكهربائي حياً ويأتي المراقب المسلم صحيح العقيدة يفتح الآلة الميكانيكة قائلا بسم الله الله آكبر ثم يكرر التكبير حسب استطاعته مسلسلاً (۱) حتى ينتهي عمل المذبح ويفرى الاوداج وينهر الدم فالعمل بهذه الطريقة المذكورة وإن كان مكروها ومخالفا للسنة كما أوضحنا في جواب الاول ۱۰ الف ۸۲۴ آنفا لكن ذبيحته لا يكون حراما بل يكون حلالا ويحل آكله بلا شک وريب لدخوله تحت قوله إلا ما ذكيتم فإن قيل بحسب تعدد الذبح يلزم أن يتعدد التسمية؟ قلت في هذه المطابقة حرج عظيم والحرج مدفوع في مثل هذه الأحكام كما أفاده في التنوير مع الدر بقوله وتشترط التسمية من الذابح حال الذبح ....والمعتبر الذبح عقب التسمية قبل تبدل المجلس وتحته في الشامية(۱۹۳/) قوله قبل تبدل المجلس الخ أى حقيقة أو حكما (إلى قوله) لأن إيقاع الذبح متصلا بالتسمية بحيث لا يتخلل بينهما شئ لا يمكن إلا

۱- ”لأن الفعل يتعدد فتعدد التسمية“ (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳۳۹/۹)۔

بحرج عظيم فاقيم المجلس مقام الإتصال[1]۔

وفي فتاوى الهندية النعمانية (۲۸۵/۵)۔

ومنها التسمية حالة الذكاة عندنا اى اسم كان سواء قرن بالاسم الصفة[2] إلى قوله أو لم يقرن بأن قال الله أو الرحمن أو الرحيم أو غير ذلك تفيد هذه العبارة ان من يفتح الآلة قائلاً بسم الله أكبر ويشرع فعل الذبح يلزم عليه أن يكرر التكبير أو يكرر اسم الذات حسب استطاعته مسلسلاً إلى أن ينتهي عمل الذبح[3] وهذا موافق لعمل المذكور للمراقب فلا يشك في جواز الذبيحة وحلة لحمه، فقط واللہ اعلم بالصواب

كتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

پوشیدہ طور پر گائے ذبح کرنا:

زمانہ موجودہ میں ذبیحہ گاؤ حکومت نے بند کردیا ہے پوشیدہ ذبیحہ کاٹ کر کے گوشت کھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

گوشت کھانا جائز ہے، قانون حکومت کا لحاظ بھی ضروری ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

كتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/۲۳/ ۸۵ ۱۳ھ

مرغی ذبح کرنے کا شرعی طریقہ:

مرغی یا مرغا ذبح کرنے کے لئے اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ایک آدمی مرغی یا مرغا کو کھڑی حالت میں پکڑتا ہے

۱- ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/ ۴۳۹۔

۲- "بأن قال الله اكبر، الله أعظم، الله أجل، الله الرحمن، الله الرحيم ونحو ذلك أو لم يقرن.... الخ "(فتاوی عالمگیریہ ۵/ ۲۸۵)۔

۳- "حتى لو أضجع شاتين إحداهما فوق الأخرى فذبحها ذبحة واحدة بتسمية واحدة حلا، بخلاف ما لو ذبحهما على التعاقب لأن الفعل يتعدد فتتعدد التسمية "(الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/ ۴۳۹)۔

اور دوسرا آدمی اس کو ذبح کرتا ہے۔تحریر فرمائیں یہ فعل درست ہے؟ یا یہ کہ ایک آدمی مرغی یا مرغا کو نیچے لٹائے اور اپنے پیروں اور ہاتھوں کی مدد سے اس کو ذبح کرڈالے دونوں طریقوں میں کون سا قرآن وسنت کی روشنی میں افضل ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مرغا یا مرغی کو بھی زمین پر لٹا کر ذبح کرنا سنت طریقہ ہے۔اگر کوئی دوسرا آدمی مرغا یا مرغی کو پکڑنیوالا ہو وقت ذبح نہ ہوتو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے ذبح کرلے،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

ذبیحہ کے متعلق ایک مضمون کے بارے میں ایک اشکال:

ذبیحہ کے متعلق ایک مضمون (دی اسلامک ریویوز) جوانگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے، کے شمارہ مئی ۱۹۶۶ء میں پڑھا۔اس کے مصنف رشید احمد جالندھری تمام حدود کو پار کر گئے ہیں مختصر ان کے لئے ہر قسم کا گوشت جائز ہے چاہے وہ چھپکلی کا ہو چاہے ہندو یا سکھ کا حلال کیا ہوا ہو، اس سلسلہ میں انہوں نے قرآن مجید کی آیات شریفہ نمبر ۱۹۱ و ۱۲۲ سورۃ نمبر ۶ اور آیت نمبر ۴ سورہ نمبر ۵ کے حوالے دیئے ہیں۔

اس مسئلہ میں دو چیزیں ہیں ایک تو تسمیہ یعنی خدا کا نام لینا، دوسرے طریقۂ ذبح ،تسمیہ میں تو گنجائش تھی وہ اباجی مرحوم کے فتوٰی سے ظاہر ہے کہ عیسائی اور یہودیوں کے ذبح کو قابل قبول مانا جاسکتا ہے،طریقۂ ذبح کے سلسلہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔یہ میرا ذاتی خیال ہے جس کی بنیاد وہی مضمون ہے۔اور اس سلسلہ میں احادیث میں ایک خاص طریقہ کا حکم ہے جو مصنف مذکور کے حساب سے اس بنیاد پر قائم ہے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو، چونکہ موجودہ طریقہ جسے (ہیومن کلر)(HUMAN KILLER) کہتے ہیں بظاہر جانور کے لیے تکلیف دہ ہے، اگر ہمارے طریقۂ ذبح سے اس کا موازنہ کیا جائے۔اس لئے مصنف کہتا ہے کہ موجودہ طریقہ ہیومن کلر ہی عین اسلامی طریقہ ہے اس کو مفتی اردن وغیرہ نے بھی (ENDORSE) کیا ہے،حتیٰ کہ مصنف کے بیان کے مطابق اس کی حمایت سعید احمد اکبرآبادی نے بھی ۶۴ء کے برہان میں کی ہے، اسی طرح کا یہاں پر عام طور پر گوشت ملتا ہے وہ بھی جائز ہوجاتا ہے؟

الجواب وبالله التوفیق:

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ قرآن کریم انسانی مقالہ، یا انسانی تصنیف یا اس کے مثل نہیں ہے، بلکہ یہ کلام ہے اور کلام الٰہی ہے، انسانی کلام میں بھی بہت سے ایسے اشارے اور گوشے ہوتے ہیں جسکو کماحقہ مخاطب ہی سمجھتا ہے، کوئی دوسرا نہیں سمجھ پاتا۔ صرف دوسطر کا لکھا ہوا ایک پوسٹ کارڈ بسا اوقات بہت سے اشارات وگوشے اپنے اندر رکھتا ہے جن کو صرف مخاطب ہی سمجھتا ہے۔ دوسرا کوئی خواہ کتنا ہی بڑا زبان داں، فصیح وبلیغ، محاورات ولغات پر حاوی ہی کیوں نہ ہو، اچھی طرح نہیں سمجھ پاتا اور یہ چیز روزمرہ کے تجربہ میں ہے، پھر کلام الٰہی کو جو "**تبیانا لکل شیئی یحتاج إلیه الإنسان فی معاده**" (یعنی یہ قرآن ہر اس چیز کا پورا بیان ہے جس کی جانب انسان کسی وقت بھی اپنے معاد کے معاملہ میں محتاج ہو) کے درجہ میں ایجاز کے اعلیٰ اسلوب پر قیامت تک کے لیے ایک مکمل ضابطہ وقانون ہے، بغیر اس کے مخاطب اول کی اعانت کے کیونکر اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ نبی کریم ﷺ ہیں، اس لیے جناب نبی کریم ﷺ سے مستغنی وبے نیاز ہوکر سمجھنا معتبر وقابل اعتماد نہیں ہوسکتا، جناب نبی کریم ﷺ محض مخاطب اول ہی نہیں، بلکہ آپ قرآن حکیم کے معلم بناکر بھیجے گئے اور آپ کی تعلیم کی اتباع کا حکم بھی دیا گیا اور آپ کی تعلیمات کو امت پر اللہ نے خود اپنا احسان جتلایا اور موقع امتنان واحسان میں ارشاد فرمایا: "**لقد من الله علی المؤمنین إذ بعث فیهم رسولا من أنفسهم یتلو علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة**" (۱)، پھر آپ سے یا آپ کی تعلیمات سے بے نیازی کس طرح روا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی کلام ہے اور مثل قرآن کریم وحی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ قرآن کریم وحی متلو ہے اور احادیث رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) وحی غیر متلو ہے، مگر نفس وحی ومصدق من اللہ ہونے میں دونوں یکساں ہیں، اسی بارے میں ارشاد خداوندی ہے: "**وما ینطق عن الهویٰ إن هو إلا وحی یوحی**" (۲)، اور اس کلام رسول اللہ ﷺ کے مخاطب اول صحابۂ کرام ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کی سلامتی فہم اور بصیرت کی تائید قرآن پاک میں متعدد جگہ فرمائی گئی ہے، بلکہ بعض مقام پر تو جناب نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ بالا علان امت کو اس سے آگاہ فرمادیجئے کہ یہ (دین) میرا راستہ ہے، میں اس کے ذریعہ تمام لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود اور میرے تمام صحابی بصیرت پر ہیں، چنانچہ

۱- سورۂ آل عمران: ۱۶۴۔

۲- سورۂ نجم: ۳۔

ارشاد الٰہی ہے: "**قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا و من اتبعني**" (۱)۔

اور ان ہی اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں ارشاد رسول علیہ السلام اس طرح ہے: "**أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم**" (۲)، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ارشادات وتشریحات کا حکم بھی وہی ہوگا جو ابھی اوپر مذکور ہوا۔

پھر اسی طرح کلام صحابہ بھی کلام ہے اور اس کے مخاطب اول حضرات تابعین ہیں بالخصوص وہ حضرات جنھوں نے صحابہؓ سے براہ راست اخذ علم رسول کیا ہے اور صحابہ کرام نے ان پر اعتماد کیا ہے، اور کلام صحابہؓ اگر چہ وحی نہیں ہے، مگر صاحب وحی سے براہ راست اخذ کیا ہوا ہے، اور صاحب وحی نے ان پر اعتماد کیا ہے، اور یہ حضرات تابعین ان کے معتمدین کے معتمد ہیں، لہذا ان کی فہم بصیرت بھی واجب اللحاظ اور دوسروں کی فہم بصیرت پر فائق ہوگی۔

ہماری اس بات پر بہت سی آیات وروایات شاہد ہیں۔ ان سب کے پیش کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، صرف ایک مشہور حدیث پیش کر دی جاتی ہے، اس میں بھی اس طرف کافی اشارہ موجود ہے، ارشاد رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے: "**خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم**" (۳)۔

اتنی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان تینوں سے بے نیاز و مستغنی ہو کر محض زبان دانی کے بھروسہ پر آیات قرآنی کا کوئی مفہوم متعین کر لینا حجت شرعی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک خطرناک قسم کی جرأت اور ناقابل تلافی غلطی ہوگی، اور اسی قسم کی غلطیوں سے تمام فرق ضالہ وباطلہ پیدا ہوئے۔

غرض یہ ہے کہ اگر چہ تسمیہ وطریق ذبح کی ساری قیود وشرائط اور سارے احکام ہم کو براہ راست قرآن پاک میں نہ ملیں، مگر جب احادیث رسول وآثار صحابہؓ میں یہ تفصیل موجود ہے، تو ان کا اتباع ولحاظ ضروری ہوگا، یہ بات بطور اصول موضوعہ ہر وقت پیش نظر رہنی ضروری ہے، انہیں اصول کے پیش نظر نہ رہنے کی وجہ سے جالندھری صاحب نے وہ مضمون لکھ مارا ہے، ورنہ ہرگز ایسی جرأت نہ فرماتے اور ہرگز ایسی باتیں نہ فرماتے جو انہیں کبھی نہ کہنی چاہئے تھیں۔

بہرحال تسمیہ کے بارے میں جب آپ کو تشفی حاصل ہے تو اس پر کلام کی حاجت نہیں، البتہ طریق ذبح کے بارے میں آنجناب کی بصیرت وتشفی کے لیے تھوڑا سا عرض ہے کہ ذبح کا جو طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ومتعین ہے، یعنی یہ کہ جانور

۱- سورۂ یوسف: ۱۰۸۔

۲- مشکوۃ المصابیح باب مناقب الصحابۃ الفصل الثالث / ۵۵۴۔

۳- ابن ماجہ میں ہے: "أي الناس خير قال: قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" (ابن ماجہ ۲/ ۴۸، ابواب الاحکام حدیث نمبر: ۲۳۸۴)۔

کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا کر کوئی مسلمان یا اہل کتاب (یہودی یا نصرانی) ذبح کرتے وقت کسی غیر اللہ کا نام لیے بغیر محض اللہ کا نام لے کر حلقوم کی جانب سے کسی دھار دار چیز سے ذبیحہ کا حلقوم (غذا کی نلکی) اور قصبۃ الریہ (سانس کی رگ) اور ودجین (قصبۃ الریہ کے دونوں جانب کی خون کی دو رگیں) کاٹ کر ناپاک خون (دم مسفوح) خارج کردے، یہی طریقہ ذبح کا مسنون ہوگا اور شریعت مطہرہ کے عین منشاء کے موافق کہلائے گا۔

خط میں موجودہ طریقہ ذبح کی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ اس پر کلام کیا جائے، بہر حال اس جدید طریقہ ذبح میں یہ مذکورہ بالا باتیں اگرچہ موجود نہ ہوں جن سے ذبیحہ سنت کے مطابق ہوتا ہے، لیکن گوشت کے حلال وطاہر ہونے کی صرف دو شرطیں منصوص ہیں۔ اگر پائی جائیں گی تو ذبیحہ حلال وطاہر کہا جائے گا۔

☆ پہلی شرط بحکم آیت کریمہ: "**یسئلونک ماذا أحل لھم قل أحل لکم الطیبات**" (۱)، (قولہ تعالیٰ): "**واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ إن اللہ سریع الحساب**" (۲)، یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا بحکم آیت کریمہ: "**وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم**" (۳)، کوئی اہل کتاب (یہودی یا نصرانی) ہو بوقت ذبح بلاشرکت غیرے محض اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

☆ دوسری شرط بحکم آیت کریمہ: "**حرمت علیکم المیتۃ والدم** .... **إلا ما ذکیتم**" (۴)، یہ ہے کہ کوئی مسلمان یا بحکم آیت متلوہ کوئی اہل کتاب گردن کی مذکورہ چاروں رگوں میں سے کم سے کم تین رگیں تسمیہ کے ساتھ کاٹ کر ناپاک خون (دم مسفوح) نکال دے۔

اب اگر ان رگوں کے کاٹنے میں گردن کا زائد حصہ کٹ جائے یا بالکل سر قلم ہو جائے یا پچھلے حصہ سے کاٹ دیا جائے یا بغل سے کاٹ دیا جائے یا جانور پر کھڑے کھڑے یہ دونوں عمل (تسمیہ مذکیہ) کر دیا جائے، اگرچہ ان افعال کو غیر مشروع یا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ کہا جائے، مگر چونکہ دونوں شرطیں پوری ہو گئیں اور تسمیہ معہودہ کے ساتھ دم مسفوح نکل کر طہارت وحلت آ گئی ہے، اس لیے ان افعال غیر مسنونہ کا اثر گوشت کی حلت وطہارت پر نہ پڑے گا اور کھانا جائز رہے گا۔

۱- سورۂ مائدہ: ۴۔
۲- سورۂ مائدہ: ۴۔
۳- سورۂ مائدہ: ۵۔
۴- سورۂ مائدہ: ۳۔

اور اگرچہ بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات کی سعی بھی حتی المقدور کرتے رہنا ضروری رہے گا کہ یہ عمل ذبح مطابق سنت کیا جائے، تاکہ ہر طرح عند الشرع والشارع محمود وپسندیدہ رہے۔ اور یہ کہنا کہ احادیث میں ذبح کا ایک خاص طریقہ محض اس بنیاد پر ذکر کیا گیا ہے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو، اور پھر اسی کو علت اصلی قرار دے کر اس پر یہ حکم متفرع کردینا کہ یہ مشینی طریقہ بھی عین اسلامی طریقہ ہے صحیح نہ ہوگا، یہ حصر درست نہیں، بلکہ اخراج دم مسفوح میں نجس خون کا اچھی طرح اخراج بھی ضروری ہے اور شرط کے درجہ میں لازم ہے، پس اگر ذبیحہ کے جسم پر بجلی کا کرنٹ دوڑانے سے یا کسی اور طریقہ سے مثلاً انجکشن وغیرہ دے کر جانور کو بے حس وحرکت یا بیہوش کرنے سے رگیں سکڑ کر دوران خون بند ہوجاتا ہو یا کمزور ہوجاتا ہو، یا طبیعت کمزور ہوجاتی ہو جس سے اخراج خون میں کمی ہوجاتی ہو، اور دم نجس سے اچھی طرح صفائی نہ ہوتی ہو تو یہ طریقہ عند الشرع پسندیدہ ومحمود نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ اس کو عین طریقۂ اسلامی کہا جائے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو نفس ذبح میں ایک جاندار کی جان ضائع کرنا ہوتا ہے جو بظاہر قتل کے مشابہ ہے اور عقل کے نزدیک بظاہر یہ فعل قساوت قلبی سے ناشی معلوم ہوتا ہے، عقل کے نزدیک تو یہ فعل سرے سے ہی جائز نہ ہونا چاہئے، لہذا یہ مسئلہ عقلی نہ رہا، بلکہ بایں طور تعبدی ہوگیا کہ اللہ رب العزت نے اپنے قول برحق: **"ولقد کرمنا بنی آدم"**(۱)، اور **"هو الذي خلق لكم ما في الأرض جميعا"**(۲) کے پیش نظر تکریم بنی آدم اور بنی نوع انسان کا اعزاز واکرام ظاہر کرنے کے لیے اس فعل کا حق واختیار بنی نوع انسان کو عطا فرمایا ہے کہ انسان اس سے یہ سمجھے کہ ہم ان مذبوحات کے خالق ومالک نہیں تھے، مگر اللہ نے ہماری حیثیت ومرتبہ سے بڑھ کر ہم کو یہ انعام واکرام فرمایا ہے، اعزاز بخشا ہے، لہذا اس کی طرف رجوع کریں اور ممکن ہے کہ بوقت ذبح اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے میں یہ بھی نکتہ ہو۔

نیز ممکن ہے کہ اس فعل کو اللہ نے اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر عبادت بنادیا، جیسا کہ **"فصل لربک وانحر"** (سورہ کوثر:۳) میں بیان فرمایا اور یہ حق واختیار دیا ہے، لہذا یہ فعل امر تعبدی کے قبیل سے ہوگیا، اور امر تعبدی کی علتیں محض شارع حقیقی کے علم وحکمت میں مخفی رہتی ہیں اور بظاہر جو وجوہ اسباب نظر آتے ہیں وہ محض حکمت کے درجہ میں ہوتے ہیں، علت نہیں ہوتے، مدار حکم اگر ہوسکتا ہے تو محض علت نہ کہ حکمت، حکمت کبھی مدار حکم نہیں ہوتی۔

یہی فرق پیش نظر نہ ہونے سے یہ کہلایا گیا ہے کہ یہی عین اسلامی طریقہ ہے، یا یہ خاص طریقہ ذبح کا احادیث میں

۱- سورۂ اسراء:۷۰۔

۲- سورۂ توبہ:۲۹۔

محض اس بنیاد پر ہے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔ مفتی اردن یا اور تائید کرنے والوں کے ذہن سے یہی فرق ذہول کر گیا ہے، ورنہ وہ لوگ بھی کبھی اس کی تصویب یا تائید نہ کرتے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کہنا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت کوئی روشنی نہیں ڈالتی یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر واقعی اس کا کوئی حکم قرآن کریم میں ہم کو نہ ملتا جب بھی یہ تعبیر (کہ قرآن کریم کی کوئی آیت اس پر کوئی روشنی ——— الخ) قرآن کریم کی شان میں گستاخی و بے ادبی ہے، اللہ رب العالمین نے قرآن کریم کو **"تبیانا لکل شيء"** (۱)، اور **"هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان"** (۲) فرمایا ہے، پھر ایسے اہم اور خالص مذہبی معاملہ میں اس کی کوئی ہدایت یا رہبری کیوں نہ ہوگی۔ یہ تعبیر اسی قسم کے ذہنوں کی پیداوار ہے جس نے نبی کریم ﷺ کا در پردہ انکار کر کے آپ کی تنقیص و استہزاء کے لیے لفظ "راعنا" استعمال کیا تھا اور اس پر خدائے ذوالجلال نے نکیر و تنبیہ فرمائی، چنانچہ: **"لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا"** (۳) نازل فرمایا اور اس موقعہ کے تعبیری عنوان کی تعلیم ہم کو دربار نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم سے حدیث معاذ بن جبل میں اس طرح ملی ہے کہ بجائے مذکورہ تعبیر کے یوں کہنا چاہئے کہ قرآن پاک میں اس کے بارے میں ہم کو کوئی حکم نہیں ملتا، چنانچہ "مشکوۃ" میں ہے: **"عن معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ لما بعثه إلى اليمن قال كيف تقضي إذا عرض لك قضاء قال: أقضي بكتاب الله قال: فإن لم تجده في كتاب الله قال فبسنة رسول الله، قال: فإن لم تجده في سنة رسول الله، قال: أجتهد برأيي فضرب رسول الله على صدره، وقال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله"** (۴)۔

اس تعبیر میں لاعلمی و جہل یا نقص کی نسبت محض اپنی طرف ہوگی، اس لیے قرآن کریم کی تنقیص یا بے ادبی وغیرہ کا ایہام بھی نہ ہوگا۔ پھر قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔ ہر کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے اور خود متکلم موصوف شمار ہوتا ہے۔ اور متکلم ہی کی حیثیت و مرتبہ سے اس کے کلام کا مرتبہ و مقام متعین ہوتا ہے، **کلام الملوک ملوک الکلام**۔

نیز متکلم کے کسی وصف کی تنقیص خود متکلم کی تنقیص بسا اوقات شمار ہوتی ہے، بلکہ اکثر کسی موصوف کی تنقیص و استہزاء اس کے وصف ہی کے استہزاء سے کرتے ہیں، بالخصوص جب موصوف کی براہ راست ذات کی تنقیص سے خطرات

۱- سورۂ نحل: ۸۹۔

۲- سورۂ بقرہ: ۱۸۵۔

۳- سورۂ بقرہ: ۱۰۴۔

۴- ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرأی فی القضاء ۳/ ۳۰۳، حدیث نمبر: ۳۵۹۲۔

ومصائب میں ابتلاء کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی اس بے ادبی وگستاخی کی سرحد براہ راست اللہ تعالیٰ کی بے ادبی وگستاخی تک پہنچتی ہے۔ اس لیے یہ گستاخی وبے ادبی انتہائی خطرناک بھی ہوتی ہے مسلمانوں کو اس سے احتیاط لازم ہے۔

امید کہ اتنی گفتگو سے آپ کو جس مسئلہ کی تحقیق مطلوب تھی اس کی توضیح بقدر ضرورت ہوگئی ہوگی، البتہ آپ کا غیر مسنون طریقہ سے ذبح کئے ہوئے گوشت کو نہ کھانا یا اس سے طبیعت کا رکنا یہ جذبۂ محمود اور سلامتی طبع کی دلیل اور تقویٰ کی علامت ہے۔ اب اس مذکورہ بالا ضابطہ کے مطابق دیکھ لیا کریں، اگر حلت واباحت کی شرطیں پائی جائیں تو مباح سمجھیں ورنہ ناپاک وحرام سمجھیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

عمداً تارک التسمیۃ کے ذبیحہ کا حکم شرعی:

کوئی حنفی المذہب مرغ یا بکرا ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دے تو وہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اسی طرح ہر حنفی کے لیے یہ ذبیحہ کسی حنفی کو فروخت کرنا اور ہر حنفی کو اس کا خریدنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی حنفی المذہب شخص اگر ذبیحہ پر ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ کہنا چھوڑ دے اور اللہ کا نام لیے بغیر قصداً ذبح کردے اور گو اتفاقاً ہی ایسا کرے جب بھی ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے اور اس کا خود کھانا یا کسی کو کھلانا خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ناجائز اور حرام ہوتا ہے، اس لیے کہ قرآن پاک میں نصوص مثلاً: ”**لاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ**“(۱) اور مثلاً ارشادِ باری: ”**کلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ**“(۲)، ان تمام شقوں کو شامل اور حاوی ہے، اس لیے کہ اس کے الفاظ عام ہیں اور اعتبار عموم الفاظ ہی کا ہوتا ہے نہ کہ محض خصوصِ مورد کا۔ اسی طرح اس کا خریدنا فروخت کرنا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہوجاتا ہے، کیونکہ مطہر ومذکی حقیقت میں اللہ کا نام بوقتِ ذبح لینا ہی ہوتا ہے اور جب چھوڑ دیا تو وہ میتہ ومردار کے حکم میں ہو گیا اور مردار کا حکم یہی ہے اور ان ہی وجوہ سے فقہاء ومشائخ نے فرمایا ہے: ”**ان ترک التسمیۃ عامداً لا یسع**

۱- سورۃ انعام ۱۲۱۔

۲- سورۃ انعام ۱۱۹۔

الاجتهاد ولو قضی القاضی بجواز بیعه لاینفذ"(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۸/۶/۹۹ ۱۳ھ

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

اہل کتاب یہود وعیسائی کا خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہوا گوشت جائز ہے یا نہیں؟

شیخ محی الدین (میٹریل ڈیپارٹمنٹ شیڈکم۔سعودی عربیہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

عیسائی عموماً ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ مسیح ابن اللہ بھی کہتے ہیں، اس لئے جب تک ایسا نہ ہو کہ عیسائی کسی مسلمان کے سامنے محض اللہ کا نام لے کر ذبح کر دے یا جب تک ایسا نہ ہو کہ یہ عیسائی اپنے مذہب کے اعتبار سے ایسا ہو کہ محض اللہ کا نام بوقت ذبح لیتا ہو اس کا ذبیحہ کھانا درست نہ ہوگا۔ ہاں یہودی اپنے مذہب و مسلک کی بنیاد پر بوقت ذبح محض اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں، اس لئے ان کا ذبیحہ کھانا درست وجائز ہوگا (۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۷/۲/۹۹ ۱۳ھ

ڈبہ میں پیک شدہ گوشت اور اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

ہماری کمیونٹی براعظم افریقہ کے جنوبی سرے پر آباد ہے اور دو مسلمانی مذاہب کے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

(۱) پہلے مسلم جو افریقہ میں ۳۰۰ سال قبل آئے اور جو خصوصی طور پر شافعی المذہب سے تعلق رکھتے ہیں دوسرا طبقہ جو ہندوستانی اور پاکستانی نسل کے مسلمانوں پر مشتمل ہے وہ زیادہ تر حنفی المذہب ہیں، ۵۰ سال قبل ہم بالکل الگ تھلگ تھے اور باقی دنیا سے ہمارا بہت کم تعلق تھا، اب موجودہ ذرائع آمد و رفت اور ذرائع اظہار خیال کے بہت زیادہ تبدیلی رونما ہوگئی ہے، آج زیادہ سے زیادہ ہمارے افراد دنیا کے چاروں طرف سفر کر رہے ہیں حج کے لئے مکہ معظمہ جاتے ہیں اور یورپ کا

۱- ہدایہ علی فتح القدیر ۷/۵۷، ہو کذا فی البحر والرد وغیرھا۔

۲- ھکذا فی الدر مع الرد ۲/۲۵۹۔

دورہ کرتے ہیں جب ہم ان ممالک میں ہوتے ہیں تو ہمیں معلم کے ذریعے ہوٹلوں میں گوشت اور چکن (چوزہ، کے گوشت) فراہم کیا جاتا ہے، جب ہم ہوٹلوں میں گوشت اور چکن کے پیکنگ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت اور چکن آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کناڈا، جنوبی امریکہ، چائنا، ہالینڈ، بلغاریہ، ڈنمارک اور دیگر ممالک سے آتا ہے یہ سب مسلم ریاستیں نہیں ہیں ان کے ذبح کرنے کا طریقہ اس سے مختلف ہے جو ہمیں سکھایا جاتا ہے۔

۱۔ جو شخص ذبح کرتا ہے وہ لازما مسلمان ہونا چاہئے۔

۲۔ ذبح کرنے سے قبل بسم اللہ ضرور پڑھنی چاہئے۔

۳۔ ذبح کرنے میں چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ لازمی طور پر چاک کرنا چاہئے ۲۔ دوگردن کی رگیں ضرور کاٹ دینی چاہئے ۳۔ نرخرہ ضرور کاٹ دینا چاہئے ۴۔ سر کو جسم سے الگ نہیں کرنا چاہئے۔

متذکرہ بالا ممالک میں ذبح کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے وہاں جو شخص ذبح کرتا ہے مسلمان نہیں ہے بلکہ اہل کتاب کا ایک فرد ہے، بڑے جانوروں کے معاملہ میں یہ ہوتا ہے کہ پہلے جانوروں کے سر (دماغ) پر گولی مار کر بے ہوش کر دیا جاتا ہے اور پھر خون بہانے کے لئے گلا کاٹ دیا جاتا ہے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا جاتا چوزہ کی صورت میں بغیر اللہ کا نام لئے گردن کاٹ دی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اہل کتاب فرقہ کے کسی فرد کے ذریعہ ذبح شدہ جانور کا گوشت یا یا چکن (چوزہ گوشت) میرے لئے کھانا جائز ہے۔

معلمین یہ بتاتے ہیں کہ گوشت اور چکن ہمارے کھانے کے لئے مکمل طور پر حلال ہیں، حال ہی میں ایک مشہور مصنف ایک کتاب الموسوم میں غیر مسلم اشخاص کے ذریعہ ذبح شدہ جانور کے گوشت کا جواز اس کتاب میں مصنف اپنے خیالات کی تائید میں قرآن اور احادیث سے اقتباسات پیش کرتا ہے ان کی بنیاد پر عربی بولنے والی دنیا کے مسلمان بغیر ضمیر کی علامت یا دل کی خلش کے اس گوشت کا استعمال کر رہے ہیں، آج کے علماء ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ اہل کتاب اب ایسے نہیں ہیں جیسے کہ وہ پہلے تھے، میں اس میں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ آج کے مسلمان ایسے نہیں ہیں جیسے کہ وہ پیغمبر محمد ﷺ کے زمانہ میں تھے قرآن نے سورہ (۵) آیت چھ میں اہل کتاب کا کھانا ہمارے لئے اور ہمارا کھانا اہل کتاب کے لئے جائز قرار دیا ہے، ہمارے پیغمبر کے زمانہ میں عیسائیوں کے اور یہودیوں کے ۲۷ فرقے تھے یہ فرقے پیغمبر کے زمانے میں پہلے ہی سے موجود

تھے اور قرآن پاک ان ہی اختلاف کے وجود کے دور میں نازل ہوا ایسی صورت میں ہمیں یہ کیسے بتایا جاتا ہے، کہ آج کے اہل کتاب ایسے نہیں ہیں جیسے کہ وہ پیغمبر کے زمانہ میں تھے اور اس بنا پر ان کے ذریعہ ذبح شدہ جانور کا گوشت استعمال نہیں کیا جاسکتا، اگر یہ اہل کتاب مختلف خیال کئے جاتے ہیں تو مہربانی فرما کر بتائیے موجودہ اہل کتاب کن بین وجوہات کی بناء پر پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ کے اہل کتاب سے مختلف ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

جواب لکھنے سے قبل چند باتیں عرض ہیں، پھر اس کے بعد نمبروار جواب معروض ہوگا۔

(الف) حنفی، شافعی، مالکی، اصحاب ظواہر (اصحاب حدیث) سب اصولاً متفق ہیں ان کے درمیان آپس میں اصولی اختلاف نہیں سب کے اصول، کتاب وسنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس شرعی ہیں آپس کا اختلاف فروعی اور محض اجتہادی اور استنباطی ہے، اور سب اہل حق ہیں کسی کی تغلیط اور کسی کو ناحق یا باطل پر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں ہے اور سب کا بتلایا ہوا قرآن وحدیث کا مفہوم ومطلب صحیح وحق ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے اجتہاد واستنباط پر عمل کرنا صحیح ہے۔

البتہ بعد کے لوگ جو مجتہد نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ عمل کرنے میں ان مذکورین میں سے جس مجتہد کی پیروی کر رہے ہوں صرف اسی سے ہر معاملہ ومسئلہ میں خدا اور رسول کا حکم معلوم کریں اور کتاب وسنت سے جو حکم انکا بتلایا ہوا ہو صرف اس پر عمل کریں خود اپنی رائے وفہم سے کوئی عمل نہ کریں ورنہ بسا اوقات ایسا عمل کر بیٹھیں گے جو قرآن وسنت کے صریح خلاف اور سب مجتہدین کے نزدیک غلط وباطل ہوگا اور اس طرح بددینی کا دروازہ کھل جائے گا اور پھر مکمل گمراہی پھیل جائے گی اور اسی کا نام تلفیق بالمحرم ہے جو نا جائز بلکہ حرام ہے اور تلعب بالدین ہے اور یہی خود رائی امم سابقہ میں گمراہی کا پہلا قدم تھا اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ کتاب الٰہی اور سارا دین سب مسخ ومحرف ہوگیا پس اس طریق سے اجتناب کلی لازم ہے۔

ہاں اگر کسی معاملہ یا مسئلہ میں ان مجتہدین ومحققین کے اقوال مختلف ہوں تو غور کرکے ان اقوال میں اگر کوئی قول ایسا مل جائے جس پر عمل کرنے سے کسی مجتہد کے بتلائے ہوئے مفہوم ومعنی کا خلاف کرنا لازم آتا ہو تو اس پر عمل کرلیں تاکہ سب کے نزدیک متفق علیہ عمل ہوجائے اور یہ صورت بہتر ہوگی۔

اور اگر ان اقوال میں سے کوئی قول ایسا نہ ملے تو صرف اسی امام ومجتہد کے بتلائے ہوئے مفہوم وحکم پر عمل کریں جسکی پیروی اپنے اوپر لازم کرچکا ہے کبھی اس کے خلاف نہ کرے، ورنہ کتاب وسنت کی اتباع کے بجائے اپنی کم علمی کیوجہ سے بسا

اوقات اپنے ہوی وہوس کی اتباع میں مبتلا ہوکر دین کی ہلاکت کا باعث بن جائے گا اور اس پر بے شمار وعیدیں قرآن وسنت میں وارد ہیں۔

نیز اس چھوٹ دینے سے بہت سے بالقصد دین میں گمراہی پیدا کرنے والے گمراہی پیدا کرنے کا راستہ پا جائیں گے جس سے خود بچنا اور قوم کو بچانا لازم ہے اور عین دین کی حفاظت میں شمار ہے۔

اسی ضابطہ وقاعدہ پر عمل کرنا ملک کے باشندوں پر لازم وضروری ہے، جہاں پر وہ رہیں اور جس ملک میں وہ جائیں ہر جگہ اور ہر ملک میں اسی ضابطہ کے مطابق عمل کرنا لازم رہے گا۔ اگر کوئی شخص دیدہ ودانستہ اس احتیاطی ضابطہ کو چھوڑے گا یا اپنی طبیعت یا خواہش کے مطابق آزادی برتے گا تو قوی اندیشہ ہے کہ وہ قرآن پاک کی اس وعید کا مصداق ہوجائے یا اس وعید کے وبال میں مبتلا ہوجائے، **کما قال تعالی: "هل ننبئكم بالأخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا"** (۱)۔

تقریبا چوتھی صدی ہجری یا اس کے آس پاس منجانب اللہ تمام امت مسلمہ کا اسی احتیاطی طریقہ کار پر اجماع ہوگیا ہے اور یہ اختلاف مجتہدین، اختلاف امتی رحمۃ، اور الدین یسر کا مظہر بشکل اجماع قرار پا گیا ہے اور یہ اجماع اللہ تعالی کی رحمت خاصہ سے دینی حقیقت کی حفاظت کا سامان وذریعہ بن گیا ہے، ورنہ دین میں خرابی کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس مضمون کو نہایت تحقیق وتفصیل سے اپنے رسالہ جات الانصاف وغیرہ میں بیان فرمایا ہے۔

(ب) اہل کتاب ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور اللہ کو معبود برحق مانتے اور سمجھتے ہوں اور انجیل توریت زبور میں سے کسی کتاب کے قائل ہوں اور اس کو آسمانی کتاب مانتے اور سمجھتے ہوں اور اس پر اعتقاد رکھتے ہوں اور اس پر اپنا مذہب رکھتے ہوں خواہ ان کتابوں کے محرف ہونے کے بعد ہی یہ اعتقاد ومذہب رکھتے ہوں اور جس نبی پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے اس کو نبی بھی مانتے وسمجھتے ہوں خواہ اسکو ابن اللہ یا ثالث ثلثہ وغیرہ بھی کہتے ہوں وہ سب اہل کتاب ہیں خواہ کسی ملک یا خطہ میں رہتے ہوں یا کسی خطہ وملک کے باشندے ہوں وہ سب اہل کتاب ہی شمار ہوں گے۔

اور یہ سب اعتقاد ومذھب رکھتے ہوئے محض عمل کی خرابی وبدعملی سے وہ اہل کتاب سے خارج شمار نہ ہوں گے اس لئے کہ قرآن کریم نے ان حالات میں بھی انکو اہل کتاب فرمایا ہے اور انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

۱- سورۂ کہف: ۱۰۴۔

ہے: "**وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم**" (۱) ، اورانہی لوگوں کا ذبیحہ جو قرآن کریم میں بیان کردہ قیود وشرائط کے ساتھ ہووہ مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیا گیا ہے نہ کہ مطلقاً اہل کتاب کا ذبیحہ جس کی تفصیل ابھی عنقریب آتی ہے۔

اور وہ لوگ جنکے یہ عقیدے باقی نہ رہ گئے ہوں یعنی اللہ تعالی کے وجود کا انکار کردیا ہو، اللہ کو معبود برحق نہ مانتے ہوں یا آسمانی کتاب پر یا جس نبی پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے ایمان ختم کردیا ہو یا انکا انکار کردیا ہو وہ لوگ چاہے اپنے کو اہل کتاب کہیں مگر وہ عندالشرع اہل کتاب باقی نہیں رہے، اب یا تو وہ عندالشرع دہریے شمار ہوں گے یا زندیق ولا مذہب وغیرہ شمار ہوں گے اور انکا اپنے کو اہل کتاب کہنا معتبر نہ ہوگا اور انکا ذبیحہ بھی حلال نہ ہوگا۔

پس جن علماء نے یہ کہا ہے کہ اہل کتاب اب ایسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے اگر انکا مقصود یہی ہے تو صحیح ہے ورنہ وہ لوگ اپنے قول کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

یہ تشریح بالکل ایسی ہی ہے جیسے وہ شخص جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتا ہو اور اس کو وحدہ لاشریک مانتا و سمجھتا ہو اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو نبی آخر الزماں اور خاتم النبیین اور آپ پر نبوت کو ختم مانتا سمجھتا ہو اور قرآن کریم کو آسمانی کتاب و آخری کتاب اور برحق سمجھتا و جانتا ہو اور ان تمام چیزوں کا بھی اعتقاد رکھتا ہو جو ایمان صحیح کیلئے زمانہ خیرالقرون میں ضروری وشرط کے درجہ میں سمجھی گئی ہوں تو وہ شخص مومن ومسلم ہے۔

اور ان عقائد کو رکھتے ہوئے اس کے عمل میں خواہ کتنی ہی خرابی آجائے وہ مومن ہی قرار پائے گا گو وہ مومن عاصی اور فاسق ہو مگر ایمان سے خارج وغیر مسلم شمار نہ ہوگا۔

اور جن لوگوں کے یہ عقائد ہی بدل جائیں اور جن چیزوں پر مومن ہونے کے لئے اعتقاد رکھنا لازم وضروری ہے اس پر انکا عقیدہ نہ رہے تو وہ اگرچہ مومن کہیں مگر وہ مومن شمار نہ ہوں گے مثلاً جو شخص باری تعالی کے وجود ہی کا منکر خدا نخواستہ ہو جائے تو وہ اپنے مومن کہنے یا کہلانے کے باوجود عند اللہ مومن نہ ہوگا، بلکہ دلائل شرعیہ سے یہ...... ثابت ہو جانے کے بعد اس پر دہریہ وغیرہ ہونے کا شرعاً حکم ہو جائیگا۔

اسی طرح کوئی خدا کے وجود کا تو قائل ہو مگر جناب نبی کریم ﷺ کے لئے ختم نبوت نہ مانتا ہو یا کسی ایسی ہی اور ضروریات دین کا منکر ہو جس پر اعتقاد رکھنا ایمان کے لئے شرط ہو یا ایمان معتبر اس پر موقوف ہو تو بھی عند اللہ مومن نہ ہوگا اور

۱- سورۃ المائدہ:۵۔

دلائل شرعیہ سے ثابت ہوجانے کے بعد اس پر شرعاً مرتد یا غیر مسلم ہونے کا حکم ہوجائے گا اور اس کا ان حالات میں اپنے کو مؤمن کہنا یا سمجھنا یا کہلانا کچھ مفید و معتبر نہ ہوگا۔

امید کہ اتنی گفتگو سے سب اشکالات رفع ہوجائیں گے۔

اب اس کے بعد ہر سوال کا نمبر وار جواب معروض ہے:

۱۔ذبح کی کئی صورتیں ہوتی ہیں بعض صورتوں میں ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے، بعض صورتوں میں حرام نہیں ہوتا، ابھی تفصیل میں یہ چیز واضح ہوجائے گی انشاء اللہ!

ذبح کی جو صورت آپ نے لکھی ہے اور ہمیں جو یہ صورت ضابطہ کے مطابق سکھلائی جاتی ہے یہ ذبح ہی سب سے اعلیٰ و برتر صورت ہوتی ہے، اس صورت سے ذبح کرنے میں گوشت حلال ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں اتباع سنت کا بھی ثواب ملتا ہے۔خواہ نصرانی ہو یا یہودی یا حربی ہو، یا عربی یا کہیں کا ہو کما فی الشامی (۱۸۵/۵) ''**لان الشرط قیام الملۃ ھدایہ وکذا الصابئۃ لانھم یقرون بعیسیٰ علیہ السلام قھستانی**''(۱)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہونے کے بجائے کوئی اہل کتاب ہو اور وہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے بجائے کسی اور کا نام لئے بغیر محض اللہ کا نام لیکر سوال میں ذکر کردہ طریقہ کے ساتھ ذبح کردے، یعنی گردن کی طرف سے دھاردار چیز سے حلقوم کاٹتا ہوا شروع کرے اور حلقوم کے ساتھ حلقوم کے دونوں طرف کی دو رگوں (خون بہنے کی......) اور حلقوم کے پیچھے کی رگ (سانس لینے کی) سے کم از کم دو رگ حلقوم کے ساتھ کاٹ کر خون اور بہادے اور ذبح کرتے وقت سر کو کاٹ کر قصداً الگ نہ کرے تو یہ ذبیحہ بھی بلاشبہ حلال و جائز رہے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمان ذبح کرے یا اہل کتاب (کتابی) بطریق بالا ذبح کرے اور اس صورت میں بھی ذبیحہ بلاشبہ حلال و جائز رہے گا(۲)۔

ان تینوں صورتوں کو بلا ریب اسلامی طریقہ کا ذبیحہ کہیں گے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مسلمان یا کتابی مذکورہ بالا طریقہ سے ذبح کرے گا سر کو بھی قصداً کاٹ کر الگ کردے باقی

۱- ردالمحتار علی الدر ۹/ ۴۲۸، مکتبہ زکریا دیوبند۔

۲- ''وشرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم إن کان صیدا أو کتابیا ذمیا أو حربیا'' (الدر المختار علی الرد ۹/ ۴۲۸-۴۲۷)۔

خون پورا رگوں کے کٹنے سے بہہ جائے تو اگرچہ سر قصداً کاٹ کر الگ کردینا مکروہ(۱)، اور قبیح فعل کا ارتکاب ہوگا مگر ذبیحہ حلال وجائز رہے گا لقوله وحل بقطع ای ثلاث منها۔

پانچویں صورت:

مسلمان ذبح کرے یا کتابی ذبح کرے ذبح کرتے وقت قصداً اور عمداً اللہ کا نام لینا ترک کردے خواہ مذکورہ بالا طریقہ ہی سے ذبح کرے یہ ذبیحہ حنفیہ کے نزدیک حرام ہو جائے گا اور اسکا کھانا حلال نہ رہے گا لقوله تعالی: "ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق" (۲)۔

اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک متروک التسمیہ عامدا کی نفس حلت اگرچہ ہے لیکن فقہ ائمہ اربعہ ج ۲ ص ۲۳۵ و ۲۴ میں حضرت امام موصوف کا مذہب یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تسمیہ مستحب ہے وإنما تستحب التسمية عند ذالك استحبابا مؤكدا (۳)۔

اور اگر بوقت ذبح اللہ کا نام لینے کا ارادہ تھا مگر بھول گیا اور ناسیا نام نہ لیا تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حرام قرار پائے گا، ان سب قول کا حاصل یہ نکلا کہ ذبیحہ متروک التسمیہ خواہ عامدا ہو یا نسیانا اس کی حلت مختلف فیہ بین الائمہ ہوگی۔

ذبح کرنے والا اگرچہ مسلمان یا کتابی ہی کیوں نہ ہو مگر وہ گوشت مسلمان یا کتابی کے وہاں سے مہر بند ڈبہ میں نہ ہو بلکہ کھلا ہوا ہو تو اس کا غیر مسلم وغیر کتابی سے خریدنا یا غیر مسلم غیر کتابی کے ذریعہ اس طرح سے اس کا حاصل کرنا ممنوع ہے اور ایسے گوشت کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ اس گوشت کے حلال ہونے کا مدار غیر مسلم غیر کتابی کی خبر پر ہوگا اور غیر مسلم غیر کتابی کی خبر اس باب میں معتبر ومفید نہیں، اس لئے کہ حلت وحرمت باب دیانات کے قبیل سے ہے اور باب دیانات میں ان کی خبر غیر مقبول ہوتی ہے،"لأن جعل الشي حلالا حق الله تعالى لا للغير "كما في رد المحتار "وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات" اور رد المحتار ۵ (۲۱۵/۲) پر ہے :"لابي يوسف- مجوسي الى قوله كره اكله الخ "،اور تنویر الابصار میں ہے: "أو قال إشتريته من مجوسي فيحرم" اس تفصیل سے مشہور مصنف کی کتاب (غیر مسلم اشخاص کے ذریعہ ذبح شدہ جانور کے گوشت کا جواز) کا بھی اندازہ ہو گیا۔

۱- "وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ قبل ان يبرد" (الدر المختار علی الرد ۹/ ۴۲۷، مکتبہ زکریا دیوبند)۔
۲- سورۃ الانعام ۱۲۱۔
۳- کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۲۳، مطبعہ التجاریۃ الکبری مصر۔

اس لئے کہ غیر مسلم کا لفظ شامل ہے غیر مسلم اہل کتاب کو بھی پس اگر معنوں (مضامین کتاب) میں بھی یہی عموم ہو تو یہ کتاب واجب الرد ہے اس کی تردید و اصلاح واجب ہے اور جو شخص اس کی تردید و اصلاح پر قادر نہیں ہے اس کا دیکھنا بھی جائز نہ ہوگا، بلکہ ایسی کتاب بددینی کا دروازہ کھولنے کا ہم معنی و مترادف ہے۔

یہ طول طویل تفصیل اسی لئے عرض کی ہے تاکہ جناب کو اس کتاب کا جائزہ لینا آسان ہو جائے اور معلمین کا یہ بتانا اگر اس سے مراد انکی یہ ہے کہ گوشت اور چکن غیر مسلم غیر اہل کتاب یا مسلم کا ذبح کیا ہوا ہو ہر حال میں اس کا کھانا جائز ہے اس کی غلطی بھی علی وجہ البصیرۃ معلوم ہو جائے۔

اب ہم آگے مزید بصیرت کے لئے اور مزید وضاحت و تکمیل فائدہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں جس سے سوال میں تحریر کردہ امور کا صراحۃً حکم شرعی نکل آئے گا۔

تصریح ۱۔ جس گوشت یا چکن کے بارے میں یقین ہو جائے کہ یہ غیر مسلم و غیر اہل کتاب کا ذبیحہ ہے یا اس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، اس کا لینا کھانا سب حرام و ناجائز ہے، خواہ آسٹریلیا یا کناڈا وغیرہ کہیں سے آیا ہو خواہ مقامی ہو سب کا یہی حکم شرعی ہوگا حسب صورت ۵ و ۱۰۔

۲۔ اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لینے کا یقین نہ ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے:

الف۔ اگر ایسے خطہ و ملک سے آیا ہو (خواہ آسٹریلیا یا کناڈا وغیرہ سے آیا ہو) جہاں مذہبی اہل کتاب رہتے ہیں اور بستے ہوں اور ان کے بارے میں عام طور سے سنا یا جاتا ہو کہ یہاں مذہبی ہی کتابی ذبح کرتے ہیں اور بوقت ذبح اللہ کا نام لیتے ہیں تو وہاں سے آیا ہوا ذبیحہ کھا سکتے ہیں کما فی الشامی ج ۵ ص ۱۸۸ **فی کتاب الذبائح فلو سمع منه الخ وافادانه یو کل اذا جاء به مذبوحا** (۱)، عنایہ بشرطیکہ مسلم فیکٹری یا اہل کتاب فیکٹری سے مہر پیکنگ میں ہے ورنہ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہوگا کما مر فی صورۃ ۱۱ جیسا کہ گیارہویں صورت میں گزر چکا ہے۔

(ب) اگر ان کے بارے میں عام طور سے مذکورہ بالا بات سنی یا کہی نہیں جاتی مگر وہاں عام طور سے مذہبی کتابی اور مسلمان رہتے اور بستے ہوں اور پیکنگ پہ لکھا ہوا ہو کہ یہ ذبیحہ اسلامی طریقہ پر ذبح کیا ہوا ہے تو چونکہ تجارت کے اصول میں سے بھی ہے کہ خداع نہ کیا جائے، اور جھوٹ نہ بولا جائے اس لئے انکا یہ ذبیحہ حلال کہا جائے گا جس کے پیکنگ پر مذکورہ

۱- "فلو سمع منه ذکر الله تعالیٰ لکنه عنی به المسیح قالوا یؤکل الا اذا نص فقال بسم الله الذی هو ثالث ثلاثة هندیه وافاد انه یؤکل اذا جاء به مذبوحا عنایة" (الرد المحتار علی الدر ۹/ ۴۳۰، مکتبہ زکریا)۔

عبارت لکھی ہوئی ہو کما فی الشامی ج ۵ ص ۳۰۷ ’’**فالأولى ان يقال ان كان الموضع مما يسكنه او يسلك فيه مجوسي لا يوكل وإلا آكل...... فإن الظاهر من حال المسلم والكتابي التسمية لأنه يعتقدها دينا وخلاف هذا موهوم لا يعارض الراجح**‘‘۔

اسی شرط کے ساتھ کہ مسلم فیکٹری یا اہل کتاب فیکٹری سے مہر بند پیکنگ نہیں ہے تو وہ مکروہ تحریمی ہوگا جیسا کہ گیارہویں قسم میں گزر چکا ہے۔

۳۔ الف و ب یہ دونوں شقوں میں محض فتوی کہا جا سکتا ہے اور تفریع یہی ہے کہ جب تک اسلامی طریقہ پر اور بوقت ذبح محض اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جانا نہ معلوم ہو نہ کھایا جائے، اس لئے جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا اللہ کے نام کے ساتھ کسی غیر اللہ کا نام بھی لے لیا گیا ہو اور اس کی حرمت نص قرآن پاک میں منصوص ہے مثلاً ’’**ولا تاكلوا**‘‘ (۱)، ’’**مما لم يذكر اسم الله عليه**‘‘ اور ’’**حرمت** (۲)، **عليكم الميتة والدم (الى قوله ..) وما اهل لغير الله به**‘‘ اور ایسے موقعہ پر خود اسلامی طریقہ پہ ذبح کرانے یا مرغی وغیرہ خود ذبح کر کے پکا کر استعمال کرے۔

تصریح۔ ۴ یہ تحقیق و حکم نفس ذبیحہ کے اور کچے گوشت کے حرام و حلال ہونے میں ہے اور پکے ہوئے گوشت کا حکم دوسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر مسلم خواہ کوئی بھی ہو اس کے گھر کا یا اس کے ہوٹل کا پکا ہوا گوشت کھانا کسی طرح حلال و جائز نہیں، اس لئے کہ یہ لوگ اگر چہ اس گوشت کو اسلامی طریقہ پر ذبح کیا ہوا بتائیں مگر اس کے حلال ہونے کا مدار ان کی بتائی ہوئی خبر پر ہوگا اور اس کی غیر مقبولیت و خرابی ذبح کی گیارہویں صورت میں بیان ہوں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ عموماً جھٹکا و مردار وغیرہ غیر اسلامی ذبیحہ بکثرت کھاتے ہیں، اس لئے ان کا ظاہر حال کلی خبر اس معاملہ میں ان کی مکذب ہے، اس لئے عدم اعتبار میں اور شدت بڑھ جائے گی، خاص کر عیسائی یہ لوگ خنزیر کے دلدادہ ہو چکے ہیں خنزیر کا گوشت عموماً بڑی رغبت اور شوق سے بکثرت پکاتے اور کھاتے ہیں اور اس کو پاک و حلال و طیب سمجھتے ہیں اور شرعی تطہیر اور اس کے طریقہ کی اہمیت بھی نہیں رکھتے اور چونکہ خنزیر کا گوشت عند الشرع نجس العین ہے و لحم خنزیر فانہ رجس انسانی پیشاب پاخانہ کی نجاست کے مانند نجس ہے، اس لئے اگر حلال ذبیحہ کی ہانڈی لحم خنزیر کی ہانڈی کے ساتھ الگ پکائیں غالب حال یہ ہے کہ اس کا چمچہ ڈوئی وغیرہ اس میں

۱- سورۃ الانعام ۱۲۱۔

۲- سورۃ المائدہ ۳۔

بھی ڈالتے رہیں گے جس سے وہ گوشت ناپاک ہوجائے گا اگر یہ فعل یقینی نہ ہو جب بھی اس کا احتمال قوی ہونے کی وجہ سے یہ مشکوک ضرور ہوجائے گا اور شک کی حالت میں بھی اس کا کھانا ہرگز جائز نہیں رہے گا، اس لئے کہ (رد المحتار ۵/۳۰۶) میں ہے: **"لایحل لوقوع الشک"** اور قرآن پاک میں: **"یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم"** (۱)۔

ہاں اگر اپنے پاس اور اپنی یا کسی بھی مسلمان کی نگرانی میں حلال گوشت پکوائے تو کسی بھی غیر مسلم یا مشرک یا کافر کو سکھ دے اور وہ اپنا ہاتھ دھو کر پکائے تو اس کا کھانا جائز رہے گا۔

تفریع ۔۵ اسی طرح اکثر لوگ مرغ وغیرہ چڑیوں کو اسلامی طریقہ سے ذبح کرنے کے باوجود اس کا شکم چاک کر کے آلائش نکالے اور صاف کئے بغیر ہی اس کے بال وپر وغیرہ اکھیڑنے اور صاف کرنے کے بعد کھولتے پانی میں ڈال دیتے ہیں اس طرح کچھ دیر بھی چھوڑے رکھنے سے اس کے منہ وپاخانہ کے مقام کے راستے سے ناپاکی وغلاظت نکل کر پانی میں مل کر سارے گوشت کو ناپاک بنادیتی ہے بلکہ ناپاکی تھوڑی دیر میں اس طرح رہنے سے گوشت میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے کہ دھونے سے بھی وہ ناپاکی زائل نہیں ہوتی اور اس گوشت کا کھانا جائز نہیں رہتا۔

پس اگر کھولتے پانی میں ڈالنا ہو تو لازم ہے کہ پیٹ چاک کر کے آلائش صاف کر کے ڈالنا چاہئے الغرض حلال و طیب رزق کے تلاش کرنے اور کھانے کی بڑی تاکید اسلام میں آئی ہے اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقام میں اس کی ترغیب وتاکید فرمائی ہے ایک آیت تو وہی ہے جو ابھی اوپر گزری ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی آیت میں اس کی ترغیب وتصریح منصوص ہے اس لئے اس معاملہ میں بڑی احتیاط لازم ہے، رزق حلال وطیب سے قلب میں نور اور ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور صفت ملکوتیت حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں درجات عالیہ حاصل کرنے کی صلاحیت واستعداد پیدا ہوتی ہے۔

پس اگر کہیں پر پاکیزہ وطیب گوشت میسر نہ ہو تو انڈا مچھلی، سبزی وغیرہ پر قناعت کرے مگر یہ مشتبہ گوشت نہ کھائے امید کہ اتنی تفصیل سے بصیرت کے ساتھ پوری تشفی حاصل ہوجائے گی، اس لئے اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

۱- سورۃ البقرۃ ۱۷۲

آگ سے ذبح کا شرعی حکم:

بعد سلام مسنون عرض ایں کہ مسئلہ ذیل کے متعلق حضرات مفتیان کرام کی آرائے گرامی مطلوب ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ درمختار کتاب الذبائح میں مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے:

"**وحل المذبح بكل ما أفرى الأوداج و أنهر الدم أي أساله ولو بنار**" اس پر علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

قوله ولو بنار الخ قال في الدر المنتقى: وهل تحل بالنار على المذبح، قولان، الأشبه لا كما في القهستاني عن الزاهدي، قلت: لكن صرحوا في الجنايات بأن النار عمد بها تحل والذبيحة، لكن في المنح عن الكفاية: إن سال بها الدم تحل وإن تجمد لا اه فليحفظ وليكن التوفيق" (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے ذبح شرعاً درست ہے اور جانور حلال ہوگا جب کہ پوری طرح رگیں کٹ جائیں اور خون بہے، البتہ شبہ یہ ہے کہ اولاً اس طریق میں (یعنی ذبح بالنار) میں شرعاً ذبح متحقق نہیں ہوتا۔ اس معنی کر کے کہ امرار السکین نہیں پایا جاتا، یہاں تو ذبح قوت ناریہ سے ہو رہا ہے نہ کہ انسان کے ہاتھ کی مباشرت سے اور بندہ یہ سمجھا ہو اہے کہ انسان کا ید سے ہی آلہ ذبح متحرک ہو جائے، یعنی امراء یہ فعل ید انسان ہے، حضرت امام شافعی نور اللہ مرقدہ نے کتاب الام میں ذبح کی بابت یہ فرمایا: "**فهي عمل يده**" یعنی ذکوۃ تو ید انسانی کا عمل ہے، اگر یہی حکم احناف کے نزدیک ہے اور غالب یہی ہے، گو صراحۃً کتب احناف میں نہیں دیکھا تو پھر نار سے ذبح نہ ہونا چاہیے، چونکہ ید انسان کا کوئی عمل براہ راست ومباشرۃً نہیں پایا جاتا، اس پر آنحضور کچھ افادہ فرما دیجئے۔ غالباً اگر ذبح کا یہ طریقہ درست ہو تو پھر آج کل جو رائج ہے کہ مشین کے ذریعہ ذبح ہوتا ہے، وہ بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ مشینی ذبح میں اتنا ہوتا ہے کہ انسان بٹن دبا تا ہے اور مشین پر جو چھری لگی ہوتی ہے وہ چالو ہو جاتی ہے، اس کے بعد تمام جانور اسی چھری سے ذبح ہوتے ہیں، بٹن دبانے سے قوت برقیہ کرنٹ مشین میں بھر جاتی ہے اور اسی قوت سے چھری چل جاتی ہے، جیسا کہ آگ لگانے سے قوت ناریہ کے ذریعہ سے کٹ جاتی ہیں، انسان اتنا کردیتا ہے کہ آگ کو مذبح پر لگادے، اس کے بعد اصل ذبح نار سے ہوتا ہے نہ کہ براہ راست انسان کے کسی فعل سے، یہی ہوتا ہے مشینی ذبح میں کہ اصل فعل ذکوۃ براہ راست انسانی فعل سے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ چھری سے جو برقی قوت سے متحرک ہے، تو بظاہر مذکور بالا جزئیہ مشینی ذبح کے لیے فقہی نظیر بن سکتا ہے بعنوان دیگر اگر ناری قوت سے ذبح جائز ہے تو قیاساً علیہ برقی طاقت سے بھی ذبح جائز ہونا چاہیے۔ جہاں تک بندہ کی معلومات ہے، جمہور فقہاء زمانا نے مشینی ذبح کو

۱- شامی کتاب الذبائح ۱۸۷/۵۔

ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔

سراج احمد افریقی (جنوبی افریقہ شہر پورٹ الزابیث، ایلزبتھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

درمختار میں حل المذبح سے قبل متصلا وحل بقطع موجود ہے، اور اس کی یہ عبارت وحل المذبح تفسیر ہے اور مراد یہ ہے کہ اپنے شرائط وقیود کے ساتھ جب قطع وانشقاق متحقق ہوکر انہار دم ہوجائے گا، تو ذبیحہ حلال متصور ہوگا خواہ یہ بات امرار سکین سے حاصل ہو یا نار سے حاصل ہو یا لیطہ (بانس کے تحت چھلکے وغیرہ) سے یا مروہ (تیز دھار پتھر) سے یا منزوع دانت یا ناخن سے اور دانت وناخن کے تیز نہ ہونے سے یہ عمل مکروہ ہے، مگر حلت ذبیحہ کا شبہ یا کلام نہیں، درمختار "ولو بنار" کے متصلا بعد جملوں سے واضح ہے اور اس کی صحت کی تاکید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے:

"أفر الأوداج بماشئت" (الحدیث) شامی تحت هذا المتن" (۱)۔

نار جس جگہ پر قوت سے پہنچ ہوتی ہے اور ٹکر کھاتی ہے اس جگہ سے آگے قطع وانشقاق عموماً پیدا ہوجاتا ہے، پس اگر یہ ٹکر اوداج پر ہوکر انہار دم بھی ہوجائے تو حسب تصریح متن شرعی ذبح متحقق ہوکر حلت ذبح میں کلام نہ رہے گا۔ اور صاحب رد المحتار نے اسی مضمون کو "ولیکن التوفیق" سے بیان کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امرار السکین اپنے حقیقی معنی اور موضوع لۂ معنی میں مقصود ومحدود نہیں ہے، بلکہ بطور عموم مجاز اس کا اثر ونتیجہ مراد ہے، ورنہ لیطہ وغیرہ میں سکین کا امرار کہاں ہے؟

انسان کے ہاتھ کی مباشرت کا جو مفہوم آنجناب نے سمجھا ہے، یعنی یہ کہ انسان کے ید سے آلۂ ذبح متحرک ہوجائے بالکل صحیح ودرست ہے اور اس کی متعدد نظیریں شرع میں موجود ہیں، ایسا ہی تو خود ذبح بالنار ہے کہ اس کے ذریعہ سے انہار دم کرنے میں ہاتھ کی مباشرت نار سے قطعاً نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ مثلاً بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر مسلمان تیر کو کمان سے پھینکے اور وہ شکار پر پہونچ کر اس کے اوداج وغیرہ کو کاٹ کر انہار دم کردے اور شکار کی جان نکل جائے تو بھی وہ شکار حلال ہے۔ ان سب صورتوں میں انسان سے براہ راست اور بلا واسطہ مباشرت بالذبح نہیں ہوتا بلکہ ید انسان سے محض آلۂ ذبح متحرک ہوتا ہے۔ بالکل یہی صورت مشین کے ذریعہ ذبح میں ہوتی ہے کہ اس میں اگرچہ ید انسان براہ راست اور بلا واسطہ مباشر بالذبح نہیں ہوتا، لیکن اس کے ید سے آلۂ ذبح متحرک ضرور ہوتا ہے کہ جہاں اس نے بٹن دبایا اور آلۂ ذبح (چھری) چل جاتی ہے،

۱- ۴۲۵/۹ کتاب الذبائح مکتبہ زکریا۔

پس اگر کوئی مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بٹن دبائے اور فوراً چھری گلے کے اگلے حصہ سے چل کر ذبیحہ کے اوداج وغیرہ کاٹ کر انہار دم کردے تو ذبح بالنار کے ذریعہ ذبیحہ حلال ہونے کی طرح یہ ذبیحہ بھی حلال ہوگا، پس جناب کا یہ سمجھنا کہ مشین کے ذریعہ سے ذبح کیا ہوا ذبیحہ بھی جائز ہونا چاہیے، بالکل صحیح و درست ہے، جب کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط وقیود کے مطابق ہو جیسا کہ ابھی اوپر مذکور ہوا اور جناب نے خود بھی اپنے قول (کیونکہ مشینی ذبح میں) سے بیان فرمایا ہے۔ اور اس مسئلہ کی نظیر وہ مثالیں بھی بن سکتی ہیں جو کلب معلم وغیرہ کے بارے میں یہ تفصیل گذری ہیں اور کتاب الام کی عبارت **"فهي عمل يده"** میں عمل ید بالواسطہ کا بھی احتمال ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ کلب معلم سے بہ شرائط وقیود کیے ہوئے شکار کی حلت نص قرآنی میں منصوص ہے، لہٰذا کتاب الام کا یہ جملہ ہمارے خلاف نہیں اور اگر کوئی شخص عمل ید بلاواسطہ اور مباشرت ید بالذبیحہ براہ راست کہے تو مذکورہ بالا فقہی جزئیات کے ہوتے ہوئے ہم پر حجت نہیں بن سکتا، البتہ جناب کا یہ فرمانا کہ جمہور فقہاء زمانا نے مشینی ذبح کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے یہ محل کلام ہے اور اس کو مختلف فیہ کوئی کہدے تو کہہ سکتا ہے۔ باقی عدم جواز کو متفق علیہ یا قول جمہور نہیں کہہ سکتا! اس لیے کہ آج سے بہت پہلے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے امداد الفتاویٰ میں مفصل اور اصولی گفتگو فرمائی ہے اور غیر مسنون طریقہ ذبح پر نکیر فرمائی ہے، بعض صورتوں میں اس طریقہ کو مکروہ، بعض صورتوں میں ممنوع اور بعض صورتوں میں اس طریقہ ذبح کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے، باقی اس غلط طریقہ سے ذبح کیے ہوئے ذبیحہ کو جب اوداج کے آگے کا حصہ کٹ کر ہراق دم سائل ہو جائے اور بشرائط وقیود ہو تو اس کو حرام وغیر حلال نہیں قرار دیا ہے، بلکہ فقہی جزئیات لاکر حلال بتایا ہے، پھر مشینی ذبح پاکستان میں جب رائج ہونے والا تھا اس وقت وہاں کے علماء کے درمیان اس ذبیحہ کے حلال وحرام ہونے میں اختلاف ہوا، اس وقت حکومت پاکستان کے محکمہ ذبح کے ایک ذمہ دار جناب ڈاکٹر اشفاق صاحب کا اور حضرت مولانا سید میر شاہ صاحب کشمیری (شیخ الحدیث) کا مشترکہ عربی زبان میں لکھا ہوا ایک ضخیم کتابچہ شائع ہوا، اس میں اس ذبیحہ کے اور اس طریقہ ذبح کی حلت وجواز پر زور دیا گیا تھا، احقر کے پاس بھی رائے دینے کے لیے آیا تھا احقر نے اس پر طرداً عکساً بحث کی، اس کا حاصل یہ تھا کہ طریقہ ذبح ایک مستقل چیز ہے اور اس سے ذبح ہو کر جو ذبیحہ نکلے اس کی حلت وحرمت ایک الگ اور مستقل چیز ہے۔ طریقہ ذبح خلاف سنت ہونے کی وجہ سے یا ایذائے مذبوح کی وجہ سے یہ طریقہ مکروہ یا ممنوع یا ناجائز وحرام ہو اور اس طریقہ کے رائج کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور نہ دینا چاہیے، باقی جو ذبیحہ اس سے ذبح ہو کر نکلے اگر اس کے اوداج حسب ضابطہ شرع گردن کے اگلے حصہ سے کٹ کر دم سائل کا انہار وہراق ہو جائے اور تسمیہ وغیرہ کی قیود بھی ہو جائیں تو اس ذبیحہ کو حرام وناجائز نہیں قرار دیا جائے گا۔

یہ جواب لکھ کر احقر نے دار العلوم کے اکابر کے سامنے رکھا، سب نے تصویب فرمائی۔ پھر احقر کے منتخبات نظام الفتاویٰ میں اس سلسلے میں دو فتوے شائع ہو چکے ہیں، پھر حضرت مفتی محمود صاحب کے بھی تصدیقی دستخط ہیں، البتہ چونکہ ذبح کرنے والوں کو ان تمام قیود وشرائط مذکورہ کا عام طور سے لحاظ کرنا دشوار ہے اور معاملہ حرام وحلال کا ہے، اس لیے احتیاطاً اس طریق عمل کی اجازت نہ دینا چاہیے۔ ''**هذا ما عندي من الشرع الشريف إن كان صواباً فمن عند الله وإن كان خطاءً فمن نفسي وما أبرئ نفسي**''، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۹/ ۲/ ۱۴۰۲

کیا مشینی ذبیحہ حلال ہے؟ اور کیا بوقت ذبح ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ اللہ اکبر کی آواز آنا کافی ہے؟

مونٹریال کنیڈا میں سعودی عرب اور کویت کو حلال مرغیاں بھیجنے کے لئے کچھ مشین لگائی جا رہی ہے جس میں مرغیاں سر کے بل لٹکتی رہتی ہیں اور بلٹ کے ذریعے چلتی رہتی ہیں اور ایک مقام پر ایک تیز دھار رکھی ہے جو مرغی آتے ہی اس کے گردن پر چل جاتی ہے پھر یہ مرغی بلٹ ہی کے ذریعے آگے چلتی ہے جہاں اس کو گرم پانی میں (خون کے نکلنے کے بعد) غوطہ دیا جاتا ہے پھر اس کے پر مشین کے ذریعے سے نکالے جاتے ہیں اور مشین ہی کے ذریعے سے تمام پیکنگ ہوتی ہے، یہ لوگ ہم سے ایک سرٹیفکٹ مانگ رہے ہیں کہ یہ مرغیاں کس طرح اس مشین کے ذریعے حلال کرکے بھیجی جاسکتی ہیں تاکہ سعودی عرب میں فروخت کی جاسکے، امریکہ میں اسی طرح کی مشین دو جگہ لگی ہوئی ہے جہاں انہوں نے ایک مسلمان کو نوکر رکھا ہے کہ جب مرغی اس تیز دھار سے کٹے وہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں اور دوسری جگہ ایک ٹیپ ریکارڈ لگا ہوا ہے جس میں بسم اللہ اللہ اکبر کا ٹیپ بجتا رہتا ہے اور مرغیاں کٹتی رہتی ہیں، فی الحال ہم نے ان لوگوں کو سرٹیفکیٹ دینے سے منع کر رکھا ہے آپ اس بابت تفصیل سے ارشاد فرماویں نوازش ہوگی۔

اسلامک سینٹر آف عربک (مونٹریال کناڈا)

الجواب وبالله التوفيق:

تیز دھار دار چیز جو مرغیوں کی گردن کاٹتی ہے وہ جس بٹن یا پرزہ کے دبانے سے یا چلانے سے چلتی ہے اگر کوئی مسلمان ذبح کرنے کی نیت سے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہوا وہ بٹن دبائے یا وہ پرزہ چلائے اور اس دبانے

چلانے سے وہ دھاردار چیز گردن کاٹے اور کٹنے میں ودجین (سانس کی دو رگ) اور حلقوم (غذا کی نلکی) اور وصبۃ الریہ (سانس کی نلکی) یہ سب کٹ کر پورا خون نکل جائے تو اگرچہ یہ طریقہ خلاف سنت ہونے سے مکروہ وغلط ہو مگر ذبیحہ حلال ہو جائے گا اور اسکا کھانا جائز رہے گا اگر ان سب قیود میں سے کسی ایک قید کا بھی لحاظ کئے بغیر ذبح کردیا جائے تو وہ ذبیحہ شرعیہ نہیں ہوگا، اور حلال نہ ہوگا، ان سب قیود کا لحاظ کئے بغیر محض کسی مسلمان کا گردن کٹنے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتے رہنا یا ٹیپ ریکارڈ سے بسم اللہ اللہ اکبر کی آواز آتی رہنا کافی نہ ہوگا خوب غور سے سمجھ لیا جائے (۱)۔

اسی طرح اگر ذبح کرنے اور خون نکلنے کے بعد شکم سے آلائش وغلاظت دور کئے اور نکالے بغیر کھولتے پانی میں ڈال دیا جائے گا تو غلاظت تمام گوشت و پوست میں سرایت کر کے سب کو ناپاک بنادے گی، اور پھر کھانا ممنوع ہو جائے گا، اس لئے کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے سے قبل شکم چاک کر کے غلاظت سب نکال دی جائے، پھر اس کے بعد کھولتے پانی میں ڈالی جائے خواہ مشین ہی کے ذریعے سے شکم چاک ہوتا رہے اور آنتیں سب باہر نکل کر الگ ہوتی رہیں اور اسکے بعد کھولتے پانی میں پڑتی رہیں جب بھی صحیح رہے گا (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/۱۲/۱۴۰۰ھ

جانور کے ذبح کے لئے وضو:

مرغ یا بکرا ذبح کرتے وقت وضو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ذبح کرتے وقت بھی وضو کرنا ضروری نہیں ہر طرح یکساں درست ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۴/۲/۱۴۰۳ھ

۱- ذبیحہ حلال ہونے کے شرائط میں سے ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا، اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ہے'' ومنها أن يكون مسلماً أو كتابياً ..... ومنها التسمية حالة الذكاة'' (دیکھئے: فتاوی عالمگیریہ ۵/۲۸۵، ۲۸۶، نیز البحر الرائق ۸/۳۰۵)، ''ومن شرائط التسمية أن تكون التسمية من الذابح'' (فتاوی عالمگیریہ ۵/۲۸۶) ''والذبح قطع الأوداج لقوله عليه الصلاة والسلام: أفر الأوداج بما شئت والمراد الحلقوم والمرئ والودجان'' (البحر الرائق ۸/۳۰۶، نیز دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار ۹/۴۲۴، ۴۲۵)۔

۲- ''وكذا دجاجة ملقاة حالة غلي الماء للنتف قبل شقها فتح (الدر المختار، وفي الشامي: قال في الفتح: إنها لا تطهر أبداً لكن على قول أبي يوسف تطهر والعلة والله أعلم تشربها النجاسة بواسطة الغليان...... ولا يترك فيها إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف'' (رد المحتار علی الدر المختار ۱/۵۴۴)۔

باب الأضحیۃ

قربانی کس پر واجب ہے؟

زید کے پاس جائداد بھی ہے اور مکان بھی ہے اور خانگی سامان بھی ہے مگر یہ بہت کچھ ہونے کے باوجود اس کے پاس نقد روپیہ جمع نہیں ہوتا اور ضروری امور میں خرچ ہوجاتا ہے، اس طرح اس کے پاس جو خانگی سامان ہے وہ بھی بقدر ضرورت ہی ہے، ایسی صورت میں اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوتی ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوۃ وصدقۂ فطر اس وقت واجب الاداء ہوتا ہے جب حاجت اصلیہ ضروریات روزانہ کی استعمال کی چیزوں سے فاضل مال نامی نصاب (۵۲ ½) تولہ چاندی یا اسی قدر روپیہ یا اس مقدار کی قیمت کا روپیہ یا تجارت کا سامان موجود ہو ورنہ نہیں، خانگی سامان جو کبھی کبھی استعمال میں آیا ہو یا اسی طرح مکان جو چاہے کبھی کبھی استعمال میں آتا ہو اسی طرح جائداد سے مراد اگر کھیتی باڑی ہے جس کی آمدنی سے آپ کا گذر اوقات ہوتا ہو یہ سب حوائج اصلیہ میں شمار ہیں ان کی مالیت پر زکوۃ یا صدقۃ الفطر واجب نہیں (۱)، اب آپ خود غور کر کے سمجھ لیجئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

بیٹے کے نام سے قربانی کی جبکہ نیت باپ کی تھی:

ایک شخص نے ایک جانور میں ایک حصہ لیا اور نیت اپنے باپ کی قربانی کرنے کی تھی مگر اس نے اس بات کی تصریح نہیں کی اور قربانی کے وقت موجود بھی نہیں تھا لوگوں نے اس شخص کے نام سے قربانی کردیا بعد میں اس آدمی نے اپنی نیت

۱- ''فتجب التضحیۃ علی حر مسلم مقیم موسر یسار الفطرۃ''(ردالمحتار ۹/۴۵۷)۔

ظاہر کی کہ میری نیت باپ کی طرف سے تھی قربانی کرنے کی۔

دریافت طلب امر ہے کہ یہ قربانی صحیح ہے کہ نہیں اور بقیہ شرکاء کی قربانی صحیح یا کہ نہیں۔ اور شخص مذکور صاحب نصاب بھی ہے یا کہ نہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس شریک ہونے والے کی قربانی صورت مسئولہ میں ہوگئی، البتہ باپ کی طرف سے نہیں ہوئی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱-ایک جانور میں بالغ اور نابالغ کی طرف سے قربانی:

بالغ اور نابالغ کا ایک ساتھ اور ایک ہی جانور میں قربانی کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

۲-مردہ اور زندہ دونوں کی طرف سے ایک جانور میں قربانی:

زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے ایک ہی جانور میں قربانی دینا جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو مردہ کے حصے میں جو گوشت ملے گا اسکی کیا صورت ہوگی؟

۳-جانور خریدنے کے بعد شرکت:

مالک نصاب جس پر قربانی واجب ہے اس نے قربانی کا جانور خرید اخرید نے کے بعد پھر گھر کے پانچ آدمی کو شامل کرلیا تو یہ شامل کرنا جائز ہے یا کہ نہیں نیز مالک نصاب پر پورا جانور شرط ہے یا اس میں شرکت جائز ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-جائز ہے مگر نابالغ پر واجب نہیں ہے (۱)۔

۲-جائز ہے اور اس کے گوشت کا بھی وہی حکم ہے جو زندہ کی قربانی کا ہے البتہ اگر وصیت کی ہو تو اس کے حصہ کا

۱- دیکھئے ردالمحتار ۹/۵۹ ۔

تمام گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے (۱)۔

۳- جائز ہے مالک نصاب پر محض خریدنے سے پورے جانور کی قربانی واجب نہیں ہوگی جب تک پورے جانور کی تنہا اپنے نام کرنے کی نذر نہ مان لے۔ دوسروں کو شریک کرلینا بھی درست ہے (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۸/۱۱/ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود عفی عنہ

قربانی کے جانور میں شرکت کے سلسلے میں ایک استفتاء مع فتوی اور اس کا جواب:

سوال: ایک شخص کی ایک گائے میں ایک ہی قربانی ہوسکتی ہے؟ آپ نے تحریر فرمایا کہ قربانی میں ایک پوری گائے ایک ہی شخص ذبح کرے تو اس کی ایک قربانی ہوگی، اس لئے ایک گائے میں ایک ہی شخص واجب قربانی کے ساتھ عقیقہ اور اموات کو ایصال ثواب کے لئے نفل قربانی کی نیت نہیں کرسکتا، اس پر یہ اشکال ہے کہ شامیہ میں اسی صورت میں سات قربانی ہونے کا بھی قول ہے: "واختلفوا في البقرة قال بعض العلماء يقع سبعا فرضاً والباقي تطوع" (۳)، نیز شامی وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ایک گائے میں مختلف جہات قربت مثلاً اضحیہ، عقیقہ، دم شکر، اور جنایت وغیرہ جمع ہوسکتے ہیں، لہذا اس مسئلہ کی مزید وضاحت تحریر فرمائیں۔

الجواب وبالله التوفيق:

تعدد قول بعض ہے جو مرجوح ہے۔ بلکہ خلاف عامۃ المشائخ کی وجہ سے مرجوح ہے، عامۃ المشائخ تو عدم کے قائل ہیں اور یہی مفتیٰ بہ ہے: "قال في العلائية ولو ضحى بالكل فالكل فرض كأركان الصلوٰة، وفي الشامية: الظاهر أن المراد لو ضحى ببدنة يكون الواجب كلها لا سبعها بدليل قوله في الخانية: ولو أن رجلا موسرا ضحى ببدنة عن نفسه خاصة كان الكل أضحية واجبة عند عامة العلماء وعليه الفتوى، مع أن

۱- دیکھئے رد المحتار ۹/ ۴۷۱ مکتبہ زکریا۔

۲- "(وصح اشتراك ستة في بدنة شريت لأضحية)أي إن نوى وقت الشراء الإشراك صح استحسانا وإلا لا (استحسانا وذا) أي الإشراك قبل الشراء أحب"(دیکھئے: رد المحتار ۹/ ۴۵۹ مکتبہ زکریا)۔

۳- رد المحتار ۵/ ۲۲۶۔

ذكر قبله باسطر لو ضحى الغني بشاتين، فالزيادة تطوع عند عامة العلماء، فلا ينافي قوله كان الكل أضحية واجبة ولا يحصل تكرار بين المسألتين فافهم. دليل وجه الفرق أن التضحية بشاتين تحصل بفعلين منفصلين وإراقة دمين، فيقع الواجب أحد لهما فقط والزائدة تطوع بخلاف البدنة، فإنها بفعل واحد وإراقة واحدة فيقع كلها واجبا، هذا ما ظهر لي"(۱)۔

حدیث میں یوں بھی ارشاد ہے کہ ایک گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں اس کا کسی حدیث میں ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی آدمی ایک گائے ذبح کرے تو اس کی سات قربانیاں ہوں گی یا ایک ہی شخص ایک ہی گائے میں اضحیہ ودم شکر وغیرہ جمع کرسکتا ہے، مختلف جہات قربت کو مختلف افراد پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ایک جانور کا سات کے قائم مقام ہونا خلاف قیاس ہے(۲)، اس لیے حدیث اپنے مورد پر منحصر رہے گی، فقہ میں مختلف جہات قربت کا جواز مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گائے میں ایک کی قربانی کے ساتھ دوسرا شخص دم شکر یا عقیقہ وغیرہ کا حصہ رکھ سکتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی گائے میں مختلف قربات ادا کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اور فقہ کی نص مذکور کے خلاف ہے، شخص واحد کی نیت مختلف جہات پر عدم جواز اور عبارات فقہ غیر مراد ہونے پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

۱- علائیہ اور شامیہ کی عبارت مذکورہ:"**ولو ضحى بالكل فالكل فرض كاركان الصلوة الخ**"۔

۲- حدیث اور فقہ میں اس کی کوئی تصریح نہیں اور اجزاء من السبعہ پر قیاس اسلئے صحیح نہیں کہ یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر ہے۔

۳- کتب فقہ صحت جہات مختلفہ کا ذکر اجزاء عن السبعہ کے تحت کیا گیا ہے۔

۴- شامیہ وغیرہ میں "**وكذا لو أراد بعضهم العقيقة**" سے اگر شخص واحد کی نیت اضحیہ وعقیقہ کا بیان مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ لفظ "**ایضا**" کا اضافہ لازم تھا۔

۵- کئی کتب میں جہات مختلفہ اشخاص مختلفہ کی طرف سے ہونے کی تصریح ہے: "أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد الخ"(۳)۔

۱- ردالمحتار ۵/ ۲۳۵۔

۲- عنایہ علی ہامش الفتح ۸/ ۷۶۔

۳- عالمگیری ۵/ ۳۰۴، خانیہ علی ہامش العالمگیریہ ۳/ ۳۵۰، بدائع ۵/ ۷۱، شلبی علی تبیین الحقائق ۶/ ۸، الجوہرۃ النیرۃ علی ہامش مختصر القدوری ۲/ ۳۰۳۔

۶-فقہ کی تمام کتابوں میں موقع بیان باوجود اس کے مکمل سکوت مستقل دلیل عدم صحت ہے اور اس کا ثبوت ہے کہ یہ کلیہ "ولو ضحی بالکل الخ" سے مستثنیٰ نہیں۔

۷- "ولو اشتری بقرة للأضحية ونوی السبع منها لعامه هذا وبسنة أسباعها عن السنين الماضية يجوز عن العام ولا يجوز عن الأعوام الماضية كذا في خزانة المفتيين، وإن نوی بعض الشركاء التطوع وبعضهم يريد الأضحية للعام الذی صار دينا عليه وبعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلک جاز الكل وتكون عن الواجب عمن نویٰ الواجب عن عامه ذالک وتكون تطوعا عمن نویٰ القضاء عن العام الماضی ولا تكون عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسط لما معنى كذا في فتاوی قاضيخان"(۱)۔

اس عبارت میں بصورت تعدد اشخاص بنیۃ اضحیہ ماضیہ وقوع تطوع مذکور ہے، مگر بصورت توحد شخص وقوع کا ذکر نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ صورت توحد میں اضحیہ واجبہ کے ساتھ اور کسی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ پوری گائے اضحیہ واجبہ شمار ہوگی۔

التماس:

۱- یہ تحریر مختلف اہل فتوی حضرات کی خدمت میں بغرض اظہار رائے ارسال کی جارہی ہے، براہ کرم اپنی رائے مدلل تحریر فرمادیں۔

۲-اگر یہ تحقیق صحیح ہو تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کسی نے ایک گائے میں اضحیہ ودم شکر وغیرہ متعدد واجبات کی نیت کی تو ان میں سے کون سا واجب ادا ہوگا؟ یا کہ کوئی واجب بھی ادا نہیں ہوگا۔ اس سے متعلق بھی رائے حق تحریر فرمائیں۔

رشید احمد (اشرف المدارس ناظم آباد، کراچی)

الجواب وبالله التوفيق:

احقر کے ذہن میں تو یہ مسئلہ اس طرح قائم ہے کہ اگر کوئی شخص بڑے جانور کو جس میں سات حصے قربانی کے ہوتے ہیں خریدنے سے قبل یہ نیت کر کے خریدے کہ اس میں ایک حصہ سے اپنے کسی غلام یا ام ولد کی جانب سے قربانی کرے گا۔ اور باقی تین حصوں سے اپنی نابالغ اولاد کی جانب سے قربانی کرے گا- تو اس طرح سے بھی قربانی وعقیقہ سب بالکل درست

۱- عالمگیری ۵/۳۰۵۔

ہوجائے گا، جس طرح خریدنے سے قبل دوسروں کو شریک کرنے کی نیت سے خریدے اور شریک کرکے قربانی کرنا جائز ودرست رہتا ہے، جیسا کہ ان مندرجہ ذیل عبارتوں سے بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے:

۱- "علی هذا (أی يجوز) إذا كان أحد الشركاء أم ولد ضحى عنها مولاها أو صغير أضحى عنه أبوه ولاخلاف أنه ليس على المولى ولا على الأب أن يضحي عن أحد من مماليكه أو عن أولاده الصغار، فإن تبرع بذلك جاز، وإذا جعله شريكا في البدنة ففيه قياس واستحسان لما بينا" (۱)۔

۲- "ولو ضحى غني ببدنة عن نفسه وعن ستة أولاده ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحية له إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف (إلىٰ قوله) وإن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل..وإن فعل بغير أمرهم أو لغير أمر بعضهم لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعا، لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فكان الكل لحماً" (۲)۔

۳- "وكذا صح لو ذبح ببدنة عن أضحية ومتعة وقران مع اختلاف جهات قربتهم عنه لاتحاد المقصود هو القربة" (۳)۔

۴- "ولنا أن الجهات وان اختلفت صورة فهي في المعنى واحد، لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عز شأنه وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل لأن ذلك جهة التقرب إلى الله عز شأنه بالشكر الخ" (۴)۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ سات حصے والے قربانی کے جانور میں ساتوں حصوں میں تقرب الی اللہ کی جہت موجود رہنا چاہئے۔ عام اس سے کہ سات آدمی شریک ہوکر جہت قربت قائم کریں یا ایک ہی آدمی اپنی مختلف جہت کی قربت سے تقرب الی اللہ قائم کرے۔ اگر سات حصوں میں سے ایک حصہ میں یا ایک حصہ سے بھی کم میں جہت کی قربت متحقق نہ ہوگی تو کسی حصہ کی قربانی صحیح نہ ہوگی، بلکہ پوری قربانی اکارت ہوجائے گی، رہ گئی یہ بات کہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے تو یہ بات

۱- المبسوط للسرخسی ۱۲/۲۔
۲- فتاویٰ خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۳۵۰، وھکذا فی الفتاویٰ الہندیہ ۵/ ۳۰۴۔
۳- مجمع الانہر ۲/ ۵۰۲۔
۴- بدائع الصنائع ۵/ ۷۲۔

یہاں تک تو صحیح ہے کہ نفس اراقۃ دم اور حکم ذبح کا ورود غیر مدرک بالقیاس ہے۔ اسی طرح شرکت کو بھی قیاس جلی کے خلاف کہہ سکتے ہیں۔ باقی اس کے بعد کی تمام تفصیلات وجزئیات کو خلاف قیاس یا غیر مدرک بالقیاس کہنا سمجھ میں نہیں آتا، چنانچہ جناب نے خود بھی اثبات مدعا کے موقعہ میں کئی جگہ قیاس کو بطور استشہاد واستدلال پیش فرمایا ہے، مثلاً اس عبارت: "**ولو ضحى بالكل فالكل فرض كأركان الصلوٰة**" میں حصص اضحیہ کو ارکان پر قیاس فرمانا بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح اس عبارت "**لو ضحى الغني بشاتين**" میں بدنہ اور شاتین کے حکم کا فرق قیاس ہی سے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح شاید نمبر ۸ کی عبارت "**ولو اشترى بقرة**" میں قیاس ہی کے ذریعہ حکم لگانا بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح بدائع الصنائع (۵/۶۷) کی عبارت: "**ومنها أنه تجزئ فيها النيابة، لأنها قربة تتعلق بالمال فتجزئ فيها النيابة كأداء الزكوٰة وصدقة الفطر ولأن كل أحد لا يقدر على مباشرة الذبح بنفسه خصوصاً النساء فلو لم تجز الإستنابة لأدىٰ إلى الحرج وسواء كان المأذون مسلما أو كتابيا حتى لو أمر مسلم كتابيا أن يذبح أضحية يجزيه**" (۱)، اس عبارت میں بیک وقت کئی قیاس ہیں اور ان سے متعدد جزئیات کا حکم مستنبط کیا گیا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے فقہی احکام ہیں جو محض علت مطردہ کے ذریعے مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً یہ حکم: "**ولا شك في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك إثنان أو ثلٰثة أو أربعة أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة لأنه لما جاز السبع فالزيادة أولىٰ (إلىٰ قوله) بعد أن لا ينقص عن السبع**" (۲)۔

اس جزئیہ میں "**لأنه لما جاز السبع الخ**" کی علت کے ذریعہ سے حکم فقہی مستنبط کیا ہے اور مثلاً: "**ولو إشترك سبعة في خمس بقرات أو في أكثر فذبحوها أجزاهم لأن لكل واحد منهم في كل بقرة سبعها**" (۳)۔

اس میں بھی قیاس سے حکم جواز متعدی ہوا ہے اور جناب نے خلاف قیاس کے اثبات کے سلسلہ میں عنایۃ عن الفتح (۸/۹۶) کی عبارت بطور استدلال پیش فرمائی ہے اس سے متصل خود اسی جگہ "**ولكنا نقول**" سے استدراک کرتے ہوئے اور اس قیاس جلی کو رد کرتے ہوئے شارح علیہ الرحمہ نے استحسان وقیاس خفی کے ذریعہ حکم اشتراک کو معلل **بالعلة المطردة** کر کے خود جواز اشتراک کو ثابت کیا ہے، اور علت جواز صرف تقرب الی اللہ کی نیت کو قرار دیا ہے اور یہ تقرب عام ہے اس

۱- بدائع الصنائع ۵/۷۱۔
۲- بدائع الصنائع ۵/۷۱۔
۳- بدائع الصنائع ۵/۷۲

سے کہ چندشرکاءتقرب کی نیت سے شریک ہوں یا ایک ہی شخص اپنے حصص میں مختلف جہات قربت کی نیت کرے، یہ علت سب صورت میں یکساں مطرد ہوکر حکم جواز کا ذریعہ بنے گی، جیسا کہ سابق عبارتوں سے بھی واضح ہورہا ہے، اسی طرح اس عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے: **"ولكنا نقول إذا كانت الجهات قربا اتحد معناها من حيث كونها قربة فجاز الإلحاق بخلاف ما إذا كان بعضها غير قربة فإنه ليس في معناها"**(۱)، اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ غیر قربت کو تو جمع نہیں کر سکتے باقی قربتیں خواہ کسی جہت کی ہوں جمع ہو سکتی ہیں اور ان کو مجتمع کر سکتے ہیں، اس جگہ یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ سب تفصیل اس وقت ہے جب غنی شخص نے شرکت کی نیت کرنے کے بعد خرید اہو، ایسا نہیں ہوا، بلکہ خرید چکنے کے بعد شرکت کی نیت کر رہا ہے تو اس کا جواز علماء کے درمیان مختلف فیہ ہوجاتا ہے اور بعض صورتوں میں مرجوح بھی ہوجاتا ہے، نہ کہ پہلی صورت میں، اس لئے تعدد کے قول کو مطلقا اور ہر حال میں مرجوح کہنا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر ذبح کر لینے کے بعد کوئی شخص دوسروں کو شریک کرنا چاہے، اس کا بعض ساتو اں حصہ قربانی واجب میں اور بعض قربانی غیر واجب یا عقیقہ وغیرہ میں شمار کرنا چاہیں یا غیر غنی شخص قربانی کے لیے نامزد کر کے خریدے، پھر دوسروں کو شریک کرے یا مختلف جہات تقرب پر مشتمل کرنا چاہے تو یہ صورتیں کسی کے نزدیک جائز نہ ہوں گی: **"لأنه لما أوجبها صار الكل واجبا كما بينه في البدائع"** وغیرہ، یعنی عدم جواز اس لئے ہوگا کہ بطریق ایجاب فعلی کے یا بطریق فعلی کے یا بطریق ایجاب قولی کے کل کو اپنے اوپر جب واجب کر چکا تو اب اس کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا، اور یہی محل مصداق ان عبارتوں کا ہے جن کو جناب نے **"ولو ضحي بالكل فرض"** سے اور **"ولو أن رجلا موسرا ضحي ببدنة عن نفسه خاصة"**(۲)، وغیرہ سے بیان فرمایا ہے، اور اس قسم کی جزئیات میں خلط واقع ہونے سے اس قسم کا خیال پیدا ہوجاتا ہے، ان تمام تفصیلات کے بعد مسئلہ کی پوری نوعیت نکھر جائے گی اور جناب کا سوال جو عنوان التماس کے تحت ہے پیدا ہی نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: محمود غفرلہ، سید احمد سعید مفتی دارالعلوم دیوبند

۱- عنایہ علی الفتح ۸/۷۶۔

۲- حوالہ سابق۔

چند اشخاص کامل کرحضور ﷺ کے نام سے قربانی کرنا:

غیر واجب قربانی میں حضور ﷺ کے ایصال ثواب کے لیے دو چار آدمی مل کرمشترک قربانی کرنے کو دارالعلوم کی جانب سے درست ہونے کا فتوی ۱۳۸۸ھ میں موصول ہوا تھا، تو اس فتوی کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کرکے پورے برطانیہ میں تقسیم کیا تھا، جس سے الحمدللہ کم وبیش آج تک سیکروں قربانی ہوچکیں۔ لیکن امسال ۱۳۹۱ھ میں ماہ فروری ۱۹۷۱ء میں گجراتی ماہنامہ التبلیغ میں جامعہ ڈابھیل سے اسی قسم کے فتوی کا جواب اس کے برعکس شائع ہوا ہے۔ جس کے سوال وجواب حسب ذیل ہیں:

ہمارے یہاں برطانیہ میں دو تین آدمی مل کر (مشترک) حضور کے نام پر ایک بکرے کی قربانی کرتے ہیں۔ یہ صحیح ودرست ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک بکرے کی قربانی ایک ہی آدمی کرسکتا ہے۔ اس میں دو یا تین حصہ دار بن کر بکرے کی قربانی کریں گے تو قربانی صحیح ادا کی ہوئی نہیں سمجھی جائے گی۔ جس کی وجہ سے قربانی کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ حضور ﷺ کے لئے قربانی یا ایصال ثواب کرنا بہت ہی بہتر اور کارثواب ہے۔ ہاں اگر استطاعت اور گنجائش ہو تو ضرور کرنا چاہئے، جانور جس میں سات حصے ہوسکتے ہیں، ایسے جانور میں سے ایک ایک حصہ کی قربانی کرسکتے ہیں، فقط (عالمگیری، شامی)۔

جامعہ ڈابھیل سورت گجرات

دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ڈابھیل کے جوابات میں صحیح اور غیر صحیح جیسے بڑے فرق ہونے کی وجہ سے لوگوں میں ایک قسم کی پریشانی اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔

دارالعلوم کے ایک فتوی کی ایک فوٹو کاپی اس خط کے ہمراہ روانہ کی ہے اور حضرت تھانویؒ نے بھی ''امداد الفتاویٰ'' میں دارالعلوم میں کے مانند جواز کا فتوی دیا ہے حوالہ حسب ذیل ہے:

مبوب امداد الفتاویٰ جلد سوم۔ ادارہ اشرف العلوم کراچی۔ طبع اول شوال ۱۳۷۳ھ (کتاب الذبائح والاضحیہ صفحہ ۴۹۵)۔

دارالعلوم اور حضرت تھانویؒ کے حوالے کے بعد مزید تحقیقات کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مگر جامعہ ڈابھیل کا فتوی

گجراتی ماہنامہ رسائل میں شائع ہوکر ملک اور بیرون ملک میں پھیل گیا ہے۔اس وجہ سے مزید استصواب اور تسکین کے لیے دوبارہ وہی سوال حاضر خدمت ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱۳۸۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے حضرت مفتی محمود صاحب کا لکھا ہوا جوفتوی گیا ہے وہ صحیح ہے۔اسی طرح حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے رجوع کے بعد جوتحریر فرمایا ہے وہ بھی صحیح ہے۔

اور مفتی ڈابھیل نے جوبات لکھی ہے(کہ ایک بکرے کی قربانی یا سبع بقرہ(ساتواں حصہ بقرہ کا) کی قربانی چند آدمیوں کے نام سے نہیں ہوسکتی) وہ اپنی جگہ پر تو صحیح ہے، لیکن یہ بات اس سول مذکورہ کا جواب نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ یہاں تو اس بکرے کی قربانی اور صرف جناب رسول اللہ ﷺ کے نام سے ہوگی، آپ ﷺ کا تنہا وہ حصہ ہوگا۔اس میں چند آدمی حصہ دار نہیں ہوں گے۔

وہ چند آدمی جنہوں نے بکرا خرید کر فقط آپ کے نام قربانی کی ہے وہ خود حصہ دار نہیں ہوئے، بلکہ حصہ دار ہونے کے بجائے دوسرے کوحصہ دار بنانے والے ہوئے اور ان دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔یہی فرق نہ سمجھنے سے مغالطہ ہوگیا ہے۔

چند آدمیوں کا ایک بکرا یا ساتواں حصہ بقرہ(سبع بقرہ) خرید کر، مالک بن کر پھر کسی ایک کے نام قربانی کرادینا یا بذریعہ وراثت اس کا مالک ہوکر کسی ایک کے نام اس کی قربانی کرادینا ایک ہی چیز ہے۔اور اس کے جواز کی تصریح موجود ہے۔کما فی الدر علیٰ حامش الشامی (۵/ ۲۸۴)،"وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل" (۱) وهكذا فی العالمگیریہ(نولکشوری)، "وإذا اشترى سبعة بقرة ليضحوا بها فمات أحد السبعة وقالت الورثة: وهم كبار اذبحوا عنه وعنكم جاز استحساناً الخ"۔

لہذا آپ حضرات کے یہاں (برطانیہ میں) جوطریقہ رائج ہے وہ بلاشبہ جائز ودرست ہے، آپ حضرات کسی شک وشبہ میں نہ پڑیں۔اور یہ بات الگ ہوگی اور بہت اعلیٰ وارفع ہوگی کہ ایک شخص تنہا ایک بکرا خرید کر سرکار دوعالم ﷺ کے نام

۱- شامی ۵/ ۲۸۴۔

پر تنہا قربانی کردے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۲/ ۱۳۹۵ھ

قتل خطا میں قربانی کی ادائیگی:

ایک شخص اپنی چراگاہ میں شکار کھیل رہا تھا کہ غلطی سے بندوق کی گولی چلتے ہوئے ایک بھیڑ کو لگ گئی اور گولی اس کے سر میں لگی اور وہ قریب تھا کہ دم توڑدے کہ اس نے اس کو پکڑ کر ذبح کیا اور قربانی کے ایام تھے تو ذبح کرتے وقت اس نے اس میں قربانی کی نیت کرلی تو آیا اس شدید زخمی جانور کی قربانی جائز ہے؟ جس کے سر میں گولی لگی ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر اس کی عمر پوری تھی قربانی کے لائق تھی اور ذبح کرنے سے خون نکلا تھا تو قربانی کی نیت کرلینے سے قربانی ادا ہوجائے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۲/ ۱۳۹۵ھ

ایک سال سے کم کی بکری وبھیڑ کی قربانی درست نہیں، البتہ فربہ دنبہ چھ ماہ کا جو ایک سال کے برابر ہو اس کی درست ہے:

ہمارے یہاں ایک سال کی بکری کی قربانی کردیتے تھے، چاہے ایک سال کی بکری دانتی ہو یا نہ ہو، لیکن امسال ایک صاحب آئے انہوں نے کہا کہ ایک سال کی بکری کی قربانی درست نہیں ہے اگر دانتی نہ ہو، مسلم شریف کی حدیث ہے: **"لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان"**(۱) قربانی میں صرف مسنہ ذبح کرو اگر یہ میسر نہ ہو تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو اس سے معلوم ہوا کہ اور جانوروں کا مثلاً اونٹ، بکری، گائے کا جذعہ جائز نہیں ہے۔

جذعہ، ضان اور معز کی تعریف جمہور اہل علم اور ائمہ لغت کی تحقیق میں جانور کا ایک پورا سال کر کے دوسرے میں لگنا

۱- مسلم کتاب الاضحیہ ۲/ ۱۵۵۔

ضروری ہے (فتح الباری پ ۲۳ صفحہ ۳۲۹) میں ہے: "الجذع من الضان ما آكمل سنة دخل في ثانية وهو الأصح عند الشافعية وهو الأشهر عند أهل اللغة" (۱)، شرح مسلم شریف میں ہے: "الجذع من الضان ما له سنة تامة هذا هو الأصح عند أصحابنا وهو الأشهر عند أهل اللغة وغيرهم" (۲)، نیل الاوطار میں ہے: "الجذع من الضان ما له سنة تامة هذا هو الأشهر عند أهل اللغة وجمهور أهل العلم من غيرهم"، مجمع البحار میں ہے: "الجذع من الضان ما تمت له سنة" (۳)، بذل المجہود میں ہے: "في ما تمت له سنة" (۴)۔

ان سب حوالجات سے معلوم ہوا کہ بھیڑ کا جذعہ بھیڑ کا وہ بچہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو اور یہ مسلک جمہور اہل علم اور امامان لغت کا ہے، خود حافظ ابن حجر نے اس کو جمہور اہل علم کی طرف منسوب فرمایا ہے ملاحظہ ہو: "فمن الضان ما آكمل السنة وهو قول الجمهور" (۵)، لیکن اور مسائل اختلافیہ کی طرح اس میں بھی حنفیہ نے اختلاف کیا ہے جس کا ذکر خود ائمہ حدیث اور فقہ کے مصنفین نے کیا ہے، ہدایہ میں ہے: "والجذع من الضان ما تمت له ستة أشهر في مذهب الفقهاء" (۶)۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک جذعہ ضان بھیڑ کا وہ بچہ ہے جو پورے چھ ماہ کا یا اس سے کچھ زیادہ عمر کا ہو، لیکن یہ قول چونکہ لغت کے خلاف تھا، اس لئے ہدایہ میں جذعہ ضان کی تشریح کرتے ہوئے "في مذهب الفقهاء" کی قید لگا دی گئی، تا کہ یہ ظاہر ہو کہ ائمہ لغت کی یہ تشریح نہیں ہے (کفایہ ۴/ ۴۳) میں قید: "بمذهب الفقهاء احتراز عن قول اللغة" اسی طرح "بذل المجہود" میں ہے: "قيد بقوله شرعا لأنه في اللغة ما تمت له سنة" (۷)، معلوم ہوا کہ ائمہ لغت کی تشریح احناف کے خلاف ہے اور صحیح مسلک جذعہ ضان ایک سالہ بچہ ہے جذعہ معز جس کی ممانعت کا حکم بخاری شریف کی روایت میں آچکا ہے اس کی عمر کی نسبت شراح حدیث اور ائمہ لغت کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

جذعۂ معز کی عمر: فتح الباری میں ہے: "فهو ما دخل في السنة الثانية" تحفۃ الأحوذی میں نہایہ ابن اثیر کے

۱- فتح الباری ۲۳/ ۳۲۹۔
۲- نووی ۲/ ۱۵۵۔
۳- مجمع البحار ۱/ ۱۸۱۔
۴- بذل المجہود ۳/ ۱۷۔
۵- فتح الباری ۳/ ۲۳۴۔
۶- ہدایہ مع کفایۃ ۴/ ۴۳۔
۷- بذل المجہود ۴/ ۱۷۔

حوالہ سے یہ عبارت ہے: "الجذع من البقر والمعز ما دخل في السنة الثانية" (۱) میں جذع آنچہ پیش از ثنی باشد یعنی گوسپندوگاؤ بسال دوم درآمد، فقہ اللغۃ میں ہے:"وکل من أولاد المعز والضان في السنة الثانية جذع" (۲) میں "الجذع من البقر والمعز ما تم له سنة وطعنت في الثانية"۔

"بذل المجہود" میں ہے:"وأما الجذع من المعز فهو ما دخل في السنة الثانية" ان تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ بکری کا وہ بچہ جوایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو وہ جذعہ معز کہلاتا ہے! ظاہر باہر ہے کہ حضور ﷺ نے جذع معز کی قربانی سے منع فرمایا ہے، پس کسی حالت میں بکری، بکرا، خصی جو پورے ایک سال کے نہ ہوں قربانی درست نہیں ہے۔

مسنہ جو اہل بقر معز سے قربانی کے لئے ضروری ہے، اب مسنۃ کی عمر کی تعیین شارحین حدیث وامامان لغت کی زبانی ملاحظہ ہو، امام نووی شرح مسلم (۱۵۵/۲) میں لکھتے ہیں: "قال العلماء المسنة هي الثنية من كل شئي من الابل والبقر والثنية أكبر من الجذعة بسنة"، امام شوکانی نے لکھا ہے: "المسنة هي الثنية من كل شئي من الإبل الذي يلقي سنة ويكون في ذات الخف في السنة السادسة وفي ذات الظلف والحافر في السنة الثالثه وقال ابن فارس إذا دخل ولا الشاة في الثالثة فهو شئي ومسن" (۳)، علامہ امیر یمانی نے لکھا: "المسنة من كل شئي ومن البقر" صاحب فتح العلام نے لکھا ہے:"الثنية من الغنم ما دخل في السنة الثالثة" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:"الثني من البقر والمعز ما استكمل سنتين وطعن في الثالثة" (۴)، علامہ شیخ محمد طاہر نے لکھا ہے:"الثنية من المعز ما دخل في السنة الثالثة" (۵)۔

ان حوالجات سے معلوم ہو مسنہ معز بکری وغیرہ کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے میں قدم رکھے، اس لئے ایک سال کی بکری کی قربانی درست نہیں ہے، مسنہ کی تعریف دانت ہونے کے اعتبار سے محدثین کرام شکر اللہ مساعیہم کی راس مسنہ کی تشریح میں مختلف رہی ہے بعضوں نے مسنہ کی تشریح میں جانور کے ساتھ اس کی عمر کی قید لگا دی ہے جس عمر میں وہ

۱- منتہی الارب ۱۸۱/۱۔
۲- مجمع البحار ۱۸۱/۱۔
۳- فتح ۳۲۸/۲۳۔
۴- مسوی ۱۸/۱۔
۵- مجمع البحار ۱۶۶/۱۔

جانور مسنہ ہونا اور بعضوں نے دانت نکلنے کو اصل سمجھ کر عمر کا ذکر تبعاً کیا ہے، چنانچہ اب ہم اسی کا ذکر کرتے ہیں، فتح الباری میں ہے: "وحكى ابن التين عن الداؤدي أن المسنة التي سقطت أسنانها وقال أهل اللغة: المسن الذي يلقي سنة ويكون في ذات الخف في سنة السادسة في ذات الظلف والحافر في السنة الثالثة" اور عون المعبود میں بحوالہ محکم ہے: "الثني من الإبل الذي يلقي ثنية وذلك في السادسة ومن الغنم الداخل في السنة الثالثة" اور بحوالہ صحاح یہ عبارت ہے: "الثني الذي يلقي ثنية ويكون ذلك في الظلف والحافر في السنة الثالثة وفي السنة السادسة"، حاشیہ سندھی نسائی شریف میں ہے: "والمسنة اسم فاعل من السنت إذا طلع سنها وذلك بعد السنتين"، حاشیہ نسائی (۲/ ۲۵۳) تیسیر الوصول میں ہے: "المسنة التي لها سنون"، مجمع البحار میں ہے: "والمسنة تقع على البقرة والشاة إذا اثنيا ويثنيان في السنة الثالثة" (۱)، منتہی الارب میں ہے مسنہ کہ دندان پیش برآمدہ ایناق در سال ششم درآمد وگوسپند وگاؤ درسوم درآمدہ منجد میں ہے: "الأثني الذي يلقي ثنة وهي اسنان مقدم الفم"، بذل المجہود میں ہے: "وهي التي طعنت في الثالثة سميت بذلك لأنها طلعت سنها" (۲)، ہدایہ کفایہ میں ہے: "وهي التي طعنت في الثالثة" مصفی میں ہے: "سنة النصف" کہ گذشت باشد بروے دو سال وداخل شدہ در سال سوم۔

ان سب حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ایک سال کی بکری قربانی کے لئے جائز نہیں ہے، قربانی کے لیے مسنہ ہونا ضروری ہے اور مسنہ کے لیے دانت ہونا ضروری ہے، اب مفتی دارالعلوم دیوبند سے سوال ہے کہ کیا حنفیہ کے مسلک کی تائید شراح حدیث وامامان لغت نہیں کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں حنفیوں کے دلائل کیا ہیں اور پیش کردہ دلیلوں کا کیا جواب ہے، جبکہ پیش کردہ دلیلوں میں بذل المجہود ہدایہ مع کفایہ اور علامہ سندھی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کا حوالہ بھی ہے؟ جواب با صواب دیکر ممنون ومشکور فرمائیں۔

عبدالرحمن عابدی (مقام پکولیا مسلم پوسٹ پکولیا ضلع بستی، یوپی)

۱- مجمع البحار ۲/ ۱۴۸۔

۲- بذل المجہود ۳/ ۱۷۔

الجواب وبالله التوفيق:

فاضل مضمون نگار نے عبارتوں کے نقل کرنے میں بڑی ہوشیاری سے کتر بیونت کیا ہے، بلکہ اس سے بھی دو چار ہاتھ آگے بڑھ گئے ہیں۔ اگر پوری عبارت نقل فرما دیتے تو سارا تاروپود بکھر جاتا۔ اور اشکال کی ساری عمارت خود بخود منہدم ہوجاتی۔

احقر صرف ایک عبارت نقل کردیتا ہے اسی سے اندازہ ہوجائے گا، فتح الباری (۱۰/۱۴۳) کی پوری عبارت اس طرح ہے:"**واختلف القائلون بأجزاء الجزعة من الضأن وهم الجمهور في مسنة على آراء أحدها أنه ما أكمل سنة ودخل في الثانية وهو الأصح عند الشافعية وهو الأشهر عند أهل اللغة، ثانيها نصف سنة وهو قول الحنفية والحنابلة، ثالثها سبعة أشهر وحكاه صاحب الهداية من الحنفية عن الزعفراني، رابعها ستة أو سبعة حكاه الترمذي عن وكيع، خامسها التفرقة بين فيكون نصف سنة وبين، فيكون ابن ثمانية، سادسها ابن عشر، سابعها لا يجزي حتى يكون عظيما حكاه ابن المعزي، وقال: إنه مذهب باطل، وقال الأبعادي من الشافعية لو أجذع قبل السنة أي سقطت أسنانه أجزأ كما لو تمت السنة قبل أن يجذع ويكون ذلك قبل البلوغ، قال البغوي: ما استكمل السنة أو أجذع قبلها**"۔

اس عبارت کا ظاہر ومتبادر مفہوم صرف اتنا ہے کہ جمہور علماء لغت کے اقوال جذع من الضان کی عمر کے بارے میں مختلف ہیں۔ اختلاف اقوال کی تعداد نوتک پہنچی ہے، مگر کوئی دوسرے قول کو غلط یا صحیح نہیں کہتا بجز قول نمبر ۷ کے کہ اس کو صرف ابن المعزی نے باطل فرمایا ہے اور یہ باطل فرمانا بھی صرف ان کا قول ہے کسی اور نے اس کو بھی باطل نہیں قرار دیا ہے، لہٰذا وہ بھی عند اہل اللغۃ صحیح ہی شمار ہوگا، لہٰذا سب اقوال صحیح ہی شمار ہوں گے اور صاحب فتح الباری چونکہ شافعی المسلک ہیں اس لیے انہوں نے قول نمبر ا کو اپنے فہم ومسلک کے اعتبار سے بسلسلہ وجوہ ترجیح "**وهو الأصح عند الشافعية وهو الأشهر**" کہہ کر نقل فرمایا ہے اور اس کے خلاف کو غیر صحیح یا شاذ انہوں نے بھی نہیں فرمایا ہے، کیسے کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ اصح کا مقابل صرف غیر اصح ہوتا ہے اور غیر اصح کا غیر صحیح ہونا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اصطلاح علماء میں اصح کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا جانب مخالف بھی صحیح ہے، مگر میرے نزدیک اس صحیح میں صحت کے وجوہ اس صحیح کے اعتبار سے زیادہ قابل لحاظ ہیں۔ اسی طرح اشہر کا مفہوم بھی اصطلاح علماء میں صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا مقابل مردود یا ناقابل عمل نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مشہور سے زیادہ وجہ شہرت میرے نزدیک ہے، اس لئے اصح یا اشہر کو ترجیح دیتے ہیں اور بس اور اس کا خلاصہ

علی وجہ التسلیم صرف افضلیت کے درجہ کی ترجیح ہوسکتی ہے، نہ کہ ضروری العمل پس فاضل مضمون نگار کا ضروری العمل کہنا یا ضروری سمجھنا بالکل غلط اور جاہلانہ تعبیر ہے۔

پھر فاضل مضمون نگار نے کتر وبیونت کرنے میں عبارت مذکور کے مضمون کو خبط کر کے اپنے غلط مدعیٰ کو ثابت کرنے میں یہ بھی تلبیس کی ہے کہ پوری عبارت میں سے شروع عبارت کی پہلی سطر کے اندر سے صرف یہ لفظ (الجذع) لے کر اس کے بعد کے کسی جملہ (خط کشیدہ جملے) حذف کر کے اس کے بعد کے اس لفظ (ما استکمل) سے اس لفظ (الجذع) کو جوڑ کر اپنی خود ساختہ عبارت بنا کر غلط مفہوم پیدا کر دینے کی سعی نا کام کی ہے، مزید برآں اس کے بعد فتح الباری کی پوری عبارت بھی نقل نہیں کی ہے۔ کیونکہ اس سے بھی اس تلبیس کا پردہ چاک ہو جاتا تھا اور صریح بددیانتی مذاہب کے نقل کرنے میں واضح ہو جاتی تھی کیونکہ حنفیہ بھی اہل لغت کے اقوال میں سے جس قول کے قائل ہیں۔ وہ امام محمد کا قول ہے اور امام محمد جس طرح فقہ میں امام ہیں اور حضرت امام شافعی کے استاذ ہیں، اسی طرح فن لغت میں بھی مسلمہ امام ہیں، ان کے قول وتحقیق کو غلط یا غیر راجح کہنے کے لئے دل وگردہ اور ہمت چاہئے۔

پھر فاضل مضمون نگار کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ جذع من الضان کی عمر میں چھ ماہ اور چھ ماہ سے کچھ زائد اور سال بھر سے کم عمر ہونے میں محض حنفیہ ہی کا قول نہیں ہے، بلکہ حنفیہ کے ساتھ حنابلہ بھی ہیں۔ حنابلہ کا قول بھی چھ ماہ ہی کا ہے بلکہ یہ قول محض بعض شوافع کا ہے، محققین شوافع کا قول نہیں ہے۔ محققین شوافع کا قول صاحب فتح الباری نے خود بھی نقل فرمایا ہے، نیز محدثین صحاح میں سے امام کبیر حضرت امام ترمذیؒ کا قول اور حضرت امام شافعی کے استاذ مسلمہ (حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ان سب میں بھی یہی نقل فرمایا ہے کہ چھ ماہ سے زائد اور ایک سال سے کم اور اس کے علاوہ محققین شوافع عبادی کا قول اور امام بغوی کا بھی یہی قول نقل فرمایا ہے جس کے قائل احناف وحنابلہ ہیں۔

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے فاضل مضمون نگار کا یہ مضمون مبنی بر عناد کہا جائے یا فریب دہی کہا جائے یا فریب خوردگی یا مبنی بر لاعلمی وجہالت کہا جائے۔

قیاس　کن　زگلستان　من　بہار　مرا

احقر کے نزدیک یہ مضمون مبنی بر عناد یا فریب دہی نہیں معلوم ہوتا بلکہ مبنی بر فریب خوردگی وکم علمی یا مبنی بر لاعلمی معلوم ہوتا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنی سنائی باتوں پر ساری تعبیر کھڑی کر دی ہے، کیونکہ فاضل مضمون نگار کو یہی نہیں معلوم ہے کہ جذع من الضان کس کو کہتے ہیں اور ضان ومعز وشاۃ میں کیا فرق ہے، بیچارے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ فتح الباری میں

پارے ہوتے ہیں کہ نہیں اسی بناپر فتح الباری کے لیے پ ۲۳ لکھ جاتے ہیں، اس فریب خوردگی اور اس لاعلمی کا پردہ چاک ہوجانے کے بعد اب مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں تھی، لیکن اس میں کچھ بددیانتی کوبھی دخل ضرور معلوم ہوتا ہے، اس لئے اتنا لکھ دیا گیا ہے، تاکہ سادہ لوح مسلمان اور دیانتدار طبقہ آگاہ ہوکر اس فریب میں نہ آجائے۔

پھر مزید بصیرت واطمینان کے لیے حنفیہ کا مذہب مع دلیل نقل کردیا جاتا ہے، کیونکہ مسلم شریف، ابوداؤد شریف، اور ترمذی شریف کے مطابق اصل مذہب احناف یہی ہے کہ بکری، بھیڑ دنبہ سب پورے ایک سال کا ہی قربانی کرنا چاہئے، لیکن اگر ایک سال کی بکری بھیڑ نہ ملے تو دنبہ کا جذعہ (چھ ماہ) اگر اتنا لمبا چوڑا موٹا تازہ ملے جو ایک سال کے دنبہ کے برابر معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی درست ہوجائے گی اور چھ ماہ کے دنبہ کے علاوہ چھ ماہ کی بھیڑ یا بکری کافی نہ ہوگی، خواہ کتنا ہی توانا یا موٹا تازہ ہو، جیسا کہ مسلم شریف کی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

☆ **عن جابر قال قال رسول الله ﷺ: لا تذبحوا إلا مسنة** یعنی ایک سال کا پورا، "**ألا يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان**"(۱)(یعنی ضان کا جذعہ)۔

☆ **غزت الغنم فأمر (المجاشع بن مسعود) مناديا فنادى أن رسول الله ﷺ كان يقول: " إن جذع يوفى منه الثنى**"(۲)۔

☆ **عن كباش قال: جلبت غنما جذعاً إلى المدينة فكسرت على فلقيت أباهريرة فسألته فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: نعم أو نعمت الأضحية من الضان قال: فانتهبه الناس (إلى قوله) والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم أن جذع من الضان يجزى في الأضحية (إلى قوله) قال وكيع: الجذع يكون ابن سبعة أو ستة أشهر هذا حديث حسن**"(۳)۔

ظاہر کہ فرمان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تصریح پھر اس کی شرح میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی تشریح جو اسی تصریح رسالت کے مطابق ہو تو پھر ان قوال اہل لغت کی اس مقابلے میں کیا حیثیت ہوگی اور کیا ضرورت باقی رہ جائے گی؟

پھر آگے چل کر فاضل مضمون نگار نے جو جذع معز کی تحقیق عمر کے سلسلے میں قلم فرسائی فرمائی ہے اول تو ان سب

۱- مسلم وابوداؤد ۲/ ۳۰۔
۲- ابوداؤد ۲/ ۱۲۔
۳- ترمذی ۱/ ۱۸۱۔

کا جواب احقر کی اسی معروض میں آ گیا ہے، علاوہ ازیں فاضل مضمون نگار کی بات اگر ان کی جماعت کا یا ان کا کوئی حمایتی تسلیم کرے اور مانے تو اس کو چاہئے کہ بکری، بھیڑ، دنبہ جب تک دو سال کا پورا نہ ہوجائے تو اسکی قربانی جائز نہ ہوگا۔ جولوگ دو سال سے کم بکری، بھیڑ دنبہ کی قربانی کریں گے ان کی قربانی ادا نہ ہوگی، لہذا ایسے لوگ اپنے اس فاضل مضمون نگار سے دریافت کریں کہ اب تک جو قربانیاں ان کی ذکر کردہ شرائط کے خلاف کی گئی ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۴/ ۹۸ ۱۳ھ

نیل گائے اور ہرن کی قربانی:

پالتو نیل گائے، یا ہرن کی قربانی عید الاضحیٰ میں ہوسکتی ہے یا کہ نہیں اگر ہوسکتی ہے تو ہرن پر کتنے آدمی کی اور نیل گائے میں کتنے آدمی کی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

نہیں ہوسکتی ہے قربانی صرف بکری بھیڑ دنبہ نر یا مادہ یا خصی کی اور گائے بیل بھینس بھینسا اونٹ اونٹنی کی جائز ہے اور اس کے علاوہ کسی اور جاندار کی قربانی جائز نہیں ہے چاہے یوں بلا قربانی کر کے انکا کھانا جائز ہو یہ الگ بات ہے قربانی کو اس پر قیاس نہ کیا جاوے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/ ۸/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند

قربانی کے لئے آئے ہوئے مختلف جانوروں کا خرچہ:

عید الاضحیٰ کے موقع پر مدرسہ کے اندر مختلف جگہوں سے قربانی کے واسطے جانور آتے ہیں اور بعض جگہ سے تو کئی کئی روز پہلے بھیج دئے جاتے ہیں تو اس دوران میں جانور جو چارہ وگھاس کھاتے ہیں اس کا خرچ کس شخص کے ذمہ ہوگا آیا مدرسہ

۱- دیکھئے ردالمحتار ۹/ ۴۶۶ مکتبہ زکریا۔

ذمہ دار ہوگا یا اور کوئی ذمہ دار ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ تو ظاہر و مسلم ہے کہ اہل مدارس جانور بھیجنے والوں کے محض وکیل ہیں اور اضحیہ کرانے کے لئے منتظم و ذمہ دار ہوتے ہیں خود ان جانوروں کے مالک نہیں ہوتے، لہذا شرعاً ان کے گھاس پھوس وغیرہ جملہ اخراجات جانور بھیجنے والے کے ذمہ ہوں گے، پس اگر مشترک کھانے یا کھلانے کی صورت میں کس جانور نے کتنا کھایا یا کس پر کتنا خرچہ پڑا؟ متعین و معلوم کرنا دشوار ہو تو چونکہ لقمہ نہیں گنا جاتا اس لئے سب جانوروں پر یکساں تقسیم کر کے اس کے بھیجنے والوں کی رقم سے وضع کر لیا جائے گا اور مدرسہ پر یہ خرچہ نہ ڈالا جائے گا، البتہ جس جانور کو الگ کھلایا پلایا تو ان کا حساب کتاب الگ ہو سکتا ہے صرف اس کے اخراجات کو اس کے بھیجنے والے کے ذمہ ڈال دیا جائے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۵/ ۳/ ۱۴۱۱ھ
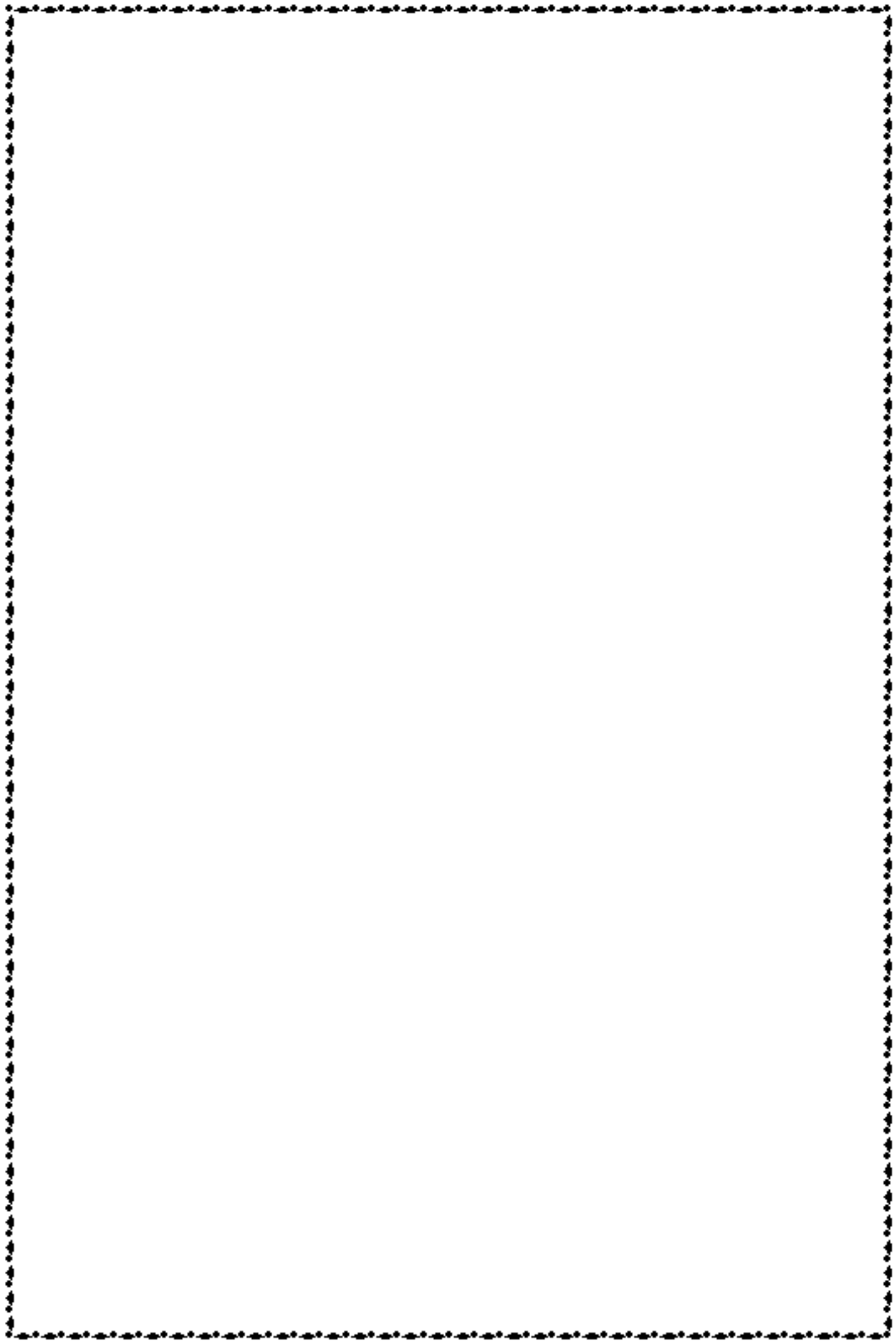
كتاب الحظر والإباحة

کتاب الحظر والاباحۃ

مرد کامادہ منویہ لے کر بیوی کے رحم میں بذریعہ انجکشن پہنچانا:

درج ذیل امور میں شرعی رہنمائی مطلوب ہے:

(۱) Test Tube Baby ’’ٹسٹ ٹیوب بے بی‘‘ جس کی صورت یہ ہے کہ جن عورتوں کے بچے نہیں ہیں ان کے شوہروں کا مادہ منویہ لے کر ان کے رحموں میں بذریعہ انجکشن پہنچایا جاتا ہے جس سے وہ عورتیں حاملہ ہوجاتی ہیں، کیا اس سلسلہ میں سائینٹفک طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا؟

کسی مرد کا مادۂ منویہ اجنبیہ عورت کو بطور اجیر حاصل کر کے اس کے رحم میں انجکشن سے پہنچانا، ایسی صورت میں بچہ کس کی طرف منسوب ہوگا؟

(۲) Surregate ’’قائم مقام ماں‘‘ جس کی صورت یہ ہے کہ مرد کا مادہ لے کر بجائے بیوی کے کسی اجنبی عورت کو بطور اجیر حاصل کر کے رحم میں انجکشن سے پہونچایا جاتا ہے، وہ عورت حاملہ ہوجاتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے؟

(۳) Surreganton سے جو بچہ حاصل ہو وہ کس کا کہلائے گا، ان زوجین کا جن کا مادہ اور بیضہ لیا گیا ہے یا اس عورت کا جس کا رحم استعمال کیا گیا ہے؟

کلوننگ یعنی ہم شکلی کا حکم شرعی:

(۴) Cloning کلوننگ یعنی ہم شکلی جس کا تجربہ درختوں اور پودوں میں تو ہوتا رہتا ہے، اس کے بعد شاید جانوروں میں بھی کیا گیا، بہر حال انسانوں میں اس کی کامیابی کے امکان کا دعویٰ ہے، بعض بتاتے ہیں کہ دعویٰ کامیاب بھی ہوا ہے، لیکن بعض مصلحتوں سے اس کو روک دیا گیا، اس کی صورت یہ ہے کہ بدن انسانی کے کسی بھی حصہ کا تھوڑا سا بھی جزو لے کر سائنٹفک طریقہ پر اس کو اس طرح بڑھایا اور پھیلایا جائے کہ آخر کار ٹھیک اسی شکل وصورت اور رنگ وروغن اور مزاج وخیال کا دوسرا انسان بن کر تیار ہوجائے شریعت مطہرہ اس عمل پر کیا حکم عائد کرتی ہے؟

کاغذی نوٹوں کی شرعی حیثیت:

(۵) ایک مسئلہ افراط زر Inflation کا ہے۔

اگر کوئی شخص ہزار روپے کسی کو قرض دے اور دس سال کے بعد واپسی طے پائے تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہزار روپے کے نوٹ ہی واپس کرنے ہوں گے اور زیادتی سود کہلائے گی، لیکن سوال یہ ہے کہ کاغذ کا نوٹ تو محض حوالہ اور رسید کے درجہ میں ہے، اصل مال وہی ہے جو اس کے پیچھے ہے اور اس کی قیمت گھٹتی رہتی ہے قرض دیتے وقت اگر اس مال کے لیے بطور حوالہ ہزار روپے کے نوٹ ہوتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ادائیگی کے وقت اس مال اور اس کی قدر کے حوالہ کے طور پر ہزار روپے کے نوٹ سے کم ہوتے ہیں یا زیادہ، تو کیوں نہ اس معاملہ نوٹ کی تعداد کے بجائے اس کی قدر VALUE کو بنیاد بنایا جائے، جن احادیث میں سود کی تفصیل آئی ہے ان میں قدر والی چیزوں کو ہی شمار کر لیا گیا ہے، جیسے "**الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والملح بالملح والذهب بالذهب والفضة بالفضة**" الخ، "**وكل قرض جر نفعاً فهو ربا**" میں بھی ضروری نہیں ہے کہ بنیاد نوٹ ہو بلکہ اصل مال اور نوٹ کی قدر VALUE ہوسکتی ہے، پھر ایک ملک کے سکے اور نوٹ دوسرے ملک کے سکوں اور نوٹوں سے فرق کے ساتھ ہی تبادل ہوتے ہیں، دس ڈالر کے بدلے دس پونڈ یا دس ریال یا دس روپے کوئی نہیں لیتا تو پھر کیوں نہ قرض کی ادائیگی میں اس کی رعایت ہو؟

محمد عبد اللہ سلیم (مقیم امریکہ ۱۳/ ۱۲/ ۱۴۰۸ھ)

الجواب وبالله التوفيق:

۱- یہ طریقہ طبائع سلیمہ کے خلاف، مزاج شرع وشارع علیہ السلام کے خلاف انتہائی بےشرمی پر مشتمل ہے اور "**الحياء شعبة من الإيمان**"(۱) کے بھی خلاف ہے، اس لیے اس کو اپنانا انتہائی بےحمیتی اور حدود شرع سے تجاوز اور بےشرمی ہوگی اور شرعاً مضطر ار بے نہیں، اس لیے اجازت نہ ہوگی!

۲- وہ اجنبیہ عورت جس کے رحم میں انجکشن سے شوہر کے علاوہ کسی مرد کا مادہ منویہ پہنچایا گیا ہو وہ عورت عقل سلیم کے نزدیک مزنیہ اور طوائف سے بھی زیادہ فاحشہ قرار پائے گی اور اس کی شناعت عقل سلیم کے نزدیک زنا ولواطت سے بھی زیادہ قبیح ومذموم ہوگی اور صورت تو مضطر ارکی ہے نہیں، اس لیے اس کی بھی اجازت ہرگز نہ ہوگی۔

۱- مشکوۃ المصابیح / ۱۲۔

۳-اس عمل سے جو بچہ پیدا ہوا ہوگا وہ کس کا کہلائے گا؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ عورت اگر بے شوہر والی ہے تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ اسی عورت کا کہلائے گا جس کے شکم سے وہ بچہ پیدا ہوا۔ بالکل اسی طرح جس طرح طوائف جس کے پاس متعدد مرد آ کر زنا کر جاتے ہیں اور اس سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ بچہ ان زنا کرنے والے مردوں میں سے کسی کا شمار نہیں ہوتا، بلکہ اسی رنڈی کا شمار ہوتا ہے جس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں "**منسوب إلی أمه**" کہا جاتا ہے اور صحیح النسب نہیں کہا جاتا۔ رہا جاہلیت کے زمانہ کا کوئی طریقہ اپنانا، مثلاً یہ کہ جب کوئی عورت مختلف مردوں سے زنا کراتی پھر جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ عورت ان زنا کرنے والوں میں سے جس کا ہاتھ پکڑ لیتی کہ یہ اس کا بچہ ہے تو وہ اسی مرد کا شمار ہوتا، یہ طریقہ عقل سلیم کے خلاف ہونے کے علاوہ دقیانوسی اور بالکلیہ متروک ہو چکا ہے اور جدت پسندی کے بھی خلاف ہے اور یہ سب معاملات جدت پسندی کے تحت کیے جارہے ہیں، اس لیے اس کی بحث نہیں اور اگر وہ عورت شوہر والی ہے تو وہ بچہ اگرچہ نامشروع طریقہ سے آیا لیکن اس کے شوہر کا شمار ہوگا اور اس کی صورت ایسی ہی ہوں گی جیسی یہ صورت کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی مرضی سے اس کے سامنے بھی زنا کرائے اور علوق ٹھہر جائے اور بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ اسی شخص کا شمار ہوگا جس کی وہ بیوی ہے، لقوله عليه السلام: "**الولد للفراش وللعاهر حجر**" أو كما قال (۱) اور یہ حکم اس صورت کا بھی ہے جب کہ شوہر نے اس سے کبھی بھی وطی نہ کی ہولأن الفراش له، لہٰذا ہر حال میں یہی حکم ہوگا اور وہ بچہ اسی شخص کا شمار ہوگا جس کی بیوی نے ایسی حرکت کرائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بچہ اسی عورت کا کہلائے گا جس کا رحم استعمال کیا گیا ہے فرق صرف اتنا ہوگا کہ اگر وہ عورت شوہر والی ہے تو وہ بچہ منسوب الی ابیہ بھی ہوگا اور صحیح النسب بھی شمار ہوگا، ورنہ محض منسوب الی امہ ہوگا اور جس اجنبی کا مادۂ منویہ استعمال کیا جائے گا اس بچہ کا نسب اس اجنبی کے ساتھ شمار نہ ہوگا اور نہ بچہ صحیح النسب کہلائے گا۔

۴-کلوننگ کا معاملہ حسبِ تحریر سوال کہ بدنِ انسانی کے کسی بھی حصہ کا تھوڑا سا جزو بھی لے کر سائنٹفک طریقہ سے اس طرح بڑھانا الخ۔

اس معاملہ میں ایسے شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کو رب العالمین مانتا ہے اور ہر نماز میں نماز شروع کرتے ہی الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے اور اس کی حقانیت کا عقیدہ پہلے ہی سے رکھتا ہے، اس کے نزدیک یہ معاملہ نہ تو محالات عقلیہ میں سے ہوگا اور نہ ممنوعات واقعیہ میں سے ہوگا اور نہ عجائباتِ دہر میں سے ہوگا اور نہ باعث استعجاب ہی ہوگا، بلکہ رب العالمین کے

۱- مشکوٰۃ المصابیح/ ۲۸۸۔

مفہوم کے پیشِ نظر دین وشرع پر ازدیاد ایمان کا مزید باعث بنے گا، اس لیے کہ عقیدہ میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام عالم اور عالم کی تمام چیزوں کے پالنے والے اور تربیت دینے والے ہیں اور تربیت کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو آہستہ آہستہ سنوارتے اور ترقی دیتے ہوئے مرتبہ کمال تک پہنچانا اور یہ وصف باری تعالیٰ میں: "إن الله علی کل شئی قدیر" (۱) کے مطابق علیٰ وجہ الکمال ہے اس کی مثال یہ سمجھو کہ یہ مشینیں جو کام کر رہی ہیں اگر چہ آٹومیٹک ہی کام کرتی ہوں جب بھی ان مشینوں کی حقیقت میں کمال نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ کمال اس مشین کے بنانے والوں اور چلانے والوں کا سمجھا جاتا ہے۔

پس اسی طرح ان ہاتھ پیر مارنے والوں کا کمال نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ ان ہاتھ پیر مارنے والوں کے دماغ میں جو آٹومیٹک مشین کام کر رہی ہے، اس کے بنانے والے اور چلانے والے کا کمال سمجھا جائے گا اور وہ آٹومیٹک مشین بنانے والا، چلانے والا بجز اللہ کے کوئی اور نہیں ہوسکتا، چنانچہ برابر مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کبھی کبھی جب مشین کا پرزہ بگڑ جاتا ہے اکثر بڑے بڑے ماہرین عاجز ودرماندہ رہ جاتے ہیں اور بالآخر وہ موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی مشاہدہ ہوتا ہے کہ سب ماہرین وہاتھ پیر مارنے والے عاجز ودرماندہ ہو چکے ہوتے ہیں اور قادر مطلق ومختار خود اپنی مشیت وقدرت سے بالکل توانا وصحت مند کر دیتا ہے اور یہ سب امور "وماتشاؤن إلا أن یشاء الله" (۲) کا مظہر بن جاتے ہیں اور فرق یہ نکلتا ہے کہ مومن تو چونکہ پہلے ہی سے ایسی چیزوں کو خالق کائنات کی صناعی اور مظہر قدرت قرار دیتا اور اس پر ایمان رکھتا ہے اس لیے مومن کہلاتا ہے۔

اور دوسرے لوگ اولاً اپنی ایجاد کا کمال سمجھتے ہیں اور اسی پر نظر رکھتے ہیں اور خالق کائنات کا کمال اور اس کا احسان نہیں قرار دیتے، اس لیے مومن نہیں کہلاتے۔ ہاں جب عاجز ودرماندہ ہوجاتے ہیں تو اس وقت بھی بعض ہی حضرات خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس لیے ایسے لوگ ایمان سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ آخر کار ٹھیک اسی شکل وصورت، رنگ وروغن اور مزاج وخیال کا دوسرا انسان بن کر تیار ہوجائے، یہ بات بھی کچھ باعثِ استعجاب نہیں، اس لیے کہ اس کا مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہیں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ ماں باپ کا جزء لیے ہوئے پیدا ہوتا ہے اور جس کا جزء اس میں غالب ہوتا ہے، اس کی شکل وشباہت مزاج وخیال وغیرہ غالب ہوتی ہے، اسی طرح جس کا کوئی حصہ جزء ہو اس کی شکل وشباہت وغیرہ ہوجائے، تو کیا استبعاد ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابتداء آفرینش

۱- سورۂ بقرۃ: ۱۴۸۔

۲- سورۂ دہر: ۳۰۔

انسانی میں ہی حضرت آدم علیہ السلام کے صرف ایک حصۂ بدن سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا جو حضرت آدم کے خیال ومزاج وغیرہ کے مطابق مونث ہونے کے باوجود رہیں، اس نظیر سے استبعاد اور بھی دور ہوگیا اور یہ سب اشکالات ان لوگوں کے ذہن میں آتے ہیں جن کی نظیر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ کاملہ پر نہیں آتی، ورنہ یہ چیزیں ایک مومن کے لیے باعث استبعاد ہونے کے بجائے ازدیادِ ایمان کا باعث بنتی ہیں۔

۵- اس نمبر میں حکم واضح و منقح ہونے کے لیے ایک تفصیل کا ہونا ضروری ہے اور وہ تفصیل یہ ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ثمنیت کے لیے صرف سونا چاندی پیدا فرمایا ہے، اس لیے ثمنِ خلقی محض سونا وچاندی ہوتے ہیں اور تمام عالم نے اسی ذہب وفضہ ہی کو ثمنِ خلقی واصلی کے لیے تسلیم کرلیا ہے، کما لا یخفی اور اسی وجہ سے سونا وچاندی کا سکہ نافقہ خلقی واصلی قرار دے دیا گیا۔ وھذا ایضا غیر مخفی بل عند الکل مقبول ومسلم۔

پھر لین ودین کی سہولت، نیز لے جانے لے آنے اور منگانے بھیجنے میں سہولت وحفاظت کے پیش نظر اور دیگر بہت سے مقاصد ومصالح کی خاطر حکومتوں نے کاغذ کے نوٹ اصلی سکہ کے بجائے نافذ وجاری کردیے اور اسی قبیل سے ہندوستان میں انگریزوں نے بھی کاغذ کے نوٹ جاری کردیئے اور نوٹوں پر لکھ دیا کہ یہ اسی مقدار کی چاندی کی رسید وسند ہے جو مقدار نوٹ پر درج ہے اور اس نوٹ پر لکھے ہوئے چاندی کے سکے رزرو بینک سے لے سکتا ہے، اس لیے علماء نے نوٹوں کو رسید وسند وحوالہ وغیرہ قرار دیا اور اسی وجہ سے ان نوٹوں کو ان پر لکھی ہوئی مقدار سے کم وبیش کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں ہوتا تھا اور نہ تبادلہ بالنسیئہ حلال ہوتا تھا اور جب تک ان نوٹوں کا نقد حاصل نہ کرے یا مالِ متقوم سے بدل نہ لے زکوۃ وغیرہ واجب التملیک کوئی تصرف بھی صحیح نہیں ہوتا تھا اور زکوۃ وغیرہ کسی چیز کی ادائیگی متحقق نہ ہوتی تھی ان وجوہ سے بہت سے شرعی معاملات میں بے حد تنگی ودشواری پیش آتی اور بسا اوقات ادائیگی وصحت میں تعذر واقع ہونے لگا تھا تو علماء کا ذہن ان نوٹوں کو سکہ نافقہ غیر خلقی قرار دینے کی جانب متوجہ ہوا۔

چنانچہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے پہلے اس توسع کی جانب اشارہ فرمایا پھر اس کے بعد ان کے تلمیذ رشید صاحب ”عطر ہدایہ“ نے ادھر اشارہ فرمایا، پھر اس کے بعد حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت مفتی سعید احمد کانپوری کی مدلل ومبرہن مکاتیب سے مسئلہ واضح ہوگیا کہ نوٹوں کو بجائے سند حوالہ کے سکہ نافقہ غیر خلقی قرار دینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہوگی، اس کی نظیر قدیم زمانہ کا سکہ غطارفہ وبطارقہ وغیرہ ہے کہ اس کو علماء متقدمین نے سکہ نافقہ غیر خلقی قرار دیا تھا اور حوالہ یا سند وغیرہ قرار نہیں دیا تھا۔

اسی طرح خود ہندوستان میں تانبے کے پیسے جس کو گورکھپوری پیسے بھی کہتے تھے بطور سکہ نافقہ غیر خلقی کے بغیر حوالہ وسند وغیرہ قرار دیتے ہوئے جاری تھا، پھر جب چاندی کے روپوں کی قلت کے ساتھ چاندی کی اٹھنی، چونی، دونی وغیرہ مفقود ہوکر گلٹ وغیرہ کی ریزگاریاں بمنزلہ سکہ نافقہ غیر خلقی کے درجہ میں بغیر حیثیت حوالہ وسند کے رائج وجاری ہوگئیں تو نقد سکوں کے بھنانے میں اور تبدیل کرنے میں کچھ توسع ہوگیا اور انہیں وجوہ سے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی کتاب ''صفائی معاملات'' میں یہ فرمایا کہ نوٹوں کو بھنانے میں اگر کچھ ریزگاریاں بھی ملالی جائیں تو نسیہ وکمی بیشی سب جائز ہوجائے گی، کیونکہ اس صورت میں اتحاد قدر وجنس نہ رہے گا جو باعث تحقق ربوا ہے۔

غرض کہ اب اجماعی طور پر مفتیٰ بہ قول میں نوٹ سکہ نافقہ غیر غلقیہ قرار پا گیا، باقی چوں کہ نوٹ سکہ غیر غلقیہ وغیرہ اصلیہ ہے، اس لیے وہ اس کے اصلیہ وغلقیہ کے تابع رہے گا اور اس پر حکومت نے جو قیمت سکہ اصلیہ غلقیہ کے اعتبار سے لکھی ہے وہی قیمت اس نوٹ کی قرار پائے گی اور ہندوستان میں حکومت نے نوٹوں کی قیمت چاندی کے سکے اصلیہ وغلقیہ کے اعتبار سے چاندی کا نقد روپیہ رکھی ہے جس کا وزن ایک تولہ آتا ہے، اس لیے نوٹوں کے ذریعہ سے معاملہ کرنے میں یا لین دین وغیرہ کرنے میں کوئی نزاع واقع ہوگی تو اس وقت رفع نزاع کے لیے چاندی کے نقد سکہ اصلیہ غلقیہ کی جانب عقلاً وبداہۃً رجوع کرنا لازم ہوجائے گا۔ پس جب کسی شخص نے ہزار روپے کسی کو قرض دیئے اور دس سال کے بعد واپسی طے پائی تو چونکہ یہ معاملہ قرض کا ہے، اس لیے اس قرض کے دیتے وقت ان نوٹوں کے جتنے سکہ اصلیہ غلقیہ، یعنی چاندی کا ایک تولہ والے روپے ہوتے تھے اتنے نقد روپے یا اس کی موجودہ قیمت میں جتنے نوٹ آتے ہوں ان کی واپسی لازم ہوگی چاہے وہ واپسی دس بیس سال کے بعد کیوں نہ ہو، کیونکہ معاملہ قرض میں شرعاً واجب الاداء وہ سکہ اصلیہ غلقیہ یا ان کا بدل ہوگا اور دیکھنے میں اگر چہ دیتے ہوئے نوٹ سے زاید نوٹ تعداد میں نظر آتے ہوں، مگر ان پر ربوا کا اطلاق نہ ہوگا، جیسا کہ عنقریب واضح ہوجائے گا۔

جس طرح ہندوستان کے نوٹوں کا حکم ہے بالکل اسی طرح ہر ملک وحکومت کے نوٹوں کا ہوگا، ان کا نام پونڈ ہو یا ڈالر یا ریال ہو، یعنی چاندی سونے میں سے جس کے اعتبار سے اس پر قیمت لکھی ہوگی اسی قیمت کے اعتبار سے اتنے نقد چاندی یا سونے کا سکہ قرار پائے گا اور ان کا سکہ مفقود ہوجائے تو شرعاً اتنے ہی وزن کا سونا، چاندی ان کی قیمت قرار پائے گی، اسی طرح یہ سمجھنے کی بھی ضرورت ہے کہ نوٹوں میں تحقق ربوا کب ہوگا، پس مسئلہ ربوا میں یہ تو ظاہر ومسلم ہے کہ تحقق ربوا کے لیے اتحاد قدر وجنس لازم ہے۔ اتحاد قدر وجنس دونوں ہوجائے تو تبادلہ میں ''یداً بید مثلاً بمثلٍ'' لازم ہوتا ہے،

یعنی فضل (زیادتی وکمی) بھی ناجائز اورنسیہ ادھار بھی ناجائز ہے اور جب محض ایک وصف میں، یعنی صرف قدر میں یا صرف جنس میں اتحاد ہوتو نسیہ تبادلہ ممنوع رہتا ہے، مگر نقداً تبادلہ میں کمی بیشی جائز رہتی ہے، اسی اعتبار سے ہم جب نوٹ کو دیکھتے ہیں تو نوٹ قدری نہیں ہیں کیوں کہ قدری چیز صرف کیلی اور وزنی ہوتی ہے اور نوٹ تبادلہ کرنے میں نہ تو کیل کئے جاتے ہیں اور نہ ہی وزن کئے جاتے ہیں، بلکہ گنے جاتے ہیں اور گن کر دیے جاتے ہیں، لہذا نوٹ عددی ہوئے اس لیے اتحاد فی القدر کا احتمال ختم ومنقطع ہوگیا۔

لہذا نقد نوٹوں میں تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ بالاتفاق سب کے نزدیک جائز رہے گا، رہ گئی اتحاد فی الجنس کی بات تو بعض علماء تمام کاغذوں کو علی الاطلاق ایک جنس فرماتے ہیں تو ان کے نزدیک نوٹوں کی تبدیلی ایک دوسرے سے نسیۃً ناجائز رہے گی، ہاں اگر تبادلہ میں کسی جانب کچھ ریزگاریاں یا روپے غیر چاندی کے ملا لئے جائیں تو نسیۃً تبادلہ ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، باقی وہ حضرات جو تمام کاغذوں کو علی الاطلاق ایک جنس تسلیم نہیں کرتے، بلکہ مختلف قسم کے کاغذوں کو مختلف جنس تسلیم کرتے ہیں، جیسے ملاٹ کا کاغذ، بیز کاغذ، عمدہ کاغذ یہ سب کاغذ ایک دوسرے جنس سے مختلف ہوتے ہیں اور یہ قول اقرب إلی التحقیق معلوم ہوتا ہے پس اس طرح مختلف قسم کے کاغذ مختلف جنس کے شمار ہوں گے اور نوٹوں کے کاغذ بھی اسی طرح چونکہ مختلف قسم وحیثیت ومختلف نوع کے ہوتے ہیں، لہذا یہ بھی مختلف جنس کے شمار ہوں گے اور ان دوسرے علماء کے نزدیک ہزار ہزار روپیہ کے نوٹ کے کاغذ ایک جنس کے اور سو روپیہ کے نوٹ کے کاغذ ایک جنس کے اور پچاس روپیہ کے نوٹ کے کاغذ ایک جنس کے شمار ہوں گے وعلیٰ ہذا القیاس، پس سو سو روپیہ کے نوٹوں کو اس سے کمی بیشی کے نوٹوں سے تبدیل کرنے میں جس طرح نقداً تبدیل کرنے میں کمی بیشی درست رہے گی، اسی طرح نسیۃً تبدیلی میں بھی کمی بیشی درست رہے گی۔

اسی بنیاد پر چونکہ ہر ملک وحکومت کی کرنسیوں کے کاغذ بھی الگ الگ جنس کے اور مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ان حکومتوں کی کرنسیوں میں کمی بیشی کے ساتھ تبدیلی کو بھی علماء درست فرماتے ہیں۔ اور یہ قول اشبہ بالفقہ بھی معلوم ہوتا ہے (۱)۔

ھذا ما عندی من الشرع الشریف فان کان صواباً فمن اللہ وان کان خطاءً فمن نفسی وما

۱- اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے دوسرے فقہی سمینار منعقدہ ۸ تا ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء میں ''کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کو موضوع بحث بنایا تھا، اکیڈمی نے اپنے اس سمینار میں کرنسی نوٹ سے متعلق جو تجاویز پاس کی تھی اس کی ایک شق ہے: عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا، چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور اب بھی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے اس لئے کرنسی نوٹ کی بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار (جدید فقہی تحقیقات ۲/ ۵۱) (مرتب)۔

أبری نفسي من الزلل والخطاء فلیراجع الاٰن الی العلماء المحققینؒ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۳/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی

نوٹ: اس جواب پر اعتراض اور اس کا جواب آگے ملاحظہ کیا جائے ۔ (محمد نظام الدین اعظمی)۔

اعتراض بر جواب:

بخدمت گرامی حضرت مفتی صاحب زید معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہم رشتہ فتوی پڑھ لیا ہے (۵و۶) کا جواب الحمدللہ کافی وشافی ہے۔ **فجزاکم الله خیر الجزاء۔**

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ (۱) میں شرعاً خطرہ ہے نہیں کا لفظ قابل وضاحت ہے، میں نے زبانی عرض کیا تھا کہ نکاح کے دوشرعی غرضوں اور نتائج ومقاصد میں سے ایک غرض حصول اولاد ہے اور دوسری باہم الفت ومحبت ۔

اب اگر زن وشوہر میں سے کسی ایک کی عدم صلاحیت کی وجہ سے ایک غرض پوری نہیں ہورہی ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دوسری غرض بھی فوت کردی جائے ،یعنی طلاق دے دی جائے ،جبکہ دوسری شادی کی بعض ملکوں میں اجازت نہیں ، پھر شریعت نے عدل کے ساتھ ایک سے زائد ازدواج کو مقید کیا ہے ہم کیسے بلا تقیید کے ازدواج ثانی کا مشورہ دے سکتے ہیں ۔

اب اگر اولاد کی طلب اور منکوحہ سے حصول اولاد ایک شرعی غرض ہے جو مجامعت سے پوری نہیں ہورہی ہے تو سائنٹفک طریقے پر کیے جانے میں کیا قباحت ہوگی؟ رہ گئی بے حیائی ڈاکٹروں کو معائنہ کرانے یا دایہ کو دکھانے کی تو زچگی وغیرہ کے موقع پر ہر مرد یا عورت ڈاکٹر کے ہاتھوں زچگی کرانے کی اجازت تو ہوگی اگر ضرور وہ مستثنیٰ ہے تو اس کو بھی اسی ضرورت کے تحت مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے ۔بہر حال یہ مسئلہ مزید وضاحت طلب اور نظر ثانی کا محتاج ہے ۔

۴- میں نے جس حد تک سوال کیا تھا اس حد تک جواب مرحمت فرمایا گیا، بلکہ کچھ ضرورت سے زائد تفصیل بھی ہے جو خود مفید ہے،لیکن مجھے احساس ہے کہ سوال ہی ناقص تھا در اصل عجلت میں سوال لکھ کر بھیجدیا تھا۔

بہر حال اس معاملہ کا اصل پہلو حل طلب یہ ہے کہ اصل کا جزو بڑھ کر چونکہ ہمہ وجوہ اصل کے مطابق ہو جائے گا، جیسے کسی پودے کی ایک شاخ کاٹ کر زمین میں لگادی جائے تو بعض پودوں میں اسی کا تجربہ دن رات ہر جگہ کیا جاتا ہے کہ اس

شاخ سے پہلے جیساپودا تیار ہوجاتا ہے اورصفات وخصوصیات میں کوئی فرق نہیں ہوتا،ٹھیک اسی طرح انسانوں میں کلوننگ کا نظریہ کے مطابق جس صغیر کی سائنٹفک پرورش سے جسم کبیر اصل کے مطابق بناتا ہے،تو اس طرح ایک مرد کے دویا دو سے زیادہ مرد اورایک عورت کی دویا دو سے زیادہ عورتیں بن گئیں،مگر توالد وتناسل کے طریق کے بغیر تو اس صورت میں حقوق فرائض معاملہ کا کیا ہوگا،مثلاً ازدواج ووراثت،معاہدہ ومعاملات وغیرہ یعنی یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہوں گی یا ایک ہی شخصیت کے دوروپ؟ یہی سوال کی اصل غرض ہے۔

امید کہ جناب والا پھر زحمت جواب فرما کرممنون فرمائیں گے مگر سادرن اورمقیم ہوں،اس لیے پہلی تو جیکا خواستگار ہوں۔فقط والسلام

جواب اعتراض برجواب سابق:

محترم المقام واجب الاحترام　　زادت مکارمکم ومعالیکم علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کاشکر ہے کہ دو جواب توصحیح اتر گئے،اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ جناب کی پذیرائی کا بھی شکریہ۔

جواب (۱): کی وضاحت کے لیے چند مغالطات کا اظہار ضروری ہے،پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر احقر نے طلاق دینے کے لیے کہا ہوگا تو اس کو لازم نہیں کیا ہوگا،دوسرے یہ کہ نکاح کے یہ مقاصد علت نہیں ہیں کہ ان کے انتفاء سے معلول (نکاح) ہی منتفی ہوجائے یہ منافع نکاح ہیں اور منافع کا انتفاء عدم النفع کہلاتا ہے اورعدم النفع کوضرر کسی نے نہیں کہا،نہ اس کو ضرر لازم ہے کہ اضطرار کا شبہ ہو اور اگر کوئی ضرر سے تعبیر بھی کرے تو اضطرار ہرگز نہیں ہوسکتا،اس لیے کہ اضطرار کے معنی ہیں (ضرر نازل لامردلہ) یعنی ایسا ضرر کہ اس سے مخلص نہ ہو اور یہاں مخلص ہے،مثلاً یہ کہ کسی چھوٹے بچے کو پال لیا جائے، اس کی تعلیم وتربیت کردی جائے تو وہ بڑا ہو کر مثل اپنی اولاد کے ہوگا،بلکہ بعض اوقات اولاد سے بڑھ کر نافع ہوگا۔

اب یہ شبہ کہ اس کو میراث کیسے ملے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تہائی ترکہ کی وصیت تو ہر حال میں جائز ہوگی اور اس کے علاوہ ہبہ جتنا چاہے دے کر اس پر اس کا قبضہ دیدے اوراگر ہونے والا وارث غنی اور اس کے ترکہ سے مستغنی وبے نیاز ہو تو کل ترکہ بھی دیدینے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوگی،نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنی کل متروکہ جائداد کو کارخیر میں وقف کرجائے اور اسی ربیب کو اس کا متولی بنادے،پھر اسی کی نسل میں نسلاً بعد نسلٍ ایسی چند قیود وشرائط کے ساتھ تولیت دیدے کہ اپنے خاندانی افراد کی حق تلفی بھی نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

اور اس طریقہ کار، یعنی مذکورہ سائنٹفک طریقہ پر مادہ منویہ منتقل کرنے میں جو نامحرم مردوں کے سامنے بے حجاب ہونا پڑے گا، اس کو زچگی کی حالت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ ڈیلیوری (زچگی) میں جان کے لالے پڑے رہتے ہیں، یا ایسی مجبوریاں ہوتی ہیں کہ بغیر ایسی صورت کے کہ کسی معالج سے ایسا کرایا جائے کوئی مخلص نہیں رہتا ہے، یا بے انتہا و نا قابلِ تحمل ضرر کا ظن غالب رہتا ہے، پھر بھی ایسی حالت میں ترجیح اس کو ہوتی ہے کہ یہ عمل عورت ڈاکٹرنیاں کریں اور ایسا ہی عموماً کرتی بھی ہیں، سوائے معدودے چند ایمر جنسی پھر بھی اگر کوئی اس جدید بے حیائی کے طریق کو زچگی پر قیاس کرے تو یہ اس کی بڑی نادانی و نافہمی ہوگی، جس سے آثار میں پناہ مانگی گئی ہے۔

(۴) میں یہ پہلو کہ اصل کا جزء جب بڑھ کر مثل اصل ہو جائے گا، تو عرض ہے کہ ایسے مرد کے حصۂ بدن سے جب دو چار مذکر بدن بن جائیں اور عورت کے حصہ بدن سے دو چار مونث بدن بن جائیں تو اگر چہ یہ عورت اس مرد کی بیوی ہی کیوں نہ ہو ان میں آپس میں مناکحت جائز رہے گی، جیسے کہ ایک عورت اپنے پہلے شوہر سے بچیاں لے کر دوسرے مرد سے شادی کرتی ہے اور اس دوسرے مرد کی پہلی بیوی سے بچوں کے ساتھ ان بچیوں کا نکاح جائز رہتا ہے، اس لیے کہ ان اولادوں میں ان دونوں کی مشترک جزئیت، یعنی ان دونوں کے مخلوط مادہ منویہ سے نہیں ہیں، بلکہ ایک ایک کے الگ جزء ہیں اور حرمت نکاح کی علت یہی جزئیت ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ایک مرد یا ایک عورت کے حصہ بدن سے مذکر و مونث دونوں بن جائیں تو ان میں ایک ہی فرد کی جزئیت مشترک ہو جانے سے نکاح درست نہ ہوگا، کیونکہ شریعت مطہرہ نے سوائے آدم علیہ السلام کے اور کسی کے لیے اس کی اجازت نہیں دی، رہا وراثت کا معاملہ تو یہ وراثت ان بنے ہوئے اشخاص میں جاری نہ ہوگی، اس لیے کہ وراثت کا معاملہ بالکل غیر مدرک بالقیاس ہے، وارثوں کا تعین اور ان کے حق وحصہ کا تعین کرتے ہوئے باری تعالیٰ عز اسمہ نے صاف صاف فرما دیا ہے: "**وآبائكم وابنائكم لاتدرون أيهم أقرب لكم نفعاً فريضة من الله**" الخ(۱)، پس جن چار مردوں اور بارہ عورتوں کو اور جس طرح اللہ عز وجل نے ذوی الفروض مقرر فرما دیا بصرف وہی ذوی الفروض ہوں گے اور جن کو جس طرح عصبہ یا ذوی الارحام مقرر فرما دیا وہی اسی طرح صرف عصبہ و ذوی الارحام شمار ہوں گے، اور ان کے علاوہ اور کوئی حق دار وراثت شرعاً نہ ہوگا، ہاں بذریعہ وصیت یا بذریعہ مقر لہٗ بالنسب وغیرہ حسب قاعدہ شرع کے ذریعہ سے جس کو جتنا دینے کی شریعت نے اجازت دی ہے دے سکتے ہیں، جیسا کہ سوال نمبر ا کے جواب میں معروض ہو چکا ہے

۱- سورۂ نساء پ۱۱

اوراس طریقہ سے اپنے دلی جذبات کوبذریعہ معاہدات ومعاملات وغیرہ حدودشرع میں رہتے ہوئے پورا کرسکے گا،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۳/۱۴۰۸ھ

مختلف ملکوں کی کرنسیوں کاحکم:

مختلف ملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ آپس میں نقد وادھار ہر طرح اورکمی وبیشی کے ساتھ ہوتا ہے،حالانکہ ان کرنسیوں کو سب ہی سکہ قرار دیتے ہیں،لہذا بتایا جائے کہ شرعاً اس تبادلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ان کرنسیوں کو اگرچہ سکہ ناقصہ غیر خلقیہ،یعنی سکۂ عرفی تسلیم بھی کیا جائے جب بھی "مثلا بمثل" اور "یدابید" اورمتبادلین کاحکم شرعی اس وقت ہوتا ہے جب بدلین کے درمیان اتحادقدر وجنس دونوں ہو،اورصورت مذکورہ اتحادقدرتو اس لئے نہیں ہے کہ قدر کے معنی شرع میں کیل ووزن کے ہوتے ہیں اوریہ کرنسیاں کیلی یا وزنی نہیں ہوتیں،بلکہ عددی ہوتی ہیں، اس لئے اتحادفی القدرختم ہوگیا،اسی طرح اتحادفی الجنس بھی نہیں ہوتا،اس لئے کہ اتحادفی الجنس شرع میں منطقی مرادنہیں ہوتی،بلکہ جنس نوعی وصفتی کے قبیل کی چیز عندالشرع مراد ہوتی ہے،جیسے سوتی کپڑا،اونی کپڑا،ریشمی کپڑا،جنس منطقی سب کی ایک ہے یعنی کپڑا مگر یہ سب الگ الگ جنس ہوتے ہیں۔اسی شرعی اختلاف جنسی سے ان کا تبادلہ آپس میں بھی کمی بیشی وغیرہ سب طرح درست رہتا ہے۔اوران سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شرعاً جنس متحد اس وجہ سے نہیں ہیں کہ لٹھا گاڑھا وغیرہ سب کی جنسیات ومالیات وشکل وصورت سب مختلف ہونے سے یہ اتحادجنسی نہیں ہے،پس جب ان کرنسیوں میں بھی سب کی مالیت وجنسیت وشکل وصورت وغیرہ مختلف ہوتی ہیں توان میں اتحادجنسی کاتحقق نہ ہوا،پس جب مختلف ملک کی یہ کرنسیاں (پونڈ، ڈالر،ریال،درہم)سب کاغذ کی ہونے کی وجہ سے منطقی جنس میں ایک شمار ہوں،لیکن شرعاً وعرفاً سب الگ الگ جنس کی شمار ہوتی ہیں۔اسی طرح ان میں آپس میں اتحادقدر (اتحادکیل ووزن) بھی نہیں متحقق ہے،کیونکہ یہ سب عددی ہیں،لہذا جب اتحادفی الجنس اوراتحادفی القدردونوں مفقود ہوگئے تونقد وادھار ہر طرح کا تبادلہ،نیز نقد تبادلہ میں بھی کمی زیادتی سب تصرف شرعاً جائز ہوگا۔اوریہی حکم شرعی جہاں بھی متحقق ہوگا یہ سب تبادلے آپس کے عرف کے مطابق شرعاً درست ہوتے رہیں گے

اور سکہ عرفی ہونے سے اس کے جواز میں فرق نہ پڑے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۳/۱۲/ ۱۴۱۳ھ

ڈاکٹروں کے مشورہ سے مرد کی منی لے کر عورت کے رحم میں پہنچانا کیسا ہے؟

ایک عورت کی اولاد نہیں ہوتی، ڈاکٹروں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ عورت یا مرد میں کوئی خرابی نہیں ہے، بلکہ مباشرت میں مادۂ تولید رحم کے اندر اپنے مقام تک نہیں پہونچتا ہے، اس لیے استقرار نہیں ہوتا، اگر مرد سے مادۂ تولید لے کر عورت کے رحم کے اندر پہونچایا جائے تو استقرار ہوجائے گا اور بچہ پیدا ہوجائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس ترکیب سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ جائز اولاد اور صحیح النسب ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو پھر کیسی شمار ہوگی؟

محمد ابراہیم بن محمد حسین صالح فریقی (متعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ طریقہ نہایت بے شرمی اور بے حیائی کا ہے جو شرعاً مذموم ہے، تقدیر اور قضاوقدر پر قانع رہنا امر مستحسن ہے، باقی نفس جواز میں کلام نہیں جب کہ شوہر خود ہی یہ عمل کرے، اس طریق عمل سے جو بھی اولاد پیدا ہوگی وہ جائز اولاد اور صحیح النسب شمار ہوگی بحکم حدیث پاک: ''الولد للفراش'' (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/۲/ ۱۴۱۱ھ

خنزیر کے کسی عضو کو بحالتِ اضطرار انسان کے جسم میں پیوند کر کے لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

خنزیر کے کسی عضو کو بحالت اضطرار انسان کے جسم میں پیوند کر کے لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ تو منصوص علیہ ہے کہ بوقت اضطرار خنزیر کا گوشت حلال الاکل ہے، مگر آج کل ڈاکٹر لوگ اعضاء خنزیر کو بدن انسانی میں استعمال کرتے ہیں، مثلاً دل، گردہ، جگر وغیرہ تو اگر یقین ہے کہ فلاں عضو کی پیوندکاری سے جان بچ جائے گی ورنہ تو موت ہے، ایسے موقعہ پر اعضائے

۱- مشکوۃ المصابیح/ ۲۸۸۔

خنزیر استعمال میں لائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

نیز بعض کیپسول جو مریضوں کو تجویز کیے جاتے ہیں، ان میں خنزیر کے اجزاء شامل ہیں، مختلف ترکیب سے یہ اجزاء بنائے جاتے ہیں اور دواؤں و کیپسول میں مخلوط کیے جاتے ہیں، تو ایسی دوا و کیپسول کا استعمال درست ہے یا نہیں، جبکہ ان کا بدل میسر نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس معاملہ کو اضطرار کہنا یا اضطراری حالت کا معاملہ کہنا مغالطہ ہے، خاص کر خنزیر و شراب کے معاملہ میں، جبکہ یہ لوگ خنزیر و شراب کو بے محابا اور علانیہ جائز سمجھتے ہیں اور جائز سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، بلکہ اضطرار یہ ہوگا کہ مسلم، دین دار، حاذق ڈاکٹر و طبیب مکمل تشخیص کر کے یہ کہہ دے کہ اس مرض کا فقط یہی علاج ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج و تدبیر نہیں ہے، اور یہاں ایسا نہیں ہے اس لیے کہ مسلم دین دار، حاذق ڈاکٹر و طبیب کی اس متعین تشخیص کے بغیر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں، اس کو اضطرار کہنا غلط ہوگا۔

اور پھر انسانی اعضاء کو باعتبار خنزیر کے بندر وغیرہ جانوروں کے اعضاء سے زیادہ مشابہت و مناسبت مسلم ہے جس کے ذریعہ سے بعد ذبح شرعی یہ علاج بدرجۂ اولی ہوسکتا ہے، نیز جمادات و حیوانات کے اجزاء سے یہ پیوند کاری بخوبی ہوسکتی ہے جو بلاشبہ جائز و درست ہے، بلکہ اب پلاسٹک اور سیکلون کے ہر قسم کے اعضاء و اجزاء اندرونی و بیرونی ایسے ایجاد ہوگئے ہیں جو ہر مزاج کے موافق اور دیرپا اور زیادہ مفید اور سہل الحصول بھی ہوتے ہیں اور شرعاً بھی جائز رہتے ہیں پھر وہ اضطرار کہاں رہا، بلکہ اگر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خنزیر کے اعضاء و اجزاء کا بے محابا استعمال کرنا دہریت ولامذہبیت کے مزاج سے خوگر بنانے اور دہریت ولامذہبیت کی اشاعت کی غرض سے بھی ہوتے ہیں، فافہم۔

اور بر تقدیر تسلیم اضطرار بھی خنزیر کے کسی عضو کی پیوند کاری کو ظاہری اعضاء جوارح میں جیسے ہاتھ پیر جلد وغیرہ اکل میتہ یا اکل لحم خنزیر بحالت اضطرار کھانے کے جواز پر قیاس کرنا جواز کی گنجائش نہ ہوگی، یہ قیاس قیاس مع الفارق ہوگا، اس لیے کہ اکل کی صورت میں وہ ماکول ہضم ہو کر ختم و معدوم ہوجاتا ہے یا متبدل بدم و لحم و شحم ہوجاتا ہے قائم و باقی نہیں رہتا، جبکہ عضو خنزیر ہونے کی صورت میں عضو مردار ہونے کے ساتھ ساتھ نجس العین کا بقاء و تلبس بھی لازم رہے گا، جس کی وجہ سے انسان کا جسم ہمیشہ گندہ و پلید رہے گا، کسی وقت بھی طہارت پذیر نہیں ہوسکے گا اور نماز جیسی اہم و مطلوب عبادت جو بین العابد والمعبود

رابطہ مطلوبہ کے قیام وبقا کا اہم ذریعہ ہے فوت ہوجائے گی اور اس سے محرومی لازم آئے گی، پس ایسی حالت میں ایک مومن کا جذبۂ ایمانی کبھی اس کو گوارا نہ کرے گا، بلکہ اس کا جذبۂ ایمانی آخرت کی زندگی کو ترجیح دے کر اس گندی زندگی کو کبھی گوارا نہ کرے گا، بخلاف اکل کی صورت کے کہ کھا لینے کے باوجود گندہ وپلید نہ ہوگا، اگر ہاتھ منہ گندہ بھی ہوگا تو دھوکر پاک وصاف کر لے گا اور کسی خاص اہمیت وضرورت کے پیش نظر اس خاص جزء کی گنجائش بھی نکل آئے تو بھی یہ حکم کلی وعمومی نہ ہوگا، اور عموم جواز کا مثمر نہ ہوگا ہاں دواؤں یا کیپسولوں میں مخلوط ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا قیود کے ساتھ اضطراری حالت میں ان کا حکم مثل حلت اکل میتہ کے حکم کا ہوگا اور وقتی طور پر بقدر ضرورت ومجبوری استعمال کی گنجائش ہوسکے گی، مگر وہ بھی حکم کلی وعمومی جواز کے لیے نہ بن سکے گا او صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر جسم کے اندرونی اعضاء دل، گردہ، جگر، آنت وغیرہ کی ضرورت ہوکر واقعی وہ اضطرار شرعی متحقق ہو جائے اور جمادات ونباتات یا پلاسٹک سیکلون سے کام نہ چلے تو بھی خنزیر کے دل گردہ وغیرہ کی پیوندکاری نہ کی جائے، حتی المقدور غیر خنزیر لے کر اس کو ذبح شرعی کے بعد اس کے ان اجزاء کی پیوندکاری کی جائے ورنہ ایسا مکروہ ہوگا اور خنزیر کے دل وگردہ کی پیوندکاری میں فقہ کے اعتبار سے کراہت شدیدہ بحکم حرام ہوگی اور اس صورت کو بھی مذکورہ دواؤں، کیپسولوں اور اکل میتہ وغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا کما ہو واضح من التقریر السابق، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

استرہ کا کام کرنے والے صابن کا استعمال کرنا:

ایک ایسا صابن نکلا ہے جو استرہ کا کام انجام دیتا ہے (بالوں کے کاٹنے میں)، نیز اس میں ناپاک اجزاء بھی استعمال نہیں کیے جاتے ہیں، اس طرح کے صابن کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ایسا صابن جس میں ناپاک اجزا نہیں ہیں، استرہ ہی کے کام میں استعمال کرسکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۷/۱۴۱۱ھ

انگریزی دواؤں کے استعمال کا حکم جن میں شراب، اسپرٹ، افیون وغیرہ کا استعمال ہو:

آج کل عوام وخواص بکثرت انگریزی دواؤں کا استعمال کرتے ہیں، جن میں شراب، اسپرٹ، افیون وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، کیا ایسی دوائیں استعمال کرنا درست ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

آج کل جو انگریزی دواؤں میں اسپرٹ وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے وہ عموماً شراب نہیں ہوتی، بلکہ ایسی اسپرٹ ہوتی ہے جو آلو، گیہوں وغیرہ سے بنائی جاتی ہے، اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ یہ اشربہ اربعہ محرمہ کی جنس سے نہیں ہوتی۔

اگر تحقیق سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ اس دوا میں جو اسپرٹ وشراب استعمال کی گئی ہے وہ خمور اربعہ: کشمش، انگور، کھجور، منقہ سے بنائی گئی ہے تو اس کو استعمال نہ کرے، کیونکہ اس کا ایک قطرہ بھی متفق علیہ طور پر حرام اور نجس ہے، ہاں اگر دیانت دار ماہر اطباء سے یہ معلوم ہو کہ اس کا علاج اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے نہیں ہوسکتا اور موت کا قوی خوف ہو تو ایسی دواؤں کا استعمال کرنا بھی بقدر ضرورت جائز رہے گا، ''**وجوزہ فی النہایۃ بمحرم إذا أخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء، ولم یجد مباحا یقوم مقامہ**'' (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۶/۷/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: کفیل الرحمن، محمد ظہیر الدین مفتاحی

کالے رنگ کے خضاب کا حکم شرعی:

آج کل عام طور پر زمانۂ شباب ہی میں بال سفید ہوجاتے ہیں، ایسے لوگ جن کے عقد میں نوعمر اور جوان عورتیں ہیں محض بیوی کی رغبت کی بنا پر سیاہ خضاب کرتے ہیں، یہ فعل ان کے حق میں کیسا ہے؟ نیز عام حالات میں بھی سیاہ خضاب کا حکم تحریر فرمائیں۔

۱-　　الدر المختار ۵/۳۴۹۔

الجواب وبالله التوفيق:

قدرتی کالے رنگ کا خضاب حرام ہے، حدیث شریف میں اس پر وعید آئی ہے: **قال رسول الله ﷺ: "يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام لايريحون رائحة الجنة"**(۱) سیاہ خضاب کے علاوہ دوسرے رنگ کے خضاب جائز ہیں، البتہ مہندی یا کتم کا خضاب مستحسن ہے، حدیث شریف میں ہے: **"إن أحسن ما غير به هذا الشيب الحناء والكتم"** (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۳/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: کفیل الرحمن، محمد ظفیر الدین مفتاحی

بال کٹانے کا سنت طریقہ، نیز قصر افضل ہے یا حلق؟

بعض لوگ سر کے بال اس طرح کٹاتے ہیں کہ صرف کانوں کے اوپر اور گدی پر سے کٹاتے ہیں، جن کو انگریزی بال کہا جاتا ہے، اس طرح کٹانا کیسا ہے؟ نیز بالوں میں قصر افضل ہے یا حلق؟ جب کہ اکابرین کا معمول حلق کا ہے۔

الجواب وبالله التوفيق:

حضور ﷺ اکثر بال رکھا کرتے تھے، موئے مبارک کبھی نصف کان تک، کبھی کانوں کی لو تک اور کبھی مونڈھے تک ہوتے تھے، یہ تینوں طریقے سنت ہیں (۳)، کانوں کے اوپر تک کٹانے کا ثبوت حدیث میں نہیں ملتا، اور اگر سر کے پورے بالوں کو یکساں طور پر کٹایا جائے کہ کہیں بڑے چھوٹے نہ ہوں، یہ بھی جائز ہے، لیکن سر کے اگلے حصہ کے بال بڑے رکھنا اور صرف پیچھے کے حصہ کے بالوں کو چھوٹا کرا لینا (جو آج کل کا فیشن ہے) جائز نہیں، حدیث شریف میں اس سے ممانعت آئی ہے: **"نهى رسول الله ﷺ عن القزع أن يحلق رأس الصبي فيترك بعض شعره"** (۴)، نیز سر کے بعض حصہ کے بال کٹوانا اور بعض حصہ کو چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے، حضور ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے: **"عن ابن عمر أن**

۱- ابوداؤد ۲/۲۲۲، باب فی الخضاب۔

۲- ابوداؤد ۲/۲۲۲، باب فی الخضاب۔

۳- شمائل الترمذی/۱۔

۴- ابوداؤد ۲/۲۲۱۔

النبی ﷺ رأی صبیا قدحلق بعض شعره وترک بعضه، فنهاهم عن ذالک، فقال: أحلقوا کله أو اتر کوه کله"(۱)،حلق اور قصر دونوں مباح ہیں،حضور ﷺ کا جو معمول بال رکھنے کا تھا وہ حکم شرعی کی وجہ سے اور سنن ہدی کے طور پر نہیں تھا، ورنہ صحابہ اس کے خلاف نہ کرتے اور یہاں اس کے خلاف ہے، اس لیے حضرت علیؓ اور بعض صحابہ کرامؓ سے حلق کرانے کا ثبوت ملتا ہے،معلوم ہوا کہ حلق اور قصر دونوں مباح ہیں،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۶/۷/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح:کفیل الرحمان،محمد ظفیر الدین مفتاحی

امریکن گائے کا گوشت کھانا،دودھ پینا اور قربانی کرنا کیسا ہے؟

امریکن گائے جس کو عوام جرمنی گائے بھی کہتے ہیں، اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ گائے کے ساتھ خنزیر کی جفتی کرائی جاتی ہے یا خنزیر کا مادہ منویہ حاصل کر کے بذریعہ مشین گائے کی شرمگاہ میں ڈالا جاتا ہے، اس سے جو گائے پیدا ہوتی ہے اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ اس کا گوشت کھانا، دودھ پینا اور اس کی قربانی کرنا درست ہے، یہ امریکن گائے بنسبت ہندوستانی گایوں کے دس گنا زیادہ دودھ دیتی ہے،اسی دودھ کے لالچ میں کچھ لوگ اس کو لاکر پالتے ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

حیوانات میں نسب مادہ سے چلتا ہے،جب یہ گائے (امریکن یا جرمنی) اور گایوں کی طرح سے کھاتی پیتی ہے اور گائے کی طرح بولتی ہے،تو یہ شرعاً گائے ہی شمار ہوگی،خواہ خنزیر سے جفتی کرائی گئی ہو،یا بذریعہ انجکشن یا کسی اور طرح حاملہ کرائی گئی ہو اور حاملہ کرانے کا یہ طریقہ غیر شرعی یا مذموم وغیرہ ہو، اس سے اس کے گائے ہونے میں کوئی شبہ نہ کیا جائے گا، گائے کا ہی حکم رہے گا اور اس کا گوشت کھانا،دودھ پینا اور اس کی قربانی کرنا،پالنا سب درست رہے گا(۲)،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۱۳/۶/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح:حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ،محمد ظفیر الدین مفتاحی غفرلہ،کفیل الرحمان

۱- ابوداؤد۲/۲۲۱۔

۲- "فإن کان متولدًا من الوحشي والإنسي فالعبرة بالأم،فإن کانت أھلیة یجوز وإلا فلا، حتی أن البقرة الأھلیة إذا نزاعلیھا ثور وحشي فولدت ولداً، فإنه یجوز أن یضحی به، وإن کانت البقرة وحشیة والثور أھلیا لم یجز، لأن الأصل في الولد الأم، لأنه ینفصل عن الأم" (بدائع الصنائع،۶۹، ج۵، البحر الرائق،۲۰۷)(مرتب)۔

۱-خون اور انسانی اعضاء کو طبی اغراض کے لیے استعمال کرنے کا حکم:

موجودہ زمانہ میں انسانی خون اور اعضاء کو طبی اغراض کے لیے استعمال کرنا ایک عام بات ہوگئی ہے۔مثلاً:

۱-مریضوں اور زخمیوں کے جان بچانے کے لیے انسانی خون کے انجکشن دیے جاتے ہیں۔

۲-مرنے والوں کی آنکھیں متوفی کی وصیت یا ورثاء کی اجازت سے نکال کر قابل علاج اندھوں کو لگائی جاتی ہیں۔

۲-خون اور مختلف اعضاء کے بینک کے قیام کا حکم:

اس مقصد کے لیے خون اور آنکھوں کے بینک قائم کیے جاتے ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-جان بچانے کے لیے مجبوری واضطرار کی صورت میں انسانی خون کو استعمال کر لینے کی اور اس کا انجکشن لگا دینے کی تداوی بالمحرم کے قاعدہ کے مطابق شرعاً گنجائش ہے، مگر اس گنجائش کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خون مباح الاصل ہوگیا یا مطلقاً جائز الاستعمال ہوگیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ضعفِ بشری اور معذوری کا لحاظ رکھتے ہوئے بطور مراحم خسروانہ اس استعمال پر آخرت میں مواخذہ یا گرفت نہ ہوگی اور ایسا کرنے والے عند اللہ گنہگار شمار نہ ہوں گے، بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۷/ ۱/ ۱۳۹۷ھ

شبہ کے موقع پر از روئے تقویٰ احتیاط اولیٰ ہے:

یہاں سعودی عرب میں بیرونی ممالک سے بسکٹ اور ایسی نوع کی چیزیں آتی ہیں جو غیر مذبوحہ جانور کی چربی یا اسی قبیل کی حرام اشیاء ان بسکٹوں میں لازمی جزء ہوتی ہیں اور بسکٹ کے پیکٹ پر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ فلاں چیز شامل ہے اور ایسے بسکٹ اور ایسی نوع کی چیزیں بھی آتی ہیں جن میں حرام چیزوں کی آمیزش نہیں ہوتی ہے اور اگر کہیں ملاقات کے لیے دینی یا دنیاوی غرض سے کسی ایسے شخص کے پاس جائیں جو حلال وحرام کی اتنی پرواہ نہیں کرتا (خواہ کسی وجہ سے مجملہ ایک وجہ یہ ہے کہ حکومت تاثر دیتی ہے کہ وہ حلال وحرام کے بارے میں سخت پابند ہے) اور یہ شخص پلیٹ میں بسکٹ اور چائے لا کر دیتا ہے مہمان نوازی کے خیال سے اور صرف بسکٹ کی شکل دیکھ کر پتہ چلانا مشکل ہے کہ یہ حلال ہے کہ حرام اور میزبان اصرار کرتا

ہے، کھانے پر، تعلقات کی نوعیت ایسی ہے کہ حلال وحرام کا مسئلہ بیان کیا جائے تو سننے کی استعداد نہیں۔

ایسی صورت میں کیا کیا جائے، ایک آدھ لکڑا بکراہت کھا کر میزبان کو مطمئن کیا جائے اور اگر ایسے مشکوک کھا لیے جائیں تو دعا کتنے دنوں تک قبول نہ ہوگی۔

محمد ضیاء الرحمٰن (سعودی عربیہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر پیکٹ ہی سامنے آجائے اور اس پر حرام چیز کی آمیزش لکھی ہوئی ہو جب تو قطعاً نہ کھایا جائے، صاف انکار تہذیب ونرمی سے کردے، اس لیے کہ "**لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**"(۱) اگر پیکٹ سامنے نہ آئے اور کوئی علامت بسکٹوں پر حرام چیز کی آمیزش کی نہ ہو تو چونکہ حکومت میں حرام وحلال ہر چیزیں دستیاب بھی ہوتی ہیں، تو ظاہر حال واغلب حال یہی ہوگا کہ جب تک ان میں حرام یا ناپاک چیز کا ثبوت نہ ہو حرام وناپاک نہ کہیں گے (۲)، باقی اگر شبہ ہو تو کسی اچھے اور نرم انداز سے معلوم کرلے کہ ایسی ویسی چیز تو اس میں شامل نہیں ہے؟ اگر وہ آدمی خود محتاط وپرہیزگار ہو تو اس سے معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں، ہاں اگر غیر محتاط وآزاد ہو اور شبہ ہو اور پھر معلوم بھی نہ کرسکتا ہو تو بطور توریہ کے "**إني سقيم**" کہہ دے کہ میں نفس کا مریض ہوں یہ چیز میرے لیے مضر ہے، اس لیے میں اس کے کھانے سے معذور ہوں اور اپنے کو بچالے۔

نیز شبہ کے موقع میں از روئے فتویٰ استعمال کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن از روئے تقویٰ اس قسم کے توریہ وبہانہ سے نہ کھائے تو افضل اور احسن ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/۱۲/۱۴۰۰ھ

پاسپورٹ کے لئے تصویر کھینچوانے کا شرعی حکم:

کوئی شخص نفلی حج کو جانا چاہتا ہے یا تفریحاً پردیس کو جانا چاہتا ہے یا کسی پر طلب علم دین تفصیل دلائل وغیرہ فرض

۱- مشکوۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء ۳۲۱۔

۲- "أما مسئلة ما إذا اختلط الحلال بالحرام في البلد، فإنه يجوز الشراء والأخذ إلا أن تقوم دلالة على أنه من الحرام" (الاشباہ مع شرح الحموی، ۱۶ ف ۱۷)۔

واجب نہیں، لیکن وہ اس کے لئے یا محض عربی سیکھنے کے لئے دیگر ممالک جانا چاہتا ہے یا صرف دنیوی فن یا پیشہ حاصل کرنے کے لئے پردیس جانا چاہتا ہے یا اور کسی غیر ضروری سفر کے لئے جارہا ہے اور چونکہ آج کے زمانہ میں پاسپورٹ لازم ہے تو وہ شخص ایسے اسفار کے لئے پاسپورٹ نکالتا ہے اور اس میں فوٹو بھی لازم ہے تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ تصویر کھینچنا تو حرام ہے اور ضرورت کے موقع پر تو جائز ہے، جیسے فرض حج یا طلب علم دین بالتفصیل اگر اپنے شہر میں کوئی عالم نہیں وغیرہ، لیکن ایسے غیر ضروری مواقع پر کیا حکم ہوگا؟ آیا یہاں بھی بر بناء حاجت تصویر نکال کر پاسپورٹ لینا جائز ہے یا نہیں۔

بندہ سراج احمد (افریقی غفرلہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ تو ظاہر ہے کہ بغیر کسی وجہ شرعی کے فوٹو نکلوانا ممنوع ہے اور وجہ شرعی کے ساتھ مباح ہے دینوی وتجارتی غرض بھی مقصد صحیح اور وجہ شرعی بن سکتی ہے، اسی طرح قانونی مجبوریاں اضطراری حالات بھی وجہ شرعی بن سکتی ہیں اور یہ وجوہ شاخ درشاخ بے حد و بے حساب منشعب ہیں اور جناب نے خود بھی لکھا ہے اور جزئی حکم مبتلی بہ کی رائے پر چھوڑ اجائے گا بشرطیکہ وہ بادیانت ہو یا پھر کسی خاص جزئی کی تعیین کے بعد لکھا جاسکتا ہے، جبکہ خود صاحب معاملہ صاف صاف لکھ کر پوچھے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

ذی روح کی تصاویر چھاپنے کا حکم:

میں منوہر لال منیجر کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی قرآن پاک اور بہت سی مذہب اسلام کی کتابوں کا ناشر ہوں، میرے مال کے خریدار تقریباً تمام ہی مسلمان ہیں، میرے کتب خانہ میں اکثر کارکن مسلمان ہیں، میں اور میرے ادارہ کے تمام کارکن قرآن پاک کی نشر واشاعت میں امکان بھر احترام واحتیاط سے کام لیتے ہیں۔

مجھے چند ماہ قبل کینیا، افریقہ کے ایک مسلمان تاجر کتب کا ایک آرڈر چند بزرگوں کی تصاویر چھاپ کر بھیجنے کا ملا اور جو تصاویر ہم کو نمونہ کے طور پر دی گئیں وہ بھی ایک اسلامی ملک مصر کی چھپی ہوئی تھیں، ہم نے وہ تصاویر آرڈر کے مطابق چھاپ کر کینیا روانہ کردیں، ان کی اشاعت سے مسلمانوں کی دل آزاری کا تصور بھی ہمارے گوشۂ خیال میں نہ تھا، دہلی کے

ہمارے ہم پیشہ بعض تاجران کتب نے صرف ہماری مخاصمت اور مخالفت میں یہاں سے وہ تصاویر حاصل کیں اور غلط انداز میں اخبارات میں اشاعت کے لیے بھیج دیں اور میرے ذریعہ مسلمانوں کی دل آزاری کرنے کی انتہائی مذموم کوشش کی، حالانکہ میں نے ان تصاویر کو ہندوستان بھر میں کسی جگہ سپلائی نہیں کی ہندوستان میں ان تصاویر کو پھیلانے اور مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث وہی لوگ بنے جو میری مخالفت کرتے ہیں۔

مجھے جیسے ہی یہ علم ہوا کہ یہ تصاویر مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہوسکتی ہیں، میں نے دہلی کے چند مسلم علماء سے رجوع کیا اور ان حضرات سے حکم معلوم کیا، ان کے حکم کے مطابق ان ہی کی موجودگی میں ان تصاویر کے نگیٹیو اور طباعت کے تمام ذرائع جلا کر ضائع کردیے اور آئندہ کے لیے ان لوگوں کو یقین دلایا کہ اس طرح کی کوئی تصویر شائع نہیں کرونگا۔

اگر کوئی آدمی لاعلمی میں غلطی کا ارتکاب کرے اور علم میں آتے ہی تمام مواد ضائع کردے اور آئندہ کے لیے تائب ہوجائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

نیازمند (منوہر لال کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی)

نقل فیصلہ: منوہر لال کے پاس چار تصویر فریقہ سے طبع ہونے کے لیے آئی تھیں، ان میں ایک تصویر حضرت آدم علیہ السلام کی اور دوسری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی، تیسری حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی اور چوتھی براق کی تھیں یہ تصویریں قابلِ اعتراض تھیں، چنانچہ یہ طے ہوا کہ مولانا محمد یوسف مفسر قرآن سے اس معاملہ کا فیصلہ کرایا جائے، حضرت مولانا نے ان تصویروں کو قابل اعتراض قرار دیا ان کے سامنے منوہر صاحب نے یہ اعلان کیا کہ وہ تصویروں کے قابلِ اعتراض ہونے سے واقف نہیں تھے، چھپی ہوئی تصویریں ان کے پاس چھپنے کے لیے آئیں جو انہوں نے طبع کرادیں، مولانا محمد یوسف نے فیصلہ فرمایا کہ ان میں کوئی تصویر ہندوستان میں نہ طبع ہوگی نہ تقسیم۔ دوسرے اس کے نگیٹیو ضائع کردیے جائیں تیسرے اس قسم کی کوئی قابلِ اعتراض چیز آئندہ شائع اور طبع نہ ہوگی اس مطبوعہ مال کو فی الفور فریقہ بھیجدیا جائے، چنانچہ حسبِ ذیل حضرات کی موجودگی میں نگیٹیو اور خاکے ضائع کردیے گئے مولانا یوسف، جناب محمد ادریس، حاجی عبدالملک، ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی، مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی رعایت کرنے کی بناپر منوہر لال صاحب مستحق شکریہ ہیں۔

توقیر محمد یوسف الدہلوی محلہ چوڑی والان دہلی، ۱۷/۹/۱۹۷۸ء

الجواب وباللہ التوفیق:

عام جانداروں کی تصویر بنانا، خواہ کسی کیڑے مکوڑے ہی کی کیوں نہ ہو، اسلام میں قطعاً حرام اور گناہ ہے اور آخرت میں اس پر بہت سخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں، پھر بزرگوں کی تصویر بنانا اور وہ بھی انبیاء کرام کی یہ تو اسلام میں بہت ہی بڑا جرم ہے خواہ مصر، قاہرہ اور عرب کے لوگ بنائیں۔ اس لیے کسی کو بھی غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اس کے بنانے کی یا نقل اتارنے کی قطعاً اجازت نہ ہوگی، ایسی تصاویر جن کا تعلق کسی کے مذہبی شعار سے ہو اس کے مذہب کے پیشواؤں، مقتداؤں کی توہین یا تنقیص کا پہلو نکلتا ہو یا کسی مذہب کے ماننے والوں کے نزدیک تنقیص یا توہین شمار ہوتی ہو تو اس کے بنانے اور شائع کرنے کی اجازت کسی قوم و مذہب کے کسی فرد کو سیکولر ملک اور اسٹیٹ میں قانوناً بھی نہیں ہوتی اور بہ پیش نظر تصویروں میں یہ سب پہلو موجود ہیں، اس لیے غلطی تو بہت بڑی تھی جو ہوگئی، باقی جب صاحب معاملہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور انہوں نے محض معذرت ہی نہیں کی، بلکہ دہلی کے بہت سے علماء کرام کو حکم بنا کر ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کر کے ان تمام تصاویر کے نگیٹیو اور خاکے ان سب حضرات کی موجودگی میں جلا کر ضائع بھی کر دیئے اور آئندہ کے لیے ان حضرات کو یقین بھی دلایا کہ اس طرح کی کوئی تصویر نہیں شائع کروں گا، جیسا کہ ان حضرات علماء کرام کی خود اپنی تحریروں سے (جو استفتا کے ساتھ منسلک ہیں) ظاہر ہے تو صاحب معاملہ کی یہ غلطی عند اللہ معاف ہوگی۔

نیز صاحب معاملہ کا اس انداز سے صفائی معاملہ کر لینا ان کی سلامت روی کی دلیل بھی ہے اور اس قسم کی صورتوں میں جذبات سے کام لینا مناسب نہیں، اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، بلکہ اس کو مذموم حرکت قرار دے کر درگذر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے اب مزید کسی مظاہرہ وغیرہ کی ضرورت باقی نہیں، البتہ چونکہ بلٹز وغیرہ اخبارات میں بھی یہ صورتِ حال شائع ہو کر عام مسلمانوں کی بے چینی کا سبب ہو چکی ہے، اس لیے تکمیلِ معذرت وصفائی معاملہ کے لیے صاحبِ معاملہ کو چاہیے کہ وہ بلٹز، وغیرہ اخبارات میں اپنی معذرت کے ساتھ ساری صورتِ واقعہ اور ثالثوں کی تحریرات اور ان کے فیصلوں کو اشاعت کے لیے بھیج دے، تا کہ ان اثرات کا ازالہ ہو سکے جو صاحب معاملہ کے متعلق ملک میں پیدا ہو چکے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/۱۱/ ۱۳۹۸ھ
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید

تصویر بنانا یا بنوانا:

مصلحۃً کسی کو اپنی تقریر کے وقت اور جلسہ گاہ، وعظ اور کسی نیک کام کی بنیاد رکھنے والے کا فوٹو لینا جائز ہے یا نہیں، اور فوٹو لینے والا کیسا ہے، یعنی لینا اور لیوانا دونوں صورتوں کے متعلق لکھیں عندالشرع کیسی ہے اور تصویر بنانا کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

انسان حیوان اور ہر جاندار ذی روح کا فوٹو لینا یا اتنے حصے جسم کا فوٹو لینا جتنے میں زندہ باقی رہ سکتا ہے، ناجائز ہے اور حرام ہے سوائے چند مجبوری کی صورتوں کے اور آپ نے جو لکھا ہے اس میں کوئی مجبوری نہیں ہے۔

لہٰذا ایسا کرنا سخت گناہ اور حرام ہے آخرت میں تصویر بنانے والے اور بنوانے والے کھینچنے والے اور کھنچوانے والے سب کو کہا جائے گا کہ اس میں جان ڈالو اور وہ جان ڈال نہ سکیں گے تو انکو شدید عذاب ہوگا، اسی طرح یہ عذاب چلتا رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح سید احمد علی سعید

مرے ہوئے جانور میں بھوسی وغیرہ بھر کر اس کو کھڑا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

مور وغیرہ جانور کو مار کر، اس کے اندر سے آلائش نکال دی جاتی ہے اور اس میں دوسری اشیاء بھر دی جاتی ہیں، جس سے وہ مورہی معلوم ہوتا ہے، جس کو سجاوٹ کے لیے گھروں میں رکھا جاتا ہے۔ ایسے جانوروں کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

اقبال احمد ظفر (جامع نور رانتو دانٹ کناڈا افریقہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

بطور مذکور اس قسم کے جسم کو محفوظ کر لینے میں چنداں مضائقہ نہیں اور نفس اباحت میں کلام نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ

صورت و عمل نہ تو تصویر شئی ہے اور نہ ہی کوئی ہیکل وقالب بنانا ہے، بلکہ ایک شئی کے قدرتی جسم کو برقرار رکھنا ہے۔ لیکن چونکہ یہ مور اور اسی طرح کی بعض چڑیاں بعض غیر مسلموں کے مذہب میں مذہبی طور پر معظم ومحترم، بلکہ شانِ عبودیت رکھتی ہیں اور بعض قومیں پوجتی بھی ہیں اور زینت وتزئین کے لیے رکھتی ہیں، ان کے اعزاز واکرام اور تعظیم وغیرہ کا ایہام بھی ہوتا ہے اور عبادتِ اصنام سے مشابہت اور عقیدۂ باطلہ سے ہمرنگی بھی ہوتی ہے، اس لیے ایسے موروں یا جانوروں کو اس طرح رکھنے کی یا اس کے کاروبار کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گائے جس کو ایک قوم معبود سمجھتی ہے اور اس کی پرستش بھی کرتی ہے پھر بھی جب گائے کا بچہ مرجاتا ہے اور گائے دودھ نکالنے نہیں دیتی تو اس کے مرے ہوئے بچہ میں بھوسی وغیرہ بھر کر کھال کو باقی رکھ کر گائے کے سامنے کھڑا کر کے دودھ نکال لیتے ہیں اور اس کو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ گائے کو معبود سمجھتے ہیں، مگر اس بچہ کو زینت وتزئین کے لیے نہیں رکھتے اور نہ اس کے ساتھ اکرام وتعظیم کا معاملہ کرتے ہیں، بلکہ تحقیر وتوہین، جیسا معاملہ کرتے ہیں، اس لیے ایہام شرک یا عبدۃ اصنام کی مشابہت کا ایہام نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس کی گنجائش میں کلام نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۱/۱/۱۴۰۱ھ

سونے چاندی کا بٹن یا قلم استعمال کرنا کیسا ہے؟

سونے چاندی کے بٹن یا قلم استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

عبدالقیوم القاسمی (موضع جلال پور میرٹھ یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

سونے چاندی کا قلم اور وہ بٹن جو کپڑے سے الگ رہتا ہے، استعمال کرنا درست نہیں ہے (۱) **کما في الدر مع الشامي ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة إلا بخاتم ولا يتختم بغيرها لحجر وذهب وحديد وصفر الخ۔ وفي الهندية ۱/۱۰۱: ويكره أن يكتب بالقلم المتخذ من الذهب أو الفضة أو من دواة كذلك، ويستوي فيه**

۱- ''قال في الدر المختار: وكذا يكره الأكل بملعقة الفضة والذهب (إلى قوله) وقلم ودواة ونحوها'' (فتاویٰ شامی ۵/۲۱۷ کتاب الحظر والإباحۃ)۔

الذكر والأنثى، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۹/ ۲/ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمان خیر آبادی، کفیل الرحمن

پیتل، تانبے اور لوہے کی انگوٹھی پہننا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

مردوں یا عورتوں کے لیے پیتل، تانبے اور لوہے کی انگوٹھی پہننا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

تانبے اور لوہے وغیرہ کسی بھی دھات کی انگوٹھی پہننا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے حرام ہے(۱)، بحوالہ بالا ، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۹/ ۲/ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمن

ٹیلی ویژن، ریڈیو، وی سی آر وغیرہ کی مرمتِ تجارت اور ان کی آمدنی کا حکم:

ٹیلی ویژن، ریڈیو، وی سی آر، وغیرہ آلات لہو ولعب کی تجارت اور مرمت کرنا شرعاً کیسا ہے، اور اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ٹیلی ویژن، وی سی آر میں نامشروع اور لہو ولعب سے بچتے ہوئے محض جائز چیزوں کا دیکھنا یا سننا سب متعذر رہتا ہے، اس لیے اس کا لہو ولعب کا آلہ ہونا ظاہر ہے اور اس کی ممانعت حدیث پاک میں ہے: "كل لهو المسلم حرام

۱- "قال الشامي "وفي الجوهرة: والتختم بالحديد والصفراء والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء" (الدر مع الشامي ۲۲۹/ ۵ کتاب الحظر والإباحة) (مرتب)۔

الا ثلثة" أو كما قال (۱)، اور یہ دونوں چیزیں "ثلثة" میں داخل نہیں ہیں، لہذا ان کی تجارت، مرمت وغیرہ شرعاً کچھ بھی جائز نہ رہے گی اور اس کی آمدنی بھی حلال نہ رہے گی۔ ہاں ریڈیو میں جائز کلام کا سننا غلط خبر اور لعب ولہو میں مبتلا ہوئے بغیر ممکن ہے، اس لیے ریڈیو میں جائز باتیں اس طرح سننا کہ مشروع چیزوں کا ارتکاب لازم نہ آئے درست رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۲/ ۱۴۱۱ھ

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا استعمال:

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا استعمال شرعاً کیسا ہے اور اگر کوئی عالمی اخبار کے لئے یہ دونوں چیزیں استعمال کرنا چاہیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟　　　　مولوی شبیر احمد میرٹھی

الجواب وباللہ التوفیق:

جن خبروں اور باتوں کا بغیر ریڈیو ٹیلیویژن کے سننا جائز ہے ان کا ریڈیو اور ٹیلویژن میں بھی سننا جائز ہے، اور جن خبروں اور باتوں کا بغیر ریڈیو اور ٹیلیویژن کے سننا ناجائز ہے ان کا ریڈیو اور ٹیلیویژن پر بھی سننا ناجائز ہے۔

اسی طرح جن چیزوں کا براہ راست بغیر ٹیلیویژن کے دیکھنا جائز ہے ان کا ٹیلیویژن پر بھی دیکھنا جائز ہے، جیسے کوئی مرد ٹیلیویژن پر کوئی جائز خبر کرے یا تلاوت وغیرہ کرے۔

اور جن چیزوں کا براہ راست بغیر ٹیلیویژن کے دیکھنا ناجائز ان کا ریڈیو ٹیلیویژن پر بھی دیکھنا ناجائز ہے، جیسے کسی اجنبی یا نامحرم عورت کا دیکھنا یا کسی لہو ولعب اور ناجائز امور کا بغیر ٹیلیویژن کے دیکھنا ناجائز ہے ان کا ٹیلیویژن میں بھی دیکھنا ناجائز ہے (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۸/ ۱۴۰۱ھ

۱- حافظ ابن حجر نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے فتح الباری میں اس حدیث کو نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "كل ما يلهو به المرأ المسلم باطل إلا رميه بقوسه وتأديبه فرسه وملاعبته أهله" (فتح الباری ۱۱/ ۹۱ کتاب الاستئذان، باب: ۵۲)۔

۲- درمختار میں ہے: "وكل عضو لا يجوز النظر إليه قبل الانفصال لا يجوز بعده"، اس کے تحت شامی میں لکھتے ہیں: "لم أر ما لو نظر إلى الأجنبية من المرآة أو الماء، وقد صرحوا في حرمة المصاهرة بأنها لا تثبت برؤية فرج من مرآة أو ماء...... إلا أن

یورپ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے برتنوں کے استعمال کا حکم؟

یورپ میں عام طور پر یہودی، عیسائی لوگ بستے ہیں، جگہ جگہ ہوٹل، کافی ہاؤس، چائے خانے اور شراب خانے بنے ہوئے ہیں، ہندوپاک اور افریقہ وغیرہ سے کافی تعداد میں مسلمان گذشتہ دس برس میں یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں اور اسی قوم سے واسطہ رہتا ہے، خنزیر کے گوشت اور شراب کا عام رواج ہے اور اس سے مسلمان اپنی حفاظت کرتا ہے، مگر ہوٹلوں ریسٹورینٹ میں عیسائیوں، یہودیوں کے برتنوں وچمچوں وچھریوں، کانٹے پیالے، پلیٹ، گلاس وغیرہ برتنوں سے احتیاط کرنا اور بچنا عام طور پر مشکل ومحال نظر آتا ہے، کوئی ایک مسلمان پہونچا جہاں مسلمانوں کا ہوٹل نہیں ہے، بڑے بڑے راستوں پر ریلوں اور ہوائی جہازوں میں مسلمانوں کے لیے کوئی الگ نظام نہیں ہے، حرام کھانے سے پرہیز کرتا ہے، سبزی، پھل وغیرہ حلال چیزیں کھاتا ہے یا چائے، کافی وغیرہ پیتا ہے، مگر برتن ان لوگوں کے استعمال کیے ہوئے ہیں، اگرچہ دھلے ہوئے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ تو کیا مذکورہ صورتوں میں مسلمانوں کے لیے ان برتنوں کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ عموم بلوی ہے، ان کے برتنوں کے استعمال کا عام طور پر مسلمانوں کو اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر حالات کے تحت یہ یقین ہو کہ یہ چمچہ، کانٹا و برتن وغیرہ خنزیر و شراب میں استعمال نہیں ہوئے ہیں یا ہوئے ہیں مگر بالجملہ دھو کر ان سبزیوں وغیرہ میں استعمال ہوئے ہیں اور دسترخوان پر لائے جاتے ہیں تو ان سے سبزیوں کا کھانا اور برتنوں وغیرہ کا استعمال کرنا درست ہے، بالخصوص مذکورہ مجبوریوں کی صورت میں (۱)، ورنہ بغیر اضطرار کے گنجائش نہیں ہوگی اور احتیاط بہرحال عمدہ چیز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: محمود ظفر لد، سید احمد علی

یفرق بأن حرمة المصاهرة بالنظر ونحوه شدد في شروطها لأن الأصل فيها الحل بخلاف النظر؛ لأنه إنما منع منه خشية الفتنة والشهوة، وذلک موجود هنا" (رد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۳۴) (مرتب)۔

۱- الضرورات تبیح المحظورات، الاشباہ مع شرح الحموی، ۱۰۸۔

سرکاری بس سے ایکسیڈنٹ ہونے کی صورت میں گورنمنٹ سے معاوضہ لینا شرعاً کیسا ہے؟

زید کا سرکاری بس سے ایکسیڈنٹ ہوگیا اور جائے حادثہ پر شہید ہوگیا اور ڈرائیور پولیس اسٹیشن میں حاضر ہوگیا، اب اگر ڈرائیور کے خلاف عدالتی کارروائی کی جائے (مقدمہ وغیرہ دائر کیا جائے) تو اس کو سزا بھی ہوگی اور اس کے بعد حکومت کچھ معاوضہ بھی دے گی، کیونکہ بس سرکاری تھی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ڈرائیور کے خلاف مقدمہ دائر کرنا اور حکومت سے معاوضہ وصول کرنا ازروئے شرع کیسا ہے۔

فیاض احمد رحیمی (بھیونڈی مہاراشٹر)

الجواب وباللہ التوفیق:

مقدمہ دائر کرنا اور حکومت سے معاوضہ لینا دونوں درست ہیں اور معاف کردینا بہتر ہے (۱) اس لیے کہ یہ حادثہ بہت سے بہت قتل خطا میں آسکتا ہے اور قتل خطا میں قصاص یا قتل نہیں ہوتا (۲)، صرف دیت لازم آسکتی ہے اور دیت میں ذمی، مستأمن و مسلم سب برابر ہیں (۳)، اور دیت میں صرف مال عوض میں لے سکتے ہیں، سزاء جسمانی کرنا درست نہیں اور حق دار میت کو دیت کے معاف کرنے کا حق بھی ہوتا ہے اور معاف کردینا بلکہ اولیٰ ہے (۴)، پس اگر حق دار دیت لے کر معاملہ صاف کرلے یا صلح وغیرہ کے ذریعہ سے معاملہ صاف کرلے اور پھر مقدمہ دائر کرنے میں اس کی سزا کا ظن غالب ہو اور مقدمہ دائر نہ کرنے میں اپنے کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو (خواہ قانونی یا غیر قانونی) تو مقدمہ دائر نہ کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

ربڑ کی عورت سے مباشرت کا حکم:

ایک شخص نیم پاگل ہے جس کا علاج ایک حاذق حکیم مسلم نے مجامعت بتلایا ہے اور یہ شخص نکاح کی قدرت نہیں

۱- ''وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا وأصلح فأجره على الله'' (سورہ شوریٰ: ۴۰)۔

۲- "والخطاء على نوعين، خطاء في القصد وخطاء في الفعل إلى قوله وموجب ذالك الكفارة والدية على العاقلة" (الھدایہ مع الدرایہ، ۴/ ۵۴۵، کتاب الجنایات) (مرتب)۔

۳- "والذمي والمستأمن والمسلم في الدية سواء" (فتاویٰ شامی ۵/ ۳۶۹)۔

۴- ''ومن قتل مؤمنا خطاء فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله إلا أن يصدقوا'' (سورۃ النساء) (مرتب)۔

رکھتا، یعنی کوئی اس سے نکاح کے لیے تیار نہیں ہے، مگر امریکہ نے ایک مصنوعی عورت، یعنی (بیلون) تیار کی ہے جس کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں پھونک بھر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس میں عورت کی صورت اور جنسی اعضاء ابھر جاتے ہیں، یعنی بعینہٖ عورت معلوم ہوتی ہے، نیز اس کے اندر ایسی صنعت کی ہے جس کی وجہ سے وہ متحرک بھی ہوجاتی ہے۔ تو کیا اس بیلون کا علاجاً استعمال کرنا اس کے لیے جائز ہوگا؟ نیز جو لوگ ملازمت پیشہ ہیں وہ اپنی بیویوں سے دور رہتے ہیں، کیا وہ بھی استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

محمد افضل فریقی (متعلم درالافتاء دارالعلوم دیوبند ۶/۲/۱۴۰۴ھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

مصنوعی عورت کے ساتھ جماع سے وہ فائدہ نہیں ہوسکتا ہے جس کا ڈاکٹر یا طبیب نے مشورہ دیا ہے، اس طبیب سے استصواب کرلیا جائے قرآن پاک میں ہے: ”**والذین هم لفروجهم حفظون إلاعلى أزواجهم أو ماملكت أيمانهم فإنهم غير ملومين**“(۱)۔

جنسی خواہش جائز طور پر دو طرح سے پوری کی جاسکتی ہے جس کی قرآن نے صراحت کی ہے، ایک بیوی دوسری لونڈی اور باندیاں ”**إلا علىٰ ازواجهم“ أي من زوجاتهم ”أو ماملكت أيمانهم“ أي السراري**“جلالین“ آگے قرآن کہتا ہے: ”**فمن ابتغىٰ وراء ذالک: أي من الزوجات والسراري كا لإستمتاع بيلم فأولئک هم العادون أي المتجاوزون إلى مالا يحل لهم**“ (۲)، امام مالک اور امام شافعی نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ استمناء بالید حرام ہے، فقہاء احناف لکھتے ہیں: **وكذا الاستمناء بالكف وإن كره تحريماً الحديث”ناكح اليد ملعون**“ (۳)، البتہ اگر کوئی دیانت داری سے سمجھتا ہے کہ اس نے ایسا نہ کیا تو زنا میں مبتلا ہوجائے گا تو اس کے لیے کراہت تنزیہی کے ساتھ اس کی گنجائش ہوسکتی ہے: ” **ولو خاف الزنا يرجىٰ أن لا وبال عليه**(۴) ، **وعبارة الفتح: فإن غلبته الشهوة ففعل إرادة تسكينها به، فالرجاء أن لا يعاقب الخ**“(۵)۔

۱- سورۂ مومنون: ۶۔
۲- جلالین للسیوطی تفسیر سورۂ مؤمنون۔
۳- الدرالمختار ۳/۱۷۱۔
۴- درمختار ایضاً   ۵- ردالمحتار ۳/۱۷۱۔

حدیث نبوی میں ہے کہ اگر کوئی شادی پر قادر نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ اس سے شہوت ٹوٹتی ہے: **"ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإن لهٗ وجاء"** (۱)۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنسی خواہشات کی تکمیل کے طریقے شریعت میں دو ہی ہیں: بیوی یا اپنی باندی سے ہمبستری، تیسری کسی صورت کی اجازت نہیں دی گئی ہے اس میں بیلون سے استمتاع بھی آتا ہے، از روئے شرع مصنوعی عورت سے شہوت رانی جائز نہیں ہے، اگر کوئی استعمال کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ **"ويدل أيضاً على ما قلنا ما في الزيلعي: حيث استدل علىٰ عدم حله بالكف، لقوله تعالىٰ: "والذين هم لفروجهم حافظون" الأية، وقال: فلم يبح الاستمتاع إلا بهما أي بالزوجة والأمة، فأفاد عدم حل الاستمتاع أي قضاء الشهوة بغير هما"** (۲)، البتہ اگر اس پاگل کا وہی علاج ہو جو سوال میں درج ہے اور کوئی دوسرا علاج کارگر نہ ہو اور حاذق مسلمان طبیب ذمہ داری قبول کرتا ہو تو تداوی بالمحرم کے قاعدہ سے علاجاً تجویز کیا جا سکتا ہے۔

فقہاء لکھتے ہیں: **"اختلف في التداوي بالمحرم و ظاهر المذهب المنع، كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمه وهنا عن الحاوي، وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوىٰ"** (۳) **"لأن حل الخمر والميتة حيث لم يوجد يقوم مقامهما"** (۴)۔

اگر دوسرا علاج ہے اور اس کے ملنے کی توقع بھی ہے تو پھر اس نیم پاگل کے لیے مصنوعی عورت "بیلون" سے مجامعت کی اجازت نہ ہوتی اس لیے کہ استمناء بالید کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا **"ناكح اليد ملعون"** علامہ شامی نے بحث کی ہے کہ استمناء بالید (ہاتھ سے منی خارج کرنا) میں گناہ کی وجہ آدمی کے ایک جزء ہاتھ کا استعمال، پانی کا ضائع کرنا اور شہوت کا بھڑکانا ہے، انہوں نے دوسری شکل کو بنیاد قرار دیا ہے: **"لم أر من صرح بشئي من ذالك والظاهر الأخير"** رد المحتار میں اس کی مثال دی ہے: **"وعلىٰ هذا فلو أدخل ذكرهٗ في حائط أو نحوه حتىٰ أمنى أو استمنىٰ بكفه بحائل يمنع الحرارة يأثم أيضاً"** (۵)، یعنی ہاتھ کے سوا دوسری چیز کے ذریعہ بھی منی خارج کرے گا تو

۱- متفق علیہ، مشکوۃ المصابیح / ۲۶۷۔

۲- رد المحتار ۳/ ۱۷۱، ۳۷۲۔

۳- در مختار۔

۴- رد المحتار ۱/ ۳۶۵، ۳۶۶ کتاب الطہارۃ قبیل فصل فی البئر۔

۵- رد المحتار ۳/ ۱۷۱۔

بھی گنہگار ہوگا، تو اس سے معلوم ہوا کہ منی کو بے فائدہ قصداً ضائع کرنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، باقی ملازمت پیشہ لوگ جو اپنی بیویوں سے دور رہتے ہیں یا نوجوان طالب علموں کے لیے اس کی اجازت قطعاً نہیں ہے اور ان کے لیے شرعاً جائز ہے یہ اپنی بیویوں کو لا سکتے ہیں، دوسری شادی کر سکتے ہیں، اسی طرح مجرد نوجوانوں کو بھی شادی کی اجازت ہے، یا پھر وہی جس کی طرف سرورکائنات ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ تم میں جو شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنے اوپر روزہ رکھنا لازم کرلے، اس سے بھی شہوت ٹوٹتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: "يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض البصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء متفق عليه"(۱)، ملا علی قاری فرماتے ہیں: **"فالمعنى أن الصوم يقطع الشهوة ويدفع شر المني"** (۲) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بلوغ کے بعد شادی کی تاکید کی ہے: **قال رسول الله ﷺ من: "ولد له ولد فليحسن إسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه، فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه"** (۳) جہاں باپ کی ذمہ داری لڑکے کے لیے تعلیم وتربیت کا انتظام ہے، وہیں بالغ ہونے کے بعد شادی کا نظم کرنا بھی ہے، اگر مصنوعی مرد یا عورت کا لوگ استعمال کرنا شروع کردیں گے تو فتنہ وفساد زیادہ سے زیادہ پھیل پڑے گا، نہ مرد کو عورت کی ضرورت باقی رہے گی اور نہ عورت کو مرد کی، اس طرح انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ بتدریج رک جائے گا اور نسل کشی کی ایک نئی قسم عام ہوجائے گی۔

دراصل یورپ سے مذہب بے زاری کا جو طوفان چلا ہے وہ بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور لوگ اس کی گرفت میں آتے جا رہے ہیں، یہ بھی نسل بندی کی ایک قسم ہے جس کی علماء مخالفت کرتے آرہے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۲/ ۳/ ۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح: محمد ظفیر الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند

بعض گیسٹ ہاؤس کا حکم:

کسی شخص نے گیسٹ ہاؤس کی تجارت کی اور اس کو معلوم ہے کہ اس گیسٹ ہاؤس میں دوسرے لوگ شب گذارنے

۱- مشکوٰۃ ۲/ ۲۶۷۔

۲- مرقاۃ ۳/ ۴۰۲۔

۳- مشکوٰۃ/ ۲۷۱۔

کے لیے اپنے ساتھ بغیر نکاح کی ہوئی عورتوں کو لے کر آئیں گے اور زنا کاری میں مشغول ہوں گے اور گیسٹ ہاؤس کا ایک خادم ہوتا ہے جو مالک کی جانب سے مقرر کیا ہوا ہوتا ہے، پھر وہ آنے والے حضرات خادم سے شراب منگواتے ہیں اور زنا کاری میں مشغول ہوتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور گیسٹ ہاؤس کا مالک صرف شب گذارنے کا کرایہ وصول کرتا ہے اور بعض حضرات اس میں ایسے آتے ہیں جو ہفتہ پندرہ روز مسلسل قیام کرتے ہیں اور دوسری عورتوں کے ساتھ رہتے ہیں اور مالک اپنے روم کا کرایہ وصول کرتا ہے، کیا یہ تجارت جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-''اشتری المسلم الفاسق عبدا أمر دوكان ممن يعتاد إتيان الأمرد يجبر على بيعه''(۱)۔

۲-''قوله (جاز)حمل خمر ذمي الخ قال الزيلعي: وهذا عنده، وقالا: هو مكروه، لأنه عليه السلام لعن في الخمر عشرة، وعد منها حاملها'' (۲)۔

۳-''قوله: وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة، أي قراها، الخ هذا عنده ايضاً، لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه، فصار كبيع الجارية ممن لايستبرئها أو يأتيها من دبر وبيع الغلام من لوطي. والدليل عليه أنه لو آجره للسكنیٰ جاز وهو لابد من عبادته فيه..... والمنقول في كثير من الفتاویٰ أنه يكره، وهو الذي عولنا عليه في المختصر الخ'' (۳)۔

۴-''قوله: جاز تعمير كنيسة الخ قال في الخانية: ولو آجرنفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به، لأنه لا معصية في عين العمل''(۴)۔

ان عبارتوں سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں جو درج ہیں:

۱-گیسٹ ہاؤس کی تجارت جائز ہے بمقدمہ ۲؎ البتہ کسی شخص کے بارے میں علم ہو جائے کہ یہ شخص اجنبی عورت کو

۱- شامی ۵/ ۲۴۴۔
۲- فتاویٰ شامی ۵/ ۲۴۵۔
۳- شامی ۵/ ۲۵۱ مطبع بیروت۔
۴- شامی ۵/ ۲۴۵۔

بدافعالی کے لیے لایا ہے یالائے گا، تو اس کو نہ دے کما ثبتہم من مقدمۃ ا۔

۲-اگر جانتے بوجھتے دیا گیا تو گناہ ہوگا اور ان غلط کاموں کے لیے کمرہ کرایہ پر دینا ناجائز ہوگا اور ایسی صورت میں یہ کاروبار کرنا مکروہ تحریمی ہوگا بمقدمہ ۔

۳-گیسٹ ہاؤس کا ملازم شراب نہ لایا کرے، شراب لانے سے انکار کردیا کرے بمقدمہ ۲ اور بوجہ حدیث "**لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**"(۱) ملازم کو ہدایت کردی جائے کہ ان کے ایسے حکموں کو نہ مانا کرے۔

۴-گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر یہ اعلان لگا رہنا چاہیے:

الف: اس گیسٹ ہاؤس کے اندر شراب لانا، منگانا، پینا اور نشہ کی حالت میں قیام کرنا منع ہے۔

ب: اس گیسٹ ہاؤس کے اندر کوئی ایسا کام کرنا یا کرانا جو شرعاً یا قانوناً ناجائز ہو منع ہے۔

۵-ان تمام باتوں کے باوجود جو کرایہ ملے گا وہ حرام و ناجائز نہ ہوگا، اس لیے کہ ان ناجائز کاموں کے لیے کرایہ پر نہیں دیا ہے، البتہ جب ان مذکورہ باتوں پر پابندی نہ ہو سکے تو دوسرا جائز کاروبار تلاش کرنا لازم ہوگا اور مل جانے پر اس کا چھوڑ دینا ضروری رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۲/۹-۱۴۰۲ھ

مصنوعی حمل وتولید کے طریقوں کا حکم شرعی:

درج ذیل پیش آمدہ مسائل کے بارے میں کہ مصنوعی طریق حمل وتولید کے متعلق حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں، جس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱-ایک شخص کا مادۂ تولید لے کر بذریعۂ انجکشن عورت کے اندام نہانی کی اس مخصوص جگہ تک پہنچایا جاتا ہے جہاں مرد وعورت کے مادۂ تولید کے اختلاط سے حمل کا استقرار ہوتا ہے، یہ سب اس لئے کیا جاتا ہے کہ کوئی مرد کمزوری یا کسی بیماری کے سبب اپنے مادۂ تولید کو اس خاص مقام تک نہیں پہنچا سکتا ہو۔

۲-دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مرد اور اس کی بیوی کا مادۂ تولید لے کر رحم سے باہر ٹیوب میں حمل تیار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو رحم میں منتقل کردیا جاتا ہے، اور بچہ کی تخلیق اس طرح عمل میں آجاتی ہے، یہ صورت ایسی عورت کے ساتھ اختیار کی

۱- مشکوۃ المصابیح/۳۲۱ کتاب الامارۃ والقضاء۔

جاتی ہے جس کی بچہ دانی تک جانے والی لائن بند ہوجانے کی وجہ سے استقرارِ حمل نہ ہوتا ہو۔

۳-تیسری صورت یہ ہے کہ کسی مرد کی ایک بیوی حمل اور زچگی کی سختیوں کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتی، اس لیے ٹیوب میں تیار شدہ حمل کو اس کی دوسری بیوی کے رحم میں منتقل کردیا جاتا ہے۔

۴-چوتھی صورت یہ ہوتی ہے کہ ٹیوب میں تیار شدہ حمل کی تکمیل کے لیے کسی غیر عورت کی بچہ دانی کو خریدا جاتا ہے، جو کہ معاوضہ وصول کر کے حمل اور زچگی کے فرائض انجام دیتی ہے اور اس کے بعد اس بچہ سے دست بردار ہوجاتی ہے۔

۵-پانچویں صورت یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جو علمی اور عقلی تجربات کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتے ہیں، ان کے مادۂ تولید کو الگ الگ جمع کرلیا جاتا ہے، اس کے بالمقابل جن عورتوں کی نسل پسند ہوتی ہے ان کے مادۂ تولید سے استقرارِ حمل کا کام لیا جاتا ہے، تاکہ اچھے لوگوں کی نسل تیار کی جاسکے۔ اس صورت میں ایک شخص کے مرنے کے بعد بھی بچے پیدا کرنے کا سلسلہ اس کے مادۂ تولید سے چلتا رہتا ہے۔

۲-پوسٹ مارٹم کا حکم:

پوسٹ مارٹم کے متعلق حکم شرعی سے مطلع فرمائیں، جب کہ نعش کی حرمت اسی طرح برقرار رہتی ہے جس طرح زندہ انسان کی، اور زندہ اس طرح قطع و برید کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، البتہ مندرجہ ذیل مصالح اس صورت میں پائے جاتے ہیں:

۱-اگر کسی شخص کی موت کا سبب معلوم نہ ہو تو تفتیش جرائم کا محکمہ یہ جاننے کی جدوجہد کرتا ہے کہ اس کی موت زہر کھانے سے ہوئی یا گلا گھونٹنے سے، یا ڈوب کر یا اور کسی پوشیدہ سبب کے نتیجہ میں ہوئی، تاکہ ظالم کی شناخت کر کے اس کو سزا دی جائے، اس کی سرکوبی کی جائے، اور جرائم کی راہ مسدود ہوجائے۔

۲-دوسرا پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کسی کا انتقال ہوا اور موت کا سبب معلوم نہ ہونے کی بناپر ایک بے قصور شخص شبہ کی بناپر گرفتار کرلیا جاتا ہے، لیکن نعش کے پوسٹ مارٹم کے بعد یقینی طور پر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مرنے والا طبعی موت مرا ہے یا اس نے خودکشی کی ہے، اس صورت میں وہ بے قصور شخص بچ جاتا ہے۔

۳-تیسری مصلحت یہ ہے کہ کوئی وبائی مرض پھیل جاتا ہے تو ڈاکٹر لوگ پوسٹ مارٹم کے ذریعہ اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ اس کثرت اموات کے اسباب کیا ہیں، ان پر غور کر کے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

۴-چوتھی مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ انسانی نعش کو کھول کر انسانی اعضاء کی ترکیب، ہڈیوں کے جوڑ، مختلف اعضاء کے درمیان تناسب وغیرہ کو اس مقصد اور غرض کے لیے دیکھتے ہیں، تاکہ بیماری اور اس کے اسباب اور طریق علاج پر عبور

حاصل کرسکیں وغیرہ وغیرہ۔

عبداللطیف قاسمی (سلطانپور شہر، یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

ا۔قرآن پاک میں ہے: ''إن الدين عند الله الإسلام'' (۱) یعنی دین صحیح صرف دین اسلام ہے، اسی طرح دین اسلام کو دین فطرت بھی فرمایا گیا ہے اور فطرت سے مراد فطرۃ سلیمہ ہے، کما أشار إليه قوله عليه السلام، ''کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه'' أو کما قال (۲)، نیز حدیث پاک میں ہے ''الحیاء شعبة من الایمان'' او کما قال (۳) اور ظاہر ہے کہ سوال ا کی پانچوں صورتیں انتہائی بے حیائی، بے شرمی، بے دینی اور فطرت سلیمہ کے خلاف اور گری ہوئی ہیں، علاوہ ازیں یہ طریقہ تخلیق بھی اختیاری نہیں، اور نہ کوئی اس کا دعویٰ ہی کرسکتا ہے کہ اس تدبیر سے یقینا استقرار ہو ہی جائے گا، بلکہ ان سب کا نتیجہ خدا ہی کے حوالہ سب کرتے ہیں، پھر یہ فعل لغو لا طائل بھی ہوا، اور ''ألا له الخلق والأمر'' (۴) سے مزاحم بھی ہوا، اس لیے اس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں ہے، نیز اگر یہ طریقہ چلا تو انسانوں اور حیوانوں میں چند سے کچھ فرق نہ رہ جائے گا، اور ایک شیطانی طریقہ بن کر رہ جائے گا۔

۲۔پوسٹ مارٹم آیت کریمہ: ''ولقد کرمنا بني آدم'' (۵) کے صریح خلاف ہے، اور اس میں جو مصالح ومقاصد تحریر ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی واجب التحصیل نہیں ہے، علاوہ ازیں اس میں انسان کو ننگا کرنا بھی لازم ہے جس کا حرام ہونا ظاہر ہے، علاوہ ازیں اور بہت سے دیگر شرعی مفاسد کا باب کھلتا ہے، اور بہ تکمیل تسلیم پتہ بھی لگ جائے کہ اس کی موت زہر وغیرہ سے ہوئی ہے، جب بھی ظالم یا مجرم کی تعیین نہیں ہوسکتی، اس لیے اس فعل کے ارتکاب کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، اگر کوئی غیر مسلم کی نعش پر ایسا کرے یا کسی غیر اسلامی ملک میں ایسا کیا جائے تو یہ فعل حجت شرعی نہیں بن سکتا، اس لیے شرعاً اس

۱- سورۂ آل عمران: ۱۹۔
۲- صحیح البخاری ۱/ ۱۸۵ باب ما قیل في اولاد المشرکین۔
۳- الصحیح للبخاری ۱/ ۶۔
۴- سورۂ اعراف: ۵۴۔
۵- سورۂ بنی اسرائیل: ۷۰۔

کی اجازت نہ ہوگی ، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲ / ۸ / ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح حبیب الرحمن خیرآبادی، محمد ظفیر الدین مفتاحی، کفیل الرحمن

جاندار کی تصویر بنانے کا حکم اور بعض سرکاری قرض لینے کا حکم:

۱- کسی مسلمان کے پریس میں جاندار کی تصویر والے کاغذات چھاپنے کے لئے اگر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس پریس کے غیر مسلم ملازم کے ذمہ یہ کام سپرد کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ تم اپنے خرچ سے اس کو چھپوا کر اس نفع کا خود لے لو اور وہ ملازم ایسا ہی کرے تو اپنے پریس میں ایسے کاغذات چھپوانے کی اجازت دینے کی وجہ سے پریس کا مالک گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اس طریقے کے ایجاد کرنے واختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پانچ قسم کے کاغذات چھپوانے کے لیے ایک آدمی مثلاً آتا ہے۔ ان میں سے صرف ایک کاغذ تصویر والا ہے اس کو چھاپنے سے انکار کردینے سے وہ آرڈر ہی یہاں سے نکل جائے گا، بلکہ کبھی اس کا کوئی آرڈر پھر یہاں نہیں آئے گا، اگر یہ طریقہ یا اس قسم کا کوئی صحیح طریقہ ہوتو بیان فرمائیں اس کے درست ہونے میں یہ بھی بتائیں کہ یہ طریقہ ہندوؤں کی مورتی والی رسید چھاپنے میں چلے گا یا نہیں؟

۲- موجودہ حکومت ہند مخصوص تعلیم یافتہ افراد کی سندیں لے کر ۵/۳/۵ ہزار روپے قرض کے طور پر دیتی ہے ان میں سے کچھ رقم دینے کے وقت ہی کاٹ کر رکھ لیتی ہے، تاکہ اگر یہ شخص قرض ادا نہ کر سکے تو خود بخود اس آٹھ ہزار روپے سے اور ان کے سود سے یہ قرض ادا ہوجائے گا، گویا سندوں کے بدلے یہ قرض حکومت دیا کرتی ہے، اگر یہ قرض ادا نہ کر سکے تو سند واپس نہیں ملے گی اور کوئی سرکاری ملازمت بھی نہیں ملے گی اسے سند بیچنا بھی کہا کرتے ہیں، مگر شرعاً یہ قرض مسلمان کے لیے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ سود کا حساب ادا کرنے کی صورت میں ہونا یہی ہے اور اگر ادا کرنے کی نیت بالکل نہ کرے تب لے سکتا ہے یا نہیں؟

حق تالیف محفوظ کرنا:

۳- حق تالیف محفوظ کرنے کے جائز ودرست ہونے میں حضرت مرحوم مفتی شفیع کا فتویٰ اور حضرت عبدالرحیم صاحب لاجپوری کا فتویٰ ہے اس میں مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- اولاً یہ جاننا چاہئے کہ ذی روح چیز کی تصویر بنانا، خواہ قلم سے ہو یا دیگر آلات مثلاً فوٹو وپریس سے علی الاطلاق ناجائز نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ کہ ذی روح کی تصویر بنانا کبھی تو بالقصد والاختیار ہوتا ہے اور کبھی بلا قصد تبعاً بھی ان آلات میں ذی روح شے کی تصویر آجاتی ہے، مثلاً کسی مکان، باغ، بازار یا محاذ جنگ کا فوٹو لیتا ہے اور وہاں پر کثرت آمد ورفت کی وجہ سے سب انسانوں وجاندار چیزوں کو الگ کرنا اختیار میں نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں جو ذی روح کی تصویر کاغذ میں تبعاً بلا قصد آجائے اس کا چھاپنا شرعاً جائز ہوتا ہے۔ کما یستفاد القاعدۃ الثانیۃ من الاشباہ والنظائر من قولہ: "الأمور بمقاصدھا"۔

اسی طرح سرکٹی ہوئی ناقص وغیر مکمل تصویر بھی سر کٹنے کے بعد تصویر کے حکم میں نہیں رہتی، بلکہ نقوش اور بیل بوٹوں کے حکم میں ہوجاتی ہے، اس لئے اس کے استعمال کی اجازت کتب فقہ میں مصرح ہے: "**فإن کانت مقطوعۃ الرأس فلا بأس بالصلوۃ فیہ؛ لأنھا بالقطع خرجت من أن تکون تماثیل والتحقت بالنقوش**" (۱)، لہذا ایسی سرکٹی تصویر بنانا بھی شرعاً جائز رہے گا۔ نیز ذی روح کے وہ اعضاء جن پر مدار حیات نہیں ہوتا۔ مثلاً ہاتھ، پیر یا آنکھ، ناک وغیرہ کی تصویر بنانا بھی شرعاً جائز ہے، پس ذکر کردہ تینوں صورتیں شرعاً جواز کی ہیں، لہذا مسلمان کا اپنے پریس میں اس طرح کی تصویریں چھاپنا شرعاً جائز ہوگا۔

البتہ ذی روح کی مکمل تصویر یا صرف نصف اعلی کی تصویر جس میں سر موجود ہو قصداً وبالاختیار خود چھاپنا مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اور اس عدم جواز اور شرعی قباحت سے بچنے کے لیے سوال میں ذکر کردہ طریقہ کہ ملازم غیر مسلم سے کہا جائے کہ وہ اپنے خرچ سے ذی روح تصاویر کا غذات چھاپ کر اس کا نفع خود رکھ لے اور مسلمان کے عمل کو اس میں کچھ دخل نہ ہو، چونکہ غیر مسلم قول محقق پر فروع کا مکلف نہیں ہوتا، اس لئے یہ طریقہ شرعاً جائز ہوگا۔

بلکہ اس سے اولی یہ ہے کہ مسلمان مالک پریس اندازہ کر لے کہ اس طرح کے کاغذات اس کی پریس میں کتنی دیر میں چھپ جائیں گے اور اندازہ کے مطابق اتنی دیر کے لئے اپنی پریس اس غیر مسلم ملازم کو اجارہ پر دے دے اور کرایہ کی ایک خاص مقدار اس غیر مسلم سے طے کر لے پھر وہ غیر مسلم اسی طرح اپنے خرچ سے چھاپ کر نفع خود لے کر مقررہ رقم اجارہ مالک پریس کو دیدے تو مسلمان مالک کو اس طرح معاملہ کرنا اور اتنی دیر کا اپنی پریس کا مقررہ کرایہ لینا بھی شرعاً جائز وحلال

۱-　　بدائع ۱/۱۱۶۔

رہے گا:

"**کما یستفاد هذا الحکم من هذه العبارة ومن اٰجر بیتا لیتخذ فیه نار أو کنیسة أو بیعة أو یباع فیه الخمر بالسواد فلا بأس (إلی قوله) وله أن الإجارة ترد علی منفعة البیت، ولهذا تجب الأجرة بمجرد التسلیم ولا معصیة فیه، وإنما معصیة بفعل المستأجر وهو مختار فیه فقطع نسبته عنه**"(۱)، اور ظاہر ہے کہ یہاں حکومت اپنی نہیں، قانون بنانا اپنے اختیار میں نہیں اور اس ملک کے حالات سوادکوفہ سے بہتر نہیں، لہذا مذکورہ عبارت کے مطابق تحریر کردہ پریس کو کرایہ پر دینے کی صورت حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاتکلف جائز ہوگی، ہندوؤں کی مورتی اور ایسی چیزیں جن میں ان کے مذہب کی اشاعت وترویج ہو اگر ان سے بآسانی بچا جا سکے تو تحرز اولی ہے، ورنہ بصورت دیگر مذکورہ طریقہ کے مطابق اس کی بھی شرعا گنجائش ہوگی۔

۲-صورت مسئولہ میں قرض لینے والا شخص اگر بہ نیت ادائیگی قرض لے اور قسط وار یا جیسے ادا کرنا طے ہوا ہو قرض ادا کرنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی صرف اتنی رقم سے ہو جائے جتنی رقم اس نے قرض لی تھی اپنی طرف سے سود کے نام پر زائد رقم دینا نہ پڑے تو ادائیگی کی نیت سے اس طرح قرض لینا شرعا جائز ہوگا اور اگر قرض کی ادائیگی میں کچھ زائد رقم اپنی طرف سے بھی دینی پڑے تو پھر بلاضرورت شدید قرض لینا جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح عدم ادائیگی کی نیت سے بھی یہ قرض لینا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کو سند بیچنا لوگ کہتے ہیں حقیقۃً یہ سند بیچنا نہیں، بلکہ قرض مع القید کی ایک صورت ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں خدا عٔ لازم ہے، لہذا عدم ادائیگی کی نیت سے لینا جائز نہ ہوگا۔

۳-حق تالیف محفوظ ورجسٹرڈ کرانے کا مسئلہ اجتہادی اور قیاسی ہے قرون اولی میں نہ طباعت کا وجود تھا نہ طباعت کے ساتھ مالی منفعت متعلق ہونے کا تصور تھا، بلکہ یہ سب چیزیں بعد کو پیدا ہوئیں اور بعد کے علماء نے اجتہاد وقیاس سے اس کا حکم نکالا، اس لیے اس باب میں اکابر کی رائیں مختلف ہوگئیں، بعض نے حق تصنیف محفوظ کرنے کی مطلقا اجازت دی، بعض نے علی الاطلاق اس کا انکار کیا، ہم نہ تو مطلقا اس کو جائز سمجھتے ہیں، نہ ہی بالکلیہ ممانعت کے قائل ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ کہ وہ کتابیں جو علم دین سے متعلق نہیں، بلکہ علوم دینیہ کے سوا دیگر علوم وفنون ان میں مذکور ہوں، جبکہ ان کے

۱- ہدایہ مع الفتح ۸/ ۱۲۸۔

ساتھ مصنف کی مالی منفعت اور تجارتی مفاد وابستہ ہوتو ان کو ہر کس وناکس کا بلا اذن مصنف طبع کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ بعض افعال ایسے ہیں جو کہ اصل کے لحاظ سے مباح ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے کرنے میں کسی کی حق تلفی اور ضرر کا امکان ہو تو ان کی اباحت ساقط ہوجاتی ہے، مثلاً مسلمان عورت کو پیغام نکاح دینے کی ہر مسلمان مرد ہم کفو کو اجازت ہے، لیکن اگر کسی ہم کفو مسلمان نے پیغام دے دیا ہو اور اولیاء کا نکاح کے لیے رجحان ہوگیا ہو تو دوسرے مسلمان کے لیے یہ فعل مباح نہ ہوگا۔ کسی مصنف کی کتاب جو شب وروز کی عرق ریزی ومحنت شدید کے بعد معرض وجود میں آتی ہے اس کے طبع کرنے کا پہلا حق خود مصنف کو ہے، اس لئے کہ اس کا مقصد مالی منفعت کا حصول ہے، اس لئے جب تک خود مصنف کا حق اس سے وابستہ ہے بغیر اس کی اجازت دوسرے کے لیے اس کا طبع کرنا جائز نہ ہوگا۔

البتہ کتب دینیہ جن سے دینی علوم وفنون کی اشاعت مقصود ہو اگر چہ مذکورہ علت کے اندر وہ بھی مشترک ہیں، لیکن دیگر نصوص کی بناء پر ان کا حکم دوسرا ہوگا اور ان کے چھاپنے پر پابندی عائد کرنا شرعاً روا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ان دینی کتب کے حقوق طبع محفوظ کر لینے اور ان کے چھاپنے پر پابندی لگانے سے حدیث **"فليبلغ الشاهد الغائب"** (۱)، اور دیگر وہ سب نصوص کی ایک طرح سے مخالفت لازم آئے گی اور شریعت کا منشاء فوت ہوجائے گا، اس لئے دینی کتب اس پابندی کی قید سے شرعاً مستثنیٰ رہیں گی۔ اور کوئی بھی شخص ان کو عن وعن چھاپ لے تو گنہگار نہ ہوگا، البتہ خلاف کرنے پر حکم دوسرا ہوگا، ناجائز وحرام بھی ہوسکتا ہے۔

نوٹ: حقوق طباعت کے بارے میں احقر کی یہ آخری رائے ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

گروپ ہاؤسنگ کا حکم:

آج کل عام طور پر شہروں میں گروپ ہاؤسنگ سوسائٹی قائم ہے۔ جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چند افراد مل کر ایک سوسائٹی قائم کر لیتے ہیں اور اسے حکومت سے رجسٹرڈ کرا لیتے ہیں اس کے بعد دو چار سال یا کم وبیش مدت میں ڈی، ڈی، اے (D.D.A.) زمین کی قیمت لیکر سوسائٹی کو زمین الاٹ کر دیتا ہے، اس سلسلہ میں معلوم کرنا ہے کہ:

☆ سوسائٹی کے کچھ ممبر ابتداء ہی میں اپنی مرضی سے علیحدہ ہوگئے اور اپنی جمع شدہ رقم بھی واپس لے لی لیکن بعض

۱- صحیح بخاری ۱/۵ ۲۳۔

ٹیکنیکل دشواریوں کی وجہ سے ان کا نام سوسائٹی سے خارج نہیں کیا جاسکا۔

☆ کچھ ایسے ممبر تھے جن کے نام ان کے دوستوں نے لکھوادیئے تھے اور انہوں نے ہی ان کے حصے کی رقم بھی جمع کروادی اس توقع پر کہ ان سے رقم مل جائے گی، لیکن تقاضے کے باوجود انہوں نے نہ تو رقم دی اور نہ کبھی کسی میٹنگ میں شرکت کی اور نہ کوئی دلچسپی لی۔

سوسائٹی کے قیام کے تقریباً پانچ سال بعد زمین الاٹ ہونے سے قبل ہی سوسائٹی کے کچھ حصص منافع کے ساتھ فروخت کردیئے گئے، ان فروخت ہونے والے حصص میں مذکورہ بالا دونوں طرح کے ممبران کے حصے بھی شامل تھے، اس منافع کے مستحق مذکورہ بالا دونوں طرح کے ممبران ہوں گے یا سوسائٹی اور اس کے دوست؟ واضح رہے کہ اگر سوسائٹی کسی نقصان سے دوچار ہوجاتی تو مذکورہ بالا ممبران ہرگز کسی نقصان کو پورا کرنے کے ذمہ دار نہ ہوتے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

صورت مذکورہ میں جو ممبران اپنی مرضی سے علیحدہ ہوگئے اور اپنی جمع شدہ رقم بھی واپس لے لی، انہوں نے شرعاً اپنی شرکت ختم کردی، لہذا حصص کے منافع میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا، اور جن ممبران نے اپنے کسی دوست کا نام شرکت میں لکھوایا تھا اور اپنی طرف سے پیسے بھی دیدیئے تھے، لیکن دوست نے نہ تو رقم دی نہ شرکت کی نہ کوئی دلچسپی لی تو وہ دوست بھی منافع کے حقدار نہ ہوں گے۔ جس ممبر نے پیسے لگائے ہیں وہی اس کے منافع کا بھی حق دار ہوگا۔ گویا اس کی ڈبل حصہ میں شرکت ہوئی ہے اور دوست کی شرکت سوسائٹی میں صحیح نہ ہوئی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳ محرم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمن خیرآبادی غفر اللہ عنہ، کفیل الرحمن غفر اللہ عنہ

ٹی وی پر خبریں سننا:

☆ مذکورہ حالات کے پیش نظر امام مسجد اور راچیز اور دیگر حفاظ کرام ٹی۔ وی۔ T.V. پر خبریں سن لیتے ہیں اس کے بارے میں مسائل سے نوازیں کہ شرعی خرابی تو سامعین پر عائد نہیں ہوتی، یعنی ٹی۔ وی۔ پر خبریں سننا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب وبالله التوفیق:

☆ T.V. ٹی وی دیکھنے میں لامحالہ بہت سی ناجائز اور ممنوع چیزیں دیکھنی وسنی پڑتی ہیں، اس لئے کسی حال میں اس کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ ان سب مصائب کا جو اصل علاج انابت الی اللہ ہے، اس کو اختیار کریں، کیونکہ یہ سب ہمارے ہی برے اعمال کا خمیازہ ہے، ورنہ قرآن پاک میں صریح نص ہے: "**وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين**" (۱) (اگر تم کامل مؤمن ہو تو تم ہی سر بلند رہو) جیسا کہ تجربہ بھی صدیوں ہو چکا ہے، پس ہر مسلمان کو اپنے قول وافعال کا جائزہ لینا چاہئے، اگر حق العباد تلف ہوا ہو اس کو ادا کریں، کچھ غصب یا چوری کیا ہو اس کو واپس کریں اور جو گناہ ہو گئے ہوں سب سے سچی پکی توبہ کریں تو حالت بدل جائے، صحیح حدیث قدسی ہے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، تمام بادشاہوں کے قلوب میرے دست قدرت میں ہیں، جب میرے بندے میرے ساتھ اچھا معاملہ کرتے ہیں (یعنی ظاہر وباطن سے میرے حکم کے مطابق رہتے ہیں) تو میں بادشاہوں اور جو بادشاہوں کی جگہ میں ہوتے ہیں سب کے دل کو نرم کر دیتا ہوں اور پھر وہ میرے بندوں کے ساتھ خاص کر مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا اور نرم معاملہ کرتے ہیں، ورنہ ان کے دل کو سخت کر دیتا ہوں اور وہ بدترین عذاب وسزا چکھاتے ہیں۔ پوری حدیث مشکوۃ شریف میں بھی موجود ہے خود دیکھ لیجئے:

"**عن أبي الدرداء قال قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالىٰ يقول لا إله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك قلوب الملوك في يدي وأن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرأفة، وأن العباد إذا عصوني حولت قلوبهم بالسخطة والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك لكن اشغلوا بالذكر والتضرع كئي أكفيكم**" (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۷/۵/۱۴۱۱ھ

۱- سورہ آل عمران: ۱۳۹۔

۲- مشکوۃ شریف ۲/۳۲۳ طبع سہارنپور۔

قرض کا مسئلہ اور ایک اشکال کا جواب:

مسئلہ قرض میں فتاویٰ شامی کی عبارت: **"وإن استقرض دانق فلوس أو نصف درهم فلوس ثم رخصت وغلت لم يكن عليه إلا مثل عدد الذي أخذه"** (۱)۔

نیز "بدائع الصنائع" کی عبارت: **"ولو استقرض فلوسا فكسدت فعليه مثلها عند أبي حنيفة"** (۲)،

نیز دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائیگی قرض مثل ہی سے ہوگی، مثلاً سو روپیہ کسی نے قرض لیا تھا تو عند الاداء سو روپیہ ہی دینا پڑے گا، خواہ ادائیگی کے وقت سو روپیہ سے وہ چیز حاصل نہ ہو جو کہ قرض دیتے وقت حاصل ہوئی تھی، یعنی عند القبض سو روپیہ سے جو چیز ملتی تھی وہ عند الاداء دس لاکھ سے بھی ملنا مشکل کیوں نہ ہو، تب بھی سو ہی روپے ادا کرنا پڑے گا۔

لیکن نظام الفتاویٰ (ج ۱ صفحہ ۲۳۲ سوال نمبر ۸۵) کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض لینے کے زمانہ میں نوٹوں سے جتنی چاندی یا جتنا سونا ملتا ہے اتنی چاندی میں یا اتنے سونے میں جتنے نوٹ آج بوقت ادا ملیں اتنے ہی نوٹ دینے ہوں گے، اب "فتاویٰ شامی" اور دوسرے فتاویٰ کی کتابوں کی عبارت "نظام الفتاویٰ" کے جواب سے متضاد معلوم ہوتی ہے۔

نیز سرکاری طور پر روپیہ کی ویلیو کم وبیش ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز ہندوستان میں اس مسئلہ، یعنی روپیہ کی ویلیو کم وبیش ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

"نظام الفتاوی" کی عبارت پر خلجان پیدا ہوا اور اس کو شامی ودیگر کتب وفقہ کی عبارت سے متضاد سمجھنے کا مبنیٰ مسئلہ مبحوث عنہا کی پوری بحث نہ دیکھنے پر ہے، مسئلہ ہذا سے متعلق اگر "ردالمحتار" کے اس سارے صفحہ کو ہی دیکھ لیا جاتا تو یہ اشکال پیدا نہ ہوتا، نہ تضاد معلوم ہوتا۔ شامی کے اسی صفحہ کے آخر میں یہ عبارت بھی موجود ہے:

"ولم يذكر حكم الغلاء والرخص وقدمنا أول البيوع أنه عند أبي يوسف تجب قيمتها يوم القبض أيضا، وعليه الفتوى، كما في البزازية والذخيرة والخلاصة، وهذا يؤيد ترجيح قوله في الكساد أيضا" (۳)۔

۱- ردالمحتار ۴/۱۷۲۔

۲- بدائع ۷/۳۹۵۔

۳- شامی ۴/۱۷۳۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو شخصوں کے درمیان نقدین کے علاوہ سکہ نافقہ رائجہ پر قرض کا معاملہ ہو جس کو ثمن عرفی کی حیثیت حاصل ہے اور اس وقت اس کی ایک خاص قیمت ہے۔ اور بتراضی طرفین ادائیگی قرض کی ایک مدت متعین ہوئی۔

جب ادائیگی کا وقت آیا تو اس سکہ کی قیمت جو قرض کا معاملہ کرتے وقت تھی اس سے کم ہوگئی، مثلاً سو سکے قرض لئے جن کے بدلے بوقت قرض دو تولہ چاندی ملتی تھی بوقت ادائیگی ان کی قیمت گھٹ گئی اور اب اس جیسے سو سکوں کے بدلہ صرف ایک تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے تو اب مستقرض کے ذمہ دو سو سکے ادا کرنا لازم ہوں گے؟

سو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو قیمت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مستقرض کے ذمہ صرف سو سکے واجب الاداء رہیں گے اور حضرت امام ابو یوسف یوم القبض کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے اور دو سو سکے مقروض کو دینا ضروری قرار دیتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف کا قول اس مسئلہ میں مفتی بہ ہے، جیسا کہ عبارت میں مذکور ہے اور فلوس نافقہ رائجہ کی طرح مروجہ نوٹ کی بھی ثمن عرفی کی حیثیت حاصل ہے، لہذا اس کا حکم بھی باب قرض میں مثل فلوس کے ہوگا اور یہاں بھی حضرت امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا جائے گا۔

اسی کو بنیاد بنا کر ''نظام الفتاوی'' میں جواب تحریر کیا گیا ہے، امید ہے کہ اس بیان سے مسئلہ بخوبی ذہن نشین ہو جائے گا اور دونوں عبارتوں میں تضاد بھی معلوم نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۸/۱/۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ

فلاحی وخیراتی ادارہ کا حکم:

حیدرآباد (آندھرا پردیش) میں ایک فلاحی وخیراتی ادارہ ''طور بیت المال'' کے نام سے قائم ہے جو باضابطہ رجسٹرڈ ہے اور ادارہ کی کارکردگی اطمینان بخش ہے۔

بیت المال ضرورت مند مسلمانوں کی (بشرطیکہ بلحاظ قواعد قابل امداد ہوں) امداد کرتا ہے جس کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

نادار طلبہ اور لڑکیوں کی شادیوں میں امداد، غیر مستطیع اموات کی تجہیز وتکفین، اتفاقی وقدرتی حادثوں کا شکار ہونے والے مجبور وحقدار افراد کی مدد، مساجد میں بغرض تعمیر ومرمت امانت، مدارس دینیہ میں تعاون بغیر کسی رکنیت اور قدر کے عام مسلمانوں کو جاری کی جاتی ہیں، دفعتہً اشیاء کی کفالت پر قرضوں کا اجراء صرف مستقل ارکان کی حد تک محدود رکھا گیا ہے، جس

کا طریقہ کار حسب ذیل ہے:

۱- ماہانہ زراعانت جو چھ ماہ تک دیتے رہتے ہیں، ان کو مستقل رکنیت بعد تکمیل اقرارنامہ ادا کے زراعانت ماہانہ وپابندی دستور وقواعد دی جاتی ہے۔

۲- مستقل رکن کو ہی قرض حاصل کرنے کا حق دیا جاتا ہے تو اس سے سابقہ چھ ماہ کی زراعانت لیکر مستقل رکنیت دی جاتی ہے۔

۳- اگر کوئی شخص جو رکن نہ ہو اور مستقل رکنیت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس سے سابقہ چھ ماہ کی زراعانت لے کر مستقل رکنیت دی جاتی ہے۔

۴- رقمی گنجائش اور سہولیت کار کے لحاظ سے بیت المال ہر مستقل رکن کو ایک سو پچیس روپیہ کی حد تک قرض بکفالت اشیاء جاری کرتا ہے، لیکن کوئی زیادہ اشیاء سے ماہانہ بیت المال کو مستحکم کر رہا ہو تو ایسے رکن کو ۲؍۱ دو روپیہ ایثار کرنے والے رکن کو دو سو اور اسی طرح دس روپیہ یا اس سے زائد ایثار کرنیوالے ارکان کو ایک ہزار کی حد تک قرض دیا جاتا ہے۔

۵- ہر وہ شخص جو بیت المال کا رکن نہیں ہے لیکن وہ آج مستقل رکن بن کر قرض حاصل کرنا چاہتا ہے تو بیت المال اس سے سابقہ چھ ماہ کی اعانت حاصل کر کے مستقل رکنیت دے کر قرض جاری کرتا ہے۔

۶- اگر کوئی مستقل رکن دو روپیہ ماہانہ سے بیت المال کا تعاون کرتا ہے تو قواعد کے لحاظ سے اسے دو سو روپیہ کی حد تک قرضہ دیا جا سکتا ہے، لیکن اگر ایسے رکن کو پانچ سو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے تو بیت المال سابقہ چھ ماہ تین روپیہ کے حساب سے رقم حاصل کر کے اسے پانچ سو روپیہ قرض جاری کرتا ہے۔

۷- اگر قرض گیرندہ رکن نے ادائے اقساط یا ادائے کامل قرض کے وقت حسب معاہدہ ماہانہ زراعانت ادا نہیں کیا ہے، تو اس سے بقایا زراعانت وصول کر کے قرض کی اقساط وصول کی جاتی ہیں۔

۸- مرہونہ اشیاء کے گوداموں کا لوٹ وفسادات کے پیش نظر بیمہ کرا دیا گیا ہے۔ قرض گیرندہ اگر اپنی اشیاء کو حفاظت مزید کے لئے داخل بیمہ رکھنا چاہتا ہو، وہ اپنی خوشی سے بحساب فی روپیہ قرض لیتے وقت بیمہ فیس بیت المال میں جمع کرتا ہے۔ قاعدہ لازم نہیں۔

مذکور طریقۂ کار از روئے شرع جائز درست ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی چیز جائز نہ ہو تو اس کا متبادل حل تجویز فرما کر ممنون فرمائیں۔

قرض ۶۰ فیصد۔مدمحفوظ ۵ فیصد۔اخراجات دفتر ۲ فیصد۔امداد مستحقین ۵ فیصد۔مساجد ۵ فیصد۔مدارس ۲ فیصد۔ طلباء ۳ فیصد۔اموات ۲ فیصد۔معاشی فنڈ ۲ فیصد۔ملت فنڈ ۳ فیصد۔

الجواب وبالله التوفيق:

۱ تا ۴-"طور بیت المال" کا دستور اساسی اورسوال پیش نظر سب بغور پڑھا، جب ماہانہ زر اعانت کی ممبری کا سلسلہ اور اعانتی قرض دینے کا سلسلہ دونوں الگ الگ ہیں۔اوردونوں دو مستقل الگ الگ لائنیں ہیں، ایک دوسرے کے لئے شروط یا ایک دوسرے پر معلق نہیں ہیں تو دونوں کے نفس اباحت میں کوئی کلام نہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص یا کوئی ادارہ ہر انسان کو یا کسی ایک ہی شخص کو اسکی منہ مانگی ہر مقدار قرض نہیں دے سکتا، اس لئے اگر قرض دینے کے معاملہ میں حد شرع میں رہتے ہوئے کوئی ضابطہ مقرر کرلیا جائے یا کوئی تقیید وتحدید کرلی جائے تو اس کے مباح ودرست ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

پس یہ قید لگانا کہ ہم قرض صرف اسی شخص کو دیں گے جو ہمارا کم ازکم چھ ماہ سے مستقل اعانتی ممبر ہوگا یا یہ قید لگانا کہ صرف ۱۲۵ روپیہ تک قرض تو ہر مستقل ممبر کو علی الاطلاق دے سکتے ہیں۔مگر جو شخص اس سے زائد مقدار میں قرض لینا چاہے اس کو ہم زیادہ سے زیادہ صرف ایک ہزار تک دے سکتے ہیں، اس سے زیادہ کسی کو نہیں دے سکتے، خواہ وہ دس روپیہ ماہانہ سے بھی زائد مقدار کا مستقل اعانتی ممبر کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر سو روپیہ ماہانہ کا مستقل اعانتی ممبر ہوگا۔جب بھی نہ دے سکیں گے تو اب چاہے دس روپے سے نیچے کے اعانتی ممبروں کے لئے یہ تفصیل ہو کہ دو روپے کو صرف دوسو تک اور تین سوتک اور تین روپے والے کو صرف تین سوتک دیں گے۔وعلیٰ ہذا تو اس میں بھی کوئی شرعی قباحت نہ ہوگی، بلکہ محض انتظام کے طریقہ کے درجہ کی ایک چیز ہوگی، سود وربوا سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۵و۶-جو شخص اعانتی ممبر نہیں ہے اور وہ قرض لینا چاہتا ہے اس کے لئے یہ شرط لگانا کہ ۶ ماہ کا زر اعانت پیشگی داخل کرو، تو قرض دیا جائے گا، یہ شرط اور یہ رقم (زر اعانت کی) بیشک قرض کی وجہ سے بظاہر ہوگی اور "**کل قرض جر نفعاً فهو ربوا**" (۱) کے تحت داخل ہوکر یہ معاملہ ممنوع ہوگا اور یہ رقم حرام وناجائز ہوگی۔

اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو قابل اعانت معلوم ہوتا ہو، اور بیت المال اس کو قرض دینا چاہتا ہو تو اس کی یہ صورت بھی

۱- 　قواعد الفقہ / ۱۰۳ اشرفی بکڈپو۔

ہوسکتی ہے کہ جتنے روپے اس کو دینے ہوں اتنے روپے کوئی قدیم مستقل اعانتی ممبر اپنے نام سے لیکر اس کو اپنی طرف سے دیدے، پھر باقساط یا یکمشت جس طرح بھی وہ مناسب سمجھے اس سے وصول کرتا رہے، البتہ اس شخص کو آئندہ ممبر بننے کی ترغیب دینے میں یا تحریض کرنے میں قباحت نہ ہوگی، بشرطیکہ اس پر کوئی دباؤ قرض کی وجہ سے نہ ہو، لہذا ان دونوں ممبروں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

۷- یہ صورت درست ہے۔

۸- اگر چہ شئے مرہون کی حفاظت بذمہ مرتہن ہوتی ہے، لیکن یہ خاص صورت حفاظت (بذریعہ بیمہ) لازم نہیں، بغیر بیمہ کے بھی یہ حفاظت کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے، بلکہ خود بیمہ کی اجازت ہی انتہائی مجبوری (مثلاً فتنہ وفساد ملکی کی وجہ سے نقصان سے حفاظت کی کوئی صورت نہ ہو) کی وجہ سے ہوگی اور اس کا نفع خود بیت المال کو بھی ہوگا، اس لئے یہ اجرت راہن پہ لازم کی جاسکتی، ہاں راہن خود دینا چاہے تو مضائقہ نہیں گنجائش رہے گی، پس جب منجانب بیت المال لازم نہیں ہے تو اس اجرت میں اباحت کی گنجائش ہے۔

دستور بیت المال کے سلسلے میں ضروری ہدایات:

۱- صدقات واجبہ (جیسے زکوۃ فطرہ وغیرہ) واجب التملیک ہوتے ہیں، یعنی مستحق زکوۃ شخص کو بعینہ ان رقوم کا مالک بنادینا ضروری ہوتا ہے، بغیر اس کے ادائیگی صحیح نہیں ہوتی، اور نہ ذمہ ہی بری ہوتا ہے، لہذا ایسی رقوم کو تجہیز وتکفین یا تعمیر وغیرہ یا کسی بھی کام کے عوض میں دیدینا یا لڑکیوں کی شادی یا طلباء کی فیس وغیرہ میں اس طرح دے دینا کہ ان کی ملک وقبضہ میں یہ رقوم بعینہ نہ پہنچیں جائز نہ ہوگا، اگر چہ یہ لوگ نادار ہی کیوں نہ ہوں، جیسے ان کے شادیوں میں آنے والے مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں خود خرچ کردینا ان طلباء کی فیس خود ادا کردینا۔

بلکہ اس طرح خرچ کرنا ضروری ہوگا کہ یہ رقم بعینہ ان کی ملک وقبضہ میں ان کے اولیاء جو مستحق زکوۃ ہوں ان کی ملک وقبضہ میں پہنچ جائیں، جیسے یہ رقوم خود نہ خرچ کریں، بلکہ اسی کو دیدیں یا حیلہ تملیک کے بعد مذکورہ تمام مصارف (تعمیر وتکفین وغیرہ وغیرہ) میں صرف کردینا درست ہے، "**ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة، كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه**" (۱)۔

۲- دستور صفحہ ۳۴ کے نمبر (۱۸) کی ترمیم ضروری ہے، راہن ومالک اشیاء کو بھی پہلے ادائیگی قرض یا انفکاک رہن

۱- درمختار ۲۹۱/۳ کتاب الزکاۃ باب المصرف۔

کے لئے ایک مناسب مدت متعین کر دیں اور یہ اطلاع دینی ضروری ہوگی، مدت کے اندر ادائیگی نہ ہوگی تو ہم خود فروخت کر دیں گے، پھر جب اس متعینہ مدت میں علم واطلاع کے باوجود انفکاک یا ادائیگی قرض نہ کرے تو اب قرض میں کمپنی کو فروخت کر دینے کا حق ہو جائے گا، بغیر اس کے اس کا حق نہ ہوگا، اگر کر دیں گے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے اور عند الناس سبب بدنامی اور باعث تہمت بھی ہو سکے گا۔

۳- صفحہ ۳۶ کے نمبر (۶) کی ترمیم مثل نمبر (۱۸) کے ضروری ہے۔

۴- صفحہ ۳۹ کے نمبرات (۷، ۸، ۹، و۱۰) کی ترمیم بھی ضروری ہے۔

یہ اجرت رقم وصولی میں سے لینے کے بجائے بالمقطع متعین ومقرر ہونا ضروری ہے، البتہ بغرض ہمت افزائی وتحریض عاملین یہ کر سکتے ہیں کہ کم سے کم مقدار وصولی کی ایک حد (مثلاً تین ہزار سالانہ یا چار ہزار سالانہ) متعین کر کے اس سے زائد مقدار وصولی پر عامل کو اس کے کام ومحنت کارکردگی کے تناسب سے اس کی بالمقطع مقررہ اجرت کا دس فیصد یا بیس فی صد یا جو نسبت مناسب ہو بطریق انعام دینے کا قانون بنا دیا جائے تو یہ درست رہے گا۔

۵- صفحہ ۳۹ کا نمبر (۱۱) درست ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۹/۱۴۰۳ھ

آسٹریلیا کے بعض نئے حالات کا حکم:

جیسا کہ آپ کو علم ہوگا کہ آسٹریلیا ایک مغربی تہذیب کا ملک ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، عیسائی زیادہ ہیں چند مسائل معلوم کرنے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱- یہاں عموماً مکانات کا کرایہ بہت زیادہ ہے اور مکانات کی قیمت بھی زیادہ ہے اکثر لوگ بینک سے سودی رقم لے کر مکانات خریدتے ہیں۔

۲- اگر کوئی شخص اس طرح مکان خریدے کہ اصل قیمت وہ شخص ادا کرے اور سود کا پیسہ وہ کمپنی جس میں وہ شخص کام کرتا ہے ادا کر دے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

۳- اگر کوئی شخص مکان اس طرح خریدے کہ بات کر لے کہ مثلاً قیمت دس سال کے اندر تھوڑا تھوڑا ادا کر دے گا، اور آج کی قیمت کے مقابلہ میں دس سال بعد جو قیمت ہوگی، (اندازہ سے) اس پر معاملہ طے ہو جائے، اور ہر ماہ معینہ رقم ادا

کی جائے ،یا مکانات کی قیمت چاہے گھٹے یا بڑھے۔

۴-یہاں عموماً ہر طرح کا انشورنس کرایا جاتا ہے،مثلاً کار،مکان،ڈاکٹر کا زندگی کا وغیرہ وغیرہ مثلاً کار کا انشورنس اگر نہ کرایا اور خدانخواستہ ایکسیڈنٹ ہوگیا تو اس حال میں اپنی کار کی مرمت کے علاوہ دوسرے کی کار کی مرمت یا بعض مرتبہ پوری کار کی قیمت دینی پڑتی ہے کار کی قیمتیں یہاں کافی ہوتی ہیں،لاکھ سے دس لاکھ تک کی کاریں ہوتی ہیں اگر انشورنس ہوتو کمپنی ادا کرے گی،اسی طرح اگر انشورنس نہ کرائے تو ڈاکٹر کے یہاں جانے کی الگ فیس ہے اور اگر خدانخواستہ بیماری آئی اور آپریشن کرنا پڑا تو کافی خرچہ ہوتا ہے،بعض مرتبہ اچانک کوئی بات پیش آجاتی ہے،اگر انشورنس نہ ہوتو آدمی کو کہیں نہ کہیں سے پیسہ ادا کرنا ہی ہوگا چاہے کار یا گھر بیچ کر ادا کرے،اگر انشورنس ہے تو کمپنی ادا کرتی ہے۔

الف-کار انشورنس جائز ہے یا نہیں؟

ب- ہیلتھ کا انشورنس جائز ہے یا نہیں؟

ت-لائف انشورنس جائز ہے یا نہیں؟

ث-کمپنی میں کام کرنا اور اس کی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟

۵-یہاں بعض کمپنیاں اپنے سامانوں کی فروخت بڑھانے کے لئے ایک طریقہ یہ اختیار کرتی ہیں کہ مثلاً کسی شخص نے صابن خریدا،صابن کے خالی پیکٹ (جس میں صابن لپٹا ہوتا ہے) نکال کر اپنا نام و پتہ کاغذ پر لکھ کر کمپنی کو بھیج دیا جاتا ہے،ہزاروں لاکھوں لوگ بھیجتے ہیں،پھر قرعہ اندازی سے کمپنی انعام دیتی ہے،مثلاً کار،گھڑی وغیرہ وغیرہ کہ جس کا پہلا نام نکل آیا اس کو کار دوسرے نام پر گھڑی وغیرہ اس طرح کا انعام لینا جائز ہے یا نہیں؟

۶-بعض مرتبہ حالات نمبر ۵ جیسے ہوتے ہیں،لیکن اس میں کمپنی کا سامان خریدنا ضروری نہیں ہوتا ہے،صرف فارم پر نام و پتہ لکھ کر بھیج دیں ایسی حالت میں اگر نام نکل آئے تو انعام لینا جائز ہے یا نہیں؟

۷-بڑی کمپنیاں ایسا کرتی ہیں کہ اگر آپ ان کے سامان خریدیں تو ایک ٹکٹ دیتی ہیں اس ٹکٹ کو کھولنے پر اندر چار خانوں میں نمبر ہوتے ہیں اگر تین نمبر ایک جیسے ہی ہوں تو اس نمبر کے برابر روپیہ انعام میں دیتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-یہ سمجھئے کہ انسان کی بنیادی ضرورتیں تین (۳) ہیں: (۱) طعام (کھانا) (۲) کسوہ (کپڑا) (۳) سکنی (مکان)

باقی ضرورتیں اس کے بعد کی ہیں، لہذا اسکئی اہم بنیادی ضروریات (حاجات) میں سے ہے، پس اگر اس کے پاس مکان نہیں ہے تو وہ قرض لے کر بھی شرعاً بنوانے کا مجاز ہوگا، اور اگر احتیاج ہو اور غیر سودی قرض نہ ملے تو سودی قرض بھی لیکر بقدر ضرورت بنوا سکتا ہے۔ **کما یؤخذ من هذه العبارة: "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"**(۱) **قبیل مقصد: "الضرورات تبیح المحظورات**(۲)"۔

۲- ایسی حاجت ضروریہ کے وقت جائز ہے اور جواب نمبر ۱ اہون واسلم ہے۔

۳- یہ صورت پہلی دونوں سے اہون واسلم ہے اور بے داغ درست ہے۔

۴- قانونی مجبوری کے تحت اور اس نمبر میں لکھی ہوئی مجبوریوں ومعذوروں کے ماتحت الف تا ت، سب انشورنس کی گنجائش ہے، بلکہ حسب ضرورت بھی ہو سکتا ہے۔

ث- کے جواب میں یہ تفصیل ہوگی کہ حتی الوسع کمپنیوں میں اس کام کے لئے ملازمت نہ کی جائے اور ان کا کام بھی محض بوجہ ضرورت اور بقدر ضرورت ہی کیا جائے، پھر تقویٰ واحتیاط کی بات یہ ہوگی کہ قرض لے کر کام کیا جائے اور اس کی تنخواہ وآمدنی کو قرض میں دے دیا جائے، اب اگر انشورنس کے کام کے علاوہ اور کسی کام کی ملازمت کمپنی میں کرے تو یہ ملازمت اور اس کی تنخواہ سب بلاریب حلال ودرست رہے گی۔

۵- یہ جائز ہے اور انعام ہے اس کو اپنے مملوک کی طرح ہر کام میں خرچ کر سکتے ہیں۔

۶- یہ بھی انعام وجائز ہے۔

۷- یہ بھی انعام وجائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

اسلامک سنٹر میں کون کون سے کام کر سکتے ہیں؟

نوٹ سوال بہت طویل تھا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

امریکہ کی دارالحکومت شہر نیویارک میں دنیا کے متعدد ملکوں کے مختلف الخیال ومختلف المذاہب مسلمانوں نے ایک

۱- الاشباہ والنظائر / ۹ ۱۳۔

۲- الاشباہ والنظائر مع الحموی / ۱۴۰ طبع دارالعلوم دیوبند۔

اسلامی مرکز (اسلامک سنٹر) کے نام تعمیر کرلیا ہے، جو دو منزلہ عمارت پر مشتمل ہے بالائی منزلے پر نماز کے لئے ایک ہال اور لائبریری اور اسلامی تعلیم کے لئے دو کمرے ہیں، نچلی منزل میں ایک سماجی ہال، عورتوں مردوں کے لئے الگ الگ بیت الخلاء وضوخانہ، باورچی خانہ اور اسٹور روم بنا ہوا ہے۔

نچلی منزل سماجی ہال کے استعمال کے سلسلہ میں اجلاس عام میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس مرکز اسلامی عمارت کا استعمال قرآن وسنت کے خلاف نہیں کیا جاسکتا ہے بعد میں اس میں اختلاف ہوگیا ایک فریق طے شدہ فیصلہ کی موافقت کرتا ہے اور دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اس سینٹر میں ایسی کسی بھی تقریب کی اجازت نہیں ہونی چاہئے جس میں علاقہ کے سارے مسلمانوں کو دعوت نہ دیجائے۔

اسی طرح ایک باہمی نزاعی مسئلہ یہ بھی ہے کہ مختلف ملکوں کے رہنے والے ایک فریق کا یہ کہنا ہے کہ اس ہال کو قومی تقریبات کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس سے عصبیت کے پھیلنے کا اندیشہ ہے اور فریق ثانی اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ وطن سے محبت ایک فطری امر ہے، لہذا اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہوتا۔

غرض مختلف الخیال لوگوں کے ہونے کی وجہ سے چند جزئیات میں باہمی اختلاف ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل سوالات میں ہے۔

مسعود لودانی سکریٹری مرکز اسلامی علاقہ مرکزی نیویارک ریاست ہائے متحدہ (امریکہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

سارا مضمون پڑھا جب ہر مکتب فکر کی اس سینٹر میں شمولیت ہے تو ہر مسلمان کے جذبات کی کتاب وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے رعایت کرنا بھی ضروری ہوگیا اور پھر اس کام کی اجازت ہوگی جو کتاب وسنت کے منافی نہ ہو اور کسی فریق یا فرقہ کے جذبات کو اس سے ٹھیس نہ لگے اور آپس میں تشتت وافتراق یا اختلاف کے پیدا ہونے یا بڑھنے کا باعث نہ بنے، نیز جو کام بھی اس میں کیا جائے انتظامی مصلحت کے ماتحت اور سنٹر کی انتظامیہ کی نگرانی اور انتظام کے تحت ہونا چاہئے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۸/۸/۱۴۰۰ھ

۱- ''فی حدیث علیؓ مرفوعاً: وقال لا طاعة فی معصیة اللہ، إنما الطاعة فی المعروف "(صحیح مسلم کتاب الامارہ حدیث ۱۸۴۰/۳۹)''وعن أبی ہریرةؓ أن رسول اللہ ﷺ قال: لا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تجسسوا، ولا تحسسوا، ولا تناجشوا،

سماجی ہال کا استعمال ڈنر، کھیلوں کے مقابلے، سمینار، میلاد النبی وغیرہ مختلف کاموں کے لئے درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: سوال کے ہر نمبر کا جواب اسی سوال کے سامنے مختصر مختصر لکھ دیا گیا ہے۔

سوالنامہ حصہ اول:

کیا علاقہ کی مسلم آبادی اسلامی سنٹر کے سماجی ہال کو درج ذیل تقاریب کے لئے استعمال کر سکتی ہے؟

سوال: ۱۔ عید ڈنر (عید ملن پارٹی)؟

جواب: ہاں (۱)۔

۲۔ سالانہ ڈنر؟

جواب: ہاں (۲)۔

۳۔ اجتماعی طعام؟

جواب: ہاں

۴۔ اسلامی تحاریک کے لئے فنڈ جمع کرنے کی غرض سے منعقد کئے جانے والے ڈنر؟

جواب: ہاں

۵۔ علاقہ سے جانے والے مسلمانوں کے اعزاز میں الوداعی دعوتیں؟

جواب: ہاں

۶۔ کھیلوں کے مقابلے یا ٹورنامنٹ؟

جواب: ہاں بشرطیکہ نماز کی ادئیگی میں اس سے سستی نہ ہو (۳)۔

وکونوا عباد الله إخوانا، وفي رواية قال لا تهجروا (أي لا تكلموا بالهجر وهو الكلام القبيح)'' (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث ۲۹/ ۲۵۶۳)۔

۱- کراہت سے خالی نہیں، غیروں کی نقل ہے، مثلاً ہولی ملن پارٹی وغیرہ، حدیث میں ہے: ''من تشبه بقوم فهو منهم'' (سنن ابوداؤد ۴/ ۴۴ حدیث: ۴۰۳۱)۔

۲- کراہت سے خالی نہیں، غیروں کی نقل ہے، حوالہ بالا۔

۳- ''وكره كل لهو أي كل لعب وعبث...... والإطلاق شامل الفعل واستماعه كالرقص، والسخرية والتصفيق..... فإنها كلها مكروهة لأنها زي الكفار''، (الرد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۵۶۶)، وفي الحديث: كل ما يلهو به الرجل المسلم باطل إلا رميه

۷۔ اسلامی کتب کی نمائش؟

جواب: ہاں

۸۔ اسلامک سنٹر کا جنرل باڈی اجلاس جس میں تمام مسلمانوں کے بجائے صرف ارکان کو ووٹ دینے کا حق ہے۔

جواب: ہاں

۹۔ سیمنار اور تقاریر؟

جواب: نہیں اس لئے کہ اس میں تخریبی پہلو غالب ہے نیز زہر پر شہد لپٹی ہوئی گولی کی طرح ہے (۱)۔

۱۰۔ میلاد النبی۔ عاشورا، معراج وغیرہ کی تقریبات وشب بیداری؟

جواب: ہاں بشرطیکہ حقیقت وحیثیت مسئلہ واضح کر دیا جائے اور غلط وموضوع روایات نہ بیان کی جائیں، بلکہ صرف صحیح روایات بیان کی جائیں (۲)۔

(۱۱) کیا غیر مسلموں کو ان تقریبات میں شرکت کی دعوت دی جاسکتی ہے۔

جواب: ہاں

سوالنامہ حصہ دوم

کیا کوئی مسلمان سنٹر کے سماجی ہال کو مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے

سول -۱

۱۔ نکاح؟ جواب ہاں

۲۔ ولیمہ جواب ہاں

۳۔ عقیقہ؟ جواب ہاں

سول نمبر ۲ کیا قرآن وسنت کی روشنی میں میزبان پر یہ لازم ہے کہ وہ علاقہ کے تمام مسلمانوں کو مدعو کرے، (اس

بقوسه وتاديبه فرسه وملاعبته أهله فإنهن من الحق" (سنن الترمذی ۴/ ۱۷۴ کتاب فضائل الجہاد باب ماجاء فی فضل الرمی حدیث ۱۶۳۷)۔

۱- علی الاطلاق ممنوع نہیں کہا جاسکتا، جیسا کہ اگلے سوال کے جواب سے یا قومی دلچسپی کے موضوعات پر تقاریر وسیمنار کے جواب سے ظاہر ہے۔

۲- حدیث میں ہے: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" (مقدمہ صحیح مسلم حدیث ۳/ ۳) امام نووی لکھتے ہیں: "يحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً أو غلب على ظنه وضعه، فمن روى حديثاً علم أو ظن وضعه ولم يبين حال روايته فهو داخل في هذا الوعيد مندرج في جملة الكاذبين على رسول الله ﷺ" (شرح النووی لصحیح مسلم ۱/ ۷۱)۔

علاقہ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد چار سو سے زائد ہے)

جواب: اگر سب کو بیک وقت نہیں مدعو کر سکے تو باری باری مدعو کیا جائے کبھی کسی خطہ کے لوگوں کو اور کبھی کسی خطہ کے لوگوں کو (۱)۔

سوال نمبر ۳: کیا کوئی مسلمان ماجی ہال کو مندرجہ ذیل مقاصد و تقریبات کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

(۱) بچوں کی رسم بسم اللہ؟ (قرآن پڑھنے کا آغاز)

الجواب: ہاں

(۲) بچوں کا ختم قرآن

الجواب: ہاں

(۳) ایصال ثواب کی غرض سے قرآن خوانی؟

جواب: ہاں بشرطیکہ بطور اجرت کچھ دینے لینے یا کھلانے پلانے کا دستور نہ ہو (۲)۔

(۴) بچوں کی سالگرہ؟

جواب: نہیں یہ طریقہ شریعت مطہرہ میں غیروں کا ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ ہے (۳)۔

(۵) BABUSHOWER یہ ایک امریکی رسم ہے جس کے مطابق حاملہ عورت کو بچے کی پیدائش سے پہلے تحائف دیئے جاتے ہیں اسے نومولود کے لئے تحائف کی بارش بھی قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب: نہیں۔ یہ بھی شرعی چیز نہیں، بلکہ غیروں کی رسم کی اتباع ہے اسلئے شریعت کے نزدیک غیر مستحسن ہے، نیز ھدیہ وتحفہ وصدقہ سب کی شرائط کے خلاف ہے نام ونمود غالب ہے (۴)۔

۱- تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور انتشار و اختلاف سے محفوظ رہیں۔

۲- ''فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز، لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر''(رد المحتار علی الدر المختار ۹/۷۷)۔

۳- "عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم"(سنن ابوداود ۴/۴۴، کتاب اللباس باب في لبس الشهرة حدیث ۴۰۳۱)۔

۴- جیسا کہ حوالہ گزر چکا "من تشبه بقوم فهو منهم" نیز حدیث میں یہ بھی وارد ہے" من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"، اس کی تخریج بھی گزر چکی۔

سوال-۴　کیا کوئی مسلمان-ماجی ہال کو علاقہ سے جانے والے کسی مسلمان کے اعزاز میں الوداعی دعوت کے لئے استعمال کرسکتا ہے؟

جواب:　ہاں

(حصہ سوم) تنظیموں کی جانب سے منعقد کئے جانے والے پروگرامات:

کیا مسلمانوں کے مختلف گروپ مثلاً عرب مسلم ایسوسی ایشن ترکی اسلامی گروپ پاکستان ایسوسی ایشن۔وغیرہ سنٹر کے-ماجی ہال میں مندرجہ ذیل پروگرام منعقد کرسکتے ہیں

(۱) قومی دلچسپی کے موضوعات پر تقاریر وسیمینار

الجواب:　ہاں بشرطیکہ کوئی ایسی بات نہ بیان کی جائے جس سے دوسری قوم کے جذبات کو ٹھیس لگے یا اختلاف بڑھنے کا سبب بنے، اور اگر مذہبی سیمینار ہوں تو اس کو ہم پہلے منع کرچکے ہیں۔

(۲)　اجتماعات جن میں عام طور سے ملک کی مشہور شخصیتوں کو مہمان مقرر کرکے مدعو کیا جاتا ہے۔

الجواب:　ہاں بشرطیکہ اس کے اعزاز میں کھانے پینے میں یا اور کسی متعلقہ کام میں کسی حرام وناجائز چیز کا استعمال یا ارتکاب نہ ہو(۱)۔

(۳) یوم اقبال، یوم انقلاب یوم جہاد رمضان یوم جمہوریہ وغیرہ کا انعقاد

الجواب:　ہاں انہیں شرطوں کے ساتھ جو ابھی اوپر کے دو نمبروں میں بیان کی گئیں۔

(۴) مشاعرہ (فحش اور بیہودہ شاعری سے اجتناب)

الجواب:　ہاں بشرطیکہ صرف علمی واخلاقی وسنجیدہ مضامین پر مشتمل اشعار ہوں (۲)۔

(۵) قومی زبانوں میں درس قرآن درس حدیث اور تفاسیر کا مطالعہ

۱-　''ولا یسقی أباہ الکافر خمراً ولا یناولہ القدح ویأخذ منہ ولا یذھب بہ إلی البیعۃ ویردہ عنھا ویوقد تحت قدرہ إذا لم یکن فیھا میتۃ أو لحم خنزیر ولایحضر المسلم مائدۃ یشرب فیھا خمر أو توکل میتۃ، کذا فی الفتاوی العتابیۃ"(فتاوی عالمگیریہ ۳۴۱/۵)۔

۲-　''عن عمرو بن الشرید عن أبیہ قال: ردفت رسول اللہ ﷺ یوما، فقال: ھل معک من شعر أمیۃ بن أبی الصلت شیئاً قلت: نعم، قال: ھیہ، فأنشدتہ بیتا، فقال: ھیہ، ثم أنشدتہ بیتا، فقال: ھیہ حتی أنشدتہ مائۃ بیت "(صحیح مسلم کتاب الشعر حدیث ۲۲۵۵/۱) ''وفی روایۃ قال: لقد کاد یسلم فی شعرہ"، نیز ایک حدیث میں مروی ہے ''لأن یمتلئ جوف الرجل قیحا یریہ خیر من أن یمتلئ شعراً"(صحیح مسلم کتاب الشعر حدیث ۲۲۵۷/۷)۔

الجواب: ہاں بشرطیکہ اصحاب خیر القرون کے ذوق مزاج کے مطابق اور اس کی اتباع کے ساتھ ہو اور کہیں سے بھی خود رائی نہ ٹپکتی ہو۔

(۶) قومی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی تقسیم

الجواب: ہاں اسی قید کے ساتھ جو ابھی اوپر ذکر کی گئیں۔

نوٹ یہ ساری چیزیں جنکی اجازت دی گئی ہے وہ بھی سنٹر کی انتظامیہ کی نگرانی اور انتظام کے تحت ہونا ضروری ہے کوئی شخص از خود نہ کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۰/۱۲/۱۴ھ

کسی کی آمد پر شیرنی ڈالنا:

۱- فاطمہ کا بھائی یا بیٹا یا باپ دور کے سفر سے آتا ہے یا سفر میں جاتا ہے تو فاطمہ اس اپنے بھائی یا بیٹے یا باپ پر شیرینی ڈالتی ہے اگر شیرینی زمین پر گرتی ہے اسے بچے اٹھاتے ہیں فاطمہ کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیا حیثیت رکھتا ہے حرام ہے؟ مکروہ تنزیہی ہے؟ مکروہ تحریمی ہے؟ یا کیا

اور فاطمہ اس عمل کی وجہ سے گنہگار ہوگی یا نہیں اور اس کا باپ یا بھائی بھی گنہگار ہوگا کہ نہیں یاد رہے کہ فاطمہ یہ عمل اظہار خوشی کے لئے کرتی ہے۔

۲- یہی صورت شادی بیاہ کے موقعہ پر کرتی ہے تو کیا حکم ہے؟

۳- یہی عمل غیر محرم عورت کرے تو کیا حکم ہے براہ کرم جواب عام فہم اور باتفصیل ہو۔

محمد حسین

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- اس کو شرعی حکم سمجھ کر کرتے ہیں یا ضروری سمجھتے ہیں تو ناجائز ہے اور اگر اس عمل کو موثر سمجھتے ہیں تو شرکیہ عمل کو بھی متضمن ہو جائے گا اور قطعاً حرام ہو جائے گا ورنہ اسراف ہو کر ناجائز رہے گا(۱)۔

۱- ”یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا إنه لا یحب المسرفین“ (سورہ اعراف: ۳۱)۔

۲-اس کا یہی حکم ہے جو جواب نمبر ا کا ہے۔

۳-اوپر لکھے ہوئے کے علاوہ اس میں حرمت اور شدت اور بڑھ جائے گی اور اگر سب باتیں ان باتوں کے خیال کے بغیر محض قدیم رسم جاری کی بناء پر کرتے ہیں تو یہ رسوم جاہلیت کی بتلایا ہیں جو عندالشرع نامقبول ہیں ان کی اصلاح اور ان کا ترک ضروری ہے (۱)،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/۱۲/۱۴۰۰ھ

مال لقطہ کے مالک کا پتہ نہ چلے تو کیا حکم ہے؟

مسجد میں کسی نامعلوم شخص کو پڑی ہوئی رقم ملنے کا کیا مصرف ہے، جبکہ مسلسل کچھ دنوں تک اعلان کے باوجود اس کے مالک کا پتہ نہ چل رہا ہو۔

خادم مشتاق احمد (محمد پورصدر اعظم گڑھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

اس رقم کا حکم یہ ہے کہ جب مالک کے آنے اور تلاش کرنے سے مایوس ہو جائے تو غریبوں کو صدقہ کر دے اور ثواب میں اس شخص کے ثواب کی نیت کرے جو اس کا اصلی مالک ہے، بشرطیکہ یہ گمان ہو کہ وہ اصلی مالک مسلمان ہے، ورنہ اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے صدقہ کرے (۲)،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۵/۳/۱۴۰۱ھ

’’عن عائشۃؓ قالت: قال رسول اللہ ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد‘‘ (صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ حدیث ۱۷۱۸/۱۷)۔

۱- ’’عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: أبغض الناس إلى الله ثلاثة: ملحد في الحرم، ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية ومطلب دم امرئ بغير حق ليهريق دمه‘‘ (صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۲/ ۲۱۰ حدیث ۶۸۸۲)۔

۲- ’’وقيل: الصحيح أن شيئا من هذه المقادير ليس بلازم ويفوض إلى رأي الملتقط يعرفها إلى أن يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلک ثم يتصدق به‘‘ (ہدایہ ۲/ ۵۹۴)۔

نومسلم کے مال ودولت کا شرعی حکم:

۱-ایک نومسلم جو کفر وشرک میں مبتلا تھا دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو اپنی دولت بھی ساتھ لیتے آیا۔ اس کے اس مال ودولت کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

اگر وہ اس دولت کو اسلامی نیک کاموں میں مثلاً مسجد مدرسہ میں خیرات کرے تو کیا حکم ہے؟

اور مدرسہ مسجد والوں کو ایسی رقم لینی چاہئے کہ نہیں؟ اور اگر لینی ہو تو کیا کرے؟

ابراہیم باوا غفرلہ

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-بعض پیسے ایسے ہوتے ہیں جو کسی مذہب میں حلال وجائز نہیں ہوتے اور ان پر کسی مذہب میں ملکیت صحیح قائم نہیں ہوتی، جیسے چوری کا پیسہ، ڈاک اور غصب کا پیسہ ایسا پیسہ بحالت کفر بھی کمایا ہوا اگر کوئی نومسلم اپنے ساتھ لائے تو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو اصل مالک کی ملک میں کسی مناسب انداز سے پہنچادے اگر یہ ممکن نہ ہو اور مالک ثواب پانے کا اہل ہو مثلاً مسلمان ہو تو اس کو ثواب پہنچنے کی نیت سے صدقہ کردے اگر اس کا علم نہ ہو سکے کہ مالک مسلم ہے یا غیر مسلم تو ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے صدقہ کرکے اپنی ملکیت سے جلد از جلد نکال دے(۱)۔

بعض پیسے ایسے ہوتے ہیں کہ مسلمان کے لئے شرعا جائز وحلال نہیں ہوتے اور غیر مسلم کے لئے حلال وجائز ہوتے ہیں اور غیر مسلم اس کا مالک بملک صحیح ہوجاتا ہے، جیسے شراب کے کاروبار کا پیسہ خنزیر کے کاروبار کا پیسہ ایسا پیسہ ان کے لئے حلال وجائز ہوتا ہے اور وہ اس پر مالک بملک صحیح ہوجاتے ہیں اگر کفر کی حالت کا حاصل کردہ ایسا پیسہ لیکر مسلمان ہوجاویں تو وہ اس کے صحیح مالک ہوگئے ہیں اور جس نیک کام میں چاہیں خرچ بھی کرسکتے ہیں مسجد میں مدرسہ میں ہر جگہ کرسکتے ہیں۔ یہی حکم ان کے گانے بجانے کے پیسہ کا بھی ہے، اس لئے وہ اس کے صحیح مالک ہوگئے تھے اور وہ ان کے لئے حلال وجائز تھا مسلمان ہونے کے بعد بھی مسجد ومدرسہ جس نیک کام میں چاہیں خرچ کرسکتے ہیں قدیم مسلمان بھی وہ پیسہ ان سے لے سکتا

۱- "ويجب رد عين المغصوب ما لم يتغير فاحشاً، ...... ويبرأ بردها ولو بغير علم المالك" (درمختار مع ردالمحتار ۹/۲۶۶)، نیز شامی میں ہے: "ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها، لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه" (ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/ ۵۵۳)۔

ہے اور ان نیک کاموں میں خرچ کرسکتا ہے(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۱۲/۱۴۰۰ھ

۱-ماں کا بحالت جنابت دودھ پلانا:

جنابت کی حالت میں ماں بچے کو دودھ پلاسکتی ہے یا نہیں؟

۲-حاملہ عورت سے مباشرت:

حاملہ عورت کے ساتھ مباشرت کرسکتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں کرسکتے تو کتنی مدت کے بعد سے نہیں کرسکتے ہیں؟

فتح محمد کشمیری (بمقام شاہ پورہ ضلع بارہ مولہ کشمیر)

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱) ہاں پلاسکتی ہے(۲)۔

(۲) اگر حاملہ کے نقصان کا خطرہ نہ ہو تو کرسکتے ہیں اور اگر خطرہ ہو تو نہ کریں اور اس کے لئے کسی مدت کی تعیین منجانب شرع نہیں ہے(۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۵/۱۰/۱۴۰۱ھ

۱- ''وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه'' (الدرالمختار)، ''ردالمحتار'' میں اس کے تحت لکھتے ہیں: ''أي بيع الكافر الخمر: لأنها مال متقوم في حقه فملك الثمن فيحل الأخذ منه'' (ردالمحتار مع الدرالمختار ۹/۵۵۳)۔

۲- ''عن أبي هريرةؓ أن النبي ﷺ لقيه في بعض طريق المدينة وهو جنب فانخنست منه فذهب فاغتسل ثم جاء، فقال: أين كنت يا أباهريرة؟ قال: كنت جنباً فكرهت أن أجالسك وأنا على غير طهارة فقال: سبحان الله إن المسلم لا ينجس''، انتہی، حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''فدل على أن الآدمي الحي ليس بنجس العين إذ لا فرق بين النساء والرجال''، نیز لکھتے ہیں: ''واستدل به البخاري على طهارة عرق الجنب؛ لأن بدنه لا ينجس بالجنابة، فكذلك ما تحلب منه'' (دیکھئے صحیح بخاری مع فتح الباری ۱/۳۹۰، ۳۹۱ کتاب الغسل باب عرق الجنب حدیث ۲۸۳، ۲۸۵)۔

۳- ''إن رجلاً جاء إلى رسول الله ﷺ فقال: إني أعزل عن امرأتي، فقال له رسول الله ﷺ: لم تفعل ذلك؟ فقال الرجل: أشفق على ولدها أو على أولادها، فقال رسول الله ﷺ لو كان ذلك ضاراً ضرّ فارس والروم'' (صحیح مسلم ۲/۱۰۶۷ کتاب النکاح حدیث ۱۴۳ (۱۴۴۳))۔

حصول اولاد کے لئے جدید طریقے اور ان کا شرعی حکم:

چند دن قبل یہاں کے اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ ایک خاتون کو سائنسی طریقہ کار سے اولاد ہوئی غیر فطری طریقہ سے افزائش نسل انسانی کے دو طریقہ کار ہیں:

اول:۔ اگر کسی عورت کے شوہر میں کوئی کمزوری واقع ہو جائے اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرنے سے قاصر ہو تو اس شخص کا مادۂ تولید ایک انجکشن کے ذریعہ سے عورت کے رحم میں داخل کر دیا جاتا ہے جس سے استقرار حمل عمل میں آتا ہے۔

دوم:۔ اگر کسی عورت میں کوئی نقص پیدا ہو جائے، جیسا کہ بیضوں کا اپنی جائے پیدائش سے ایک مخصوص جگہ تک کا سفر نہ کرنا۔ جہاں اسے مرد کے جسموں میں ملنا ہوتا ہے۔ تو ایسی شکل میں سائنسی طریقہ کار سے وہ بیضہ اس کے جسم سے نکال لیا جاتا ہے اور مرد کے مادۂ تولید سے ملانے کے بعد اسے چند دنوں کے لئے ٹیسٹ ٹیوب میں رکھ دیا جاتا ہے، گویا استقرار حمل ٹسٹ ٹیوب میں ہوتا ہے، پھر اسے عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے، جہاں وہ مزید نشو ونما پا کر اپنی فطری مدت گذارنے کے بعد وضع حمل کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

اولاً: کیا ان دو طریقوں سے افزائش نسل انسانی اسلامی اصول وطرق کے مغائر تو نہیں؟

ثانیاً: کیا ان اولادوں کی شرعی حیثیت مسائل وراثت ورضاعت میں وہی ہوگی جو فطری اولاد کی ہوتی ہے؟

ثالثاً: کیا فطری ذرائع سے اولاد ہونے کے مواقع کے باوجود ان مصنوعی ذرائع سے اولاد پیدا کرنا جائز ہے؟

رابعاً: شکل اول کے طریقے سے اگر کسی عورت کے رحم میں اس کے شوہر کے بجائے کسی اور مرد کا مادہ تولید منتقل کر کے اولاد پیدا کی جائے تو کیا عورت پر تہمت زنا عائد کی جائے گی؟ اور ایسی اولاد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

خامساً: اگر کوئی کنواری لڑکی یا بیوہ عورت بلا اختلاط مرد کے ماں بننا چاہے اور ان ذرائع کے استعمال سے حصول اولاد کی متمنی ہو تو کیا علماء کرام اس کی اجازت مرحمت فرمائیں گے؟

سید محمد مصطفےٰ

الجواب وبالله التوفيق:

(۱) افزائش نسل کے یہ دونوں طریقے اسلامی اصول وضوابط کے خلاف وناجائز ہیں (۱)۔

۱- کیوں کہ اس میں جلق اور عورت کی بے ستری لازم آئے گی، ''ولا یباح النظر والمس إلی ما بین السرة والسرة والرکبة إلا في حالة

(۲) اگر عورت شوہر والی ہے تو ان اولادوں کی شرعی حیثیت وراثت ورضاعت وغیرہ مسائل میں صحیح النسب اولاد کی طرح ہوگی، البتہ چونکہ اس فعل میں بہت سے محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرنا بھی ہوگا، اس لئے اس کے کرنے کرانے والے عند اللہ مجرم اور مبغوض ہوں گے۔

(۳) ناجائز ہے(۱)۔

(۴) ایسی عورت پر زنا کاری کی تہمت جس پر حد زنا جاری کی جاتی ہے نہیں لگائی جائیگی، البتہ بدکاری اور حرامکاری کی تہمت لگائی جائیگی اور سخت گنہگار ہوگی اور باعث عذاب خداوندی ہوگی، بلکہ ایسا کرنے اور کرانے والے سب کے سب سخت گنہگار اور باعث غضب خداوندی ہوں گے(۲)۔

اور اگر شوہر کے منع کرنے کے باوجود نہ مانے اور شوہر طلاق دیدے تو شوہر گنہگار نہ ہوگا۔ اور اگر شوہر طلاق نہ دے یا طلاق دے، مگر بچہ طلاق سے دو سال کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ بچہ باشارہ الولد للفراش صحیح النسب قرار دیا جائے گا۔ اور باپ سے وراثت بھی پائے گا اور اگر شوہر طلاق دیدے اور طلاق سے دو سال کے بعد بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ ثابت النسب قرار نہ دیا جائے گا اور اس شوہر سے وراثت نہ پائے گا، بلکہ صرف ماں سے وراثت کا مستحق ہوگا اور منسوب الی امہ ہوگا۔

(۵) شرعاً ہرگز اس کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ سخت بے حیا اور بدکار شمار ہوگی۔ اور وہ بچہ جو اس شنیع حرکت سے پیدا ہوگا وہ صحیح النسب شمار نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

۱- محکمہ آب کاری سے تالاب مچھلی پالنے کے لئے لینا:

محکمہ آب کاری نے قرب وجوار میں تالاب بنوار کھے ہیں بعد بارش تالاب نیلام کردئے جاتے ہیں اور یہ تالاب

الضرورۃ، لأن كانت المؤنۃ خيانۃ تخص النساء" تحفۃ الفقہاء ۳/ ۳۳۴ (بحوالہ جدید فقہی مسائل ۲/ ۳۸۲)، نیز اس سلسلہ میں معاصر فقہاء کی رائے میں تبدیلی ہوتی ہے اس مسئلہ کی جملہ تفصیلات کے لئے "مکہ فقہ اکیڈمی" کے آٹھویں فقہی سیمینار کے فیصلے کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے فیصلوں کا اردو ترجمہ "مکہ فقہ اکیڈمی کے شرعی فیصلے" کے نام سے ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی سے طبع شدہ ہے(مرتب)۔

۱- "لعن الله الواشمات والمستوشمات المتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله" (بخاری ۲/ ۸۷۸، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

۲- "لايحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماءه زرع غيره" (ابوداؤد شریف حدیث ۲۱۶۰، باب فی وطی السبایا)۔

نہ تو مدخل ندی ہیں اور نہ تو متصل، لہذا خرید نے والا مچھلی کے بچے خرید کر تالاب میں چھوڑ دیتے ہیں اور ۴/ یا ۶/ ماہ بعد جب یہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں فروختگی کے لائق موجودہ اور آئندہ نسل کو فروخت کرتے رہتے ہیں بعد میعاد مدت پھر از سر نو نیلامی اور وہی سلسلہ بچے خرید کر ڈال دیتے ہیں بعد پرورش فروخت ہوتے جاتے ہیں کیا یہ طریقہ جائز ہے اور یہ طعام سمک صحیح ہے اور یہ طریقہ نیلامی محکمہ آب کاری کا درست ہے کیا ان کا طول عرض بھی کافی ہوتا ہے۔

۲-غیر مسلم سے چندہ لینا:

اہل ہنود چونکہ خود تو چندہ اپنی مرضی اور بلا کر دیتے نہیں ہیں چونکہ لینا ہوتا ہے اور لینے والے سے کہہ دیتے ہیں کہ چندہ اس سے متعلق ہے تعمیر مدرسہ یا تعمیر مسجد یا اور مدرسہ وغیرہ وغیرہ اہل ہنود میں ایک صاحب ٹھیکیدار ہیں اور مسجد مدرسہ میں بوقت ضرورت ریت وغیرہ مانگنے سے چندہ دیدیتے ہیں، لہذا تعمیر مدرسہ کی غرض سے ٹرک ریت ڈلوادیں گے اور قیمت بھی نہیں لیں گے کیا اس طرح امور میں نقد یا دیگر مذکورہ صورت میں چندہ لینا اور کہنا مانگنا صحیح ہے؟

احمد علی محمد علی یوم الثانی

الجواب وبالله التوفيق:

صورت مذکورہ میں محکمہ آب کاری کے تالاب کا نیلام کرنا حقیقت میں تالاب بیچنا نہیں ہے، بلکہ تالاب کا محض نفع کچھ مہینوں کے لئے بیچنا وکرایہ پر دینا ہے عالمگیری میں لکھا ہے کہ ہی تملیک منافع بعوض (۱)، یعنی اجارہ کہتے ہیں منافع کا مالک بنادینا عوض کے بدلے میں۔ پس جب عمل معلوم ہے اور مدت عمل معلوم ہے اور عوض بھی معلوم ہے تو اس کو ناجائز نہ کہیں گے۔ ایسی مچھلی کا لگانا بھی ناجائز نہ رہے گا۔

۳۔ تعمیر مدرسہ یا تعمیر مسجد وغیرہ کے لئے بلا وجہ ہندو سے چندہ مانگنا خلاف غیرت ہے، لیکن اگر کوئی ہندو اس کو کار ثواب سمجھ کر دیتا ہو اور اس کی وجہ سے آئندہ مسلمانوں کے استعمال میں آنے کا خطرہ نہ ہو تو لینا ناجائز نہیں (۲)، ”وشرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم “ (۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- ”فهي عقد على المنافع بعوض“ (عالمگیری ۴/ ۴۰۹، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

۲- ”أما الوقف فليس بعبادة وضعا بدليل صحة من الكافر، فإن نوى القربة فله الثواب وإلا فلا“ (الاشباہ والنظائر ۲۱)۔

۳- شامی ۳/ ۳۹۷، مطبوعہ عثمانیہ۔

بناسپتی کا شرعی حکم:

بناسپتی کے متعلق بہت سوالات آرہے ہیں یہ ایک خاص نوعیت کا ہے آپ حضرات کیا تحریر فرمارہے ہیں نیز اس کا جواب عام سوالوں جیسا ہوگا یا کچھ فرق ہوگا؟

ڈالڈا میں گائے وسور کی چربی کی ملاوٹ کا ذکر مخالف پارٹیوں کی جانب سے پارلیمنٹ میں کیا گیا مخالفین نے برسر اقتدار حکومت پر الزام لگایا کہ ڈالڈا میں چربیوں کی ملاوٹ کا جرم سرکار کر رہی ہے حکومت کی طرف سے جواب دیا گیا کہ یہ کام جنتا دل کے دور حکومت سے ہو رہا ہے، حکومت نے اس ملاوٹ کو فوراً بند کرنے کا بعد بھی کیا دوسری طرف جنتا دل کے دور حکومت کے وزیر اعظم یا وزیر تجارت یا کسی دوسرے ذمہ دار نے حکومت کی جانب سے کہی گئی باتوں کی تردید میں اب تک کچھ نہیں کیا موجودہ حکومت نے جانچ کا سلسلہ شروع کیا چربیوں کی ملاوٹ ڈالڈا میں پائی گئی چربیوں کی درآمد صابون بنانے والی کمپنیوں کے لئے کی جاتی تھی جس کسی کو چربیوں کی درآمد کا لائسنس ملا ہوا تھا ڈالڈا میں ملاوٹ پائے جانے کے بعد حکومت نے اس کا لائسنس بھی رد کر دیا مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں ڈالڈا کھانے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے۔

رسائل ممتاز احمد جامعہ در بھنگہ

الجواب وباللہ التوفیق:

بناسپتی کے متعلق دارالعلوم میں ابتک اتنا تفصیلی سوال اس نوعیت کا نہیں آیا تھا۔

محض افواہوں کے قسم کے یا بہت سے بہت اخباروں کے کچھ بیانات پر مشتمل سوالات آجاتے تھے اور اس کا جواب یہاں سے دیدیا جاتا تھا کہ اصل اشیاء میں حلت واباحت ہے، پس جب تک مردار کی یا خنزیر کی چربی کے ملاوٹ کا یقین یا ظن غالب نہ ہوجائے حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

البتہ جس کو اس ملاوٹ کا دلیل شرعی سے یقین یا ظن غالب ہوجائے اس کے لئے اس کا استعمال درست نہ رہے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص احتیاطاً استعمال نہ کرے تو یہ تقوی ہوگا اور مذموم نہ ہوگا، اور یہ دوسری بات ہوگی۔

مگر اس پیش نظر تحریر کی حیثیت دوسری ہے اس تحریر میں غیر ملکی چربیوں کی درآمد اور ڈالڈا میں اس کی ملاوٹ تسلیم ہے اور غیر ملکی چربیاں عموماً ذبیحہ کی نہیں ہوتیں اس لئے ظن غالب ہے کہ چربیاں عموماً ذبیحہ کی نہیں ہوتیں، اس لئے ظن غالب پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ یا تو مردار کی ہوں گی یا خنزیر کی ہوں اور جس درجہ کا ظن غالب پہلے مردار اور خنزیر کی چربی نہ ہونے کا تھا

اب اسی درجہ کا ظن غالب مردار یا خنزیر کی چربی ملانے کا ہو رہا ہے، اس لئے اب ہمارے نزدیک حکم شرعی یہ ہونا چاہئے کہ جب تک ان چربیوں کے بارے میں دلیل شرعی سے معلوم نہ ہو جائے یا اس کا ظن غالب نہ ہو جائے کہ یہ چربیاں محض ذبیحہ کی ہوتی ہیں مردار کی یا خنزیر کی نہیں ہوتیں استعمال کرنے کی اجازت نہ دی جائے ، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱/۱/ ۱۴۰۴ھ

الجواب صحیح محمد ظفیر الدین مفتاحی، مفتی دارالعلوم دیوبند

نوٹ :۔ جناب کی فرستادہ تحریر کے مطابق اب یہ مذکورہ بالا جواب متعین ہو رہا ہے، لیکن چونکہ معاملہ بہت اہم اور اس کے نتائج بہت دوررس ہیں، اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب بھی اپنے یہاں مجلس علماء میں رکھ کر گفتگو فرما کر کوئی بھی رائے متعین فرمائیں، احقر بھی اپنے افتاء کمیٹی میں رکھ کر اس پر گفتگو کے بعد کوئی حتمی رائے متعین کر سکے گا، کیونکہ اس فتوی کے نتیجہ میں ڈالڈا میں پڑی ہوئی مٹھائیاں بسکٹ وغیرہ تمام چیزوں میں پھر یہی بحث پیدا ہو جائیں گی۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

خون کا ٹھیکہ اور اس کی رقم کا مصرف:

زندہ جانوروں کے خون کا سالانہ ٹھیکہ چھوڑا جاتا ہے اور وہ جانور کا بھی سالانہ ٹھیکہ چھوڑا جاتا ہے اس کا روپیہ آتا ہے یعنی ٹھیکہ کا تو اس روپیہ کے بارے میں تحقیق سے بتائیں کہ اس روپیہ کا صحیح مصرف کیا ہے موجودہ دور میں یہ روپیہ کن کن مدوں اور کن کن جگہوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟ یہ روپیہ مندرجہ بالا سوسائٹی وصول کرتی ہے اور ابھی تک غریبوں کو انفرادی طور پر دیتی رہی ہے مثلاً جاڑے کے موسم میں لحاف وغریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا اور مختلف فلاح و بہبود کے کام دیتی ہے۔

۱۔ کچھ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ روپیہ خون اور مرداری جانورں کا ہے وہ اس روپیہ کو سوسائٹی سے مسجد کی جگہ خریدنے کے لئے مانگتے ہیں تو کیا مسجد کی جگہ خریدنے کے لئے ان کو روپیہ دینا جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو کس شکل میں؟۔

۲۔ کچھ لوگ دینی مدارس کے واسطے اس روپیہ کو جو کہ خون اور مرداری جانوروں کے ٹھیکہ کا روپیہ ہے امداد مانگتے

ہیں وہ اس روپیہ سے مدرسہ کے واسطے زمین بھی خریدنا چاہتے ہیں تو اس رقم سے ان لوگوں کو امداد دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ روپیہ خون کے ٹھیکہ کا اور مرداری جانورں کے ٹھیکہ کا ہے۔

۳۔ یہ سوسائٹی جو کہ مختلف فلاح وبہبود کے کام انجام دیتی ہے اور برادری کی ایک اہم سوسائٹی ہے وہ علاقہ میں چھٹی جماعت سے دنیاوی تعلیم کا ایک اسکول بنانا چاہتی ہے اسکول کی زمین خریدنا اور اس کا انتظام ملانا اور اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ پر خرچ کرنا چاہتی ہے یہ روپیہ مرداری جانوروں کے خون اور ٹھیکہ کا ہے کیوں کہ اسکول چلانے کے واسطے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اس علاقہ میں برادری کا کوئی اسکول بھی نہیں ہے تو کیا اس روپیہ سے اسکول چلایا جاسکتا ہے؟

مسئلہ ۴۔ اس روپیہ سے سوسائٹی یہ بھی چاہتی ہے کہ علاقہ میں ڈسپنسری ہسپتال وغیرہ نہیں ہے اور ہسپتال وغیرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

عارفین جنرل سکریٹری (قرنگر دہلی صدربازار)

الجواب وبالله التوفيق:

۱۔ متن درمختار میں ہے:" **بيع ما ليس بمال كالدم والميتته الخ" وتحته في الشاميه (ج ۴ ص ۱۵۰) (۱)، وأما في حقنا فالكل سواء في الهداية في باب البيع الفاسد فنقول: البيع (۲)، بالميتة والدم باطل (۳)، وتحته في فتح القدير بإجماع علماء الأمصار وفي الهنديه (ج ۴ ص ۱۴۶) في أحكام البيع الغيرالجائز: فالباطل مالم يكن محله مالا متقوما (الى قوله) فهو لايفيد الملك"۔**

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے خون ومردار کی خرید وفروخت قطعاً ناجائز وحرام ہے اور انکی بیع و شراء باطل ہے یعنی ان چیزوں کے خریدنے سے شرعاً مالک نہ ہوگا اور ان کو فروخت کرنے سے ان کی قیمت کا بھی مالک نہ ہوگا، بلکہ ان قیمتوں کا مالک معلوم ہو تو اس کو واپس دینا یا پھر انکا ان کے وبال سے بچنے کی نیت سے تصدق کردینا لازم ہے کما فی الشامی (ص ۳۴۷) تحت "**حكم البيع الباطل بتفصيل الملك الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه**" اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اس خرید وفروخت کے قریب بھی مسلمانوں کو نہ جانا چاہئے اور جو کچھ مال ودولت اس سے

۱- شامی ۱۳۹/۴ عثمانیہ۔
۲- ہندیہ ۱۴۶/۳، مکتبہ رشیدیہ، پاکستان۔
۳- ہدایہ ۴۹/۳، مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

حاصل ہو چکی ہے اس کا حکم شرعی صرف یہ ہے کہ اس کو اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے جہاں تک ہو سکے بطور صدقہ دیگر اپنی ملک سے نکال دے اور اگر معاشی حالات اتنے خراب خدانخواستہ ہو جاویں کہ بغیر اس کاروبار کے چارہ نہ رہے حالات ناگزیر ہو جائیں تو مندرجہ ذیل طریقہ سے کر لینے کی اجازت ہے امام ابو حنیفہ کے قول پر شرعاً ہو جائے گی اور اس سے بچنا پھر بھی احوط رہے گا۔

الف کسی غیر مسلم سے عقد مضاربت کا معاملہ کر کے اس سے یہ کہہ دے کہ تم کو اختیار ہے جو کاروبار کرنا چاہو کر سکتے ہو نفع میں چوتھائی یا تہائی یا آٹھنی وغیرہ مثلاً حصہ ہوگا اور وہ غیر مسلم اس روپیہ سے یہی کاروبار کرے اور مقررہ نفع دیا کرے۔

"هكذا يوخذ من المبسوط (ص ١٢٥) من باب المضاربة أهل الكفر لقوله: ولكن هذه الكراهة ليست لعين المضاربة والوكالة، فلا تمنع صحتها في القضاء، ولايكره للمسلم أن يدفع ماله إلى مسلم ونصراني مضاربة".

(ب) کسی غریب مسلم کو اس کی اجرت خواہ یومیہ خواہ ماہانہ مقرر کر کے اس کام کے لئے وکیل بنادے کہ وہ یہ کام کرے کما فی الدر المختار علی هامش الشامی (ص ٥/ ٢٤٧) **إلا إذا وكل ذميا ببيعه، فيجوز عنده خلافاً لهما** (١)۔ وهكذا فی المغنی (ص ٢٦٣، ٢٦٢)۔

جواب نمبر ١ تا ٤۔ مذکورہ بالا جواب سے معلوم ہوا کہ ان مذکورہ کاموں میں ان حاصل شدہ رقوم کو تملیک مستحق کے حیلہ کے بغیر صرف نہیں کر سکتے ہاں آئندہ کے لئے بطریق مذکور (الف وب) حیلہ کر سکتے ہیں۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

١- یہودی کی قبر میں مسلمان کی نعش کی تحقیق:

ایک نیک و پرہیزگار حاجی زکوۃ نکالتا ہے زکوۃ کا پیسہ ختم ہونے پر ایک مسلمان سائل کو دھتکار کر نکال دیتا ہے اور وہاں سے ایک یہودی کا گذر ہوتا ہے وہ یہودی اس مسلمان کی ضرورت پوری کر دیتا ہے پھر وہ مال دار اور یہودی دونوں مرجاتے ہیں تو یہودی کی قبر میں اس مسلمان کی نعش پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالی یہودی کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور اس مسلمان کی مغفرت نہیں فرماتے کیا یہ واقعہ درست ہے؟

١- فصل فی البیع کتاب الحظر والاباحۃ۔

۲-کرسمس کے تہوار میں مسلمانوں کی شرکت:

کرسمس کے تہوار میں مسلمان ناچ گانے کرتے ہیں۔ اوران کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں یہ کیسا ہے؟

۳-یکم جنوری کو نیا سال منانا:

یکم جنوری کے دن بھی مسلمان Happy New years نیا سال مبارک ہو کر مصافحہ کرتے ہیں یہ فعل مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

۴-گڈ فرائیڈے منانا:

عیسائی لوگ ۲۵ر دسمبر کو کرسمس ڈے مناتے ہیں اور اپریل کے مہینے میں گڈ فرائی ڈے Good Friday مناتے ہیں، یہ کیوں مناتے ہیں اور مسلمان کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟

عبدالستار اسماعیل (شری کونکر ایس، پی، ٹی جبیل انجیر سعودی عرب)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-یہ بات بے اصل ہے اسکا کوئی ثبوت نہیں، اس کو حدیث بنا کر بیان کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

۲-کرسمس ڈے عیسائیوں کا مذہبی اور دنیوی تہوار ہے اس دن سے دن کا بڑا ہونا مان کر اور اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے اس کو خوشی کا دن مان کر خوشیاں مناتے ہیں اگر اس میں ناچ گانا وغیرہ نہ ہوتا جب بھی چونکہ ان لوگوں نے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے ان کے تہواروں میں شریک ہونا جائز نہیں ہوتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ارشاد ربانی ہے: **"وذر الذين اتخذوا دينهم لهوا ولعبا وغرتهم الحياة الدنيا"** (۱)۔

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو لعب بنالیا ہے ان کے قریب بھی نہ پھٹکو ان سے بالکل دور رہو اور جیسا وہ لوگ اس میں ناچ گانا بھی کرتے ہیں اس میں شریک ہونا اور بھی سخت گناہ ہوگا اور قرآن پاک کی اس آیت کریمہ: **"لا تعاونوا على الاثم والعدوان"** (۲) کے بھی خلاف ہوگیا۔ اس لئے اور بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

آپ لوگ عرب لوگوں کو سمجھائیں ان سے کہئے کہ بھائی ہم بھی مسلمان تم بھی مسلمان ہمارا بھی ایمان قرآن و

۱- سورۂ انعام: ۷۰۔

۲- سورۂ مائدہ: ۲۔

حدیث پر تمہارا بھی ایمان قرآن وحدیث پر قرآن پاک میں اس میں شرکت کی صریح ممانعت اور سخت گناہ اللہ پاک نے بتایا ہے پھر آپ لوگ اس میں کیوں شریک ہوتے ہیں انشاء اللہ نرمی وہمدردی سے سمجھانے سے وہ لوگ باز آجائیں گے۔

(۳، ۴) ان دونوں نمبروں کا بھی وہی حکم ہے جو۔۵ کے جواب میں لکھا گیا ہے ان کے اس کرنے کی کوئی بھی وجہ ہو مسلمان کو ان کی اتباع یا نقل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے مصافحہ وسلام اسلامی شعار بھی ہے اسلامی طریقہ سے ہی ہونا ضروری ہے قرآن پاک میں ہے: **"ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب"**(۱) اور یہ طریقہ خلاف شرع و شریعت ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

مالی جرمانہ:

ہمارے گاؤں کی حالت اتنی گندی ہورہی تھی جس میں گلیوں میں غنڈے آبروریزی کرتے ہیں۔

ایک روز ایک پاگل عورت آئی وہ قوم سے مسلمان تھی سنا گیا وہ عورت حاجی بھی تھی غنڈوں نے اس کو جبراً گلی میں سے پکڑ کر گاؤں سے باہر ان غنڈوں نے زنا کیا گاؤں کے اثر دار آدمیوں کو یہ بات بہت بری لگی اس سے اگلے روز پنچایت کی جس میں کہ مسلمان سب ہی لوگ شامل تھے اس پنچایت سے گیارہ آدمیوں کو چنا گیا ان غنڈوں کے اوپر پنچایت بطور جرمانہ کے ان کو رسی میں جوڑ کر پانچ جوتے مارنے کا فیصلہ کیا۔

اور دو غنڈوں پر پانچ پانچ سوروپیہ جرمانہ کیا گیا اور دو پر تین تین سوروپیہ جرمانہ کیا گیا۔

دو کے اوپر دو دو سوروپیہ اس لئے کئے گئے کہ ایک ملزم نے پنچایت کو گیدڑوں کی پنچایت بتلائی ہے اور دوسرے نے اس پاگل عورت کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دوسرے آدمی کی اور یہ فیصلہ پورے گاؤں والوں ملزم اور غیر ملزم سب نے یہ فیصلہ منظور کیا اس کے بعد سب غلط قسم کی باتیں جیسے گلیوں میں گھومنا وغیرہ سب بند ہوگیا، اگر یہ روپیہ کسی اور فنڈ میں دیا جائے یا واپس کیا جائے تو گاؤں کے حالات بہت زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہیں اور پنچایت کی بات ٹوٹتی ہے آئندہ بھی یہ طے پایا ہے کہ اگر کوئی شخص غلط کام کرے گا تو اس کے لئے بھی یہی انجام ہوگا، آپ مفتیان کیا فرماتے ہیں کیا یہ جائز مانا جاتا ہے؟

محمد ادریس معرفت ساجد حسن (محلہ لال مسجد دیوبند)

۱- سورۂ حج: ۳۲۔

الجواب وبا الله التوفيق:

حسب تحریر سوال جب یہ فیصلہ ملزم وغیر ملزم سب نے منظور کر لیا، اور ملزمین نے جرمانہ کی رقم ادا بھی کر دی تو اتنا اور بھی کر لیا جائے کہ جس نیک اور رفاہی کاموں میں اس رقم (جرمانہ) کو خرچ کرنا چاہتے ہیں اس کام کی بھلائی اور اس کار نیک اور کار ثواب ہونا اور اس کی خوبی بتلا کر اس کے مکمل ہو جانے کی ترغیب سے اگر کھلے دل سے کر لینے کی اجازت و رضامندی دے دیں گے تو حدیث پاک: **" لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفسه او كما قال عليه السلام "**(۱)، کے بھی خلاف نہ ہوگا، اور ان سب چیزوں کا خریدنا اور استعمال کرنا سب درست ہو جائے گا اور چونکہ مسلم معاشرہ کی اصلاح و درستگی اور انکے مذہبی عقائد و اخلاق و عادات اور طور طریقہ کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا اور اس میں ترقی دینا شریعت مطہرہ کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے، جیسا کہ منطوق کلام الٰہی۔

"كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر "(۲)، کے اشارہ سے معلوم ہوتا ہے نیز بحکم **"من راى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه الخ او كما قال" (مشكاة المصابيح، باب الأمر بالمعروف الفصل الأول ۲/ ۴۳۶)**(۳) **كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته أو كما قال عليه السلام** (۴)۔

اور بتقاضائے عبارات فقہیہ مثلاً: **"لأن التعزير شرع للتطهير تاترخانية و زاد بعض المتأخرين أن الحد مختص بالإمام والتعزير يفعله الزوج والمولي وكل من راى أحدا يباشر المعصية" (شامي ص**

۱- "وعن ابى حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه، وقال القارى فى المرقاة تحت قوله: امرئ (اى مسلم او ذمى) رواه البيهقي فى شعب الايمان والدار قطني في المجتبى، مشكاة المصابيح باب الغصب والعارية(فرقانیہ ۱/ ۱۸۸، مکتبہ اشاعت الاسلام)۔

۲- سورۂ آل عمران: ۱۱۰۔

۳- "من راى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان"۔ مسلم شریف عن ابی سعیدؓ کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان ۱/ ۵۱ مطبع اصح المطابع۔ و ترمذی شریف ابواب الفتن باب ماجاء فی تغییر المنکر باللسان أو باليد أو با لقلب ۲/ ۴۰، مکتبہ اشرفیہ دیوبند) (مرتب)۔

۴- "كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته الإمام راع ومسئول عن رعيته والرجل راع فى أهله وهو مسئول عن رعيته والمرأة راعية فى بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها والخادم راع فى مال سيده ومسئول عن رعيته، (بخارى شريف عن عبد الله بن عمرؓ باب الجمعة فى القرى والمدن ۱/ ۱۲۲، مطبع اصح المطابع) (مرتب)۔

۱۷۷، باب التعزیر ج ۳)اورمثلاً "وذکر الإمام التمر تاشی أن التعزیر الذی یجب حقا لله تعالی یلی إقامته کل أحد بعلة النیابة عن الله تعالی"۔

لازم ہے ہاشرہ کے لئے اہل آبادی ایک جماعت مسلمین شرعی کمیٹی شرعی دارالقضاء قائم کریں جو دیانت دار سمجھ دار باثر معاملہ فہم مسلمانوں پر مشتمل ہو اور اس میں کم ازکم ایک ایسا عالم بھی شریک رکھیں جو اپنے تدین وتقوی کے ساتھ مسائل متعلقہ سے اچھی طرح واقف ہو، پھر اس شرعی کمیٹی یا شرعی دارالقضاء کے ذریعہ سے ایسی کوشش کی جائے کہ تعزیر باخذ المال کے بغیر ہی قوم کا معاشرہ وتمدن اصلاح پذیر ہوکر صالح معاشرہ بن سکے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

دعاء برائے علم وذہن:

مندرجہ ذیل دعا جو برائے ترقی علم وذہن ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ ہے (وہ دعا یہ ہے)"اللهم اخرجنا من ظلمات الوهم واكرمنا بنور الفهم وافتح علينا ابواب فضلک ويسر علينا خزائن علمک سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العليم الحكيم"۔

یہی درست کرنا مقصود ہے کہ کیا مندرجہ بالا دعاء نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔

الجواب وبالله التوفيق:

حدیث کی کوئی معتبر کتاب میں تو یہ دعا جناب نبی کریم ﷺ سے ان لفظوں میں منقول نہیں ،لیکن مضمون صحیح ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں، اس لئے اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

مینڈوں پر لگے درخت کا حکم:

بعض درخت دو یا تین کھیتوں کے مالکوں کے درمیان مینڈوں پر کھڑے ہیں اگر ایک شخص کاٹنا چاہتا ہے تو دوسرا

شخص مزاحم ہوتا ہے تو ان درختوں کو کاٹ کر مدرسہ کے مصرف میں لایا جا سکتا ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جی ہاں اگر تمام حصہ دار اجازت دیدیں تو مدرسہ کے مصرف میں لایا جا سکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۸/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

جماعت میں جانا اور تبلیغ کی اہمیت وضرورت:

۱۔ جو مسلمان دین سے واقف نہ ہو اور نماز روزہ کے فرائض وواجبات سے پوری طرح واقف نہ ہو وہ اگر تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلے اور ان چیزوں کو سیکھے تو کیسا ہے۔

۲۔ اگر مسائل تجارت سے واقف نہ ہو اور مسائل تجارت معلوم کئے بغیر تجارت کرتا ہو اس کا کیا حکم ہے اور مسائل تجارت سیکھنا کیسا ہے۔

۳۔ دین کو سیکھنے کے لئے ایک شخص جماعتوں کے ساتھ جاتا ہے اور اہل وعیال کا پورا انتظام کر جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔

۴۔ دکان کا کاروبار اچھے پیمانہ پر چل رہا ہے اور دکان پر چند آدمی رہتے ہیں ان میں سے اگر ایک آدمی دین سیکھنے کے لئے جاتا ہے تو کیسا ہے، دوسرے آدمی اچھی طرح چلا سکتے ہیں۔

۵۔ گھر اور دوکان کے ماحول میں رہ کر آجتک دین سیکھنے کی طرف سے نہ تو جہ ہوئی اور نہ ہی موقع ملا ہے اگر کچھ وقت فارغ کر کے دین سیکھنے کی غرض سے نکل جاتا ہے، جبکہ دنیوی کوئی نقصان بھی نہیں ہے اور اس زمانہ میں دوکان کا کام بھی مختصر ہے کیسا ہے۔

۶۔ ایسے کفر والحاد وبد دینی کے دور میں جبکہ مسلمان نماز روزہ، جیسے اہم فرائض کو دلیری کے ساتھ علی الاعلان چھوڑ رہا ہے انکو رغبت دلا کر ان کو فرائض پر آمادہ کرنا کیسا ہے، جبکہ علماء کرام کا سب جگہ پہنچنا اس طرح مشکل ہے، بہت سی بستیاں ایسی ہیں جن میں مسجد ہے، مگر بالکل ویران پڑی ہیں اور بہت سی بستیاں ہیں اس میں مسلمان موجود ہیں، مگر مسجد نہیں ہے انکو

دین سے واقف کرنے والا کوئی نہیں ہے اور مسلمان مردے بغیر نماز جنازہ دفن ہوتے ہیں بعض جو نماز پڑھتے رہتے ہیں انکو بھی نماز یاد نہیں ہے، ایسی حالت میں اپنی بیوی بچوں میں مشغول رہنا اور صرف اپنے کاروبار کو بڑھانے کی اور اپنے آرام کی فکر میں رہنا کیسا ہے۔

۷۔ زید مسلمانوں میں دین کی طلب بیدار کرنے کے لئے اور نماز روزہ پر آمادہ کرنے کے لئے سفر کرتا ہے اس میں جو مال خرچ کرے اسکا کیا اجر ہے۔

۸۔ جو لوگ جماعت میں نکل کر نوافل جماعت کی پابندی، ذکر، تلاوت قرآن پاک کی پابندی اور شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں ان فوائد کے پیش نظر اگر خدانخواستہ دنیوی نقصان بھی ہوجاوے اس پر کیا اجر ہے۔

۹- ایسے بد دینی کے ماحول میں دین کی ذمہ داری کیا صرف علماء کرام پر ہی ہے یا عام مسلمانوں پر بھی اس کی فکر اور کوشش ضروری ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- اگر بال بچوں کے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کرکے جاتا ہے تو جائز ہے۔

۲- اس شخص کو مسائل تجارت اس حد تک سیکھنا واجب ہے کہ اپنے کاروبار میں جائز اور ناجائز کو سمجھ سکے۔

۳- جائز ہے۔ ۴ جائز ہے ۵۔ بہتر ہے۔

۶۔ ایسی حالت میں کہ جب دوسرے لوگ تبلیغ کا کام انجام نہ دے رہے ہوں تبلیغ کرنا اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے جو ایسا کرے گا وہ تو آیت کریمۃ "**ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر**" (۱) کے فضیلت کا مستحق ہوگا، نیز ایسی حالت میں مقدور بھر کوشش نہ کرنا اور قیود وشرائط تبلیغ جانتے ہوئے محض اپنی بیوی بچوں میں ہی لگا رہنا اور محض اپنے کاروبار کے ہی بڑھانے کی فکر میں لگا رہنا دین کے قطب اعظم (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کے ترک کے وبال ونحوست میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہے۔

۷۔ حقوق واجبہ علی العین کی ادائیگی اور انتظام کے بعد اس میں اخلاص سے، یعنی محض بہ نیت حصول رضائے باری بلا خیال ریا نمود کی آمیزش کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور حدیث "**فله اجرها و اجر من عمل بها**" کا مصداق ہوگا (۲)۔

۱- سورہ آل عمران: ۱۰۴۔

۲- "من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجوره شيء، ومن سن في

۱۔دنیوی نقصان سے اگر یہ مراد ہے کہ کچھ آمدنی کم ہوگئی یا کاروبار ڈھیلا پڑ گیا یا کچھ نقصان ہی ہوگیا وغیرہ وغیرہ اور اخلاص سے اس نے ایسا کیا ہے اور عبارت کے سیاق وسباق سے یہی مضمون متبادر ہے تو بڑا ہی اجر عظیم ہے "جاهدوا بأموالكم وأنفسكم "(۱) کا مصداق ہوگا اور اگر نقصان اس حد تک ہے کہ اہل وعیال کے حقوق جنکی ادائیگی اس پر واجب علی العین ہے تلف ہورہے ہوں اور اس کا کوئی انتظام بھی نہیں کیا ہے اور نہ کرتا ہے تو بجائے اجر کے الٹا گناہ ہوجائے گا کیونکہ یہ کوشش فرض علی الکفایہ ہے اور دوسرے حضرات انجام دے رہے ہیں اور وہ فرض علی العین ہے۔

۹۔حسب استطاعت وقدرت سب پر ہے اور جو قیود وشرائط تبلیغ بھی بقدر معتد بہ جانتے اور سمجھتے ہوں ان پر زیادہ ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۰/۷/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، محمود غنی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

طریقہ تبلیغ:

جبکہ شرعی جرم میں گناہ کبیرہ کے مرتکب مولوی قطع تعلق کا حکم بطور تنبیہ دیتا ہے تو مرتکب گناہ مولوی پر مقدمہ ازالہ حیثیت کا چالو کر کے مولوی کا آبرو وعزت کا نقصان کرتا ہے جس کے سبب سے عالموں کو اسلامی تبلیغ میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور سبب توہین کے مولوی شرعی تبلیغ سے خاموش ہوجاتے ہیں، نیز جب تو کوئی عالم کبیرہ اور صغیرہ گناہ کی بابت مرتکب کو منع کرتا ہے تو پھر معلم کو اپنی عزت کی خیر نظر نہیں آتی ہے اور مرتکب گناہ بطریق الزام تراشی معلم پر شروع کردیتا ہے اور دروغ شہادتیں بنا کر بذریعہ پولس معلم کو زدوکوب کرانا چاہتا ہے اور اس کے دیکھا دیکھی سیکڑوں گناہ میں مبتلا ہوگئے ہیں چونکہ شرعی جرم کی تو کوئی پرواہ نہیں، لہذا موجودہ زمانہ کی صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے:

(۱) آیا کوئی ہندوستان میں اسلامی کمیٹی یا کوئی تبلیغ کا سربراہ حکام موجود ہے یا کہ نہیں اور ہو تو اسکا پتہ بتلائیں۔

(۲) آیا مندرجہ بالا صورتوں میں معلم کی طرف سے کوئی درخواست بروقت ضرورت مشکلات میں کسی وزارت ہند

الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها بعدهٔ من غير أن ينقص من أوزارهم شئ" (مسلم ۱/۳۲۷)،" رحيميه ديوبند، من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئا، ومن سن في الإسلام سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها من غير ان ينقص من أوزارهم شيئا" (نسائی ۱/ ۲۷۳، مطبع فیصل پبلیکیشنز دیوبند)۔

۱- سورۂ توبہ: ۴۱۔

کوگذاری جاسکتی ہے یا کہ نہیں؟

(۳) آیا ہندوستان کے مسلمان شرعی عبادات اور اسلامی تبلیغ میں آزاد ہیں یا کہ نہیں اور اسلامی تبلیغ قانونی جرم تونہیں ہے۔

(۴) کیا ہندوستان کے کس کس مدرسہ میں تبلیغ الجماعت کے سرکردہ علما یا حکام موجود ہیں، نیز تبلیغ کس حد تک کی جاسکتی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ایک ہے تبلیغ اور ایک تذکیر ونصح مومن، دونوں کیلئے الگ الگ احکام اور آداب وضوابط قواعد ہیں، معلم ناصح ومذکر اور مبلغ کو چاہئے کہ پہلے انکو کسی شیخ مصلح ومربی سے سیکھے اور پھر اس کی ہدایت کے مطابق نصح وتبلیغ وتذکیر کرے تو بہت سے یہ مفاسد جنکا آپ نے ذکر کیا ہے پیش ہی نہ آئیں گے۔ اکثر بے ڈھنگے پن سے اور خودرو یہ درخت کی مانند کرنے اور پھل لانے اور پیش کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اس کے احکام وآداب تو بہت ہیں بلا کسی مربی شیخ ومصلح کی جوتیاں سیدھی کئے کماحقہ نہیں حاصل ہوسکتے ہیں، ہم بطور نمونہ دو ایک بیان کردیتے ہیں جس سے آپکو روشنی ملے گی۔

حضرت موسی وھارون علیہما السلام کو جب اللہ تعالیٰ فرعون جیسے ظالم کی نصیحت کے لئے بھیجتے ہیں تو پہلے بطور تعلیم کے ان دونوں نبیوں سے فرماتے ہیں: **"فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى"** (۱) اور حدیث شریف میں ہے: **"بشروا ولاتنفروا الخ"** (۲)۔

یہ حضور علیہ السلام نے اس وقت نصیحت فرمائی جب دو صحابیوں کو عامل بنا کر بغرض تبلیغ احکام بھیجا ہے ان دونوں کا حاصل یہ ہے کہ مخاطب کے حال کا لحاظ کرتے ہوئے اولا ہمدردی ونرمی وبہی خواہی کے انداز میں ڈر کے ساتھ احکام خداوندی پیش کرنا بہتر ہے اس طریق سے کسی میں عنادیا معاندمیں ہیجان نہ پیدا ہوگا، بلکہ وہ نادم وشرمندہ ہوکر اور بہی خواہ سمجھ کر متوجہ اور متاثر ہوگا اور اگر ان تمام حدود وضوابط شرعی کے برتنے اور اہتمام کے بعد بھی کوئی ہیجان میں آئے اور سختی کا معاملہ

۱- سورۃ طٰہٰ: ۴۴۔

۲- "یسروا ولاتعسروا بشروا ولاتنفروا"، بخاری شریف ۱/۴۲۶ باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف مکتبہ اشرفیہ دیوبند، "بشروا ولاتنفروا ویسروا ولاتعسروا"، مسلم شریف ۲/۸۲، مطبوعہ یاسر ندیم کمپنی دیوبند)۔

کرے تو ٹھنڈے دل سے صبر کرے اور رجوع الی اللہ کرے تو سنت انبیاء علیہم السلام کی اتباع حاصل ہوگی۔ اور بڑے اجرو ثواب کا مستحق ہوگا یہ بڑا کام ہے اور اس پر بڑا اجر ہے، مگر شرط یہ ہے کہ قاعدے سے ہو اور خود بینی اور خویشتن بینی نہ ہو اکثر خود بینی سے اور خویشتن بینی سے ہی خسارت پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگ دشمن بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وامر'' ''**هلک بالصلوة واصطبر عليها واصبر**''(۱)، ''**على ما اصابک**'' (۲) یعنی اپنے لوگوں کو نماز، یعنی عبادت اور تصحیح معاملہ فیما بینہ وبین اللہ کا حکم کرو اور اگر اس پر لوگ کچھ بد کہیں اور سختی کریں تو سختی پر صبر کرو، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۳/۹/ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح محمود غنی عنہ

چھٹی میں تبلیغ میں جانا:

میں شادی شدہ ہوں ۲۵ سال کی عمر ہے، بحرین سے انڈیا جانے کے لئے دو سال میں چار مہینہ کی چھٹی ملے گی میں ارادہ کرلیا ہوں کہ گھر نہ جاکر چار مہینہ تبلیغ دین کے لئے نکل جاؤں جب چھٹی ختم ہوجائے گی تو باہر ہی باہر بحرین آجاؤں گا اس درمیان بیوی سے ملاقات ہونا ناممکن ہے، ایسا کرنا کیسا ہے؟

شفیع احمد الاعظمی

الجواب وبالله التوفيق:

بغیر بیوی کی مرضی واجازت کے اتنے دنوں تک مسلسل بیوی سے الگ اور پردیس میں رہنا جائز نہیں ہے، اس کے حقوق کی ادائیگی مقدم اور محمود عند الشرع ہے (۳)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

۱- سورۂ طٰہٰ: ۱۳۲۔

۲- سورۂ لقمان: ۱۷۔

۳- ''واعلم أن ترک جماعها مطلقاً لا يحل له، صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب ديانة لكنه لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى، ولم يقدروا فيه مدة ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها وطيب نفسها به''(فتح القدير ۵/۳۰۲)، ''وفي الشامي: وهو أربعة أشهر ..... فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها، ولو لم يكن

عورت کی صحت وقوت کی بحالی کے لیے نرودھ اور مانع حمل دواؤں کے استعمال کا حکم شرعی:

اگر عورت کی صحت وتندرستی نیز بچوں کی بہتر نگہداشت کے واسطے مندرجہ ذیل چیزوں کو استعمال کیا جائے تو کیسا ہے؟ (نرودھ، مانع حمل دوائیں، لوپ وغیرہ)، براہ کرم اس اختلافی مسئلہ پر مفید رہنمائی فرمائیں۔

شہاب الدین (۱۳۸ کھوگھاری محلہ بمبئی)

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر صحت خراب ہو، تکالیف حمل برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو یا استقرار حمل میں ایسی تکالیف کا اندیشہ ہو جو نا قابل تحمل وبرداشت ہوں، یا مسلمان دیندار طبیب حاذق نے اس کی تشخیص کی ہو تو ان صورتوں میں عارضی طور پر قوت وصحت کی بحالی کے لئے ان چیزوں کے استعمال کی اجازت ہو جائے گی۔ (عارضی منع حمل تدابیر مثلاً نرودھ، لوپ، دوا یا مرہم کے استعمال کی درج ذیل صورتوں میں گنجائش ہے) اور اگر یہ عوارض نہ ہوں تو عارضی طور پر بھی ان چیزوں کا استعمال کرنا مقصد شرع وشارع کے خلاف اور ان کی ناخوشنودی کا سبب ہوگا، اس لئے کہ تکثیر امت اجابت حضور ﷺ کا منشا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے: **"تزوجوا الودود الولود" أو كما قال** (۱)، اور فرمایا گیا ہے: **"تناكحوا وتناسلوا فإني مكاثر بكم الأمم" أو كما قال** (۲) اور یہ عمل خواہش نبوی اور مقصد نبوی کے خلاف ہوگا۔ اور غربت کے خطرہ سے ایسا کرنے کی ممانعت تو خود کلام پاک میں عقیدہ کے درجہ کی چیز قرار دے کر بتایا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: **"وانكحوا الأيامىٰ منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم"** (۳)۔

نیز حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: **"اطلبوا الرزق من الباءة أو كما قال"**، اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے: **"من النكاح"** (من الباءۃ کے بجائے)، اس لیے ان خطرات سے بھی ایسا عمل کرنے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۰/۱۰/۱۴۰۰ھ

في هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى الفراق بالإيلاء" (رد المحتار على الدر المختار ۳/ ۳۸۰)۔

۱- مشکوۃ ۲/ ۲۶۷۔

۲- ابن ماجہ نے ان الفاظ میں اس حدیث کی روایت کی ہے "فإني مكاثر بكم الأمم" (ابن ماجہ ۱/ ۳۴۰، ابواب النکاح، ما جاء فضل النکاح)۔

۳- سورۂ نور: ۳۲۔

گھڑی میں اسٹیل کی چین لگانا:

کلائی گھڑی میں اسٹیل کی چین باندھنا اور اس کو اپنے ہاتھ میں باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں کے بعض علماء اسٹیل کی چین باندھنے کو یا اس کو باندھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ بتلاتے ہیں۔

محمد شوکت علی انصاری (بڑھانہ گیٹ شہر میرٹھ، یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

اسٹیل کی چین کا زیور میں شمار نہیں ہے کہ اس کا باندھنا حرام ہو، بلکہ ایک ضرورت کی حیثیت سے استعمال ہوتی ہے، ہاں جو گھڑی یا چین زنانی طرز وساخت کی ہو اس کو مردوں کا استعمال کرنا ''**لعن النبی ﷺ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال**" (۱) کے مطابق درست نہ رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۹/ ۴/ ۱۴۱۱ھ

اسٹیل کے چین والی گھڑی کا استعمال:

دستی گھڑی کا اسٹیل پٹا نما چین کا کیا حکم ہے ہاتھ میں گھڑی کیساتھ باندھنا جائز ہے یا ناجائز ہے تو کپڑے نما نائلون کا پٹا اور دیگر کون سی چیز جائز ہیں؟

احمد علی محمد علی

الجواب وباللہ التوفیق:

زیور کے لئے دھات کی چیز کا استعمال درست نہیں۔ لیکن اسٹیل کا چین زیور نہیں ہے، بلکہ ضرورت کی بناء پر مستعمل ہوتا ہے۔ اس لئے اسٹیل کے چین کا استعمال ناجائز نہیں ہوگا، کپڑے نما نائلون کے پٹے کا استعمال بھی جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- صحیح البخاری ۲/ ۸۷۴ باب المتشبھین بالنساء والمتشبھات بالرجال۔

سینٹوں کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

سینٹ لگانا اور اس کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بقول کسے اس میں الکحل ملایا جاتا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر یقین ہو کہ الکحل سے مراد وہی الکحل ہے جو خمور اربعہ سے بنا ہے جو حرام قطعی اور نجس العین ہوتا ہے، تو اس کو استعمال کرنا درست نہ ہوگا، ورنہ گنجائش رہے گی، کیونکہ آج کل عموماً ایسا الکحل نہیں ڈالا جاتا ہے جس کا حرام بنفسہ اور نجس العین ہونا ضروری ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/۴/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی

میوزک والی گھڑی کے استعمال کا شرعی حکم:

ایک دیوار گھڑی چل رہی ہے جس میں گھڑی بجتے وقت موسیقی کے طور پر، بہت ہی سریلی آواز میں چند گھنٹیاں بجتی ہیں، اس کے بعد اصل گھنٹہ بجتا ہے، ایسی موسیقی والی گھڑی مسجد یا اپنے گھروں میں لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ایسی گھڑیوں کو رکھنا ممنوع و مکروہ ہوگا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/۴/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی

۱- اس لیے کہ یہ گھڑی اگرچہ مستقل آلہ لہو ولعب نہیں ہے لیکن اصل گھنٹہ سے پہلے موسیقی کی سریلی آواز زائد از ضرورت ہے جو جرس کے مشابہ ہے، اس لیے ایسی گھڑی کو گھر میں اور خصوصاً مسجد میں لگانا مکروہ و ممنوع ہے ''قال في الدر المختار: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام'' (الدر المختار مع الشامی ۵/ ۲۲۳ کتاب الحظر والاباحۃ) (مرتب)۔

کیا سرخ روشنائی کا استعمال درست ہے:

سرخ روشنائی کا استعمال مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟ ویسے آج کل سرخ روشنائی بکثرت استعمال کرتے ہیں خصوصاً قانونی کاغذات سجلات وغیرہ میں بعض جگہ استعمال کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں بھی محظور ہے یا گنجائش ہے؟ یہ مسئلہ کہیں دیکھا تھا اب یاد نہیں کہاں دیکھا تھا تلاش بھی کیا پایا نہیں۔

محمد روح الحق (سلامت منزل عربک کالج اسٹریٹ کراچی)

الجواب وباللہ التوفیق:

سرخ روشنائی کا استعمال ناجائز نہیں ہے، شروع میں چونکہ یہ بات مشہور بین العوام ہوگئی تھی کہ سرخ روشنائی خون سے مخلوط ہے اور خون نجس العین ہوتا ہے، اس لیے اس کو استعمال نہ کرنا چاہیے، سرخ روشنائی کی طرح سرخ رنگ (بڑیہ کا رنگ) کے بارے میں ایسی ہی شہرت ہوگئی تھی حالانکہ وہ بات غلط ہے، خون سے نہیں بنتا ہے، بالکل اسی طرح نیلی یا سیاہ روشنائی جو فاؤنٹین پین میں پڑتی ہے، اس کے بارے میں مشہور ہوا تھا کہ اس کا استعمال ناجائز و مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں اسپرٹ جو شراب کا جوہر یا شراب کی تلچھٹ ہے پڑتی ہے اور یہ نجس العین ہے۔

یہ بات تو اس روشنائی کے سلسلے میں ایک حد تک صحیح بھی تھی، لیکن جب یہ سائنٹفک طریقہ سے بننے لگی اب اس میں شراب کی تلچھٹ نہیں ہوتی تو وہ حکم کراہت کا اس سے بھی ختم ہوگیا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/۳/۱۴۰۱ھ

بحالتِ اضطرار انسان کا خون چڑھانا درست ہے:

ایک شخص بیمار ہے اور اس کا خون جسم میں کم ہے اور ڈاکٹر نے اس کے جسم میں خون کی قریب پانچ بوتلیں پانچسو گرام کی دی ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ کس انسان کا خون تھا، عیسائی کا تھا یا یہودی کا یا کافر کا تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طریقہ سے دوسرے انسان کا خون لے سکتے ہیں یا نہیں؟، کیا اس میں شرط ہے کہ مسلمان کا ہی خون ہونا چاہئے یا کسی کا بھی ہو مسلمان میں چل سکتا ہے؟

عبدالصمد احمد پٹیل (گلاسٹر لندن)

الجواب وباللہ التوفیق:

نص قرآنی میں خون بھی مثل مردار اور شراب کے نجس وحرام ہے، خواہ مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا (عیسائی، یہودی، مجوسی وغیرہ) ہو، خواہ مرد کا ہو، خواہ عورت کا سب نجس وحرام ہے (۱)۔ اور یہ الگ بات ہوگی کہ حرمت نجاست کی شدت وغلظت کفر واسلام، متقی وغیر متقی وغیرہ کیفیات کے اعتبار سے کچھ باطنی فرق تو ہے، مگر اس فرق کا کوئی اثر اس کے استعمال کا جو حکم شرعی ہے اس میں ظاہر نہ ہوگا، کیونکہ نفس حرمت ونجاست میں سب مشترک ہیں اور حکم شرعی اس پر متفرع ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا استعمال کرنا خواہ خارجی ہو یا داخلی بذریعہ انجکشن ہو یا کسی اور طریقہ سے بغیر اضطراریا شدید مجبوری کے جائز نہیں ہوگا۔

لہٰذا اگر حاذق طبیب (ڈاکٹر) یہ تشخیص کردے اور یہ کہہ دے کہ اس مرض کا یہی علاج ہے کہ اس جسم میں خون چڑھا یا جائے، اس تشخیص کے مطابق خون چڑھانے کی گنجائش ہوجائے گی (۲) اور چونکہ مریض کے جسم میں جس نمبر اور جس درجہ کا خون ہوتا ہے اسی نمبر اور اسی درجہ کا خون چڑھانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے اسی نمبر کا خون، خواہ مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا، مرد کا ہو یا عورت کا جس کا بھی ہو وہی دینا ضروری ہوگا، محض مسلمان کا ہی خون دینا ضروری نہ ہوگا۔

البتہ اگر پہلے سے معلوم ہوجائے کہ مسلمان کا خون اس نمبر اور درجہ کا ہے اور اس کا لحاظ کرلیا جائے اور کسی مسلمان ہی کا خون چڑھادیا جائے تو یہ بہتر ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حسب تشخیص وتجویز ماہر ڈاکٹر کسی کا بھی خون ہو، بحالت مجبوری مسلمان کو بھی چڑھایا جاسکتا ہے اور اس طرح خون چڑھانے سے حرمت مصاہرت یا رضاعت وغیرہ کا بھی خطرہ نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱۔ مرنے کے بعد اعضائے انسانی کے ہبہ کرنے کا حکم:

کیا ایک مسلمان کو مسلم ہونے کی حیثیت سے آنکھ، ناک، کان یا جسم کے کسی عضو کے متعلق مرنے سے قبل یہ وصیت کرنا جائز ہے کہ میرے جسم کا فلاں عضو میرے مرنے کے بعد کسی ہسپتال کو بطور عطیہ دیدیا جائے۔

۱- "حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر" الخ (سورۂ مائدہ ۳)۔

۲- ''یجوز للعلیل شرب الدم والبول وأکل المیتۃ للتداوی إذا أخبر طبیب مسلم إن شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح مایقوم مقامہ''(عالمگیری ۳۵۵/۵ کتاب الکراھیۃ) (مرتب)۔

۲-اعضاء انسانی سے پیوند کاری:

کیا کسی مسلم کے جسم میں کسی مسلم یا غیر مسلم کا کوئی عضو بوقت ضرورت منسلک کرنا جائز ہے؟

۳-خون چڑھانے کا شرعی حکم:

کیا کوئی مسلمان اپنا خون بطور عطیہ کسی مسلم یا غیر مسلم کو دے سکتا ہے، یا اپنے جس میں کسی مسلم یا غیر مسلم کا خون داخل کرا سکتا ہے؟

ایک مجتہد الحاج السید ابو القاسم الموسوی الخوئی نے ''المسائل'' نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے جو شائع ہو چکی ہے، اس میں ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے: اگر کسی نے اپنے وصیت نامہ میں اپنے جسم کے کسی عضو کو بطور عطیہ دینے کے لیے لکھ دیا ہے، تو اس کی وصیت کے مطابق عمل کرنا جائز ہے۔ کیا مفتیان اہل سنت والجماعت اس فتوے سے متفق ہیں؟

محمد جاوید ہندی عفی عنہ (مرکز فیض قربانیہ سکندریہ ماہمی، بمبئی)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرا جسم یا جسم کا فلاں عضو آنکھ، کان وغیرہ کچھ بھی فلاں شخص کو یا کسی ہسپتال کو بطور عطیہ یا بعوض قیمت دیدیا جائے، اگر وصیت کردے گا تو یہ وصیت منعقد وصحیح بھی نہ ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد اس وصیت پر عمل کرنا بھی جائز نہ ہوگا، جو لوگ عمل کریں گے سخت گنہگار ہوں گے اور یہ سب حکم ظاہر ہے، اس لیے کہ وصیت مملوکہ مال میں ہوتی ہے اور یہ جسم انسان کا مملوک نہیں ہے، بلکہ اللہ کی ملک ہے اور اس کے پاس محض بطور امانت کے ہے، بغیر حکم شرع وحکم خدا ایک انگلی بھی کاٹ ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام وسخت گناہ ہے۔

۲-یہ چیز بھی قطعاً ناجائز وحرام ہے، کوئی عضو، خواہ مسلمان ہی کا ہو کٹ کر جسم سے الگ ہونے کے بعد جیفہ ومردار ہو کر نجس وناپاک ہو جاتا ہے اور پھر کسی جسم میں لگانے سے، خواہ مسلمان ہی کے جسم میں لگایا جائے مردار وجیفہ ہونے سے خارج نہیں ہوگا اور نہ پاک وطاہر ہی ہوگا، لہٰذا اتنا حصہ جسم مردار اور ناپاک ہی رہے گا اور وہ شخص کبھی نماز بھی نہ پڑھ سکے گا اور نہ کبھی طاہر ہی ہو سکے گا۔ ہاں اگر اضطراری صورت ایسی ہو جائے کہ احشاء جسم (اندورن جسم) میں مثلاً گردہ، پھیپھڑا، جگر، دل وغیرہ میں سے کوئی اس درجہ خراب ہو جائے کہ اس کو نکال کر اس کی جگہ دوسرا لگانا ضروری ہو جائے اور ماہر معالجوں کے نزدیک جانبری کے لیے اور زندگی بچانے کے لئے اس عمل کے بغیر چارہ نہ رہے، بلکہ یہی عمل متعین ہو جائے اور صحت و

بقاءزندگی کا گمان غالب حاصل رہے تو اس اضطراری حالت میں جان باقی رکھنے کے لیے اس عمل کے بقدر اضطرار گنجائش ہوسکے گی، پھر بھی یہ کوشش لازم وضروری رہے گی کہ بجائے انسانی عضو کے کسی جانور کا عضو اور وہ بھی ماکول اللحم جانور کے عضو سے کام چل سکے تو صرف اسی عضو سے کام لیا جائے۔

۳-اس نمبر کا یہ حکم ہے کہ اضطراری حالت میں جب کہ جان بچنے کی اس کے علاوہ کوئی اور صورت نظر نہ آوے تو محض قدر ضرورت کی مقدار دینے اور استعمال کر لینے کی گنجائش نکل سکے گی اور اس میں کوشش بھی لازم رہے گی کہ کسی مسلمان کا خون نصیب ہو جائے۔

۴-اس نمبر کا جواب (ا) کے جواب میں آچکا کہ یہ مسئلہ بالکل غلط اور نا قابل التفات ہے اور نا قابل عمل ہے، ہر گز اس وصیت پر عمل کرنا کسی کو جائز نہیں ہے، اضطراری صورت مستثنیٰ ہے اور اس سے وصیت کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۸/۱۲/۹۸ ۱۳ھ

پاس شدہ اسقاطِ حمل بل کا نچوڑ مع شرائط:

(جموں وکشمیر) رنبیر پینل کوڈ میں اسقاط حمل سے متعلق تفصیلات اور سفارشات ایک سوسال پرانی ہیں، اس وقت اسقاط حمل ایک جرم تھا، اس سلسلہ میں حاملہ اور حمل گرانے والے معالج دونوں کو سزا دی جاسکتی تھی۔ البتہ اس میں استثناء اس وقت پیدا ہوتا جب عورت کی جان خطرے میں تصور کر کے حمل گرایا گیا ہوتا۔

اسقاطِ حمل بل کے مطابق:

کوئی بھی رجسٹرڈ معالج حمل گرانے کا مجاز ہوگا جب کہ:

۱- i مدت حمل بارہ ہفتوں سے زیادہ نہ ہو۔

۲- ii مدت حمل بارہ ہفتوں سے زیادہ اور ۲۰ ہفتوں سے کم نہ ہو، اول الذکر صورت میں ایک معالج اور مؤخر الذکر صورت میں دو معالج کی ایماندارانہ رائے ضروری ہوگی۔

۱-حمل کی موجودگی سے حاملہ عورت کی زندگی یا اس کی ذہنی یا جسمانی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۲-اس بات کا اندیشہ ہو کہ پیدا ہونے والا بچہ جسمانی یا دماغی بے اعتدالی کا شکار ہوگا۔

۳-کوئی شادی شدہ یا غیر شادی شدہ حاملہ عورت یہ شکایت کرے کہ اس کا حمل زنا بالجبر سے ٹھہرا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

عرض یہ کہ جب تک پورا مثل سامنے نہ ہو اس کے بارے میں کوئی حتمی و یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، البتہ جن چیزوں کا ذکر آپ حضرات نے سوال میں کیا ہے، اس کا شرعی حکم نمبر وار لکھدیا جاتا ہے، لہذا اگر شائع کرانا ہو تو اس جواب کو اس مثل کا جواب قرار دے کر شائع نہ کیا جائے، بلکہ اگر شائع کرنے کی ضرورت ہو تو پورا مثل یا دستوریا اس کی بعینہٖ نقل بھیجی جائے اس پر جواب میں جو کچھ لکھا جائے اس کو جواب میں شائع نہ کیا جائے، البتہ بطور مسئلہ اس کو شائع کر سکتے ہیں۔

۱-ہر رجسٹرڈ معالج کی رائے اسقاط حمل کے بارے میں علی الاطلاق معتبر نہ ہوگی، بلکہ ماہر و تجربہ کار طبیب یا ڈاکٹر جو اس معاملے میں اسپیشلسٹ ہو اور حدود شرع کے اندر رہ کر تشخیص و حکم کرے اس کا اعتبار ہوگا، اس لیے کہ حمل متیقن ہو جانے کے بعد اس کا بغیر شرعی عذر کے گرا دینا مکروہ تحریمی و ناجائز ہوتا ہے اور حرام و ناجائز فعل کے ارتکاب کی اجازت یا حرام و ناجائز وغیرہ چیز کے استعمال کی اجازت بغیر اضطراری اندازکی حاجت کے اور بغیر کسی شدید ضرورت کے نہیں ہوتی، تداوی بالحرام اور احکام المعذورین کے مسائل سے بھی اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے اور کچھ تفصیل آئندہ نمبروں میں بھی آجائے گی۔

۲-وفي رد المحتار ۶(۲/۷): قوله: ويكره أن تسقى لإسقاط حملها الخ أى مطلقا قبل التصور وبعدہٗ وأيضاً فيه: (ج ۵) ونقل عن الذخيرة، لو أرادت الإلقاء قبل مضى زمن ينفخ فيه الروح إلى قوله: يكره فإن الماء بعد ما وقع في الرحم مآله الحياة فيكون له حكم الحيوة۔

وأيضاً فيه قوله: جاز لعذر كالمرضعة إذا ظهربها الحبل وانقطع لبنها وليس لأب الصبي مايستأجربه الظئر ويخاف هلاک الولد

وفي كراهية الخانية: ولا أقول به إذ المحرم إذا كسربيض الصيد يضمن؛ لأنه أصل الصيد، فلما كان يواخذ بالجزاء فلا أقل من أن يلحقها إثم هنا إذا اسقطت بغير عذرٍ

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حمل خواہ بارہ ہفتوں سے کم کا ہی کیوں نہ ہو اس میں کسی عضو کی تخلیق بھی اگرچہ نہ ہوئی ہو، لیکن حمل کے تیقن کے بعد اس کو بغیر کسی شرعی عذر کے گرا دینا کسی طرح جائز نہیں!

۳-حمل پر جب بارہ ہفتے پورے ہوجاتے ہیں تو عموماً بعض اعضاء کی تخلیق ہوچکی ہوتی ہے کما فی البدائع وغیرھا، اور جب بعض اعضا کی تخلیق ہوچکی ہو تو بغیر شرعی وجہ کے ساقط کرادینے میں اگرچہ شوہر کی اجازت سے ساقط کرائے گناہ عظیم کے ساتھ تعزیر وضمان وعقر وغیرہ بھی واجب ہوجاتا ہے۔

في الدر: وما استبان بعض خلقه كظفر وشعر كتام فيما ذكر من الأحكام وتحته في الشامي (۵/۳۷۸) ولو ألقت مضغة ولم يتبين شئي من خلقه (إلىٰ قوله) تجب فيه عندنا حكومة عدل (۵/۳۷۹)۔

"قوله فإن أذن أولم يتعمد لاغرة لعدم التعدي الخ وقال في الشرنبلالية: أقول: هذا يتمشى على الرواية الضعيفة لا على الصحيح"۔

اور جب حمل پر سترہ ہفتے پورے ہوجاتے ہیں تو جنین میں عموماً روح وجان پڑجاتی ہے۔

كما في الرد: "وقدروا المدة بمائة وعشرين يوماً وهكذا في البحر وغيره"۔

اور جان پڑجانے کے بعد بغیر کسی شرعی وجہ کے ساقط کرادینے میں قتل کردینے کا گناہ ہوتا ہے اور مستوجب سزا وعقر ہوتا ہے۔

"كما في الرد، (۳۷۹ ج۵) ولا يخفىٰ أنها تأثم إثم القتل لو استبان خلقه ومات بفعلها" (۱)۔

۴-شرط اول معالجین میں اگر وہ شرائط وقیود موجود ہوں جو نمبر ایک میں لکھی گئی ہیں اور وہ معالج حدود شرع کے اندر رہتے ہوئے تشخیص کرکے حکم کرے کہ اگر اسقاط نہ کرایا گیا تو حاملہ کی زندگی خطرے میں ہے تو گرانا درست ہوگا ورنہ نہ ہوگا، جسمانی یا ذہنی صحت کے نقصان کے محض احتمال پر گرانا درست نہ ہوگا۔ کذا فی الرد، ۶/۱۴۸ **"يرخص إذا علم فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر"** (۲) **"وكذا كل تداولا يجوز إلابطاهر وجوزه في النهاية بمحرم، إذا أخبرهٗ طبيب حاذق مسلم أن فيه شفاء ولم يجد مباحاً يقوم مقامه" (هذه العبارة ايضاً تشير الىٰ ما قلنا)۔**

شرط دوم: یہ اندیشہ محض احتمال کا درجہ ہے، یہ اسقاط کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا (کما قلنا انفا)۔

شرط سوم: یہ شرط بھی شرعاً صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ غیر شادی شدہ عورت کے حمل کو اگرچہ بالزنا کر دیں اور زانی وزانیہ کو جتنا چاہیں قصور وار قرار دیں جو سزا مناسب ہو دے دیں، اس حمل کا خواہ زنا بالجبر سے یا زنا بالرضا سے ہو، کوئی قصور

۱- ردالمحتار ۵/۳۷۹۔

۲- وایضا فی الرد ۵/۲۴۹۔

نہیں اس کو ضائع کرنا ظلم ہوگا، اس کے ساقط کرنے میں بھی اور گرانے میں بھی وہی تفصیل وقیودات ہیں جو ابھی اوپر مذکور ہوئیں: **"فإن الماء بعد ما وقع في الرحم ماله الحيوة فيكون له حكم الحيوة"** (الہدایہ)، اس لیے جب تک وہ شرائط وقیود متحقق نہ ہوجائیں گرانے کی شرعاً گنجائش واجازت ہرگز نہ ہوگی اور شادی شدہ عورت سے اگر زنا کا صدور متحقق وثابت بھی ہوجائے خواہ زنا بالجبر کی صورت میں یا زنا بالرضا کی شکل میں ہو اور خواہ اس کی سزا غیر شادی شدہ عورت سے کتنی ہی زیادہ اور سخت ہو مگر اس کے حمل کو زنا سے کہنا یا اس کو حرام کہنا درست نہیں، حدیث شریف میں ہے: **"الولد للفراش وللعاهر الحجر"** (الحدیث)(۱) حتیٰ کہ اگر عورت اس حمل کے بطریق لعان بالزنا ہونے کا اقرار کرے جب بھی جب تک خود شوہر بھی اس کے بارے میں اپنا ہونے سے انکار نہ کرے اور تکلف انکار نہ کرے حرامی نہ کہا جائے گا اور بغیر ان اعذار ومجبوریوں کے اور بغیر ان شرائط وقیود کے، جس کا ذکر تفصیل سے پہلے آچکا ہے، گرانا شرعاً کسی طرح جائز نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

یوتھینیزیا کا شرعی حکم:

جب ڈاکٹر کسی مریض سے مایوس ہوجاتے ہیں کہ اب یہ شخص اپنے مرض سے نجات نہیں پائے گا، بیماری اتنی بڑھ گئی کہ صحت وتندرستی کی امید ہی نہیں، تجربہ سے ثابت ہے کہ عادتاً ایسا بیمار صحیح ہوکر جیا نہیں کرتا ہے اور اس مریض کو بسبب اپنی بیماری کے مزید تکلیف بھی ہورہی ہے تو اولیا سے یا خود علیل سے اجازت لیکر بذریعہ انجکشن اس مریض کی جان لے لیتے ہیں، یعنی خاص زہریلی دوا سے اس کو ختم کردیتے ہیں، تاکہ اپنی تکلیف سے راحت پائے اور بیماری ایسی ہے کہ مرنا تو ہے ہی، لہٰذا تکلیف شدید کو ختم کرنے کے لیے ڈاکٹر لوگ شفقۃً علی المریض اس کی جان کو تلف کردیتے ہیں اور اس جان تلفی میں مریض کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی جہاں انجکشن دیا اور سانس بند ہوگئی موت آچکی اس عمل کو انگریزی اصطلاح میں یوتھینیزیا کہتے ہیں۔

دراصل اس عمل کے مختلف طریقے ہیں ایک یہ کہ بذریعہ انجکشن زہریلی دوا بدن کے اندر پہونچائی جائے، دوسرے یہ کہ ہسپتالوں میں ایک مشین ہے جس کو آلۂ تنفس کہا جاتا ہے، جب مریض اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ خود بخود سانس نہیں لے سکتا ہے، تو اس آلہ کے ذریعہ سے مریض کے بدن میں سانس پہونچایا جاتا ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے، مشین کو بند کرنے سے وہ

۱- مشکوۃ المصابیح / ۲۸۸۔

تنفس نہیں رہتا، یعنی مرجاتا ہے، اس طریق سے وہ ختم کیا جاتا ہے یہ بھی بوجہ شدید تکلیف اور زندگی سے نا امیدی۔

تیسرے یہ کہ سلسلۂ علاج کو بند کردیا جائے مریض کو ایسی بیماری ہے کہ اگر علاج نہ کیا جائے تو ہلاک ہوجائے گا اگر چہ اصل مرض سے نجات نہ ہوگی، لیکن علاج سے کم از کم زندہ تو رہے گا تو چونکہ مرض کی سختیاں نا قابلِ برداشت ہیں، اس لیے ڈاکٹر علاج کو منقطع کردیتا ہے، تا کہ رفتہ رفتہ مریض اپنے مرض سے اپنی موت مرجائے (ڈاکٹروں کے یہاں بعض بیماریاں دائمی ہیں جن کا علاج نہیں اور وہ مفضی الی الموت ہوا کرتی ہیں)۔

طریقہ اول کے مطابق تو ظاہر ہے کہ یہ صریح قتل ہے، یعنی قتل نفس زکیہ بلا حق شرعی جس کی حرمت وقباحت مختلف ومتعدد آیات واحادیث سے مستفاد ہے اور مرض کی سختیاں اور اس کے دوام نیز تکلیف شدید کا تحمل سے باہر ہونا قتل کے لیے باحت نہیں بن سکتے بوقت شدت وقلق نہ مبتلی بہ کو جائز ہے کہ اپنی جان تلف کرے اور نہ غیر کو حتیٰ کہ تمنی موت سے بھی ممانعت وارد ہے، ایسے مواقع پر جیسا کہ بخاری شریف ودیگر احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

اگر بندہ کی اس تحریر وتقریر میں کچھ فتور ہو تو آں حضور اس کی اصلاح ضرور فرمادیں، البتہ ثانی وثالث طریقہ میں کسی قدر ترددو ہے، اس لیے کہ زید کہتا ہے کہ مذکورہ مشین کا استعمال بھی از قبیل مداوی ہے، اس لیے کہ اس آلہ کے ذریعہ سے حیات انسانی کو باقی رکھا جاتا ہے اور بیماری کا مقابلہ ہوتا ہے، بعینہٖ یہی حال معالجات ومداوی کا ہے، اس میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے پس دونوں یکساں ہوئے، لہٰذا حکم بھی متحد ہوگا دونوں کے لیے اور فقہاء حضرات نے تصریح کی کہ مداوی وعلاج مباح ہے کوئی فرض وواجب نہیں، جب مباح ہے تو کرنے نہ کرنے میں اختیار ہے اور علاج نہ کرنے کی صورت میں اگر موت واقع ہوجائے تو کسی قسم کا گناہ لاحق نہیں ہوگا۔ کما فی الہندیہ فی کتاب الکراہیہ

”وأما الدرجة المتوسطة: وهي المظنونة كالمداواة بالأسباب الظاهرة عند الأطباء ففعله ليس مناقضاً للتوكل بخلاف الموهوم وتركه ليس محظوراً الخ، وفيها أيضاً عن السراجية:

الإشتغال بالتداوي لابأس به إذا اعتقد أن الشافي هو الله تعالىٰ الخ (باب التداوي والمعالجات) وفي الشامية من الحظر والإباحة: بخلاف التداوي ولو بغير محرم، فإنه لوتركه حتىٰ مات لايأثم كما نصوا عليه، لأنه مظنون“(۱)۔

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ ترک مداوی کی صورت میں مرجانے پر کوئی معصیت لازم نہیں آتی، نیز عباراتِ ظاہرہ سے اباحت مداوی مترشح ہے، لہٰذا زید اس بات کا قائل ہے کہ مشین یعنی آلۂ تنفس کا بند کرنا یا موقوف کرنا مداوی کے ترک جیسا

۱- فتاوی ہندیہ ۵/۳۴۹۔

ہے اور اگر وہ مریض ہلاک ہوجائے تو کسی پر گناہ نہیں کوئی ذمہ دار نہیں، اور فقہاء نے یہ علت بیان فرمائی کہ **"لانہ مظنون"** یعنی معالجہ وتداوی ظنی شئی ہے، قطعی اور یقینی نہیں جس کا التزام واجب ہو، ایسا ہی یہ مشین اس بات پر قاطع نہیں کہ انقطاع پر آدمی مر ہی جاوے گا، بلکہ ایک دو ایسے واقعات ہوئے کہ ڈاکٹروں نے مشین کو بند کیا پھر بھی مریض کافی مدت تک زندہ رہا، معلوم ہوا کہ دوا کی طرح یہ بھی مظنون ہے، **"ولا یاثم بترک المظنون ان مات منہ کما مر آنفاً"**۔

اس کے برخلاف بکر یہ کہتا ہے کہ طریق ثانی بھی فی الحقیقت مثل قتل نفس کے ہے، مشین بند کردینے سے بھی ڈاکٹر مریض کی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے اور غلبہ ظن بھی یہی ہے کہ انقطاع مشین سے مریض مرجائے گا، تجربہ ومشاہدات سے یہ بات ثابت ہے کہ عادۃً آدمی مشین کے موقوف ہوجانے پر مرجاتا ہے شاذ ونادر ایسا ہوا کہ مشین کے عدم جریان کے وقت بھی مریض حیات رہا لیکن اکثر وبیشتر موت کا وقوع لازمی ہے، پس اس تجربہ ومشاہدہ سے جو غلبہ ظن وغالب گمان حاصل ہوا ہے وہ کالیقین سمجھا جاسکتا ہے، لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ مظنون ہے قابلِ تسلیم نہیں، بلکہ غلبہ ظن تو مستقل دلیل بن سکتا ہے **"عند انعدام ما فوقھا من الدلیل"** پھر شامی نے تصریح کی ہے کہ **"والظاھر آن التجربة یحصل بھا غلبة الظن دون الیقین"** (۱)۔

بایں معنی صورت مذکورہ میں آلہ تنفس کو روکے رہنے سے اگر مریض مرجائے تو قتل کا گناہ ہوا، یعنی قتل بالسبب کیونکہ مشین کا تھامنا سبب بنا قتل کے لئے جیسا کہ فقہی جزئیہ میں حفر بئر سبب موت بنا **"فیضاف الفعل إلی المتسبب"** پس ڈاکٹر پر قتل کا گناہ ہوجائے گا۔ رہا ترک تداوی سو یہ تو جب ہے جب کہ علاج ومداوات ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔

ابتداً بالتداوی سے قبل کسی نے ترک کو اختیار کیا تو کوئی مضائقہ نہیں اور مذکورہ عبارات میں جہاں ترک تداوی کو مباح وغیر موجب اثم قرار دیا تو اس کا محل یہی ہے، یعنی سلسلہ تداوی شروع کرنے سے پہلے، لیکن جس وقت دوا دارو شروع ہوچکی اور یہ غالب گمان ہے کہ اس دوا سے مریض کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور یہ بھی غلبہ ظن کے درجہ میں ہے کہ اگر سلسلہ دوا منقطع ہوجائے تو بیمار مرجائے گا اب جائز نہیں کہ دوا کو چھوڑے یا مشین کو بند کرے چونکہ اب ظن نہیں رہا، بلکہ قریب الیقین معاملہ ہے، یعنی ظن غالب جو موجب عمل ہے، اگر مشین کے روکنے پر مریض کا انتقال ہوگیا تو اثم قتل ثابت ہوگا، ایسا ہی دوا وعلاج کے چھوڑنے پر قتل کا گناہ ہوگا تو یہ ترک تداوی کے قبیل سے نہیں، بلکہ انقطاع تداوی کے قبیل سے ہے یہ فرق ہے بہما۔

اب آنحضور سے التماس ہے کہ اوپر کے دو اقوال میں سے کونسا قول حق وصواب ہے؟

۱- الشامی علی الدر ۵/۱۴۰

۲-اگر یہ ثابت ہوا کہ مشین کا روکنا صورتِ مذکورہ میں درست ہے، تو اگر کسی ڈاکٹر نے کسی بھی غرض سے اس کو قتل مریض ہی کے ارادے سے بند کیا، یعنی اس کا ارادہ یہی تھا کہ مشین کو روک کر اس مریض کی جان کو ہلاک کروں، تو کیا اثم قتل لاحق ہوا اور دیت بھی واجب ہوگی یا نہیں؟

۳-کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر آدمی کا دانت گر جائے تو طرفین کے نزدیک شاۃ ذکیہ کا دانت لے کر اس کی جگہ پر رکھ دے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنا ہی دانت یا کسی مردہ انسان کا دانت استعمال کرے اصل عبارت یہ ہے: ''**وكذا يكره أن يعيد تلك السن الساقطة مكانها عند الطرفين، ولكن يأخذ سن شاة ذكية فيشدها مكانها، كذا في البدائع وجواهر الفقه، رسالة تنشيط الأذهان في الترقيع بأعضاء الانسان**"۔

اب سوال یہ ہے کہ ذکیہ کی قید کیوں جب کہ میتہ (سوائے خنزیر کے) کی ہڈیوں کے دانت سب پاک ہیں، کما صرح بہ الفقہاء العامۃ اور جب دانت پاک ہے تو استعمال بھی درست ہونا چاہیے، نہ ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، یہ بھی فقہاء کی تصریح ہے کہ دانت اور اس جیسے اعضاء واجزاء مثلاً ہڈی وکھر وغیرہ میں حیات حلول نہیں کرتی پس عمل موت نہیں رہا، لہٰذا ان اجزاء میں میتہ وذکیہ دونوں برابر ہیں، مگر طرفینؒ نے صراحتاً ذکیہ کی قید فرمائی تو مفہوم مخالف کے طور پر میتہ کا دانت غیر جائز الاستعمال ہوا، امید کہ آنحضور وضاحت بسلاست فرمائیں گے۔

العبد سراج احمد فریقی

الجواب وبالله التوفيق:

۱-طریقہ (۱) میں آپ کی تحریر صحیح ہے، ماشاء اللہ بہت عمدہ تحقیق ہے، بے ساختہ دل سے دعا نکلی، '' **بارك الله علمكم وسعيكم وفي إفادتكم وإفاضتكم**"۔

طریقہ (۲و۳) میں زید کے قول سے ایک حد تک اور فی الجملہ اتفاق ہے، بکر کے قول سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ مثل قتل نفس تو یقیناً نہیں ہے، اس لئے کہ مثلِ قتل نفس میں مماثلت ہونا ضروری ہے اور یہاں مماثلت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ **وأيضا سيأتي توضيحهٗ**

البتہ چونکہ اقدام قتل میں قتل کا گناہ ہوتا ہے، اس سے التباس واشتباہ ہو کر یہ خلط فی الاحکام واقع ہو سکتا ہے، غور کرنے سے یہ مذکورہ دونوں صورت (۲و۳) اقدام علی القتل بھی نہیں ہیں، اس لیے کہ اقدام علی القتل میں اگر چہ صدور قتل نہ

ہوگر اسباب قتل کا ارتکاب لازم ہے اور ضرور ہوتا ہے اور یہاں بجائے ارتکاب کےعدم ارتکاب ہے،عدم ارتکاب کوارتکاب کہنا بداہۃً غلط ہے، بلکہ دونوں میں تضاد ہے تو ان کے حکم میں بھی تضاد ہوگا، لہٰذا جب ارتکاب معصیت ہے تو عدم ارتکاب میں عدم معصیت ہوگی۔

اسی طرح حفر بیر فی الطریق پر قیاس کرنا بھی درست نہیں اس لیے کہ اولاً تو بیر سے صرف وہ بیر مراد ہے جس میں منڈیر وسامانِ حفاظت نہ ہو اور طریق سے مراد طریق عام ہے جس میں رات میں اندھیرے میں بے آنکھ والے اور معذور وکمزور سب چلتے ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسے راستہ میں ایسے بیر کا کھودنا جس میں منڈیر وسامانِ حفاظت نہ ہو سبب ہلاکت ہے، سبب قریبی ہے جس سے ارتکاب اسباب ہلاکت کا تحقق بھی ظاہر ہے اور ایسی صورت میں قتل بالسبب کا گناہ ہونا بھی ظاہر ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ کنوئیں پر اونچی منڈیر ہو اور سامانِ حفاظت مکمل ہو تو عام راستہ پر بھی آنے جانے کی حسب ضرورت جگہ چھوڑ کر کنواں بنادینا منع نہ ہوگا اور ایسی صورت میں اس میں اگر گر کر ہلاک ہوجائے تو اس سے کنواں بنالینے والے پر کوئی مواخذہ یا گناہ وغیرہ بھی نہ ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں ارتکاب اسباب ہلاکت کا نہیں۔

اور حاصل یہ نکلا کہ مدار اسباب ہلاکت کے ارتکاب پر اگر ارتکاب اسباب ہے تو ارتکاب کے مطابق کہیں اقدام علی القتل کا گناہ ہوگا اور اس کا حکم جاری ہوگا اور کہیں قتل بالسبب کا گناہ اور اس کا حکم جاری ہوگا اور جہاں ارتکاب نہ ہوگا وہاں اس قسم کا کوئی حکم جاری نہ ہوگا اور نہ کوئی مواخذہ ہی ہوگا اور مسئلہ مجوث عنہا میں یہی حال ہے، اسباب ہلاکت کا ارتکاب نہیں ہے، لہٰذا اس میں کوئی گناہ یا مواخذہ نہ ہوگا۔

رہ گیا تداوی کا مسئلہ تو اس کے فی نفسہ مباح ہونے میں کلام نہیں، باقی ہر شخص پر ہر حال میں کلیۃً وجوب ہو یہ صحیح نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر مرض شدید وخطرناک یا مہلک ہو اور تداوی پر استطاعت وقدرتِ میسرہ بھی موجود ہو تو حسب حیثیت واستطاعت وقدرتِ میسرہ عالَم اسباب ہونے کی وجہ سے شفا کے حصول کا اعتقاد فقط اللہ جل مجدہ پر رکھتے ہوئے حکم خداوعلم شرع کے اندر اندر علاج کرنا واجب ہوجاتا ہے، لیکن اگر قدرتِ میسرہ موجود نہ ہو یا مرض شدید یا خطرناک ومہلک نہ ہو تو وجوبِ علاج کا حکم متوجہ نہیں ہوتا یا حکم موکدر ہے یا مستحب وافضل رہے، حسب حال مبتلی بہ وقیود مذکورہ بالا کے مطابق جو حکم ہو تو ہوسکتا ہے مگر واجب نہ ہوگا۔

یہی تفصیل وحکم اس صورت کا ہے کہ ابھی علاج شروع نہیں کیا ہے اور اس صورت کا کہ علاج کر کے چھوڑ دیا ہے اور دونوں صورتوں کا حکم قریب قریب یکساں ہی ہوتا ہے۔

غرض جب علاج کرنا واجب ہو اور علاج ترک کردے تو یہ ترک واجب ہوا اسباب ہلاکت کا ارتکاب نہیں ہوا، ارتکاب ایجابی اور وجودی شئے ہے اور ترک عدمی وسلبی شئے ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے، ایک کے حکم کو دوسرے پر جاری نہیں کرسکتے، قیاس مع الفارق ہوگا، پس جب اسباب ہلاکت کا ارتکاب نہ ہوگا تو اس پر اقدام علی القتل یا قتل بالسبب کا حکم یا گناہ بھی لازم نہ آئے گا، ہاں ترک واجب کا گناہ یا ترک حکم موکد کا گناہ یا ترک سنت کی معصیت ہو، تو یہ ہوسکتا ہے اور یہ الگ بات ہوگی۔

یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جس وقت علاج کرنا واجب ہو اور علاج نہ کرے بلکہ علاج ترک کردے اور اس میں اگرچہ نیت ہو کہ اس سے یہ مریض ختم ہوجائے گا، اس نیت میں بھی چونکہ ارتکاب اسباب ہلاکت کا نہ ہوگا، اس لیے اس فاسد وغلط نیت پر گناہ یا مواخذہ الگ بات ہوگی اس سے اقدام علی القتل یا قتل بالسبب کا حکم وگناہ نہ ہوگا، اس لیے اس پر دیت بھی لازم نہ ہوگی، کیونکہ وجوب دیت کے لیے کم سے کم قتل بالسبب کا ہونا لازم ہے، کما ھو مبرھن فی مقامہ، یہ بات بھی ان بیانات سے معلوم ہوگئی کہ عدم تداوی یا مذکورہ بالا نیت یا انقطاع تداوی کو نہ حقیقۃً قتل کہہ سکتے ہیں نہ مثل قتل کہہ سکتے ہیں۔

۲- اس نمبر کا جواب بھی اس تقریر سے واضح ہوگیا اور مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں رہی۔

۳- شاۃ کے دانت کی تخصیص کی وجہ تو ظاہر ہے کہ اس کے دانت کو وضع وحجم کے اعتبار سے انسانی دانت سے زیادہ مشابہت ومماثلت ہے، نیز یہ بات چونکہ بھیڑ ودنبہ کے دانت سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، اس لیے یہ قید احترازی نہ ہوگی بلکہ اتفاقی ہوگی اور ذکیہ کی قید اس وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ اگر غیر ذکیہ زندہ سے یہ دانت اس کی جڑ سے اکھاڑا جائے تو اس کو بے انتہا تکلیف ہوگی اور یہ حقوق بہائم کے خلاف ہے کہ ایذا پہنچانا بہائم کو بھی منع ہے اور اگر جڑ سے نہ اکھاڑا جائے اوپر سے توڑ لیا جائے تو فٹ نہ ہوگا، انسانی دانت کی وضع وحجم کے خلاف ہوگا اور اگر غیر ذکیہ سے اس کے مرنے کے بعد لیا جائے تو دانت کی جڑ میں کچھ اجزاء لحمیہ وشحمیہ اس طرح قائم رہیں گے کہ ان کو الگ الگ کردیا جائے تو انسانی دانت پر فٹ نہ ہوں گے اور ان اجزاء کو دانت سے الگ نہ کیا جائے تو وہ ناپاک ومردار اجزاء ہوں گے جن کا استعمال ناجائز رہے گا، اور ذکیہ کے قید کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک میتہ ماکول اللحم کی ہڈی بھی ناپاک ہوتی ہے، کما فی کتاب الام ان کے اختلاف سے بچنے کے لیے یہ قید لگادی ہو اور ان سب صورتوں میں یہ قید احترازی ہوگی۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۵/۳/۱۴۰۱ھ

افریقہ میں پھیلے ہوئے بعض نئے مسائل کے احکام:

مرکز البحث العلمی بمعرفت امارت شرعیہ بہار اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ، ۸۰۱۵۰۵

عرض یہ کرنا ہے کہ ساؤتھ افریقہ کے مسلم ڈاکٹروں کی ایک انجمن نے چند سوالات بھیجے ہیں، اس سلسلہ میں جلد ازجلد وہ دینی رہنمائی کے طالب ہیں۔ان سوالات کا خلاصہ جناب کی خدمت میں ارسال کررہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جلد ازجلد ان سوالات کے تحقیقی جواب ارسال فرمائیں گے۔فقط والسلام

مجاہد الاسلام القاسمی (امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ)

پہلا مسئلہ:

یوتھینیزیا EUTHANSIA یوتھینیزیا کا مطلب یہ ہے کہ مریض جو شدید تکلیف میں مبتلا ہو اور اس کے زندہ رہنے کی کوئی توقع نہ ہو یا وہ بچے جو غیر معمولی حد تک معذور ہوں اور ان کی زندگی محض ایک طرح کا بوجھ ہو، ایسے مریضوں اور بچوں کی زندگی کو ختم کردینا، تاکہ وہ تکلیف سے نجات پائیں اور آسانی سے ان پر موت طاری ہو۔

یوتھینیزیا کی دو قسمیں ہیں: ا ایکٹیو ACTIVE اور پیسیو PASSIVE

۱-ایکٹیو یوتھینیزیا کی صورت یہ ہے کہ ڈاکٹروں کو مریض موت تک پہنچانے کے لیے کوئی مثبت عمل کرنا پڑتا ہے، مثلاً کینسر کا مریض جو شدید تکلیف میں مبتلا ہو وہ مریض جو طویل بے ہوشی کا شکار ہو، نیز اس کے بارے میں ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس کی زندگی کی اب کوئی توقع نہیں ہے، ایسے مریض کو درد کم کرنے والی تیز دوا زیادہ مقدار میں دے دی جاتی ہے، جس سے مریض کی سانس رک جاتی ہے، اسی طرح کبھی ایسا مریض جس کے سر میں شدید چوٹ لگی ہے یا منجائٹس جیسی بیماری کی وجہ سے بے ہوش ہو اور اس کی صحت یابی کا کوئی امکان ڈاکٹروں کے نزدیک نہ ہو، محض مصنوعی تدابیر سے اس کی سانس کو چلایا جارہا ہو، اگر یہ مصنوعی آلہ ہٹالیا جائے تو مریض کے سانس کا آنا جانا بند ہوجائے گا، ایسے حالات میں ان مصنوعی آلات کو ہٹا لینا تاکہ مریض مکمل طور پر مرجائے، بھی ایکٹیو یوتھینیزیا کی ایک قسم ہے۔

۲-پیسیو یوتھنیزیا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مریض کی جان لینے کے لیے کوئی عملی تدبیر نہیں کی جاتی، بلکہ اس کو زندہ رکھنے کے لیے جو

ضروری علاج کیا جانا چاہیے وہ نہیں کیا جاتا اور وہ مریض مرجاتا ہے، مثلاً کینسر یا بے ہوشی یا دماغی چوٹ یا منجانٹس کا مریض نمونیہ میں مبتلا ہوجائے جو قابل علاج ہے، لیکن ڈاکٹر اس نئے مریض کا علاج نہ کرے تاکہ اس کی موت جلد واقع ہوجائے، اسی طرح ایسے بچے جو شدید طور سے معذور ہوں، مثلاً ان کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسی خرابی ہو جس کی وجہ سے ٹانگیں مفلوج یا پیشاب پاخانہ پر قابو باقی نہ رہا ہو، یا بچہ کا دماغ پیدائش کے وقت مجروح ہوچکا ہو، ایسی حالت میں زندگی بھر یہ مریض بار گراں بن کر زندہ رہے گا، اب اگر ایسے بچوں کو نمونیہ یا کوئی دوسرا قابل علاج مرض پیدا ہوجائے تو ان کا علاج نہ کرکے انہیں زندگی سے نجات دلانے کی صورت اختیار کرنا پسیو یوتھینزیا ہے۔

بہر حال یوتھینزیا کا مقصد مریض کو اور اس کے اعزا کو طویل تکالیف سے نجات دلانا ہے۔

۱- مذکورۃ الصدر صورت حال میں کیا اسلام عمداً کسی ایسے فعل کی اجازت دیتا ہے جس کے ذریعہ کسی مریض کو شدید تکالیف سے نجات دلانے کے لیے پہنچے دیا جائے۔

۲- کیا اسلام اس مقصد کے خاطر معالجہ کو چھوڑ دینے کی اجازت دے گا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

پہلا مسئلہ:

یوتھینزیا کا (۱و۲) ان دونوں تدبیروں کی غرض مریض کو یا اس کے متعلقین کو تکالیف سے نجات دلانا یا ان کی تکلیفات کو کم کرنا مذکور ہے، اس لیے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کا تجربہ کسی کو نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے کہ طبعی موت میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے یا غیر طبعی موت میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے کہ تجربہ تو اس کو ہوگا جو مرنے کے بعد زندہ ہوکر بتائے اور ایسا نہ ہوا اور نہ ہوسکے گا۔ بلکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے، طبعی موت میں اکثر تکلیف کم دیکھی جاتی ہے اور غیر طبعی موت میں اکثر تکلیف زیادہ دیکھی جاتی ہے، اسی طرح متعین مریض و تیمارداری میں مشاہدہ اکثر اسی کا ہے کہ تیمارداروں کی دیکھ بھال میں بظاہر تکلیف نظر آتی ہے، مگر مرجانے کے بعد سکون و تسلی جلدی ہوجاتی ہے کہ جتنا اس کے بس میں تھا کرلیا، آگے قدرت کی بات تھی جو اختیار میں نہیں ہے، اس لیے جلد صبر و سکون ہوجاتا ہے بخلاف غیر طبعی موت کے کہ اس کا رنج و غم بسا اوقات دماغ خراب کردیتا ہے یا برسوں اور مدتوں کے بعد ختم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ بسا اوقات مریض و تیماردار اس کوفت و گھٹن میں سالہا سال مبتلا رہتے ہیں اور ان تدبیروں سے جلد ان تکالیف سے چھٹکارا ہوجاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کی

زندگی چندروزہ اور محض عارضی ہے اور آخرت دائمی ہے۔ اور اصلی زندگی دائمی اور ابدی ہوتی ہے۔ جو آخرت کی زندگی ہے، وہاں موت کبھی نہیں آتی، یہاں گھبرا کر اگر غیر طبعی موت طاری کردی جائے تو اس سے گھبرا کر ایسا کرنے والے کی آخرت کی زندگی ہمیشہ تباہ وبرباد رہے گی اور کبھی موت بھی نہ آئے گی کہ چھٹکارا مل جائے، اس لیے عقلاً بھی یہ جانب مرجح نہیں ہوسکتی کہ اس کی وجہ سے مذکورہ تدابیر کی اجازت دی جاسکے، غرض تجربہ ومشاہدہ وغیرہ کی حیثیت سے اس کی اجازت کوئی مرجح نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تجربہ یا مشاہدہ وغیرہ کے دلائل سے کوئی فیصلہ نہ ہوسکے جب بھی صادق ومصدوق کی خبر سے یہ بات متعین ہے کہ مؤمن کو طبعی موت وشہادت میں تکلیف بہت کم ہوتی ہے اور غیر مؤمن کو ہر حال میں تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ارشادربانی: **والنّٰزعات غرقاً والنّٰشطات نشطاً** (۱) میں بھی اس بات کو بتلایا گیا ہے کہ چاہے طبعی موت ہو یا غیر طبعی دونوں حال میں مؤمن کو موت کی تکلیف کم ہوتی ہے، پس اگر دوا وغیرہ کسی ذریعہ سے غیر طبعی موت طاری کردی جائے تو مریض تو شہید ہوجائے گا اور یہ اگرچہ اس کے لیے بہتر ہوگا، مگر غیر طبعی موت طاری کرنے والا بسا اوقات قتل کے گناہ ووبال میں مبتلا ہوجائے گا اور بسا اوقات شرعاً دیت یا ضمان وغیرہ واجب الاداہوجائے گا، اور توبہ کرنا بھی لازم ہوجائے گا جس طرح اس حمل کے ساقط کرنے میں قتل کا گناہ ووبال پڑتا ہے اور بعض صورتوں میں دیت وضمان بھی شرعاً لازم آتا ہے اور جب جان پڑنے کے محض گمان واحتمال کی صورت میں یہ سزا ووبال ہے تو جان کے یقیناً موجود ہونے کی حالت میں جو کچھ وبال ونکال ہوگا، ظاہر ہے ایسے موقعہ پر کم از کم قتل کا گناہ تو ضرور ہی ہوگا، روایات جمع کرنے کا اس وقت محل نہیں، احادیث سے رجوع کرکے اس کی تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے کہ مریض کو جو تکالیف غیر اختیاریہ پہونچتی ہیں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اپنے خدا کے سپرد کرتا ہے، تو اس کے لیے یہ تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں اور اچھی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر مرنے والا معصوم یا نابالغ بچہ ہوتا ہے تو اس کی ان تکالیف سے اس کے والدین ومتعلقین تیمارداروں کو جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں اور کلفت برداشت کرکے تفویض الی اللہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ بھی جھڑتے ہیں اور آخرت سنورتی ہے، بالکل یہی حال بالغین وغیر معصومین کے متعلقین اور تیمارداروں کا بھی ہوتا ہے کہ انکی تکالیف پر صبر کرنے اور ان کی صحت وبھلائی کی تدبیر میں مشغول رہنے والے کے لیے یہ تکالیف کفارہ ذنوب اور آخرت میں درجات کا ذریعہ بنتی ہیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ ابد الآباد تک راحت وچین ملتا ہے، اس لیے مذکورہ دونوں تدبیروں میں سے کسی

۱- 　سورۂ نازعات: ۱-۲

تدبیر کا حکم یا اجازت شریعتِ مقدسہ میں ہرگز نہ ہوگی، البتہ دونوں تدبیروں کے حکم میں فرق یہ ہوگا کہ ۱ میں غیر طبعی موت دوا وغیرہ سے طاری کرنے میں تو ایسا کرنے والے پر قتل کا گناہ اور وبال پڑے گا، بسا اوقات شرعاً دیت ضمان وغیرہ بھی لازم آجائے گا۔ اور ۲ میں یہ حکم (قتل کا گناہ وغیرہ) تو نہ ہوگا، لیکن ترک تدبیر اور صحت کے لیے ترکِ سعی فعلِ مذموم وقبیح اور منشأ شرع کے خلاف ضرور ہوگا اور سستی یا لاپرواہی سے ایسا کیا گیا تو اس پر مؤاخذہ بھی ضرور ہوگا، فقط والسلام

دوسرا مسئلہ! اعضاء کی پیوندکاری:

طبی سائنس نے جو بہت سی ترقیات کی ہیں ان میں سے ایک اعضاء کا تبادلہ بھی ہے، اس میں کسی جانور یا کسی انسان کے جسم سے پورے اعضا یا اعضاء کے جزو یا ریشے نکال کر مریض کے جسم میں لگا دیے جاتے ہیں۔ بچھڑے یا خنزیر کے قلب کے VALVE یا خنزیر کا جگر یا اس کی کھال نکال لیے جاتے ہیں، جانوروں میں اور انسانوں میں زندہ انسانوں کے وہ اعضاء جن کے نکال لینے سے اس انسان پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً کھال ایک گردہ یا خون اور مردہ انسانوں کے اعضاء جیسے آنکھ کی پتلی، کھال، قلب، گردے، ہڈی اور قلب کے VALVE نکالے جاتے ہیں، اعضاء کا تبادلہ کسی کی جان بچانے، زندگی کی صلاحیتوں میں اضافہ کی غرض سے یا مریض کو دیکھنے کے قابل بنا سکے۔ یا ہڈیوں کے مشکل ضرب شدید کے پر ہونے یا گردہ کے تبادلہ سے مریض کو آسانی سے کھانے پینے کے لائق بنانے اور اس کو بہتر محسوس کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔

سوالات:

۱- کیا جانوروں کے اعضاء کے جزء انسان کی زندگی بچانے یا اس کی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ جانور خنزیر ہو (مثلاً خنزیر کی کھال، اس کا جگر یا اس کا قلب) VALVE تو کیا صورت ہوگی؟

۲- کیا ایک مسلمان جو زندہ ہو اپنے جسم کے اعضا نکال کر اپنے بچوں یا والدین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ان کے جسم میں لگانے کی اجازت دے سکتا ہے؟

۳- کیا ایک مسلمان اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے جسم کے اعضا نکال کر کسی دوسرے انسان خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم کو فائدہ پہونچانے کی غرض سے ان کے جسم میں لگا دیے جائیں۔

۴- کسی انسان کو مردہ کب قرار دیا جاتا ہے؟

طب میں یہ اس وجہ سے اہم ہے کہ کچھ اعضا مثلاً قلب یا گردے اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب کہ انکو نکالے جانے کے وقت ضروری مقدار میں خون دستیاب کیا جاتا رہا ہو۔ اسی وجہ سے دماغی موت کے اصول کو اپنایا گیا ہے، اس میں

ڈاکٹر اس بات کو طے کرتا ہے کہ کسی مریض کے دماغ کے اعضاء رئیسہ ایسے شدید طور پر مجروح ہوئے ہوں کہ وہ مشین جو اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے، اگر بند کردی جائے تو مریض یقینی طور پر مرجائے گا۔ ایسے آدمی کے جسم سے اس کے اعضا اسی وقت نکالے جاتے ہیں جب تک وہ مشین کے ذریعہ زندہ رکھا جاتا ہو اور مشین اس کے بعد ہی بند کی جاتی ہو، ایسے اصول اور اس کے استعمال کے سلسلہ میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟

۵- کیا کوئی مسلمان اس بات کی وصیت کرسکتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے جسم کو چیر پھاڑ کر انسان کی اندرونی ساخت کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکیں جس سے انسانیت کو فائدہ پہونچ سکے۔

۶- کیا غیر مسلم کے بدن کے اعضا کسی مسلمان کے جسم میں پیوندکاری کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں؟ اسی طرح کیا غیر مسلم کے بدن کا خون کسی مسلمان کے جسم میں چڑھایا جاسکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس مسئلہ پر احقر کا سابق مضمون مدلل اور مفصل نظام الفتاوی جلد اول، ۴۳۲ تا ۴۴۱ پر طبع ہوکر شائع شدہ ہے اس میں ہر شق کا جواب آگیا ہے، اس لیے مزید لکھنے کی ضرورت نہ سمجھ کر وہی جواب نقل کرا کے کاغذات میں بھیج رہا ہوں وہی مطالعہ فرمالیا جاوے۔

تیسرا مسئلہ: دودھ کے بینک کا حکم:

طبی سائنس نے بالآخر یہ مان لیا ہے کہ بچوں کے لیے ماں کا دودھ ہی بہتر ہے، اس لیے ایسے بچوں کے لیے جو اپنی ماؤں سے دودھ نہیں حاصل کرسکتے، مصنوعی دودھ کا متبادل حاصل کرنے کے لیے مختلف ماؤں سے جن کا دودھ فاضل ہو حاصل کرنا اور پھر اس دودھ کو بچوں کو پلانا ایک فیشن بن گیا ہے، ایسا دودھ علیحدہ بھی رکھا جاسکتا ہے اور ملاکر اکٹھا بھی کیا جاسکتا ہے؟

سوالات:

۱- اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی خود ایک دودھ پلانے والی دائی کے دودھ سے پرورش کی گئی تھی، ایسے بچوں کے واسطے جو کسی وجہ سے اپنی ماؤں کا دودھ نہیں حاصل کرپاتے، دوسری ماؤں کے دودھ کے استعمال کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟

۲-کیا ماؤں کے دودھ کے بینک کی یعنی منظم طریقہ سے ماؤں کے دودھ حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی اجازت ہے؟

۳-کیا ایسے بچوں کو جو اپنی ماؤں کا دودھ نہ حاصل کرپاتے ہوں دوسری ماؤں کا دودھ دیا جاسکتا ہے؟

۴-کیا ماؤں کے دودھ کو براہ راست پستان سے دینے یا اس کو بوتل کے ذریعہ دینے میں کوئی فرق ہے؟ یعنی اصلی دودھ کی اہمیت ہے یا اس کے استعمال کے طریقے کی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ڈھائی سال سے کم عمر بچہ کو کسی عورت کا بھی دودھ ہو پلانا جائز ہے اور یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ودین دار عورت کا دودھ پلانا بہتر ہے، باقی جواز میں کوئی کلام نہیں، اس لیے بغیر ضرورت اور بقدر ضرورت اس کا مہیار کھنے کی گنجائش ہے۔

چوتھا مسئلہ:

مصنوعی جوڑے کے بارے میں پیشن گوئی:

ڈاکٹر کسی مصنوعی جوڑے کے بارے میں پیشین گوئی کرسکتے ہیں کہ ان دونوں کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کے بارے میں ظن غالب ہے کہ وہ شدید دماغی امراض یا کسی نقص جسمانی کا شکار تو نہیں ہوگی اگر ایسی حالت میں کسی مسلمان ڈاکٹر سے مشورہ لیا جائے تو کیا وہ اس جوڑے کو مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے؟

۱-شادی ہی نہ کرے۔

۲-ایسی تدبیریں کریں کہ علوق ہی نہ ہو اور اولاد کی آرزو کسی تدبیر کے ذریعہ پورا کریں۔

۳-اگر حمل ۱۶؍ہفتہ کے اندر کا ہو تو اس کے اسقاط کی اجازت دی جائے؟

۴-ابتدائی ایام حمل میں ڈاکٹر خصوصی جانچ کے ذریعہ معلوم کریں کہ کیا بچہ ان مخصوص امراض یا جسمانی نقص میں مبتلا ہے، اگر ایسا ہو تو عورت کو اسقاط حمل کی اجازت دیں، لیکن یہ خیال رہے کہ اس طرح کی جانچ بعض حالات میں خود حاملہ کے لیے خطرناک ہوسکتی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

پیشین گوئی طبی اصول کے ماتحت ایک احتمال کا بیان یا ایک خطرہ کا اظہار ہے، اس لیے نفس اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اس پر جو ۴ر سوال مرتب کیے گیے ہیں ان کے جواب شرعی یہ ہیں:

۱-اس کا حکم علی الاطلاق صحیح نہیں۔

۲-اس کی بھی علی الاطلاق اجازت نہیں۔نیز یہ چیز منشأ شرع وشارع کے خلاف ہے اور مسئلہ تدبیر کا عدم جواز تو منصوص ہے۔

۳-جب تک حمل میں جان پڑنے کا زمانہ نہ آئے ،یعنی حمل پر ۱۲۰ر دن نہ گذرے ہوں تو بضرورت شرعی اسقاط کی اجازت ہوگی اور بغیر ضرورت شرعی ممنوع وقبیح فعل کا ارتکاب ہوگا اور ضرورتِ شرعی یہ ہے کہ مثلاً عورت یا رضیع کو جان یا خرابی صحت کا خطرہ ہو جائے۔

۴-ان مذکورہ حالات میں قطعاً اجازت اس لیے نہیں ہے کہ دفع مضرت جلبِ منفعت پر مقدم ہوتی ہے۔

پانچواں مسئلہ: الکحل:

۱-کیا الکحل پر مشتمل کوئی دوا چمڑے کے اندر داخل کی جاسکتی ہے؟ آپریشن سے پہلے چمڑے کو صاف کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔

۲-دواؤں میں الکحل کا استعمال بغرض حفاظت کیا جاتا ہے، آسانی سے نہ تحلیل ہونے والی اشیاء کو گھلانے اور تحلیل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے،تو کیا ایسی دواؤں (مکسچر ٹانک بچوں کے غیر پیچر اینڈ پین لکیچر) کا استعمال جائز ہے؟

۳-بہت سی مائع دوائیں کمزور مریضوں کو بذریعہ انٹراوینس انجکشن بطور غذا دی جاتی ہیں جن کا الکحل ہوتا ہے، کیا ایسی دواؤں کا اس طرح استعمال درست ہوگا؟

۴-اگر کسی ڈاکٹر نے کسی مریض کی جلد انجکشن سے الکحل کے ذریعہ صاف کی،تو کیا اس مریض کے لیے اس مقام کو دھوئے بغیر نماز ادا کرنا صحیح ہوگا؟

۵-افیون، ہیروئن، ڈگہ، نیز ان سفنگ، آئی ایس ڈی وغیرہ نشہ آور دواؤں کا استعمال بھی کیا الکحل خمر کی طرح ممنوع ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ابتدائی دور میں الکحل جوہر شراب یا روح شراب (شراب کی تلچھٹ) ہوتا تھا، اس لیے فقہاء نے اس کو شراب کا حکم دیا تھا اور اس کو ناپاک وحرام قرار دیا تھا اور اس کا استعمال اور دوا میں استعمال بھی ناجائز قرار دیا تھا، مگر اب الکحل سائنٹیفک طریقے سے بننے لگی ہے کہ وہ شراب نہیں رہتی، بلکہ سرکہ (خل) کے حکم میں ہوجاتی ہے، اس لیے جب تک دلائل شرعیہ سے یہ یقین نہ ہوجائے کہ الکحل وہی شراب کا جوہر یا تلچھٹ ہے، اس وقت تک اس کے ناپاک وحرام ہونے کا اور اس کے دوا وغیرہ میں استعمال کی ممانعت یا عدم جواز کا حکم نہیں دے سکتے۔ اور نہ استعمال کے بعد یا جسم پر لگنے کے بعد تطہیر کا حکم دینا ضروری کہہ سکتے، البتہ تقویٰ الگ بات ہوگی اور تقاضائے احتیاط کہا جائے گا نہ کہ فتویٰ۔

افیون کا منشیات میں شمار نہیں، بلکہ مخدرات میں شمار ہے اور جو چیز بھی منشی نہ ہو، بلکہ مخدر ہو اس کو دوا میں استعمال کرنے کی شرعاً ممانعت نہیں ہوتی، البتہ اس سے بچنا اور بچانا محمود ومستحسن ہوتا ہے۔ پس اگر یہ مذکورہ چیزیں منشی نہیں ہوتیں بلکہ مثل افیون کے محض مخدر ہوتی ہیں تو ان کا حکم یہی ہوگا اور جو چیزیں ان میں منشی ہوں گی ان کے استعمال کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔ **لان کل مسکر حرام۔**

چھٹا مسئلہ: جانوروں کے اجزاء سے حاصل شدہ دوا کا حکم:

بہت سی دوائیں جانوروں کے اجزاء سے حاصل کی جاتی ہیں، جیسے: HEPRIN, INSULIN FNZYMES, HORMONES, GFLATINE

۱- اگر یہ دوائیں بکری، بلی وغیرہ حلال جانوروں سے حاصل کی گئی ہوں (اگر وہ جانور بطریق شرع ذبح نہ کیے ہوں) تو کیا ان دواؤں کا استعمال جائز ہوگا؟

۲- اور اگر خنزیر کے اجزاء سے یہ دوائیں حاصل کی گئی ہوں تو کیا ان کا استعمال جائز ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- وہ جانور جس کے اعضاء یا اجزاء کا استعمال مقصود ہو اگر وہ ماکول اللحم ہو اور شرعی قاعدہ سے ذبح کیا ہوا ہو تو اس کے سات عضو کے علاوہ جن کا کھانا درست نہیں، تمام اعضاء اجزاء سے حاصل شدہ دواؤں کا استعمال خارجی وداخلی، یعنی کھانا

یا جسم پر لگانا ہر طرح جائز ہے۔

۲-جانور غیر ماکول اللحم ہو، مگر نجس العین نہ ہو، جیسے خنزیر تو اگر اس کو شرعی قاعدہ سے ذبح کرلیا جائے تو اس کے اعضاء واجزاء کا کھانا اور داخلی استعمال کرنا اگرچہ جائز نہ رہے گا، مگر خارجی استعمال، یعنی لگانا اور ملنا وغیرہ سب جائز رہے گا۔

۳-اور اگر وہ جانور شرعی قاعدہ سے ذبح کیا ہوا نہ ہو تو چاہے ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم، کسی صورت میں کسی عضو یا کسی جزء کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا شرعاً ممنوع ہوگا۔ اگر استعمال کرلیا جائے تو خواہ خارجی استعمال ہو تو بعد استعمال اس کو دھوکر اس کے اثر کا ازالہ کرنا ضروری رہے گا، بغیر ازالہ کیے ہوئے تطہیر جسم وکپڑا جس میں یہ لگ جائے نماز پڑھنا درست نہ رہے گا۔

۴-وہ جانور اگر نجس العین ہو، جیسے خنزیر تو اس کا استعمال خارجی وداخلی کسی صورت میں درست نہ ہوگا، سوائے اس صورت کے جس میں بوجہ اضطرار خون یا شراب کا کھانا یا پینا درست ہوجائے۔

ساتواں مسئلہ: PROMESCUTTY (دماغی امراض میں مبتلا عورت کا مانع حمل آپریشن یا اسقاط حمل کرانا:

دماغی امراض کی وجہ سے بعض اوقات جنسی خواہشات بہت بڑھ جاتی ہیں، جس کی وجہ سے خاتون زنا کار اور نتیجتاً حاملہ ہوجاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے مرض کی وجہ سے بچوں کی پرورش کی اہل نہیں ہیں، اس لیے کیا ایسی عورتوں کا مانع حمل آپریشن کرنا درست ہوگا، یا حمل ہو چکا ہو تو اس کا اسقاط درست ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں حکم شرعی یہ ہے کہ ان حالات میں بھی کوئی ایسا عمل کرنا جس سے بچہ پیدا ہونے کی صلاحیت ختم ہوجائے درست نہیں، البتہ ایسی تدبیر کردینا جس سے بحالی صحت تک جماع کی خواہش ختم یا مضمحل ہوجائے گنجائش رہے گی، اسی طرح اگر حاملہ ہوجائے تو حمل میں جان پڑ جانے کے بعد اسقاط کرادینا درست نہ ہوگا۔ اور اس کا بھی بلا ضرورت شرعی اسقاط کرانا ممنوع ومکروہ ہوگا۔

آٹھواں مسئلہ: مختلف مقاصد کے لیے جانوروں کا استعمال:

مختلف مقاصد کے لیے جانوروں کا استعمال علم طب میں کیا جاتا ہے۔

ا-نئی دواؤں کے جسم پر پڑنے والے اثرات کا پتہ چلانے کے لیے ان دواؤں کا استعمال کسی جانور کے جسم پر، انسانی جسم پر استعمال سے پہلے کیا جاتا ہے۔جسم حیوانی پر ان نئی دواؤں کے تجربہ سے اس کے مفید و مضر اثرات کا پتہ چلایا جاتا ہے، مثلاً T.B کے جراثیم کسی جانور کے جسم میں داخل کرتے ہیں جب وہ جراثیم اندر جاکر T.B پیدا کر دیتے ہیں، تو پھر ایسی دوائیں دیجاتی ہیں جو T.B کو زائل کرنے والی ہوں اس کے بعد اس جانور کا CLINICALLY جائزہ لے کر پتہ چلایا جاتا ہے کہ دواؤں کا کیا اثر رہا، یہ بھی ممکن ہے کہ اس جانور کو مار دینا پڑے اور اس کے اعضاء کو مائکرواسکوپ سے جانچا جاسکے۔

۲-بعض چیزیں وائرس یا بیکٹریا یا بعض امراض کا سبب بنتے ہیں، مثلاً ایک کیمیائی عنصر CARCINOGEN جس سے کینسر پیدا ہوتا ہے، یا اس کے ہونے کا شبہ ہو تو کسی جانور کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

۳-ایسا بیکٹریا جس سے منجائٹس پیدا ہونے کا شبہ ہو جانور کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے، دونوں ہی صورتوں میں جانور کو مار کر اس کے ٹکڑے کیے جاتے ہیں تاکہ نتائج کا علم ہوسکے۔

۴-بعض اجزاء یا دواؤں کو جسم میں داخل کرنا تاکہ قلبی کیفیات پر پڑنے والے اثرات کا علم ہوسکے، ان اثرات کو جاننے کے لیے مشاہدہ یا مشینی تعاون سے کام لیا جاتا ہے۔

ب: جانوروں کو سخت سردی میں مبتلا کیا جاتا ہے اور پھر دواؤں کے اثر کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ان طریقوں کے استعمال سے ہم جان پاتے ہیں کہ ان دواؤں کا اثر انسان پر کیا پڑسکتا ہے اور اس طرح ہم جسم انسانی کے بارے میں واقفیت کے ساتھ بہتر اور ترقی یافتہ معالجہ مریض کے لیے فراہم کرسکتے ہیں۔

ا-تو کیا اس طرح کا تجربہ اسلام میں درست ہے؟

۲-اکثر و بیشتر تجربہ جسم خنزیر پر کیا جاتا ہے، کیا یہ از روئے شرع جائز ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس کے مرجانے کے بعد کیا جائے اور زندہ رہنے کی حالت میں اسی حد تک گنجائش جواز ہوگی جس حد تک اس جانور کو غیر معمولی تکلیف نہ پہنچے اور خنزیر چونکہ مثلِ پیشاب پیخانہ اور شراب کے نجس ہے، اس لیے مسلمان کو اس پرمشق سے اجتناب لازم ہے، اگر ضرورت یا مجبوری آزمانا پڑے تو جسم و کپڑے کو اس کے ذرات سے بچانا اور اگر کہیں لگ جائے تو بعد میں فوراً پاک کرلینا لازم ہوگا۔

نواں مسئلہ: جنات کا وجود:

۱-مسلمان جنات کے وجود پر یقین رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں شرعی حیثیت کیا ہے؟ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ جنات بیماریوں خصوصاً ذہنی بیماریوں کی وجہ ہوتے ہیں اور ان کا علاج صرف جنات کو اتارکر ہی ہوسکتا ہے۔

۲-پاک اور ناپاک جن سے ہماری کیا مراد ہے، وہ کس طرح کی بیماریوں کے سبب بنتے ہیں؟

۳-صرف اناث ہی جنوں کا عام طور پر نشانہ کیوں بنتی ہیں؟

۴-ہم کس طرح اس کا پتہ چلا سکتے ہیں کہ کوئی مریض جن کا شکار ہے؟

۵-کیا ہم جنات کو اتارنے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جنات کے وجود کا ذکر قرآنِ پاک میں بھی ہے، اس لیے اس کے وجود سے انکار کرنا درست نہیں اور جنات کے اثر انداز ہونے کا تیقن تمیم داری کی حدیث سے بھی ہوتا ہے، اس لیے اس کا قائل ہونا بھی صحیح ہے، البتہ قوی الایمان مؤمن پر اس کا اثر نہیں ہوتا ہے اور جو لوگ وہم کے شکار نہیں ہوتے ان پر جنات کا اثر نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ عورتیں مردوں کے اعتبار سے زیادہ وہم کی شکار رہتی ہیں، اس لیے عورتوں پر اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے، اس کے اثر کی مختلف وجوہ ہوتی ہیں، کبھی تو وہم کے شکار ہونے سے ابتدا ہی میں اس کا اثر نمایاں ہوجاتا ہے اور اس کے بعد مرض بھی لاحق ہوجاتا ہے، ایسی حالت میں اس کا اثر زائل کرنے کے لیے جس طرح دعا وغیرہ کی حاجت ہوتی ہے، اسی طرح ازالہ مرض کے لیے علاج کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان زیادہ دن جسمانی مرض میں مبتلا رہتا ہے اور علاج سے حسب خواہ فائدہ نہیں ہوتا تو

جناتی اثر کا شبہ ہونے لگتا ہے، پھر یہی شبہ جنات کے واقعی اثر ڈالنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور پاک وناپاک جن میں کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے بلکہ عوامی چیز ہے، مسلمان جنات کو لوگ پاک جن اور کافر جن کو ناپاک جن کہہ دیتے ہیں۔ جنات کا اثر زائل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ مشائخ محققین کی توجہ ہے، بعض عاملین اپنی قوتِ عمل سے بھی اتارتے ہیں، مگر یہ قوت محدود ہوتی ہے اور کبھی جن کی قوت اس عامل کی قوت سے زیادہ ہوتی ہے، اس لیے نہیں جاتا ہے اور مع اللہ نسبت رکھنے والوں کی توجہ سے باذن اللہ کیسا بھی جن ہو دور ہو جاتا ہے۔

دسواں مسئلہ: جادو، کالا جادو:

۱- کیا مسلمانوں کو جادو پر یقین رکھنا چاہئے اور ہاں تو پھر شرعی سند اس بارے میں کیا ہے؟
۲- اسلامی اعتبار سے جادو کا توڑ کس طرح ہوسکتا ہے؟
۳- ہم جادو کی تشخیص کس طرح کر سکتے ہیں؟
۴- ہم طلسماتی اثرات کو کس طرح زائل کر سکتے ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جادو کا وجود بھی صحیح ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کا شباب تھا، جیسا کہ نصوص قرآنیہ کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے اور اس کا بقیہ بقایا اب تک چلا آرہا ہے، اس کے توڑ کا بھی وہی طریقہ ہے جو جنات کے توڑ میں بیان ہو چکا ہے۔

جادو سحر کا ایک فن ہے، اس کے جاننے والے کرتے بھی ہیں اور اتارتے بھی ہیں اور یہ الگ بات ہے کہ ایسا کرنے والے عموماً سفلی عمل کرتے ہیں اور طلسماتی اثرات کو تو اپنی قوتِ خیالی سے بھی زائل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ایسے شخص میں نسبت مع اللہ قوی طور پر حاصل ہو۔

گیارہواں مسئلہ: تعویذ:

۱- اس لفظ تعویذ کے معنی کیا ہیں؟

۲-تعویذ کے استعمال کے معروف طریقے کون سے ہیں؟

۳-کس طرح کے تعویذ موجود ہیں؟

۴-شرعی حیثیت اس کی کیا ہے؟تعویذ کا استعمال کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس کا بھی ثبوت بعض روایات سے ہوتا ہے اور جائز کام کے لیے جائز طریقے سے ہوتو جائز بھی ہوگا ورنہ ممنوع ہوگا، اور تعویذ کو مؤثر بالذات جاننا جیسا کہ اکثر عوام سمجھتے ہیں نا جائز اور شرک ہے، صرف برکت تک کوئی مضائقہ نہیں تعویذ جائز و نا جائز دونوں طرح کے موجود ہیں، اصولِ شرع کے خلاف جو تعویذ ہوگا وہ نا جائز ہوگا۔

بارہواں مسئلہ: طلاق سے متعلق چند اہم سوالات:

۱-شوہر نے اپنی بیوی کو ساؤتھ افریقہ کے قانون کے مطابق طلاق کا نوٹس جاری کیا، بیوی نے اپنے وکیل کے مشورہ کے مطابق یہ جواب دیا کہ وہ طلاق دو شرطوں پر قبول کرنے کو تیار ہے:

الف: بچوں کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر قبول کرے۔

ب: شوہر تا حیات بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری قبول کرے۔

۲-خاوند نے بیوی کے خلاف ساؤتھ افریقن قانون کے مطابق سمن جاری کیا، بیوی نے اس کے جواب میں یہ کہا وہ طلاق کو اسی حال میں قبول کرنے کو تیار ہے جبکہ شوہر اسے اسلامی قانون کے مطابق طلاق دیدے، شوہر اسے اسلامی طلاق دینے کو تیار نہیں ہے، یہ کہتے ہوئے کہ وہ ساؤتھ افریقن قانون کا پابند ہے، اسلام کی رو سے اس دشواری کو دور کرنے کا کیا راستہ ہے؟

۳-خاوند نے طلاق کا فیصلہ حاصل کرنے کے لیے سمن کیا، درآنحالیکہ اس نے سمن جاری کرنے سے پہلے ازروئے اسلام اسے طلاق دی تھی، عورت نے اس دعوے کا یہ جواب دیا کہ ابھی مفاہمت کا امکان ہے، لہٰذا طلاق کا فیصلہ نہیں دیا جائے، خاوند اس قسم کے کسی امکان کا قائل نہیں ہے، ایسے مقدموں میں عورت کے وکیل کی شرعاً کیا ذمہ داری ہے؟

۴-ساؤتھ افریقن غیر مسلم عدالت (جہاں مسلم پرسنل لا نافذ نہیں ہے) سے شوہر نے طلاق حاصل کر لی، کیا یہ

فیصلہ اسلامی قانون طلاق پر کوئی اثر ڈالے گا اور عورت کو تفریق حاصل ہو جائے گی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس مسئلہ کا بھی مفصل ومدلل جواب آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سوال کے جواب میں لکھ چکا ہوں (۱)، اسی جواب میں ان تمام سوالات کا جواب آ گیا ہے اس لیے اسی کو یہاں دوسرے کاغذ پر نقل کر دیا گیا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

مصنوعی دانتوں کا استعمال اور سونے وچاندی کا تار باندھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۱-مصنوعی دانتوں کا استعمال کرنا کیسا ہے، اگر درست ہے تو ضرورت اور زینت دونوں کے لیے یا صرف ضرورت کے لیے؟

۲-نیز دانتوں میں سونے چاندی کا تار باندھنا کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-ضرورت کی خاطر مصنوعی دانتوں کا استعمال کرنا درست ہے۔

۲-حدیث وفقہ کی کتابوں میں شکستہ دانتوں کو سونے یا چاندی کے تاروں سے باندھنے کی اجازت منقول ہے (۲)،

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۶/۷/۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: کفیل الرحمن، محمد ظفیر الدین مفتاحی

۱- نفقہ مطلقہ سے متعلق سوال وجواب کتاب الطلاق میں دیکھیں۔

۲- ''ولا یشد سنہ المتحرک بذھب بل بفضۃ وجوزھما محمد'' (مرتب) الدر المختار مع الشامی، ۵/ ۲۳۰ کتاب الحظر والاباحۃ۔

الکحل اور افیون ملی ہوئی دواؤں کا استعمال:

اکثر انگریزی دوائیں جن کے اندر الکحل ملا ہوتا ہے اور یونانی ادویہ جن کے اندر افیون ودھتورہ وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے اگر چہ یہ آمیزش تبدیل ہیئت کے بعد ہو ایسی دواؤں کا استعمال شدید مجبوری کے بغیر محض طاقت اور تندرستی حاصل کرنے نیز نظام جسمانی کے متوازن رکھنے کی غرض سے کرنا شریعت کے اعتبار سے کیسا ہے؟ نیز اس طرح کے انجکشن وغیرہ لگوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر دیندار مسلمان ماہر طبیب یا ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ اس دوا سے بہتر اس مرض کے لئے کوئی دوسری دوا نہیں ہے تو اس کا استعمال جائز ہے(۱) اور یہ احتیاطی حکم ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۷/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

ظالم سے ظلم کا بدلہ لینا:

چند آدمیوں نے گروہ بناکر ایک شخص پر ظلم کیا مظلوم نے کمزوری جان کر صبر کیا پھر دوبارہ ظلم کیا مظلوم نے پھر صبر کیا، گروہ نے تیسری چوتھی بار پھر ظلم کیا مظلوم نے پھر صبر سے کام لیا اگر آئندہ اس گروہ سے پھر ظلم کی امید ہو تو اب مظلوم کیا کرے جبکہ صبر کی حد گذر چکی ہو اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو بدلہ لینا کہاں تک درست ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

تحریر سوال سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس گروہ نے کیا ظلم کیا اور آپ نے کیا صبر کیا اور درحقیقت وہ عنداللہ ظالم بھی

۱- "(وفي الهندية وقالا: لا بأس بأبوال الإبل ولحم الفرس للتداوي كذا في الجامع الصغير قلت وفي الخانية ادخل مرارة في أصبعه للتداوي روي عن أبي حنيفة كراهته وعن ابي يوسف عدمها وهو على الاختلاف في شرب بول مايؤكل لحمه وبقول أبي يوسف أخذ أبو الليث "(رد المحتار على الدر ۹/۴۹۱، مکتبہ زکریا دیوبند) ایضاً "مطلب في التداوي بلبن البنت للرمد قولان"(الرد المحتار على الدر ۷/ ۲۶۴، مکتبہ زکریا)۔

ہیں یا نہیں، لیکن بہر حال قاعدہ شرعیہ ہے کہ مظلوم ظالم سے بقدر اس کے ظلم کے طاقت رکھتے ہوئے بدلہ لے سکتا ہے لیکن زیادتی سرمو جائز نہیں، ”فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم “(۱)، لہٰذا اگر وہ واقعی عند اللہ ظالم اور آپ مظلوم ہیں اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہیں اس طرح پر کہ کوئی شر وفساد بپا نہ ہو تو قانون کے اندر رہتے ہوئے آپ بدلہ لے سکتے ہیں مگر وہیں تک جہاں تک ان کا ظلم ہو ذرا بھی زیادتی وتجاوز جائز نہ ہوگا ورنہ پھر آپ ہی عند اللہ ظالم قرار دیئے جائیں گے اور بحالت مظلومیت وصبر جو فضیلتیں اور آخرت کا ثواب اور نصرتیں منجانب خدا آپ کو ملتی ہوں گی یا موعود ہیں سب سے آپ محروم ہو جائیں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید محمود عفی عنہ

عورتوں کا بے پردہ نکلنا:

وہ علاقہ جس میں پردہ کا رواج نہیں ہے، عورتیں اپنے محرم اور غیر محرم کے ساتھ اور تنہا بھی جنگل میں کاروبار کے لئے نکلتی ہیں اور یہ طریقہ اس علاقہ کی قوم کے آباء واجداد کے قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، شریعت میں اس کی کہاں تک گنجائش ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

پردہ کی دو قسمیں ہیں ایک حجاب اور دوسرا ستر، حجاب یہ ہے کہ عورت اپنے تشخص اور سراپے کو مردوں کے سامنے نہ آنے دے (۲)، اس طرح غیر محرم کے ساتھ تخلیہ میں رہنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے لیکن حوائج اور ضروریات کے پیش نظر باہر میلے کچیلے کپڑوں میں نکلنے کی اجازت ہے مگر ستر اور پردہ کی پوری رعایت رکھنا ضروری ہے یعنی باہر نکلتے وقت منھ اور سینہ کو دوپٹے سے اچھی طرح چھپا لے جس کا حکم قرآن سے ثابت ہے:

۱- سورۂ بقرہ: ۱۹۴۔

۲- ”وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی“، اور ستر یہ ہے کہ جتنا بدن چھپانا فرض ہے اتنا چھپائے چنانچہ اجنبی مرد سے سوائے منھ (چہرہ) اور ہاتھوں کے چھپانا بھی ضروری ہے ”ولا یبدین زینتهن الا ماظهر منها“ (سورۂ نور: ۳۱)۔

"یا أیها النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المومنین یدنین علیهن من جلابیبهن" الایة ، "وایضاً قال فی الهدایة: لا یجوز أن ینظر الرجل إلی الأجنبیة إلا إلیٰ وجهها وکفیها لقوله تعالیٰ: ولا یبدین زینتهن إلا ما ظهر منها، قال ابن عباس رضی الله عنه ما ظهر منها الکحل والخاتم والمراد موضعهما وهو الوجه والکف کما أن المراد من الزینة المذکورة لمواضعها ولأن فی ابداء الوجه والکف ضرورة لحاجتها إلی المعاملةمع الرجال أخذاً وإعطاءً وغیر ذلک وهذا تنصیص علی أنه لا یباح النظر الی قدمها قال: فإن کان لا یأمن الشهوة لا ینظر إلی وجهها إلا لحاجة لقوله علیه الصلوٰة والسلام: من نظر الی محاسن إمرأة أجنبیة من شهوة صبّ فی عینه الأنک یوم القیمة، هدایه اخیرین ۴۴۲ وفی الخلاصة لاتسافر العجوز بغیر محرم ولا تخلو برجل شاب أو شیخ" (۱)،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

تصویر سازی اور اس کا حکم:

لکڑی کے ڈبوں پر پینٹل وغیرہ کی تصویر بنائی جاتی ہیں آیا ان کا بنانا اور بنانے والے پر اجرت لینا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وبالله التوفیق:

جو مٹھائیاں جاندار کے جسم کی طرح بنی ہوئی ہوں انکا خریدنا بیچنا جائز نہیں ہے(۲)، البتہ اگر بغیر خریدے ہوئے بطور ہبۃ وغیرہ کے مل جائیں تو انکو توڑ پھوڑ کر کھانا جائز ہے (۳)،لکڑی کے ڈبوں پر جو کسی جانور کی پوری تصویر خواہ پینٹل سے

۱- خلاصة الفتاوی/ص ۳۱۴۔

۲- "اشتری ثوراً او فرساً من خزف لأجل إستئناس الصبی لایصح ولاقیمة له فلایضمن متلفه، قال فی الشامیه کأنه لأنه آلة لهو" (ردالمحتار ۷/ ۴۷۸، کتاب البیوع، باب المتفرقات، مکتبہ زکریا)۔

۳- (لما فی صحیح ابن حبان إستاذن جبریل علیه السلام علی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: أدخل فقال: کیف أدخل وفی بیتک ستر فیه تصاویر فإن کنت لابد فاعلاً فاقطع رؤسها أو اقطعها وسائد أو اجعلها بسطاً وفی البخاری فی کتاب المظالم عن عائشةؓ أنها إتخذت علی سهوة لها ستراً فیه تماثیل فهتکه النبی صلی الله علیه وسلم۔ قالت فاتخذت منه نمرقتین فکانا فی البیت نجلس علیهما زاد احمدؒ فی مسنده: ولقد رأیته متکئاً علی أحدهما وفیه صورة" (البحر الرائق کتاب الصلاۃ باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا ۲/ ۴۹، مکتبہ زکریا)۔

یا لکڑی وغیرہ سے اس طرح بنی ہوئی ہو جو اتنی بڑی ہو کہ اگر اس کو زمین پر رکھ کر خود کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو نمایاں طور پر ظاہر ونمایاں ہوں تو ان کا بنانا اور اس پر اجرت لینا کچھ جائز نہیں ہوگا، اور اگر چھوٹی ہوں کہ کھڑے ہو کر دیکھنے میں نمایاں نہ ہوں یا اس طرح پر ہوں کہ ان کا سر نہ ہو تو اس کا بنانا اور اسکی اجرت سب جائز رہے گا۔ اس طرح اگر غیر جاندار کی تصویریں ہوں تو اسکو بھی بنانا اور اس پر اجرت لینا سب جائز رہے گا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

مالدار وفقیروں کو صدقہ دینا:

۱- سال میں دوبار فصل کے موقع پر فقیروں کو گاؤں والے کھانا کھلاتے ہیں اور انکو ایک خوراک کھانا (چھانا) اور چراغی ایک آنہ فی فقیر کے حساب سے دیتے ہیں اور سب کام ختم ہونے کے بعد وہ لوگ یہ الفاظ زور سے کہتے ہیں اور اس کو (حق مارنا) کہتے ہیں، لطف انبیاء کرام، اولیاء یا فضل پنجتن یا علی الا اللہ اور چلے جاتے ہیں اور گاؤں والے یہ سمجھتے ہیں کہ انکو کھانے سے بلا ومصیبت دور ہو جاتی ہے۔

اب کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ یہ لوگ ذات کے فقیر ہیں کچھ ان میں مالدار بھی ہیں انکو دعوت دیکر بلانا اور کھانا کھلانا اور خیرات سمجھ کر دینا درست نہیں ہے۔

۲- اور پھر ایک خوراک بطور چھانا الگ باندھ کر دینا بھی مناسب نہیں ہے۔ چراغی کے طور پر فی فقیر ایک آنہ دینا بھی پرانا رسم الفاتحہ مروجہ ہی کا ہے۔ پھر ایسا کلمہ کہنا جو کفر یا مشابہ کفر ہے اور خود بلوا کر کھلانا گویا اس میں شریک ہونا ہے اور گاؤں میں کچھ ایسے محتاج ہیں جو فاقہ کشی کرتے ہیں اگر یہی غلہ وصول کر کے انکو دے دیا جاوے تو ثواب بھی ہو اور صلہ رحمی بھی ہو اور مذکورہ بالا گناہوں سے بھی بچ جاویں۔ دریافت ہے کہ یہ لوگ صحیح کہتے ہیں یا اسی پرانے طریقہ پر رسم بجالانے والے ہی حق پر ہیں۔

۱- ”وأما صورۃ غیر ذی الروح فلا خلاف فی عدم کراہۃ الصلاۃ علیہا أو إلیہا ولا کراہیۃ فی عملہا أیضاً لما روی عن ابن عباسؓ أنہ قال للمصور حین نہاہ عن التصویر وذکر لہ الوعید وقال: إن کنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا نفس لہ. حلبی کبیری مع زیادۃ یسیرۃ باب کراہیۃ الصلاۃ ۳۵۹ سہیل اکیڈمی لاہور“ وقال فی الدر (أو کانت (صغیرۃ) لا تتبین تفاصیل أعضاءہا للناظر قائماً وہی علی الأرض، او مقطوعۃ الرأس او الوجہ او ممحوۃ الوجہ لاتعیش بدونہ (او غیر ذی روح لا) یکرہ لأنہا لاتعبد، وخبر: جبریلُ مخصوص بغیر المہانۃ، وقال فی الشامیہ وقد صرح فی الفتح وغیرہ بأن الصورۃ الصغیرۃ لاتکرہ فی البیت قال: ونقل أنہ کان علی خاتم أبی ہریرۃؓ ذبابان“ (رد المحتار علی الدر المختار کتاب الصلاۃ ۲/۴۱۹-۴۲۰)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اعتراض کرنے والوں کی بات صحیح ہے، صدقہ غریب مسکین محتاج کو دینا چاہئے، اگر اپنے گاؤں میں کوئی ایسا ہو اس کو زیادہ ترجیح ہوگی، ایسے فقیروں کو جو مالدار ہوں نہ دینا چاہئے صدقات واجبہ (زکوۃ فطرہ وغیرہ) تو مالدار فقیروں کو دینے سے ادا بھی نہ ہوں گے صدقات وخیرات بلاشبہ مصیبت وبلاؤں کو دفع کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے صحیح محل اور مصرف میں ہوں اور حکم شرعی کے مطابق ہوں یہ فقیر جو کلمات بعد طعام کہتے ہیں ان میں بعض تو بالکل ناجائز اور عقیدہ روافض کو مشتمل ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ انکو اگر کھینچ تان کر بنانے کی کوشش بھی کی جائے تو اسکا استعمال بے محل ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہیں، لہذا ایسے کلمات کہنے یا کھلانے کو قطعاً بند کردینا چاہئے یہ سب جاہلانہ باتیں اور رسمیں ہیں انکی اصلاح کی ضرورت ہے، صحیح حقی تو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ہوتی ہے جو اپنے موقع پر اہل اللہ وذاکرین شاغلین کرتے ہیں نہ کہ یہ، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

غیر شرعی عدالتوں میں مقدمہ لے جانا کیسا ہے:

جن عدالتوں میں جھوٹے کاروبار چلتے ہوں وہاں پر مقدمہ داخل کرے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ قسم کی غیر شرعی عدالتوں میں ابتداءً اور بلا مجبوری مقدمہ نہیں لیجانا چاہئے جب مجبوری ہو، مثلاً اپنا حق سوخت ہو رہا ہے یا اپنے اوپر ظلم ہو رہا ہے اور بغیر اس عدالت میں گئے ہوئے چارہ نہ ہو تو گنجائش ہے، اب حالات کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہوگا، البتہ یہ بات ہر حال میں قابل ترجیح اور واجب الملحاظ ہے کہ مسلمان کو حتی الوسع اپنے تمام معاملات جو مسلمانوں سے ہوں شرعی پنچایتوں کے ذریعہ طے کرا لینے چاہئیں جب بالکل مجبوری ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوئی جب عدالت غیر شرعی میں لیجائیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

عمارت وغیرہ پر نام کا کتبہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

زید اور عمر کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اس نے تقریباً صد ہزار روپیہ خرچ کر کے مسجد از سر نو بنوادیا ہے، مسجد تعمیر کرنے والے کی نیت محض ثواب اور اخلاص کی ہے، لیکن چند دوسرے معزز بزرگ کا یہ خیال ہے کہ دونوں اشخاص کے نام کا کتبہ لگا دیا جائے تا کہ جن حضرات کی نظر کتبہ پر پڑے دعاء خیر میں یاد کریں اور دوسرے لوگوں کو شوق ہو اور حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ نام کا کتبہ اس لئے لگا دیا جائے کہ جب تک نام کا کتبہ لگا ہوا ہوگا مسجد کے نگراں اس نام سے ایصال ثواب کرتے رہیں گے اور دعا کرتے رہیں گے۔

لیکن زید اور عمر کا خرچ کرنا فی سبیل اللہ ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جب ریاء ونمود کے لئے نہیں لگوایا جا رہا ہے تو بلا تکلف کتبہ لگانا جائز ہے سلف میں اس کی بیشمار نظیریں ہیں، محتاج دلیل نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۵/ ۸/ ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح سید احمد علی نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حضور ﷺ کی ولادت سے قبل مکہ اور مدینہ میں کس کی حکومت تھی:

پیدائش رسول اللہ ﷺ سے پہلے مکہ اور مدینہ میں کس بادشاہ کی حکومت تھی اور کس بادشاہ کے وقت میں آپ ﷺ پیدا ہوئے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور ﷺ کی پیدائش کسریٰ بادشاہ کے وقت یا زمانہ میں ہوئی ہے کسریٰ فارس کا بادشاہ تھا۔ عرب کے بعض حصہ پر بھی اس کی حکومت تھی مگر مکہ پر نہیں تھی مکہ میں خود قریش حکمران تھے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح محمود غفی عنہ

دعا کے بعد مرحوم وپیغمبر کے نام کا فاتحہ دینا:

پانچوں نماز کے بعد دعاء کیا جاتا ہے اور دعاء کے بعد کسی مرحوم یا پیغمبر علیہ السلام کے نام فاتحہ دیا جاتا ہے ایسا کرنا درست ہے یا کہ نہیں چندلوگ اس کو منع کرتے ہیں اور چندلوگ بتلاتے ہیں، شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی آیت قرآن کو پڑھ کر اور کسی مرجانے والے کو ایصال ثواب کردیں یہ درست ہے، لیکن اگر فاتحہ کو آجکل کے طریقہ سے پڑھا جاوے جیسے عام طور پر جاہل شوافع کے یہاں ہوتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

نماز میں بیوی کا خیال آنا اور قرض کی ادائیگی میں مسجد کا سامان دینا:

ا۔ کسی نمازی کا حالت نماز میں اپنی بیوی کی طرف ذرا سا خیال ہو جانا اس نمازی اور اللہ عز وجل کے درمیان حجاب ہے یا کہ نہیں؟

۲۔ زید ایک مسجد کی نظامت کرتا ہے چونکہ زید نے اپنی ماں سے مسجد کے پردہ بنانے کے واسطے چودہ ۱۴ روپیہ قرضہ مسجد کے نام سے لئے نمازیوں نے چندہ کر کے صرف زید کو سات روپیہ دیئے زید کی ماں نے روپیوں کا تقاضہ کیا تو زید روپیوں کے عوض ایک ڈبہ مسجد کا اپنی ماں کو دے دیا، دریافت ہے کہ زید نے اپنی ماں کو ڈبہ مسجد کا دیا کیا اس نے خیانت کی یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

خیال کا خود ہو جانا اور خیال کو بالقصد اور خود لے آنا اور سوچنا دونوں چیزیں الگ الگ ہیں خیال لے آنا اور بالقصد سوچنا یہ تو برا ہے اور حجاب ہے باقی خود بخود خیال کا دل میں اپنے سے آجانا انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اس لئے یہ از خود آجانا تو حجاب نہیں اور نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے، البتہ از خود خیال آجانے کے بعد ادھر متوجہ ہونا یہ برا اور حجاب ہے۔

۲۔ خیانت ہے، درست نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح سید احمد علی سعید

ایسے مذہبی جلسوں میں شرکت جہاں میلہ جیسا ماحول ہو:

ایسے مذہبی اور دینی جلسوں میں شرکت کرنا جہاں پہ وعظ وتقریر بھی ہوتی ہو اور رنگ برنگ طرح طرح کے فیشن کی دوکان بھی لگتی ہو اور اس مذہبی کام کے لئے عورتیں بھی شرکت کرتی ہوں، انکے اٹھنے بیٹھنے کا انتظام الگ ہو اور ان دوکانوں سے عورتیں بھی خرید فروخت کرتی ہوں غرض میلا لگا رہتا ہے ایسے جلسوں میں جانا جائز ہوگا یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ایسے جلسے جن کی کیفیت وہ ہو جو آپ نے لکھی ہے مذہبی نہیں ہوسکتے ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہئے اور عورتوں کو قطعاً ایسے جلسوں میں جانے سے روکنا چاہئے قطعاً جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۳/۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

۱-دوسرے کے شعر کو اپنی طرف منسوب کرنا:

کسی شاعر کے پاس فرمائش بھیج کر شعر بنوانا اور اس میں اپنا تخلص ڈلوا کر کے اپنی طرف سے منسوب کرنا یا کسی شاعر کے شعر میں اپنا نام ڈال کر کے پڑھوانا کیسا ہے؟

۲-اپنے نسب کو بدلنا کیسا ہے؟

اپنی عزت افزائی کے لئے اپنے نسب کو بدلنا کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-یہ فریب اور جھوٹ ہے جائز نہیں ہے۔

۲-خاندان بدلنا اور اپنے نسب کو اپنے خاندان کے سوا دوسری طرف منسوب کرنا سخت گناہ ہے، حدیث میں اس کی بڑی مذمت وارد ہے، "من ادعى إلى غير أبيه أو انتمى إلى غير مواليه فعليه لعنة الله التابعة إلى يوم

القيامة"(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۱-مقروض کے صدقہ کا حکم:

گذارش ہے کہ ایک شخص کے پاس پانچ سو روپیہ قرض کا ہے اور وہ تجارت اور کل اخراجات بھی کرتا ہے اور اس کے دل میں بھی ہے کہ میں قرضہ ادا کرتا رہوں گا تو اس کے دل میں آتا ہے کہ میں دو چار روپیہ مدرسہ یا مسجد کو دوں زید کہتا ہے کہ اس روپیہ دینے کا ثواب نہیں ملے گا۔

کیونکہ قرض دینا واجب ہے اور اگر وہ روپیہ مسجد یا مدرسہ کو ملیگا تو قرض بڑھے گا، لہذا اس شخص کو اللہ تعالی کے واسطے روپیہ دینے کا ثواب ملے گا یا کہ نہیں؟

۲-منی آرڈر کا حکم:

منی آرڈر کرنا کیسا ہے اور اسکے بارے میں دیوبند کی کیا رائے ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱۔وہ مسجد یا مدرسہ کو دے سکتا ہے اگرچہ بہتر نہیں ہے کہ پہلے قرض ادا کرے بعد میں خیرات بہر حال ثواب اس کو بھی ملے گا۔

۲۔منی آرڈر کرنا درست ہے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/ ۱۰/ ۱۳۸۵ھ

محمد جمیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۱- سنن ترمذی ۲/ ۳۳ باب ماجاء لاوصیۃ لوارث۔

جانور کا پیشاب دوائے پینا:

زید بیمار ہے اور اس کو ڈاکٹر نے کہا ہے کہ فلاں جانور کا پیشاب پینے سے یہ بیماری زائل ہوجاوے گی تو کیا اس صورت میں پیشاب کو پینا جائز ہے۔

الجواب وبالله التوفيق:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو حرام شئ میں شفاء ہے ہی نہیں، البتہ صاحبین کے نزدیک کچھ گنجائش ہے، اس لئے صورت مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ اگر دیندار حاذق طبیب یہ فیصلہ و تشخیص قطعی کردے کہ اس مرض کی صرف یہی دوا ہے اس کے سوا اور کوئی دوا نہیں تو گنجائش بقدر ضرورت دیجائے گی ورنہ نہیں (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

بذریعہ انجکشن اولاد اور اس کے نسب و میراث کے احکام:

آجکل انجکشن کے ذریعہ سے انسان اور جانداروں کے حمل قائم کئے جاتے ہیں اور بعض جگہ اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں، اس میں دو باتیں مطلوب ہیں یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، دوسرے یہ اولاد مستحق میراث ہوگی یا کہ نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

اس طریق کا خلاف فطرت ہونا تو ظاہر ہے جن روایات اور مجبوریوں میں دیگر خلاف فطرت اور مثلاً معالجات کو برداشت کیا جاتا ہے، اس طرح مجبوری کی حالت میں اس کو بھی برداشت کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ مجبوری شرعاً بھی قابل لحاظ ہو، جب شوہر کی منی بیوی میں بذریعہ انجکشن کے داخل کی جائے اور حمل قائم ہوجائے گا تو بچہ ثابت النسب اور مستحق میراث ہوگا۔

"يفهم ما في رد المحتار: إذا عالج الرجل جاريته فيما دون الفرج فأنزل فأخذت الجارية ماء ه

۱- "ويكره أبوال الإبل لحم الفرس وقالا لا بأس بأبوال الإبل ولحم الفرس للتداوي" (ہندیہ ۵/ ۳۵۵ دارالکتاب دیوبند)۔

فی شی فاستدخلته فرجها فی حدثان ذلک فعلقت الجاریة وولدت فالولد ولده والجاریة أم ولده " اھ (۱)۔

لیکن کسی غیر کی منی داخل کرنا جائز نہیں ہے، آجکل ڈاکٹروں نے جوطریقہ جاری کیا ہے کہ مادہ منویہ جمع کرتے ہیں اور پھر داخل کرتے ہیں اس میں منی کی بیع ہے، غیر کی منی کا استعمال وادخال ہے، خلط نسب ہے، بغیر عقد نکاح کے سلسلہ ولادت کا فتح باب ہے وغیرہ وغیرہ، یہ جملہ مفاسد بہت سے احکام شرعیہ کو منہدم کرنے والے ہیں، اس لئے اس کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔

جانوروں کے معاملہ میں تنگی نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۱۱/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

حدیث لطیف کا مطلب-حدیث کی سندو اجازت:

دیوبند کی بہت کتابوں میں لکھا ہوا پایا جاتا ہے کہ حدیث کا یہ حصہ لطیف ہے، اس کے کیا معنی ہیں اور آج جو رواج ہوا ہے کہ حدیث کی اجازت اور فقہ کی اجازت اور فلاں کتاب کی اجازت ہم نے فلاں سے حاصل کی ہے اور اس نے فلاں سے اور اس نے فلاں سے اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے جبکہ بیشمار حدیث کی کتابیں موجود ہیں اور اس میں روایات موجود ہیں نیز اس اجازت کا ثبوت کہاں سے ہے اور کس طرح چلا ہے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ ہم بعض حدیثوں کی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ حدثنا یا اخبرنا سے شروع کر کے عن پر ختم کرتے ہیں۔

حدثنا فلان اخبرنا فلان بظاہر یہ درست نہیں کیونکہ حدثنا اتصال واقع پر اور صحت پر دال ہے اور عن تدلیس اور ارسال پر جو دونوں متعارض ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

حدیث لطیف کہنے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے معنی کی طرف ہر ایک کا ذہن نہیں جاتا بھی اس سے کوئی

۱- شامی ۸۴۶/۲۔

باریک مسئلہ یا نکتہ نکلتا ہے،جس کو ہر ایک نہیں سمجھ پاتا ہے،حدیث کے لئے سند پیش کرنا اور سند سے حدیث حاصل کرنا محدثین کا قدیم طرز ہے اور حدیث شریف میں ہے:"ان هذا العلم دين فانظر وا عمن تأخذون دينكم"(۱)۔

حدثنا اور اخبرنا کی انتہاء ہمیشہ عن پر نہیں ہوتی،محدثین نے چھان بین کر کے مدلسین کی فہرست مرتب کردی ہے، مدلس کے عنعنہ میں کلام کرتے ہیں غیر مدلس کے عنعنہ میں کلام نہیں کرتے ،لہٰذا ہر عنعنہ محل تلبیس نہیں،جہاں تلبیس کا احتمال ہوتا ہے اس کی خبر موضع استدلال میں دیگر طرق سے کردی جاتی ہے کما لا یخفی علی من مارس الحدیث۔

علم امانت ہے،جن طرق سے حاصل کیا جاتا ہے بتلا دیا جاتا ہے اس میں خیر و برکت ہے قابل اعتماد ہے،خود بخود کتابوں کو دیکھ کر حاصل کرنا قابل اعتماد نہیں،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۱۱/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

بزرگ کا بددعا کرنا:

ایک بزرگ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ بددعا کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے وہ اکثر بددعا کرتے رہتے ہیں جب اس بددعا کا اثر ہوتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اور بیان کرتے ہیں ٹھیک ہوا ایسی حالت میں شرعی حکم کیا ہے؟ یہ بزرگ پیری مریدی کرتے ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

بددعا کرنا بعض موقعوں میں جناب نبی کریم ﷺ سے ثابت ضرور ہے مگر ہر جگہ اور ہر موقع پر بددعا کرنا درست نہیں ہے،اس کے کچھ شرائط اور قیود ہیں،نہ معلوم یہ صوفی صاحب کس موقع میں بددعا کرتے ہیں جب تک ان مواقع کی تفصیل و تعیین نہ معلوم ہو کوئی قطعی حکم جواز یا عدم جواز کا نہیں لکھا جا سکتا ہے،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۱۱/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

۱- رواہ مسلم،مشکوٰۃ المصابیح رص ۳۷ کتاب العلم۔

شب قدر میں ذکر و وعظ کی محفل کا انعقاد:

شب قدر میں ذکر اور وعظ کی محفل منعقد کرنا اور اس میں شب بیداری کرنا کیسا ہے، ہندوستان میں یہ رواج چلا آرہا ہے اور علماء اس میں شرکت کرتے ہیں زید، اس طرح کے اجتماعات کو بدعت کہتا ہے اس بارے میں شرعی قیود کیا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

نفس ذکر اور وعظ تو اس شب میں بدعت نہ ہوگا لیکن خاص اس شب کے لئے اجتماع کا اہتمام کرنا (۱)، اور بعد اس کو لازم اور ضروری قرار دینے سے اور اس کے نہ کرنے والے پر نکیر کرنے سے بدعت ہوجائے گا، شب بیداری شب قدر میں افضل ہے اور اس کے بہت سے طریقے ہیں، تلاوت کرنا نفلیں پڑھنا وغیرہ وغیرہ کوئی عبادت کرنا سب سے شب بیداری کی فضیلت حاصل ہوجائے گی (۲)۔

کسی ایک ہی طریقہ کو سب پر لازم کرنا صحیح نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳۰/۱۰/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند

۱-غیر مسلم کو آداب کہنا:

ہندوستان جیسے ملک میں ہندو کو ادب کے خیال سے کہنا جائز ہے یا نہیں؟

۲-گاندھی جی کی ٹوپی پہننا:

گاندھی ٹوپی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

۳-کونڈا کی شرعی حیثیت:

غوث پاک کی نیاز جعفر صادق کے کونڈے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۱- "ویکرہ الاجتماع علی احدی لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد" (ردالمحتار ۲/۶۹ ،مکتبہ زکریا)۔

۲- "واحیاء لیلۃ العیدین والنصف من شعبان ویکون بکل عبادۃ تعم اللیل او اکثرہ" (درمختار مع الرد ۲/۶۹ مکتبہ زکریا)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-شعار اسلامی کے خلاف ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

۲-جائز غیر افضل ہے۔

۳-یہ سب بدعت و ناجائز ہے اس سے بچنا ضروری ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

بلا وجہ شرعی قاضی کو معزول کرنا:

۷۳ سال سے قاضی صاحب اپنی خدمت، بہت خوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، یہ سلسلہ ان کے خاندان میں شاہی زمانہ سے چلا آرہا ہے اور قوم سے قریب اور دور سبھی کو قاضی صاحب سے کوئی شکایت نہیں ہے، قاضی صاحب تعلیم یافتہ ہیں، ایک صاحب کی کوشش ہے کہ قاضی صاحب کو قوم اس خدمت سے ہٹا دے۔ قاضی صاحب سے ۴-۶ آدمی ناخوش ہیں اور حقیر سمجھتے ہیں تو کیا اس فتنہ کی بناء پر قاضی صاحب کو اپنی خدمت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر قاضی صاحب متبع شرع اور اس کام کو پورا کرتے ہیں تو انکے خلاف فتنہ پرداری جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/ ۱۰/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

ہندی رسم الخط میں قرآن کی اشاعت:

کسی شخص نے قرآن مجید کو ہندی رسم الخط میں اس طرح لکھا کہ لکھنے اور پڑھنے میں عربی الفاظ وکلمہ دونوں میں کمی اور اضافہ ہوکر پورا قرآن مجید عربی مسخ ہوجاتا ہے۔ اور غلط تلفظ کی وجہ سے عربی زبان تو الگ مسخ ہوتی ہے اور معنی کی غلطی سے کفر تک کا خطرہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً قرآن عربی ہے، ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ایک آیت ہے، اس آیت کو ہندی رسم الخط میں

یوں لکھا گیا ہے(۱)، اگر ہندی تحریر کو عربی میں لکھے تو یوں آیت ہوگی (بسم ل للہ ہ ررحمان ررحیم) جو تحریراً بھی غلط قراۃ بھی غلط ہے اور عربی بسم اللہ میں اللہ کا ''الف'' اور الرحمٰن کا ''ال'' اور الرحیم کا ''ال'' کم ہے، اس طرح ہندی بسم اللہ میں پانچ حرف کم کیے گیے اور الرحمٰن کی (ر) زیادہ اور دوبارہ لکھی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ دو (ر) زیادہ اور اضافہ ہے، گویا ایک آیت مذکورہ میں سات غلطیاں ہیں، پورے قرآن شریف میں تو ہزاروں حروف کی کمی اور اضافہ ہے۔ اس طرح پورا قرآن مجید عربی میں ترمیم و تنسیخ کر کے مسلّم قرآن مسخ کیا گیا ہے۔ اور اس کو ہندی قرآن کا نام دیا گیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اس ہندی قرآن کا لکھنا اور پڑھنا جائز ہے یا نا جائز ہے، اور لکھنے والا ناسخ قرآن ہے یا نہیں، اور یہ حرکت تمسخر قرآن میں داخل ہے یا نہیں، اور لکھنے والے کو اور پڑھنے والے کو مؤمن اور مسلمان کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

نوٹ: اس کی تحسین و تعریف کرنے والے کو شرعاً کیا کہا جائے گا۔

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن کریم نام ہے اور علم ہے خاص اس کلام الٰہی کا جو عربی زبان میں بذریعہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر منجانب خدا نازل کیا گیا ہے اور تلاوت کیا گیا ہے، اور اس کے تمام کلمات و حروف، وزبر، زیر، مد و لین، جزم و تشدید وغیرہ سب ہی چیزیں متعین و معلوم ہیں۔ اس کا رسم الخط بھی علیحدہ و متعین ہے، ایک خاص انداز سے مکتوب ہے۔ اس کا نطق و تکلم بھی نرالی شان رکھتا ہے، اور ان تمام کیفیات و خصوصیات کے ساتھ لوح محفوظ میں موجود و محفوظ ہے۔ اور اس کے تمام احکام الگ اور ممتاز ہیں۔ اس کو کسی شخص کا بغیر طہارت چھونا بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے:

''الٓمٓر تلک ایات الکتٰب المبین انا انزلنٰہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون'' (۲)۔

(یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی، ہم نے اس کو اتارا ہے عربی زبان کا قرآن (بنا کر) تا کہ تم لوگ اچھی طرح سمجھو)(بیان القرآن)۔

اور ایک مقام پر اس طرح مذکور ہے:

۱- ہندی خط میں تحریر تھی۔

۲- سورۂ یوسف:۱۲-۲۔

"إنه لقرآن كريم في كتاب مكنون لا يمسه إلا المطهرون، تنزيل من رب العالمين" (۱)۔

(یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا) (بیان القرآن)۔

اور ایک جگہ اس طرح ارشاد ہے: **"بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ"** (۲)۔

(بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے) (بیان القرآن)۔

اور تفسیر روح المعانی (۱۰/۱) میں قرآن کریم کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں:

"والقرآن كلام الله تعالىٰ المنزل بهذا المعنى فهو كلمات غيبية مجردة عن المواد مترتبة في علم الله تعالىٰ أزلا غير متعاقبة تحقيقا بل تقديراً عند تلاوة الألسنة الكونية (إلى قوله) ومن هنا قال السنيون: القرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق وهومكتوب في المصاحف محفوظ في الصدور مقروٌ بالألسن؟ مسموع بالأذن غير حال في شيء منها وهو في جميع هذه المراتب قرآن حقيقة شرعية معلوم من الدين بالضرورة وهكذا في عامة تفسير المحققين (۳)۔

(قرآن پاک (نام ہے) اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا جو اپنے معنی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، پس وہ (مجموعہ ہے) ان کلمات غیبیہ کا جو مادہ سے مجرد ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے علم میں مترتب ہیں ازلی ہیں اور حقیقت کے اعتبار سے ترتیب وار ہیں، بلکہ زبانوں پر تلاوت کے وقت تقدیری ترتیب سے مترتب ہیں جو ترتیب زمانی وجود کی متقاضی ہے، اور یہیں سے اہل السنت والجماعت نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ مصاحف میں مکتوب ہے، لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، کانوں سے سنا جاتا ہے، ان میں سے کسی میں حلول کردہ نہیں ہے۔ اور یہ قرآن پاک ان تمام مراتب میں حقیقت شرعی کے اعتبار سے قرآن ہے، ضروریات دین میں شمار ہے اور اسی طرح عام محققین کی تفسیر میں مذکور ہے)۔

ان آیات کریمہ وعبارات سے، نیز دوسرے مفسرین محققین کے کلام وروایات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں (قرآن پاک کے کلمات وحروف زیر وزبر وغیرہ) امور توقیفی ہیں، ان میں ایک زیر یا زبر، بلکہ نقطہ کی بھی کمی یا

۱- سورۂ واقعۃ ۷۷-۸۰۔

۲- سورۂ بروج ۲۱-۲۲۔

۳- تفسیر روح المعانی ۱/۱۰، ۱/۲۳، ۲۴ خطبۃ المفسر مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند۔

بیشی جائز نہیں ہے۔

اور ان قرأتوں کے علاوہ جو رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے منقول ہیں کسی نوع کا تغیر وتبدل جائز نہیں ہے، اگرچہ عربی زبان اور عربی عبارت باقی رہے، پھر ایسی تبدیلی وتغیر جس میں عربی زبان یا عربی رسم الخط وغیرہ تک متغیر ومتبدل ہو جائے، کب اور کیونکر درست ومباح ہوسکتا ہے؟

وفي الاتقان للسيوطي: "لم يجوز أحد من الأئمة الأربعة كتابة القران بغير العربية"۔

(سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے غیر عربی میں قرآن پاک کی کتابت کو جائز نہیں قرار دیا ہے)۔

پس سوال میں جو جو شرابیاں لکھی ہوئی ہیں ان کے ساتھ تو لکھنا پڑھنا یا اس کو قرآن کریم کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ سخت گناہ اور قطعی حرام ہے۔ اور بڑی خطرناک قسم کی جرأت ہے۔ اگر دیدہ ودانستہ کوئی شخص اس طرح لکھے یا پڑھے تو اس کے محرف قرآن وناسخ قرآن کریم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو جائز سمجھنا یا اس کی اعانت کرنا بھی شدید جرم وحرام ہے۔

مذکورہ طریقہ پر ہندی رسم الخط یا انگریزی یا بنگلہ یا برمی یا چینی قرآن کہنا قرآن کریم وکلام الٰہی کی توہین وتحقیر ہے اور تحریف کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ عربی رسم الخط سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتے ہوں اور تلاوت کلام الٰہی کرنا چاہتے ہوں، ان کی تعلیم وتلقین کے لیے مصحف پاک کی ترتیب کے مطابق داہنی طرف سے کتابت شروع کی جائے اور پہلے قرآن کریم سرحوض وسر صفحہ نمایاں کرکے اس طرح لکھا جائے کہ اس کا اصل ہونا اور اس کی متبوعات وعظمت اور اس کا پورا ادب واحترام محفوظ وملحوظ رہے اور اس کے نیچے تابع بنا کر کسی بھی زبان کے رسم الخط میں اتنی ہی عبارت قرآن کریم کی اس طرح پر لکھی جائے کہ قرآن مجید کے تمام خصوصی حروف مثلاً س۔ث۔ اور ز۔ذ۔ظ۔ض اور ہمزہ ع وغیرہ اور اس کے تمام فروق وامتیازات، نیز تمام خصوصیات کتابت وادا وغیرہ مثلاً حروف زوائد (الف لام) اور مد وجزم، تشدید واسکان وغیرہ کی پوری پوری رعایت موجود وملحوظ رہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ صورت اس وقت ممکن ہوگی جب پہلے ان تمام خصوصیات کے لیے جامع مانع اصطلاحات وضع کرکے اس زبان کو مکمل کرلیا جائے، پھر لکھا جائے، ورنہ بغیر اس کے کوئی صورت جواز واباحت کی نہ ہوگی۔

اوران باتوں کے باوجود ایک بات اور پھر بھی ضروری اورلازمی رہے گی کہ اس عبارت کوقرآن کریم کا نام یا ہندی رسم الخط میں قرآن کا نام یا انگریزی یا بنگلہ وغیرہ کسی بھی رسم الخط میں قرآن کا نام ہر گز نہ دیا جائے۔

بلکہ اصل قرآن کریم سے امتیاز اور تعارف کی غرض سے اور خلط وتلبیس وتحریف سے حفاظت کی غرض سے سرخی میں فقط یہ لکھا اور کہا جائے ،مثلاً: ہندی رسم الخط میں یا انگریزی یا بنگلہ وغیرہ رسم الخط میں قرآن کریم کی تعلیم کا ذریعہ، یا مثلاً ہندی رسم الخط میں یا فلاں رسم الخط میں قرآن کریم کا تعارف۔

صرف قرآن کریم کا اس کو ہرگز نام نہ دیا جائے۔اگر ذرا بھی کسی عمل میں یا فعل سے قرآن کریم سے التباس ہوگا تو پھر اباحت وجواز کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ان تمام بندشوں اور احتیاطوں کے ساتھ اس زیر متن عبارت کی حیثیت وہی ہو جائے گی جوقرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کی ہوتی ہے، جو عربی زبان یا غیر عربی زبان میں متن قرآن کریم کے ساتھ تابع بن کر لکھ دی جاتی ہیں، اور اس کو قرآن کا نام نہ دیتے ہوئے صرف ترجمہ قرآن کریم یا تفسیر قرآن کریم کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ھذا ما عندی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح محمود غفرلہ، سید احمد علی سعید

میں ہندوستانی ہوں اور یہاں سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہوں، یہاں پر ریڈیو کویت سے اردو میں پروگرام سنتا ہوں، ان پروگراموں میں دینی معلومات اور مسائل بھی شامل ہیں، جن میں سے احقر نے ۱۳ مسئلے نوٹ کیے ہیں، جن کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے آپ کی خدمت میں عرض ہے:

ڈھول بجا کر لاٹھی کھیلنا:

"لحاجتها إلى المعاملة مع الرجال اخذاً واعطاء أو غير ذلك وهذا تنصيص على الله لايباح النظر إلى قدمها قال فان كان لايأمن الشهوة لاينظر إلى وجهها الا لحاجة لقوله عليه الصلوة والسلام: من نظر إلى محاسن امرأة اجنبية من شهوة صب في عينه الانك يوم القيامة (هدايه آخرين ۴۴۲) وفي الخلاصة لاتسافر العجوز بغير محرم ولاتخلو برجل شاب أو شيخ" (خلاصة الفتاوى ۴/۲۱۴)۔

۱-عید الاضحیٰ میں عیدگاہ سے گھر کو آتے وقت ڈھول بجا کر مسلمان کا لاٹھی کھیلنا اور اس کھیل کا کرانا عند الشرع

کیسا ہے؟

۲-ڈھول بجانے والا ہندو ہے اور لاٹھی تلوار کھیلنے والے سب مسلمان ہوتے ہیں، جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ اس کا کرنا شریعت میں منع اور حرام ہے۔تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ غیر قوموں کے لئے ایک ڈر کی وجہ سے ہے۔کیا جائز ہے؟

۳-غیر مسلم کی شیرینی کا حکم:

کیا ہندو کے نام کا شیرینی کھانا جائز ہے؟

۴-غیر مسلم کے تہوار میں شرکت:

۱-ہندو کے تہوار کو مسلمانوں اور ان کے بچوں کا منانا کیسا ہے؟

۲-ہندو کے تہوار میں مسلمانوں کو چندہ دینا کیسا ہے اور مسلمانوں کے بچے اور بڑوں کو ملا کر ہندو کے مت کو سجانا کیسا ہے، پوجا کے لئے گیت گانا اور پھول چڑھانا کیسا ہے؟

۳-ایک مسلمان کو یہ بتلادیا گیا ہے کہ مسلمان کو بت کے نام کی شیرینی کھانا منع ہے اور حرام ہے، اس نے اس بات کو سننے کے بعد بھی اس شیرینی کو خود مولوی صاحب کے سامنے کھایا ہے، عندالشرع یہ کیسا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کوئی بات نہیں ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی حلال سمجھ کر کھلاتا ہے۔یہ کیسا ہے؟

۴-ٹھاکر کو پانی میں ڈالنے کے لئے ہندو کے ساتھ مسلمان کا لاٹھی کھیل کر ٹھاکر کو ڈوبانے جانا یہ رسم بارش برسانے کے لئے کی جاتی ہے یہ کیسا ہے کیا جائز ہے یا ناجائز؟

۵-ڈرامہ اور تھیٹر کا شرعی حکم:

۱-مسلمان ہوتے ہوئے ڈرامہ اور تھیٹر کرنے کو فخر سمجھنا اور جائز وحلال سمجھنا کیسا ہے؟

۲-ڈرامہ اور تھیٹر میں مسلمانوں کا شوق اور ذوق سے چندہ دینا اور ڈرامہ تھیٹر دیکھنا کیسا ہے کیا یہ جائز ہے؟

۳-مسلمان بچوں کا ڈرامہ تھیٹر کرنا کیسا ہے۔اور ہندوؤں جیسے نام رکھنا ہندووانہ بات ادا کرنا کیسا ہے؟

۶-حرام کو حلال سمجھنا:

۱-کیا شریعت کے ہر حرام کئے ہوئے کو حلال سمجھنے والا مسلمان ہوسکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-ڈھول باجہ وغیرہ نہ بجاویں اور کسی اور ناشرع اور ناجائز امر کا ارتکاب نہ ہوتو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

۲-ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے اور ان کا یہ مقصد ڈھول بجانے پر موقوف نہیں ہے بلکہ بغیر ڈھول کے بھی ہوسکتا ہے۔

۳- سے لےکر ۵-تک یہ سب ناجائز اور بڑا خطرناک گناہ ہے۔

۶-مولوی صاحب کے سامنے اس شیرینی کو کھانے سے اور اس کے اس کہنے سے (کہ اس کو کھانے سے کوئی بات نہیں ہے) حرام کا حلال کرنا اس طرح ہے کہ اس سے اس کا ایمان ختم ہوجائے اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے لازم نہیں آتا ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ان مولوی صاحب پر اس کو اعتقاد نہ ہو اور جس مولوی پر اس کو اعتقاد ہو اس نے مسئلہ غلط بتلایا ہو، البتہ یہ سب امور سخت جرأت اور بڑے گناہ کی باتیں ہیں، اس شخص کو ڈرنا چاہئے اور فوراً توبہ کرنی چاہئے اور ایسی چیزیں کھانے اور ایسی باتیں کہنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۷- سے ۱۰-سب قطعاً ناجائز ہے۔

۱۱-اس کا جواب گزر چکا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/ ۷/ ۸۵ھ

الجواب صحیح: محمود علی عنہ، سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

الکٹرانک انجینئر کا کام سیکھنا کیسا ہے؟

کیا الیکٹرانک انجینئر کا کام سیکھنا جائز ہے، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈ اور دوسری میوزیکل چیزوں کی مرمت اور ان کا بیچنا بھی جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

الیکٹرانک انجینئر کا کام سیکھنا جائز ہے، ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈ اور دوسری صنعتوں کا بنانا اور مرمت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس پر حرام کام مثلاً گانے بجانے کا ارتکاب نہ کرنا پڑے ورنہ حرام ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/ ۸/ ۱۴۱۱

الجواب صحیح: حبیب الرحمن خیرآبادی، محمد ظفیر الدین مفتاحی، کفیل الرحمن

مروجہ قرآن خوانی کا شرعی حکم:

قرآن خوانی جس میں چند لوگ جمع ہوکر کسی کے انتقال کرنے یا کسی کام کے آغاز مثلاً مکان، دکان، فیکٹری وغیرہ کے موقع پر کرتے ہیں جبکہ اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱-طلبہ کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

۲-بعض مقامات پر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ پڑھنے والے رسماً جلدی الٹا سیدھا پڑھ کر چلے آتے ہیں، جس سے بجائے ثواب ہونے کے عذاب ہوتا ہے۔

۳-قرآن خوانی کے بعد کھانا، ناشتہ اور بعض مقامات پر پیسے بھی دیئے جاتے ہیں جو کہ اجرت علی الطاعت کے قبیل سے ہے۔

۴-سب کے یکجا پڑھنے میں قرآن کریم کی آیت "و إذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا" الخ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

۵-جب طلبہ قرآن خوانی کے لیے جاتے ہیں تو ان پر جملے کسے جاتے ہیں کہ یہ جارہے ہیں کھانا کھانے والے، وغیرہ وغیرہ۔

محمد اسلام (شہر میرٹھ)

الجواب وباللہ التوفیق:

قرآن خوانی اکٹھا ہوکر جہراً کرنا مکروہ ہے **لترک الانصات والاستماع الواجب** خواہ مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی نہ ہو، جب بھی مکروہ ہے، تو جس وقت مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی منضم ہوجائے تو کراہت میں شدت ہوجاتی ہے اور اگر اس کے عوض میں کچھ لینا دینا یا کھانا پینا ہوتو ناجائز فعل کا بھی ارتکاب ہوکر "**الآخذ والمعطی کلاهما آثمان**"(۱) کا بھی مصداق ہوجائے گا، اور ثواب کا استحقاق سمجھنا بھی بڑی گستاخی عند الشرع شمار ہوگی (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمن خیرآبادی، محمد ظفیر الدین مفتاحی، کفیل الرحمن

۱- رد المحتار ۵/ ۳۵۔

۲- (قرآن کریم پڑھ کر یا نفلی عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا امر مستحسن ہے، مردوں ہی کو نہیں بلکہ زندوں کو بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔" کما

مروجہ قرآن خوانی کا حکم:

ہمارے یہاں کسی کے انتقال کے بعد یعنی ہفتہ یا دس دن کے کائم مقرر یعنی جس دن اس کی طاقت ہو اس دن قرآن پڑھا کر مرحوم کے روح پر ثواب بخشا جاتا ہے، اس کے بعد جتنا اس کے پاس ہو سکے کچھ کھانے کو کھلاتا پلاتا ہے، اس کے بعد مجموعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، ایسا کرنا کھانا اور دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی کے انتقال کے بعد ہفتہ کے دن یا دسویں دن وغیرہ جیسا کہ فاتحہ کا رواج ہے بدعت ہے اس کا ثبوت شرع سے نہیں اور قرآن اجرت دیکر پڑھنا یا اس کے پڑھنے پر اجرت لینا ناجائز ہے، شامی (ج ۵) میں ''کتاب الاجارۃ'' میں بھی یہ مسئلہ لکھا ہے اجرت لیکر یا دیکر پڑھنے پڑھانے سے ثواب نہیں، جب ثواب ہی نہ ملا تو بخشے گا کس چیز کو؟ بلکہ اس طریقہ سے ''ولاتشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً'' (۱)، کا گناہ ہوگا اس لئے ان غلط طریقوں کی اصلاح ضروری ہے قرآن خوانی کے وقت

صرح علمائنا في باب الحج عن الغير بأن للانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوماً أو صدقة أو غيرها وهو مذهب أهل السنة وأيضا قال: وفي البحر من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع'' (فتاوی شامی ۵/۱۰۵، باب صلوٰۃ الجنائز)۔ چونکہ آج کل قرآن خوانی رسماً اور رواجاً ہوتی ہے جس کا تذکرہ صاحب رد المحتار نے بھی کیا ہے: ''وأطال ذالک في المعراج وقال: هذه الأفعال كلها للسمعة والريا فيحترز عنها لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى'' (فتاوی شامی ۱/۱۰۳، باب صلوٰۃ الجنائز)، لہٰذا اس طرح قرآن خوانی سے احتراز لازم ہے نیز قرآن خوانی کرانے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک رسم ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے اور بعض لوگوں کا مقصد قوم کی طعن زنی سے بچنا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر تعدی یہ ہے کہ عام طور پر قرآن خواں حضرات تجوید قرأت کی رعایت تو درکنار بلکہ اتنی تیز رفتاری سے پڑھتے ہیں کہ بجائے ثواب کے الٹا عذاب ہوگا۔ اس مروجہ قرآن خوانی میں ایک خرابی یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھے جانے کے بعد کھانا یا ناشتہ اور مٹھائی وغیرہ کھلائی جاتی ہے۔ بعض مقامات پر پیسے بھی دیے جاتے ہیں، اگر خدانخواستہ قرآن کریم پڑھنے والوں کے دلوں میں دعوت یا مٹھائی وغیرہ کی حرص وطمع پیدا ہوگئی تو یہ صورت شرعاً مذموم اور مہلک ہے الغرض اس طرح اجتماعی قرآن خوانی کی کراہت کے سلسلہ میں ذرہ برابر شک نہیں، اسی وجہ سے فتاوی ہندیہ میں اجتماعی قرآن خوانی کی کراہت مصرح ہے: ''کما قال: ويكره للقوم أن يقرؤ القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والانصات المأمور بهما'' ۵/۳۵۱، طحطاوی علی مراقی الفلاح، ۱۲۴''، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے طور پر اس طرح پڑھے کہ ایک دوسرے کی قرأت میں مزاحمت نہ ہو یا پھر خود ہی صدقہ وغیرہ کے ذریعہ ثواب پہنچائے اور اپنے عزیز واقارب یا اساتذہ ومشائخ عظام کی خدمت میں ایصال ثواب کی درخواست کرے البتہ آج کل کے رسم ورواج کی طرح اکٹھا نہ کرے ہاں اگر اتفاقی طور پر کہیں لوگ جمع ہوں اور وہ بار محسوس نہ کریں تو ان سے گذارش کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (مرتب)۔

۱- سورۃ البقرۃ: ۴۱۔

یاقرآن خوانی کے بعد کھلانا پلانا سب عوض بن جاتا ہے، ایصال ثواب کا سنت طریقہ یہی ہے کہ کچھ تلاوت کر کے یا کوئی ثواب کا کام کر کے بلاعوض کے یا فقیروں کو کچھ صدقہ کر کے یا کھلا پلا کر اس کا ثواب میت کو پہنچا دینا چاہئے اور یہ سب کام خموشی سے بلا کسی شہرت وغیرہ کی نیت کے محض اللہ کی رضا کے لئے کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۱۲/۱۴۰۳ھ

آیات قرآنی لکھے ہوئے لباس پہن کر ناپاک جگہ جانا:

ایسا لباس پہن کر ناپاک جگہ اور پاخانہ وغیرہ میں جانا کیسا ہے جس میں کلمۂ شہادت یا آیت قرآنی مرقوم ہو۔

الجواب وباللہ التوفیق:

جس کپڑے ولباس پر کلمۂ شہادت یا آیات قرآنی لکھی ہوئی ہوں اس کو پہن کر ناپاک جگہ اور پاخانہ پیشاب خانہ وغیرہ میں جانا جائز نہیں سخت گناہ وبے ادبی ہے **"ویکرہ أن یدخل الخلاء ومعہ خاتم مکتوب علیہ اسم اللہ تعالی أو شئ من القرآن"**(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۸/۱۴۰۱ھ

۱- کیا حضور ﷺ مختون پیدا ہوئے؟

حضور ﷺ کے مختون اور غیر مختون پیدا ہونے میں علماء کی کیا رائے ہے۔

۲- غیر عالم کا قرآن وحدیث کی تشریح کرنا:

کوئی غیر عالم غیر سند یافتہ کا سنی سنائی باتوں سے خود تقریر کے وقت قرآن واحادیث کے معانی وتفاسیر بیان کرنا اس کا کیا حکم ہے جبکہ حدیث میں یوں آیا ہے:

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار بینوا وتوجروا۔

۱- البحر الرائق ۱/۲۲۲۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- اس باب میں علماء کی دو رائیں ہیں: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے اور یہی راجح ہے(۱)۔

۲- کسی مستند تفسیر کا مستند ترجمہ یا کسی مستند کتاب حدیث کا مستند ترجمہ پڑھ کر سنا دینے میں جب کہ اپنی طرف سے کوئی تشریح وغیرہ نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ باقی اس کی تشریح وتفسیر خود اپنی طرف سے آدمی کو کرنا منع وناردست ہے اور بڑی سخت سخت وعیدوں کا مستحق ہے(۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۸/۱۴۰۱ھ

بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنا:

بہت سے لوگ خطوط وغیرہ میں ۷۸۶ لکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ بسم اللہ کا عدد ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور یہ کس نے ایجاد کیا ہے اور کیوں اور کیا اس میں بسم اللہ کی برکت حاصل ہوتی ہے؟

قاری ولی اللہ (مسجد النور ۳۷ مثان پاڑہ، روڈ، بمبئی-۹)

الجواب وباللہ التوفیق:

لفظ جلالہ (اللہ) کے لام کو مکرر شمار کرلیا جائے اور رحمٰن کے الف کو نہ شمار کیا جائے تو تعداد ۷۸۶ ہوجاتی ہے، پس اس عدد سے یقیناً ذہن بسم اللہ کی جانب منتقل ہوسکتا ہے بلکہ اس عدد کو دیکھ کر یا سن کر بسم اللہ مکمل ذہن میں آجاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کوئی زبان سے بھی کہدے تو یہ عدد اس مقصد سے لکھنے کی غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہر خط کی عبارت کی ابتداء میں انتقال ذہنی بسم اللہ کی طرف ہوجائے اور بسم اللہ کا ادب بھی باقی رہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس طریقہ کار سے بسم اللہ کہنے یا مستحضر فی الذہن کرنے کی جانب تلقین کی غرض سے یہ طریقہ چل پڑا ہو اور گرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ طریقہ کب سے جاری ہوا

۱- ''وروی أن آدم وشیثا ولوحا وهودا وصالحا ولوطا وشعیبا ویوسف وموسی وسلیمان وزکریا وعیسی وحنظلة بن صفوان نبی أصحاب الرس ومحمداً صلوات اللہ وسلامه علیهم ولدوا مختونین'' (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۲/۷)۔

۲- ''عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار'' (سنن الترمذی ۵/۱۹۹ کتاب تفسیر القرآن حدیث ۲۹۵۰، نیز دیکھئے: حدیث ۲۹۵۲)۔

کچھ مضر نہ ہوگا بلکہ استحسان باقی رہے گا اور بعینہ بسم اللہ پڑھنے کی برکت اگر چہ حاصل نہ ہو لیکن ذریعہ ضرور بن سکتا ہے اور چونکہ ادب کو زیادہ مشتمل ہے، اس لئے مذموم کہنا بھی محل تأمل ہوگا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

ذکر لسانی افضل ہے یا ذکر قلبی؟

سلسلہ نقشبندی کے بزرگ سانس سے ذکر کراتے ہیں یعنی اندر سانس جائے تو اللہ اور سانس باہر نکلے تو ''ھو'' اور ''ھو'' کی چوٹ دل پر لگے اس ذکر میں گردن کو بھی حرکت دینی پڑتی ہے، دوسرے لفظوں میں اس کو پاس انفاس بھی کہتے ہیں شریعت کی رو سے جواب دیں کیا لسانی ذکر افضل ہے یا ذکر قلبی۔

الجواب وباللہ التوفیق:

مقصود اور مطلوب ذکر قلبی ہے باقی سب اس کے اسباب اور ذرائع ہیں، ذکر لسانی بھی اس کا ذریعہ ہے اور پاس انفاس (ذکر خیالی) یہ بھی اس کا ذریعہ ہے جس طرح سے ایمان بالقلب مقصود ہے کہ ایمان کی جگہ قلب ہے کما اشار اللہ تعالی بقولہ ''**ومن آکرہ وقلبہ مطمئن بالإیمان**'' (۲) قلب سے تصدیق کرنا ضروری ہے پھر دنیاوی احکام کے مرتب ہونے کے لئے مؤمن زبان سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ ارشاد باری: ''**إن من شيء إلا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقهون تسبیحهم....**'' (۳) کہ ہر چیز اپنے رب کا ذکر اور تسبیح کرتی ہے لیکن تم سمجھتے نہیں ہو، حیوانات، نباتات، جمادات تمام ذکر اور تسبیح کرتے ہیں، کوئی زبان سے کرتا ہے، کوئی دل سے کرتا ہے، کوئی سانس سے کرتا ہے اور کوئی کسی اور طرح سے کرتا ہے کسی کا رکوع تسبیح اور ذکر ہے کسی کا قیام تسبیح اور ذکر ہے اور سانس کے ساتھ جو ذکر ہوگا اس کو پاس انفاس کہتے ہیں اس سے بھی

۱- اس کا احتمال اسی وقت ہوگا جبکہ مابعد کی تحریر میں اور کہیں اللہ کا ذکر یا کسی آیت وحدیث کا ذکر نہ ہو، ورنہ پھر اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں، اس کا رواج دینا کراہت سے خالی نہ ہونا چاہئے۔

۲- ''من کفر باللہ من بعد إیمانہ إلا من أکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم'' (سورہ نحل: ۱۰۶)۔

۳- ''تسبح لہ السموات السبع والأرض ومن فیہن وإن من شيئ إلا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم إنہ کان حلیماً غفوراً'' (سورہ اسراء: ۴۴)۔

ذکر قلبی حاصل ہوتا ہے جو مقصود ہے اور مقصود کا ذریعہ بھی فی الجملہ مقصود ہوتا ہے گو اولا و بالذات نہ ہی، اس لئے اس کو ناجائز یا لغو وغیرہ نہیں کہہ سکتے ہیں، غرض اس طرح سے فضیلت ہر طرح کے ذکروں میں ذکر لسانی میں بھی اور ذکر قلبی میں بھی اور پاس انفاس میں بھی پھر کسی وجہ سے جہر افضل ہوتا ہے اور کسی وجہ سے خفی افضل ہوتا ہے اور دلیل قول باری تعالی ہے جو مطلق ہے "اذکروا الله ذکرا کثیرا" (۱) تو مطلق کے اندر دونوں آ گئے دونوں مامور ہیں۔ فضائل خارجی مختلف ہوتے ہیں باعتبار ذکر اور وقت اور کیفیت اور ثمرات کے فتاوی رشیدیہ ص ۲۱۴ (۲) ؛ ؛ اگر کسی کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہو جائے کہ میرے ذکر کرنے سے لوگ مجھے متقی اور عابد و زاہد کہیں گے اس کے لئے سراً ذکر افضل ہے اگر کسی کا دل سراً ذکر سے اتنا لطف اندوز نہیں ہوتا ہے جتنا کہ جہراً سے ہوتا ہے اور ریا کا شائبہ تک بھی نہیں تو ایسے شخص کے لئے جہراً ذکر افضل ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیو بند سہارنپور ۲۰/۱/۱۴۰۲ھ

ذکر کا ایک خاص طریقہ اور اس کا حکم:

بعض صوفیاء و مشائخ حلقہ کراتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکرین شیخ کے قریب حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر شیخ ذکر "لا إله إلا الله" اس کے ساتھ ساتھ سب ذاکرین ایک آواز سے ذکر کرتے ہیں، گاہ بگاہ وہ شیخ اس پر توجہ ڈالتا ہے جس کی وجہ سے ان کے اوپر ایک خاص حالت و کیفیت طاری ہوتی ہے، کیا اس طریقہ پر ذکر کرنا اور کرانا ثابت ہے، اگر سلف سے ثابت نہیں تو اس صورت میں ایسا کرنا مفید اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

اور اشغال و اذکار کی طرح یہ بھی ایک طریقہ ذکر و علاج ہے، اس سے بھی ایسی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے، جس کے ذریعہ سے باری تعالی و عز اسمہ کی محبت مطلوبہ کی تحصیل آسان ہو، ذکر منفرداً و مجتمعاً خواہ سراً یا جہراً، اور توجہ کا القاء ثابت و جائز ہے، اس لئے اس کا مجموعہ بھی جائز ثابت ہونے میں کلام نہ ہوگا، البتہ اس کو واجب یا سنت کہنا یا قرار دینا یا اسی میں حصر کرنا درست نہ ہوگا۔

۱- "یا أیها الذین آمنوا اذکروا الله ذکراً کثیراً" (سورہ احزاب: ۴۱)۔

۲- جواب: سانس کی آمد و رفت کا اور ذکر لسانی کا ثواب جو دریافت کیا ہے تو بعض وجوہ سے تو ذکر لسانی افضل ہے اور بعض سے پاس انفاس (فتاوی رشیدیہ ضمن تالیفات رشیدیہ/ ۲۰۲)۔

پس اگر شیخ کامل جومکائد نفس سے اور طریق اصلاح سے واقف ہو اور اس کی محبت مطلوبہ کی تحصیل کے لئے یہ طریقہ استعمال کرے تو کوئی وجہ اعتراض نہیں۔ رہ گیا ذکر منفرداً ومجتمعاً والقاء توجہ کا ثبوت تو اس کے لئے مندرجہ ذیل روایات بھی کافی ہیں:

۱- "عن أبي هريرة وأبي سعيد قالا: قال رسول الله ﷺ: لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملئكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم الله فيمن عنده" رواہ مسلم (۱)۔

۲- "وعنه في حديث طويل قالوا المفردون يا رسول الله ؟ قال الذاكرون الله كثيرا والذاكرات" (رواہ مسلم)(۲)۔

۳- "عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا، قالوا: وما رياض الجنة؟ قال: حلق الذكر" (رواہ الترمذی)(۳)۔

۴- "عن جابر قال قال رسول الله ﷺ: أفضل الذكر لا إله إلا الله وأفضل الدعاء الحمد لله" (رواہ الترمذی)(۴)۔

اسی کے ساتھ حضرت جریر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت بھی ملا لیجئے جس کو مشکوۃ صفحہ ۵۳۵ بروایت بخاری ومسلم کے نقل کیا ہے کہ یہ گھوڑے کی سواری پر قادر نہ تھے، اگر جاتے تھے حضور ﷺ ان کے سینہ پر اپنے دست مبارک سے مارا اور سوار کر لیا اس کے بعد سے کبھی گھوڑے سے نہ گرتے تھے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی واقعہ یاد کر لیجئے جس کو وہ خود نقل فرماتے ہیں: "فبسطت نمرة ليس عليّ ثوب غيرها حتى قضى النبي ﷺ مقالته ثم جمعتها إلى صدري فو الذي بعثه بالحق ما نسيت من مقالته ذلك إلى يومي هذا" (۵)، اور اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کا واقعہ ملا لیجئے جس کو حدیث "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من نفسه وماله ووالده وولده، أو كمال قال" کے تحت محدثین نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مال واولاد وغیرہ سے تو زیادہ محبت آپ

۱- مشکوۃ شریف/۱۹۲۶۔
۲- مشکوۃ شریف۔
۳- مشکوۃ صفحہ ۱۹۔
۴- مشکوۃ صفحہ ۲۰۱۔
۵- بخاری ومسلم، مشکوۃ/۵۳۵۔

کی دیکھتا ہوں لیکن اپنی جان سے زیادہ نہیں دیکھتا تو آپ نے حضرت عمرؓ کو سینہ پر دست مبارک سے ٹھوکا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ "الآن یا رسول اللہ" یعنی ہاں اب یا رسول اللہ آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ پانے لگا، اس روایت کو اشعۃ اللمعات نے بھی نقل کیا ہے، یہ سب تو جیہ نہیں تو اور کیا ہے، علماء نے توجیہ باطنی کی بہت سے طرق تفصیل سے نقل فرمائے ہیں ان کو مطالعہ فرمایئے امید کہ خلجان رفع ہو جائے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹/ ۲/ ۹۱ ۱۳ھ

مجدد کی تعریف اور اس کی آمد کی مدت:

بکر کا کہنا ہے کہ مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ایسے مجدد ہیں کہ ایسا مجدد ایک ہزار سال ہی میں ایک پیدا ہوتا ہے۔

عمر کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر سو سال بعد ایسا مجدد پیدا ہوتا ہے ایک ہزار کی کوئی قید نہیں بکر کا قول صحیح ہے یا عمر کا مفصل ثبوت کیساتھ تحریر فرمائیں۔

سعید احمد (بڑی مسجد، جالوپورہ، جے پور راجستھان)

الجواب وباللہ التوفیق:

"إن اللہ یبعث لهذہ الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها أمر دینها أو کما قال علیه الصلاة والسلام" (۱) اور جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود میں فرماتے ہیں:

"قال ابن الأثیر إختلف العلماء في تاویل هذا الحدیث کل واحد في زمانه وأشاروا إلی قائم الذی یجدد للناس دینهم علی رأس کل مائة سنة کان کل قائم قد مال إلی مذهبه وذهب بعض العلماء إلی ان الأولی أن یحمل الحدیث علی وجه العموم فان قوله ﷺ من یجدد لها دینها لا یلزم منه أن یکون المبعوث علی راس المائة أی واحد بل قد یکون واحد وقد یکون أکثر" (۲)۔

۱- سنن ابوداؤد ۴/ ۱۰۹ کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المائۃ حدیث ۴۲۹۱ عن ابی ہریرۃؓ۔

۲- فتاوی مولانا عبدالحی / ۱۰۶۔

ان اقوال پرغور کرنے سے پہلے مجدد کی تعریف معلوم ہونی چاہیے۔ جو شخص دین کے جن جن شعبوں کے اندر ضعف آرہا ہو اس کو دائمی طور پر دور کردے اور تقویت پہنچادے اور مردہ سنت کو زندہ کردے اور پامال شدہ احکام کی تجدید کرکے نئی روح پھونک دے مجدد کہلاتا ہے۔

کبھی ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہوتا ہے، جیسے پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیز مجدد کہلائے انھوں نے تدوین حدیث کرکے دین کی حفاظت فرمائی اور کبھی ایک سے زیادہ بھی ہوتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہؒ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ وغیرہ سب اپنے زمانے کے مجدد کہلائے ان سب نے دین کا تحفظ کیا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کردیا۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو قیامت تک دین کو باقی اور قائم رکھنا ہے اس لئے جب احکام پامال ہونے لگتے ہیں اور بدعات کا اظہار ہونے لگتا ہے اور اس پر سو سال گزرنے نہیں پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو پیدا کرتے ہیں جو تجدید دین وسنت کرتا ہے یہ ایک بھی ہوسکتا ہے اور کئی بھی ہوسکتے ہیں۔ بدعت کے مختلف شعبوں کو ختم کرنے کے لئے ہر ایک الگ بھی مامور کیا جاتا ہے جس طرح بنی اسرائیل میں کئی نبی ہوتے تھے اور ہر ایک الگ الگ خطے کے لئے مامور ہوتا تھا۔

مجدد الف ثانی اس الف ثانی سے جو مشہور ہوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۰۰۰ ہجری کے اندر دین کے جن جن شعبوں میں ضعف دیکھا سب کی تجدید کی اور سنت مردہ کو زندہ کیا اور لوگوں میں مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ لیکن ایسا بالکل نہیں ہے کہ ایک ہزار سال کے اندر فقط یہی ایک مجدد آئے بلکہ ہر صدی میں اس صدی کی خرابی کو دور کرنے کے لئے مجدد آتا ہے چاہے ایک ہو یا کئی ایک ہوں۔

بکر اور عمر دونوں میں فقط نزاع لفظی ہے بعض مقدمات کے ذہول کر جانے سے یہ اختلاف رونما ہوا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۰/۳/۱۴۰۲ھ

کیا پنچایت کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام ہے؟

میرے سامنے علماء کرام کی یہ عبارتیں ہیں اور ان کے متعلق آپ کا جواب مطلوب ہے

الحیلۃ الناجزۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ المطبوعۃ کتب خانہ امدادیہ دیوبند صفحہ

۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۶ الاستفتاء بالمرة الخامسة الخامس وإن كانت القوة والشوكة شرطا للقاضي فهل تشترط القوة والشوكة لتلك الجماعة التي رفع الأمر إليهم فإن قيل بصحة حكمها ونفاذه بدون القوة فما الفرق بين القاضي وتلك الجماعة بينوا بالدليل(۱)۔

الجواب من الشيخ عبد الله الفوتي المدرس بالحرم النبوي الخامس فإن كانت القوة والشوكة (إلى قوله) بينوا الدليل. فجوابه ما اطلعنا على نصوصهم في كتب المذهب التي بأيدينا أن القوة والشوكة من شروط الجماعة، وأما الفرق بين القاضي والجماعة فبين وذلك ان القاضي وعمله جزء من أجزاء عمل وظيفة الإمام وعدم الإمام شرط لوجود الجماعة لأنهم قالوا إذا فقد الحاكم أن جماعة العدول تقوم مقامه (۲)۔

حنفیہ کے نزدیک پنچایت کا فیصلہ قضائے قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، لیکن اگر یہ پنچائتیں اپنے فیصلے نافذ کرنے کا اقتدار رکھتی ہوں اور ان کے اختیارات ۔ باعث محض ثالثانہ نہیں بلکہ حاکمانہ نوعیت کے ہوں تو مذہب حنفی کے مطابق بھی ان کے فیصلے قضائے شرعی کے حکم میں ہوں گے۔

معلوم یہ ہوا کہ مالکی اور حنفی دونوں کے نزدیک قوت وشوکت اور حاکمانہ نوعیت شرعی پنچایت کے قیام کے لئے ضروری ہے، ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟

خادم فضیل الرحمٰن مفتی مالیرکوٹلہ مورخہ ۴/جمادی الاول ۱۴۰۲ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۸۲ء

الجواب وباللہ التوفیق:

خط کشیدہ عبارت تو واضح نہیں ہے اسلئے اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ اتنا عرض ہے کہ شرعی پنچایت کے قیام کے لئے تو حاکمانہ نوعیت ضروری نہیں ہے۔ البتہ اس کے فیصلہ کو قاضی کے فیصلہ کی حیثیت دینے کے لئے اور نفوذ فیصلہ کی قوت قہر یہ حاصل ہونے کے لئے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ حکومت وقت اسے وہی حیثیت دیدے جو کبھی آنریری مجسٹریٹوں کو حاصل ہوتی تھی، اور اگر یہ نہ ہوسکے تو حکومت وقت سے اس کے فیصلہ کے نفاذ کے لئے وہی قوت حاصل ہو جو

۱- الحیلۃ الناجزۃ مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند/ ۱۵۷۔

۲- الحیلۃ الناجزۃ مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند/ ۱۶۲۔

حکومت کے عدالت مجاز کو حاصل ہوتی ہے۔

اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم اتنی قوت حاصل ہو کہ عدالت مجاز اس کے فیصلہ کو تسلیم کر لے اور اس کو خلاف قانون قرار نہ دے اور نہ اس کے کاروائی و فیصلہ میں مانع و حائل ہو بلکہ اس کے ساتھ تعاون کرے اور اس کے فیصلہ کے نفاذ میں مدد کرے تو چونکہ تقلد قضاء من الکفار بھی درست ہے جیسا کہ شامی ج ۴ کتاب القضاء میں مذکور ہے (۱)۔

اور اگر یہ قوت بھی حکومت وقت سے حاصل نہ ہو تو شرعی کمیٹی کے فیصلہ کو فیصلہ قضاء کی طرح ملزم نہیں کہہ سکیں گے، بلکہ اس کی حیثیت محض تحکیم و حکم کی ہو جس کا حکم یہ ہے کہ فیصلہ کرنے سے قبل اگر فریقین میں سے کوئی فریق اس تحکیم کو ختم کر دے اور توڑ دے تو یہ تحکیم ختم ہو جائے گی اور اس کا یہ فیصلہ لازم ولا گو نہ ہوگا۔ ہاں اگر فیصلہ کرنے سے قبل کسی فریق نے تحکیم کو ختم نہیں کیا تو یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد یہ فیصلہ بھی مثل فیصلہ قضاء کے ملزم ولا گو اور لازم العمل قضاء بھی ہو جائے گا۔ جیسا کہ شامی ج ۴ میں باب التحکیم کے اندر اس کی تصریح موجود ہے (۲)، خلاصہ یہ ہے کہ شرعی کمیٹی کو کوشش کر کے حکومت وقت سے اس کمیٹی کو تسلیم و منظور کرا لینا چاہیے اور ان فیصلوں کی وہی حیثیت حاصل کرا لینا چاہیے جو عدالت مجاز کے فیصلوں کی ہوتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۸/۵/۱۴۰۲ھ

۱-مسنون ٹوپی؟

ٹوپی کیسی مسنون ہے دیوبندی مروج ٹوپی کا پہننا کیسا ہے۔

۲-مسنون کرتا:

مرد کے لئے کیسا کرتا پہننا مسنون ہے، لمبا کتنا ہونا چاہیے کس انداز کا سلا ہوا ہونا چاہیے۔

۳-بنیان کا حکم:

بنیان کا پہننا مسنون ہے یا نہیں؟

۱- "ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً" (الدر المختار مع رد المحتار ۸/۴۳)۔

۲- "ویبفرد أحدهما بنقضه أى التحكيم بعد وقوعه ..... فإن حكم لزمهما ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية" (الدر المختار مع رد المحتار ۸/۱۲۷)۔

۴-مرد کو کیسا پائجامہ پہننا چاہئے؟

مرد کو کیسا پائجامہ پہننا چاہیے آج کل تین چار قسم کے پائجامے رائج ہیں ا-علیگڑھی ۲-شلوار ۳-پینٹ نما، ۴-چوڑی موہری والا-

۵-پینٹ اور بیل باٹم کا حکم:

پینٹ اور بیل باٹم کا پہننا کیسا ہے؟

۶-نیکر پہننا کیسا ہے؟

پائجامہ یا تہبند کے نیچے نیکر کا پہننا کیسا ہے-

۷-عورتوں کے لئے مسنون لباس:

عورتوں کے لئے سر سے لے کر پیر تک پورے مسنون لباس کی وضاحت فرما دیا جائے-

۸-رولڈ گولڈ لوہا اور چاندی کا بٹن:

رولڈ گولڈ لوہا اور چاندی کے بٹن کا کیا حکم ہے؟

عبدالقدوس، جمشید پوری

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئلہ یہ ہے کہ ہر کپڑا جس کا پہننا جائز ہو جیسے عورتوں کے لئے ریشمی وغیر ریشمی ہر دو پہننا جائز ہے اور مردوں کے لئے محض غیر ریشمی پہننا جائز ہے اور ٹخنوں سے اوپر تک رکھنے کا حکم ہے، غرض جس کپڑے کا پہننا جائز ہو، اس کا ہر ایسا لباس جو پوری طرح ساتر ہو اور ذرا ڈھیلا ڈھالا ہو اور اس کو پہن کر نماز پڑھنے میں دشواری نہ ہوتی ہو اور وہ کسی غیر مسلم قوم کا مذہبی شعار نہ ہو تو ایسے لباس کے نفس اباحت میں کلام نہیں، البتہ جس ملک کے علماء اور مشائخ کا جو پسندیدہ لباس ہوگا اس کا اس ملک میں حد شرع کے اندر پہننا مستحسن ہوگا- اور جو لباس وغیرہ پہننا حضور ﷺ یا خیر القرون سے منقول ہے یا جس کی تعریف حسن منقول ہے، ان لباسوں کو اتباع کی نیت وجذبہ سے پہننا سب سے افضل ہوگا باقی چونکہ یہ چیزیں سنن ہدی کے طریق سے منقول نہیں ہیں اس لئے ان کے محض ترک سے معصیت یا کراہیت کا حکم نہ ہوگا اور ان منقول لباسوں کو مسنون بہ غیر ہدی کی افضلیت کا حکم ہوگا یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں کا خلاصہ ہے- مثلاً بدائع الصنائع ورد المحتار وغیرہ (۱) اور تحقیقی مسئلہ ہے اس کے بعد

۱- تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۴/۳۱۲ کتاب الاستحسان، ورد المحتار علی الدر المختار ۹/۵۰۵ کتاب الحظر والإباحۃ-

ہر سوال کا نمبر وار جواب معروض ہے۔

۱-ٹوپی سلف سے گول منقول ہے بعض سر سے لگی ہوئی اور بعض سر سے کچھ اوپر نکلی ہوئی باقی ہر ٹوپی کا پہننا جائز ہے، اور انہی قیود سے جو اوپر منقول ہوئیں دیوبندی مروج ٹوپی سے اگر مراد وہ ٹوپی ہے جس میں کچھ دیواری ہوتی ہے تو یہ طرز خیر القرون سے منقول نہیں ملتا باقی نفس اباحت میں کلام نہیں۔

۲-نصف ساق تک پہننا مستحسن وافضل ہے خواہ کلی دار ہو یا بغیر کلی کا ہو اور نفس جواز ہر ایک میں ہے (۱)۔

۳- خیر القرون سے ایسی بنیان کا ثبوت منقول نہیں باقی نفس جواز و اباحت میں کلام نہیں، کیونکہ یہ چیز کسی غیر مسلم قوم کا مذہبی شعار نہیں۔

۴-پائجامہ چاہے جس قسم کا پہنے صرف ٹخنوں سے نیچا نہ ہو تو جواز میں کلام نہیں استحسان شلوار میں ہے (۲)۔

۵- مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق نفس جواز میں کلام نہیں باقی اس خطہ میں غیر مستحسن کہا جائے گا کیونکہ یہاں کے صلحاء و اتقیاء و مشائخ میں رائج نہیں۔

۶-جائز ہے۔

۷-عورتوں کے لئے چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی کے بعد سے اور دونوں پیر ٹخنوں کے نیچے سے چھوڑ کر سب ستر ہے اور اجنبی ہر مرد سے اس کے چھپانے کا حکم ہے (۳) باقی محرم وغیر محرم سے چھپانے کی تفصیل اور نماز میں چھپانے اور نہ چھپانے کی تفصیل کی گنجائش استفتاء میں نہیں اس کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھئے کم از کم بہشتی زیور کا غائر نظر سے مطالعہ کیجئے۔

۸-بٹن چاندی کے تار سے کپڑے میں بنا ہوا ہو اس کا استعمال تو بلا اختلاف جائز (۴)، اور اس کے علاوہ کا بٹن

۱- ''عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه قال رأيت النبي ﷺ وعليه حلة حمراء كأني أنظر إلى بريق ساقيه قال سفيان أراها حبرة'' (شمائل ترمذی مع شرح خصائل نبوی/۹۹)۔

۲- ''عن الأشعث بن سليم قال سمعت عمتي تحدث عن عمها قال بينما أنا أمشي بالمدينة إذا إنسان خلفي يقول: ارفع إزارك فإنه أتقى وأبقى، فالتفت فإذا هو رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله إنما هي بردة ملحاء قال: أما لك في أسوة فنظرت فإذا إزاره إلى نصف ساقيه'' (شمائل ترمذی مع شرح خصائل نبوی/ ۱۶۸، ناشر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۲۰۰۳ء) ''وعن حذيفة بن اليمان قال أخذ رسول الله ﷺ بعضلة ساقي أو ساقه في الكعبين فقال هذا موضع الإزار فإن أبيت فأسفل فإن أبيت فلا حق للإزار في الكعبين'' (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ص ۱۰۷، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)۔

۳- ''وللحرة ولو خنثى جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح خلا الوجه والكفين، فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد وصوتها على الراجح'' (الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۷۷)۔

۴- ''ولا بأس بعروة القميص وزره من الحرير، لأنه تبع، وفي التتارخانيه عن السير الكبير لا بأس بأزرار الديباج

کپڑے سے الگ رہ کر بھی اپنا مستقل وجود رکھتے ہوں وہ حلیہ کے حکم میں ہے اور ممنوع ہے صرف بعض علماء نے گنجائش دی ہے، اسی طرح رولڈ گولڈ کے بٹن کے استعمال کا اکثر علماء جواز فرماتے ہیں اور بعض محققین منع فرماتے ہیں۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی ،مفتی دارالعلوم دیو بند سہارنپور ۲۹/۶/۲ ۱۴۰ھ

مردوعورت کالباس:

۱-لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ خلوت میں پینٹ پہنے تو کیا یہ جائز ہے؟ پینٹ کئی قسم کی ہوسکتی ہے جیسے کہ پینٹ میں بناوٹ زنانہ ہو یا مردانہ یا نہ زنانہ ہے اور نہ ہی مردانہ جیسے ہزف بیل باٹم، ٹائٹ، پیرل، ایسا پینٹ جو کہ لڑکی کے نام کا ہو اور شوہر اسے نہیں پہنتا ہو ایسا پینٹ جسے اس لڑکی کا شوہر بھی پہنتا ہو۔

۲-آج کل مرد شلوار پہنتے ہیں اور عورتیں بھی اس طرح چوڑی دار پائجامہ پہنتی ہیں بظاہر مردانہ اور زنانہ طرز میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیا چوڑی دار پائجامہ اور شلوار مرد پہن سکتے ہیں اور عورتیں بھی۔

۳-بہت سے بیرونی ممالک میں عورتیں پینٹ پہنتی ہیں یا پری اسکرٹ وہاں کوئی اور لباس کا رواج نہیں ہے کیا وہاں مسلم یا نومسلم عورتیں پینٹ پہن سکتی ہیں۔

۴-ایک ہی لباس جیسے کرتا، پائجامہ شلوار وغیرہ اگر مردانہ اور زنانہ بھی ہوں تو دونوں میں کیا فرق ہونا چاہئے؟

ایم، ایم (مکان ۸-۲۱۳۸ ۱۲ حیدرآباد اے، پی)

الجواب وبالله التوفیق:

پینٹ خواہ کسی قسم کا ہو اور زنانی بناوٹ کا ہو یا کسی اور بناوٹ کا ہو یہ اسلامی لباس یا اسلامی معاشرہ کا لباس نہیں ہے پس جس ملک میں جہاں کا قومی عام لباس بھی نہیں اس ملک میں زنانی بناوٹ کا یہ لباس پہننا مکروہ ہوگا باقی محض شوہر کے ساتھ خلوت میں تو عورت کا ننگا ہونا بھی درست ہے تو یہ لباس جبکہ شوہر کے سوا کوئی اور نہ دیکھے اور کوئی نہ ہو اس کے پہن لینے کی ممانعت کا حکم نہ ہوگا۔

البتہ اگر شوہر اس کے لئے اس لباس کو پسند نہ کرے تو ہرگز پہن لینے کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح ہر ملک میں جو

والملعب" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/ ۵۱۱، یعنی کپڑے سے منسلک اور اس کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے)۔

لباس عام طور سے شائع ضائع ہواوراس میں جو غیروں کا مذہبی شعار کے طور پر استعمال نہ ہوتا ہو، ان لباسوں میں جو مردانہ طرز کے شمار ہوں ان کا عورتوں کو پہننا مکروہ وممنوع اور جو زنانہ طرز کے شمار ہیں ان کا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ اور ممنوع ہوگا۔

"لعن الله المتشبهين بالنساء و المتشبهات بالرجال "(۱)۔

اور ہدایت نبوی کے مطابق احتیاط کرنا لازم وضروری رہے گا۔

اسی ضابطہ کلیہ پر مردانہ وزنانہ شلوار اور چوڑی دار وغیر چوڑی دار پائجامہ وکرتہ وغیرہ تمام لباسوں کا ان کی کٹنگ وساخت کے فرق کو سمجھ کر استعمال کرنیکا حکم بآسانی معلوم ہوجائے گا۔اسی طرح بیرونی ممالک کے لباسوں میں عورتوں اور مردوں کے لباس کا فرق معلوم کر کے حکم بآسانی معلوم ہوجائے گا،معلوم کرلیا جائے، البتہ یہ کلیہ بھی ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے کہ ہر ملک میں وہاں کے علماء وصلحاء ومشائخ کا جو لباس ستر پوش ہواورستر پوشی میں ایسا ہوجس سے پہننے میں جسم کی ہیئت وساخت نمایاں نہ ہوتی ہو بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہواس کا استعمال عند اللہ وعند الرسول وعند الشرع مستحسن ومحمود ہوگا اور جو لباس شرعاً اورعند الرسول علیہ السلام محمود ومستحسن ہوگا اس میں شوہر کی مخالفت وممانعت مؤثر نہ ہوگی، البتہ عورت پر لازم رہے گا کہ وہ شوہر کو سمجھا بجھا کر مخالفت کرنے سے باز رکھے اور اگر لباس چست ہو کہ اعضاء مستورہ کی ہیئت وساخت نمایاں ہو یا ڈھیلا ہو مگر اتنا باریک ہو کہ مستور اعضاء جھلکیں یا نظر آئیں تو حدیث پاک (۲) کے حکم کے مطابق بالخصوص عورتوں کو بوڑھی ہوں یا جوان ہوں پہننا قطعاً ناجائز وحرام ہے خواہ کسی ملک میں ہو ہر جگہ کا یہی حکم ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۶/ ۷/ ۱۴۰۴ھ

کن رنگوں کے کپڑے مردوں کو پہننا ممنوع ہیں؟

وہ کون سے رنگین کپڑے ہیں کہ جو مردوں کو پہننا جائز ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

احمر قانی (گاڑھا سرخ) شوخ گلابی، کسم کا رنگ، زعفران اور جو رنگ زنانے شمار ہوتے ہیں، ان رنگوں کے

۱- بخاری ۲/ ۸۷۴، کتاب اللباس۔

۲- "رب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة" (بخاری ۱/ ۲۲، کتاب العلم)۔

کپڑے کا استعمال مردوں کو درست نہیں (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/ ۷/ ۹۱ ۱۳ھ

الجواب صحیح: محمود غفرلہ

جبہ کا ٹخنہ سے نیچے ہونا کیسا ہے؟

امام صاحب جمعہ کا خطبہ اتنا لمبا جبہ پہن کر دیتے ہیں کہ وہ ٹخنوں سے نیچا ہوتا ہے۔ نیز سر پر رومال رکھ کر ڈوری باندھ دیتے ہیں۔ بعض مقتدی کہتے ہیں کہ نماز مکروہ ہوتی ہے، کیونکہ ٹخنوں کے نیچے کپڑا پہننا حرام ہے اور ماتھے پر رومال رکھنا نماز کی حالت میں مکروہ ہے، امام صاحب کہتے ہیں کہ کوئی کراہت نہیں ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

نماز جمعہ کے لئے جبہ پہن کر نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ جبہ ٹخنوں سے نیچا رکھنا جائز نہیں ہے، اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جب رومال سر پر ڈال کر اوپر سے ڈوری اس طرح باندھ لیتے ہیں تو ڈوری سے تو سدل کی کراہت سے نکل جاتے ہیں۔ وجہ کراہت یا ممانعت باقی نہیں رہتی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

کرتہ کا نصف ساق ہونا:

کرتہ میں نصف ساق کی شرعی حیثیت کیا ہے آیا سنت ہے یا مستحب یا مستحسن؟ جو بھی ہو واضح دلائل کے ساتھ تشفی بخش جواب سے نوازیں۔ عموماً قمیص دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک شگاف بند (گول) دوسری شگاف والی بعض علماء کی رائے یہ

۱- "وكره لبس المعصفر والمزعفر والأحمر والأصفر للرجال مفاده أن لا يكره للنساء ولا بأس بسائر الألوان، وفي المجتبى والقهستاني وشرح النقاية لأبي المكارم لا بأس بلبس الثوب الأحمر "ومفاده أن الكراهة تنزيهية، لكن صرح في التحفة بالحرمة فأفاد أنها تحريمية، وهي المحمل عند الإطلاق قاله المصنف، قلت: وللشرنبلالي فيه رسالة نقل فيها ثمانية أقوال منها: أنه مستحب ولكن جل الكتب على الكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والمنتقى والذخيرة وغيرها. وبه أفتى العلامة القاسم" (فتاوی شامی، ۲۲۸ ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ) (مرتب)۔

ہے کہ قمیص میں سنت تب ہی ادا ہوگی جب وہ نصف ساق شگاف بند ہو، بعض لوگ شگاف بند اور بغیر شگاف قمیص کے مابین کافی فرق کرتے ہیں، یہ فرق کرنا اور کسی ایک پر اصرار کرنا کیسا ہے وعلیٰ ہذا القیاس گول ٹوپی لمبی ٹوپی اور دیوبندی ٹوپی میں فرق کرنے والا آدمی بھی مل رہا ہے، بعض آدمی گول ٹوپی ہی افضل کہتے ہیں اور بعض لوگ دیوبندی ٹوپی میں ہندوؤں کی مشابہت بتا کر اس پر اعتراض کرتے ہیں، یہ اعتراض کیسا ہے اور کون سی ٹوپی افضل ہے، نیز صلحاء کے لباس کا معیار متعین فرمادیجئے تاکہ ہمارے لئے عمل کرنا آسان ہو۔

عمامہ سنت ہے یا مندوب؟

عمامہ سنت ہے یا مندوب اور اس کا کوئی خاص وقت بھی ہے یا دائمی عمل ہے۔

کیا سر منڈانا سنت ہے؟

سر کا منڈانا سنت ہے یا نہیں، لمہ، جمہ، وفرہ تو سنت ہے ہی اس کے علاوہ قصر کا کیا حکم ہے۔ حضرت صدر مفتی صاحب دار العلوم دیوبند کی خدمت اقدس میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ مذکورہ سوالات کے واضح جوابات سے نوازیں، تاکہ حق کی وضاحت ہوجائے۔

الجواب وبالله التوفيق:

نصف ساق تک کرتہ مسنون ہے: **"اعلم أن الكسوة منها فرض وهو ما يستر العورة ويدفع الحر والبرد والأولىٰ كونه من القطن أو الكتان أو الصوف على وفاق السنة، بأن يكون ذيله نصف ساق"** (۱)، شگاف وغیر شگاف کی تفصیل ان سے پوچھی جائے جو دونوں میں فرق کے مدعی ہیں، گول ٹوپی جو سر سے چپٹی ہوئی ہو اونچی نہ ہو افضل ہے، حضرت ابی کبشہ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے: **"عن أبي كبشة قال كان أكمام أصحاب رسول الله ﷺ بطحا"** (۲)، لیکن گول ٹوپی کی افضلیت دوسری ٹوپی کے جواز کے منافی نہیں ہے، لہذا لمبی ٹوپی پر اعتراض درست نہیں، اسی طرح دیوبندی ٹوپی کو ہندوؤں کے مشابہ قرار دیکر اعتراض کرنا بالکل غلط ہے، اس لئے کہ ٹوپی مسلمانوں کا شعار ہے، نہ کہ

۱- شامی ۵/ ۲۲۴۔

۲- رواہ الترمذی، مشکوٰۃ/ ۳۷۴۔

ہندوؤں کا اور غیر قوم سے کسی چیز میں مشابہت اس وقت قبیح ہے، جبکہ وہ اس قوم کے ساتھ خاص ہو، یا اس کا شعار ہو جو لباس مسنون اوپر ذکر کیا گیا وہی صلحاء کا لباس ہے، مثلاً نصف ساق کرتہ، ٹخنوں سے اوپر پائجامہ یا تہبند اور ٹوپی، نیز ہر ملک کے علماء صلحاء کا جو لباس ہو وہی لباس وہاں کے لوگوں کے لئے مسنون و مستحب ہے۔

عمامہ سنت ہے اور اس کے لئے کوئی خاص وقت نہیں ہے، **"عن عبادة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عليكم بالعمائم، فإنها سيماء الملائكة وارخوها خلف ظهوركم" رواه البيهقي في شعب الإيمان**(۱)۔

سر منڈانا بھی سنت ہے اور قصر بھی جائز ہے، **كما في قوله تعالى: "محلقين رؤسكم ومقصرين"**(۲)،

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱/۲/۱۴۱۱ھ

مشین سے ٹپک ٹپک کر جمع ہونے والے تیل کا حکم:

تیل نکالنے والی مشین سے تیل نکالنے کے بعد کچھ دیر تک تیل کے قطرات نکلتے رہتے ہیں، ہفتہ عشرہ کے بعد تیل کی کچھ مقدار جمع ہو جاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس تیل کا استعمال مالک مشین کے لئے جائز ہے یا کوئی اور مصرف ہے۔

محمد معین الدین گونڈوی

الجواب وبالله التوفيق:

تیل نکالنے والی مشین سے کھلی وغیرہ نکال لینے کے بعد بھی جو قطرات کچھ دیر تک ٹپکتے رہتے ہیں اس کے اصل مالک تو وہی ہیں جن کے سرسوں وغیرہ سے یہ تیل نکلا ہے باقی ان کی اجازت حالی یا مقالی سے اس کے استعمال کی اجازت مالک مشین کو بھی ہو جائے گی، اور اصل مالک کا ان قطرات کو ٹپکتا ہوا چھوڑ کر چلا جانا ان کے اذن حالی دیدینے کا قرینہ ہے اور

۱- مشکوٰۃ ص ۳۷۷۔

۲- سورۂ فتح: ۲۷۔

جواز استعمال کے لئے کافی ہے، باقی اگر کسی موقعہ میں اس اجازت میں شبہ ہو تو صریح اجازت لے لینا بہتر ہوگا(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۲/۸/۵ھ

سلام میں پاؤں چومنا:

عید کے دن میں لوگ نماز کے پڑھنے کے بعد والدین کا پاؤں پکڑ کر سلام کرتے ہیں، یعنی دو ہاتھ کو پاؤں پر رکھ کر پیشانی سے لگا لیتے ہوں کیا یہ شریعت کی بات ہے؟ سلام کر کے مصافحہ کر لینے سے بس نہیں ہوگا۔

الحق مر عند الجاہلین کیا یہ حدیث ہے؟

''**الحق مر عند الجاهلين وحلو عند العارفين**'' حدیث ہے یا کیا ہے؟

صحیح اور ضعیف حدیث کی تعریف:

برما ملک سے فارغ ہوا مولوی لوگ کہتے ہیں کہ احادیث سب صحیح ہے جھوٹا حدیث نہیں ہے۔ بعض راوی متقی نہیں ہے، اس لئے اس کو ضعیف یا جھوٹا حدیث بولنا صحیح ہے؟

تیرہ صدی (۱۳۰۰ ہجری) کے بعد کیا ہوگا رسول اللہ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا صرف اتنا فرمایا آپ لوگ ہوشیار رہو گھوٹالا (گڑبڑ) ہونے والا ہے یہ بات صحیح ہے یہ ایک مشہور بات ہے۔

کسی کے گھر جا کر قرآن خوانی کرنا:

اکثر اچھے لوگ مجھکو پیار کرتے عزت کرتے ہیں اگر کسی کے گھر میں آدمی کا انتقال ہوا اگر میں اس کے گھر میں جا کر قرآن پڑھ کر نہیں دیا لوگ مجھے کیا کیا بولتے ہیں اگر مجھکو بخار یا خفقان ہے پھر بھی جا کر پڑھ کر دینا ہوتا ہے لوجہ اللہ نہیں ہے مجبوری کی وجہ سے جانا ہوتا ہے ان کے گھر میں جا کر پڑھے گا یا میرے گھر میں؟ ان کے گھر میں جا کر پڑھنے سے میرے اندر اخلاص بہت کم ہے کہاں میں پڑھنے سے اچھا ہوگا؟ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والا بہت ہے مگر اسحاق جیسا کہاں ہے۔

۱- ''وإن كانت شيئاً يعلم أن صاحبها لا يطلبها كالنواة وقشور الرمان يكون إلقاؤه إباحة حتى جاز الانتفاع به من غير تعريف'' (الہدایہ ۲/۵۹۵)۔

کیا لڑکا پیدا ہونا خوش نصیبی ہے:

لوگ بولتے ہیں جس کے پاس لڑکا پیدا ہوتا ہے وہ اچھا نصیب (تقدیر) والا ہے، تمہارا نصیب بہت اچھا ہے۔ اللہ نے دو بچے دیئے ہیں دونوں لڑکے ہیں لی ابنین اسمیھما ھارون وموسیٰ فقط

محمد اسحاق (تھائی لینڈ)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- یہ طریقہ شریعت میں منع ہے، شریعت کے سراسر خلاف اور کافروں کا طریقہ ہے، چرن پر ڈنڈوت کرنا ہے، یعنی چرن (قدم) پر تعظیماً پیشانی رکھنا ہے قرآن پاک میں ہے: "ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار" (۱) صرف سلام ومصافحہ پر بس کرنا چاہیے، ماں باپ کے قدم کو چومنے کی اس وقت اجازت ہے جب ماں باپ اتنی اونچائی پر ہوں کہ ان کا قدم چومنے میں سجدہ کی طرح جھکنا نہ پڑے اور اس مذکورہ طریقہ میں سجدہ کی طرح جھکنا پڑتا ہے اور کافروں کا شعار وطریقہ ہے ہرگز ایسا کرنا درست نہیں (۲)۔

۲- ان الفاظ میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے البتہ مشائخ اس طرح فرما دیتے ہیں۔

۳- حدیث نام ہے کلام رسول اور فعل رسول اور تقریر رسول ﷺ کا اور جو ایسی ہیں وہ سب صحیح ہیں، باقی واضعین حدیث نے جو غیر حدیث کو حدیث کہہ کر بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں یہ جملہ بدعتیوں کا ایک قسم کا مغالطہ ہے (۳)۔

۴- تیرہ صدی کے بعد کی بھی بہت سی چیزوں کی خبر آپ نے دی ہے مثلاً حضرت امام مہدی کا ظاہر ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امام مہدی کے زمانہ میں دجال کو قتل کرنے کے لئے آسمان سے اترنا۔ دابۃ الارض کا نکلنا۔ سورج کا پچھم سے طلوع ہونا غرض بہت سی علامات قیامت اور اشراط ساعت حضور ﷺ سے ثابت ہیں جو ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہیں اس لئے

۱- "ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من أولیاء ثم لا تنصرون" (سورہ ہود: ۱۱۳)۔

۲- ایک طویل حدیث میں وارد ہے: "قال: فقبلوا یدہ ورجلہ" (سنن الترمذی ۷۷/۵ کتاب الاستئذان حدیث ۲۷۳۳)، "قال الإمام العینی بعد کلام: فعلم تقبیل الید والرجل والرأس... الخ" (رد المحتار علی الدر المختار ۵۴۳/۹ و ۵۴۴)، "تجوز الخدمۃ لغیر اللہ تعالی بالقیام وأخذ الیدین والانحناء ولا یجوز السجود إلا للہ تعالی" (فتاوی عالمگیریہ ۳۶۹/۵)۔

۳- "وفیھا أی فی الآحاد المقبول وھو ما یجب العمل بہ عند الجمھور، وفیھا المردود وھو الذی لم یرجح صدق المخبر بہ" (نزھۃ النظر مع شرحہ لملا علی القاری / ۲۱۰)۔

یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے تیرہ صدی کے بعد کی کوئی خبر نہیں دی یا اس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا بالکل غلط اور گمراہی کی بات ہے(۱)۔

۵-کسی کے گھر جا کر قرآن خوانی کرنے سے بہت بہتر ہے کہ اپنے ہی گھر پڑھ کر بخش دے اور اگر کسی رعایت یا مروت سے جانا ہی پڑ جائے تو لوگ جس جگہ بیٹھ کر اکٹھا طور پر جہر سے تلاوت کر رہے ہوں وہاں سے الگ اتنی دور بیٹھ کر آہستہ تلاوت کرنا چاہیے جہاں سے جہر (بلند آواز) سے تلاوت کا استماع لازم نہ آتا ہو(۲)، اور بعد تلاوت کوئی چیز اجرت میں بغیر کھائے پیئے واپس آجانا چاہیے(۳)۔

۶-یہ بات بھی غلط مشہور ہوگئی ہے حدیث شریف میں تو اس طرح آیا ہے:" أول البنت أول بركات البنات او كما قال ﷺ "(۴) یعنی پہلی اولاد لڑکی ہونا یہ عورت کی پہلی برکت ہے۔بہر حال لڑکوں کا ہونا بھی برکت سے خالی نہیں، اس لئے کلیہ دونوں طرح نہ ہونا چاہیے۔لڑکوں کا نام ہارون وموسیٰ بہت اچھا نام ہے خدا مبارک کرے اور سبھوں کو دیندار اور عالم دین بنائے اور دنیا وآخرت دونوں اچھا گزارے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۱/۸/۱۴۰۲ھ

۱- ''عن حذيفة بن أسيد الغفاريؓ قال اطلع النبي ﷺ علينا ونحن نتذاكر، فقال: ما تذاكرون، قالوا نذكر الساعة، قال: إنها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر آيات، فذكر الدخان والدجال، والدابة وطلوع الشمس من مغربها ونزول عيسى بن مريم عليه السلام ويأجوج ومأجوج وثلاثة خسوف، خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب، وآخر ذلك نار تخرج من اليمن تطرد الناس إلى محشرهم" (صحیح مسلم ۴/ ۲۲۲۵، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، حدیث ۳۹/ ۲۹۰۱)۔

۲- ''وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون" (سورہ اعراف: ۲۰۴)۔

۳- ''فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز، لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر، والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر، ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون" (رد المحتار علی الدر المختار ۹/ ۷۷)۔

۴- ان الفاظ میں کوئی حدیث نہیں ملی البتہ عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے ''قال قال رسول الله ﷺ: لا تكرهوا البنات فإنهن المؤنسات الغاليات، رواه احمد والطبراني وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن وبقية رجاله ثقات" (مجمع الزوائد ۸/ ۱۵۶)، اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ''قال رسول الله ﷺ: من ابتلي بشيء من البنات فصبر عليهن كن له حجاباً من النار، قال أبو عيسى هذا حديث حسن" (سنن الترمذی ۴/ ۳۱۹، کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات حدیث ۱۹۱۳)، اور حضرت واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے ''قال قال رسول الله ﷺ: إن من بركة المرأة تبكيرها بالأنثى، ألم تسمع الله يقول في كتابه يهب لمن يشاء إناثاً ويهب لمن يشاء الذكور، فبدأ بالإناث قبل الذكور، هذا حديث موضوع" (کتاب الموضوعات لابن الجوزی ۲/ ۲۷۶)۔

کیرم بورڈ کھیلنا:

کیرم بورڈ کھیلنا کیسا ہے؟

محمد علی (مظفر نگر)

الجواب وباللہ التوفیق:

کیرم بورڈ بھی مثل تاش کے ایک قسم کا کھیل ہے اس لئے مکروہ ہے اور حدیث شریف میں ہے: "کل لهو المسلم حرام إلا ثلثة أو كمال قال ﷺ" (۱)، اور اس تین میں جو مستثنیٰ ہیں یہ کھیل داخل نہیں، اس لئے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بالکل حرام ہو مگر چونکہ بعض دماغی مشق بھی ہوتی ہے اس لئے مکروہ کہا گیا البتہ اس میں ایسا انہماک ہو جائے کہ نماز باجماعت کی پابندی میں فتور پڑنے کا اندیشہ ہو تو قطعاً ناجائز ہے اور حسب ارشاد نبوی حرام ہوگا (۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۷/۸/۱۴۰۲ھ

بغرض تعظیم پاؤں چھونا:

لوگ دوسرے مسلمان کی تعظیم کے لئے ان کے پاؤں چھوتے ہیں اور دونوں اس عمل سے خوش ہوتے ہیں کرنے اور کروانے والے اسکے متعلق بھی ادھر ادھر کے عذرات اور بعض پیر مرشد کے اعمال کا حوالہ دیا جاتا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور بزرگان دین سے یہ بات قطعی ثابت نہیں، براہ کرم اس کی بھی قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

۱- "وقال رسول اللہ ﷺ: ارموا واركبوا وأن ترموا أحب إلیّ من أن تركبوا، وكل ما يلهو به المرء المسلم باطل إلا رميه بقوسه، وتأديبه فرسه وملاعبته امرأته فإنهن من الحق" (سنن ابن ماجہ ۲/۹۴۰ کتاب الجہاد باب الرمی فی سبیل اللہ حدیث ۲۸۱۱، سنن الترمذی ۴/۱۷۴ کتاب فضائل الجہاد باب ما جاء فی فضل الرمی فی سبیل اللہ حدیث ۱۶۳۷، سنن ابوداؤد ۳/۱۳، کتاب الجہاد باب فی الرمی حدیث ۲۵۱۳، ان کے الفاظ مختلف ہیں)۔

۲- "وكره تحريماً اللعب بالنرد وكذا الشطرنج... وأباحه الشافعي وأبو يوسف، في رواية ..... وهذا إذا لم يقامر ولم يداوم ولم يخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع" (الدر المختار مع رد المحتار ۹/۵۶۶، ۵۶۷)۔

الجواب وبالله التوفیق:

تعظیم کے لئے یا تحیۃ کے لئے پاؤں چھونے میں اکثر اور عموماً (جھکاؤ) لازم آتا ہے، اور یہ (جھکاؤ) مجوسیوں کا فعل ہے اور ان کی مشابہت ہے اور یہ مکروہ تحریمی وناجائز ہے جیساکہ فتاویٰ عالمگیری (ص ۳۶۸ ج ۵) کی ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے:

(الف) "**الإنحناء للسلطان أو لغيره مكروه لأنه يشبه فعل المجوس كذا في جواهر الاخلاطي**"۔

(ب) "**ويكره الإنحناء عند التحية به ورد النهي كذا في التمر تاشي**"، نیز ہندوستان کے مشرکین اپنے بڑوں کا پیر چومتے اور چھوتے اور اس کو پاؤں لگی اور ڈنڈوت کا نام دیتے ہیں اور یہ ان کا مذہبی طریقہ عمل ہے، اور ان کا مذہبی شعار ہے، بعض تو عبادت کے طور پر کرتے ہیں جس کا تعبد لغیر اللہ ہونا ظاہر ہے، اس لئے یہ عمل وطریقہ قطعاً حرام و ناجائز ہوگا اور اس کی مشابہت سے بھی بچنا واجب ہوگا۔ اب جو بعض فقہاء نے اباحت بیان فرمادی ہے اس کا محل سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا جس میں انحناء (جھکاؤ) بالکل نہ ہو، مثلاً وہ شخص چارپائی وغیرہ کسی اونچی جگہ پر ہو اور چومنے والا نیچے زمین پر ہو اور بغیر کسی انحناء (جھکاؤ) کے اس کا پیر چھوئے یا چومے اور اگر اباحت مطلقہ مراد بھی لے لیا جائے تو اباحت کے لئے واجب کے خلاف کرنا ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگا، اس لئے بھی اس کے پاؤں چھونے کی اجازت نہ ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱ -لوہار کے یہاں کام سے بچا ہوا بیکار لوہے کا حکم:

دیکھا جاتا ہے کہ لوہاروں کے یہاں جو کاشتکار کام کرنے آتے ہیں ان کا جو کام کرانے کے بعد لوہا جو بچتا ہے جو بیکار ہوتا ہے ان کے کسی کام کا نہیں ہوتا اس میں رکھنے کے لئے اسے اجازت لینی پڑے گی یا بغیر اجازت کے اگر رکھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟ اب اگر ان کی اجازت کے بغیر رکھ بھی لیا تو یہ مال حرام تو نہیں ہوگا اس میں نیز یہ ہوتا ہے کہ بعض تو خود ہی چھوڑ جاتے ہیں بعض کو یاد نہیں رہتا بعض کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس غرض سے چھوڑ کر جا رہا ہے تو اب اگر ان کو پہنچانا ضروری ہے تو کس طرح پہنچایا جا سکے گا جبکہ معلوم نہیں کہ کس کا کتنا ہے اور کیا ہے؟ اور کون تھا اور کون نہیں تھا۔

۲-قرآن شریف پر ماتھا ٹیکنا:

بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے ہیں تو پہلے چہار زانو بیٹھتے ہیں، پھر قرآن شریف کھول کر اس پر سجدہ کی طرح ماتھا رکھیں گے پھر پڑھنا شروع کریں گے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

۱-اس بچے ہوئے لوہے کا حال اگر ایسا ہے کہ اس کو لوگ کسی کام میں نہیں لاتے تو اس شخص سے زبان سے اجازت لئے بغیر بھی اپنے مصرف میں لانا درست رہے گا، ورنہ اجازت لینا ضروری ہے، عام اس سے وہ شخص زبان سے اجازت دیدے یا اس کی حالت اجازت بتلائے یعنی اذن حالی ہو مثلاً پہلی بار اس سے کہہ دے کہ یہ بچا ہوا لوہا ہے اگر آپ لے جانا چاہیں تو لے جائیں ورنہ مجھے اس کے استعمال کی اجازت دے دے تو پھر آئندہ کے لئے اس سے یہ کہہ دیں کہ بھائی آئندہ کے لئے بھی میری یہی درخواست ہے اگر لے جانا چاہا کریں تو لے جایا کریں ورنہ اس کے استعمال کی مجھے اجازت دے دیں آپ کی خاموشی کو میں اجازت سمجھوں گا، پھر اس کہہ دینے کے بعد آئندہ بھی جب وہ اس کو آپ سے نہ مانگے گا تو آپ کے لئے اس کا استعمال جائز رہیگا۔

ہر شخص جو کہ پہلی بار آپ کے یہاں کام لائے اس سے یہی بات کرلیا کیجئے۔

۲-قرآن پاک پر سر جھکا کر سجدہ کی طرح ماتھا ٹیکنا جائز نہیں ہے بلکہ سیدھے بیٹھے رہتے ہوئے قرآن پاک اوپر اٹھا کر منھ کے پاس اس کا بوسہ دے سکتے ہیں اور آنکھوں سے لگا سکتے ہیں، کما ورد فی الدر (۱)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

۱-معانقہ کی شرعی حیثیت:

مسلمان مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے کے بعد بغلگیر ہوتے ہیں دائیں بائیں سینہ کو ملاتے ہیں، یہ جائز ہے دریافت فرمادیں۔

۱- ”لکن روی عن عمر رضی الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول عهد ربي ومنشور ربي عز وجل، وكان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف ويمسحه على وجهه“ (درمختار کتاب الحظر والاباحۃ شامی ۹/ ۵۵۲، مکتبہ زکریا)۔

۲-بیوی بچوں کو دیکھنے کے لئے تصویر کھینچوانا:

اگر کوئی مسلمان غیر ممالک میں ہے اور اس کے بیوی بچے تمام اہل خانہ وطن (انڈیا) میں ہوں اور اس شخص کو ایک سال یا دو سال پر چھٹی ملا کرتی ہے، اگر کسی مسلمان بھائی نے اپنی تصویر نکال کر اپنے بچوں کو دیکھنے کے لئے بھیج دی تو شرعاً درست ہے یا نہیں، جبکہ وہ تصویر کوئی گھر میں نہیں لگاتے ہیں بلکہ دیکھ کر صندوق میں بند کر دیتے ہیں تو اپنی یادداشت کے لئے اپنے ماں باپ بیوی بچوں کو تصویر بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ کوئی تصویر نہ گھر میں لٹکاتے ہیں اور نہ دوسرے کو بتاتے ہیں، صرف گھر کے آدمی دیکھ کر چپ چاپ رکھ دیتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ تفصیل سے دریافت فرمادیں، جبکہ معاش کے سلسلے کی وجہ سے کسی بھی حالت میں کسی وقت جا نہیں سکتے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ واضح فرماویں۔

۳-آسیبی حرکات کا علاج غیر مسلم سے کرانا:

اپنے وطن گاؤں میں اور کسی مسلمان کے گھر بلا، بھوت اور شیطانی چکر ہوا کرتا ہے، حالانکہ بیوی بچے صوم وصلوۃ کے پابند ہیں اور تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں، پھر بھی بہت سارے اہل علم حضرات سے تجربہ کر کے دیکھا گیا، لیکن کچھ اسے چکر چلتا ہے کہ بھوت پریت کا اثر ہوا کرتا ہے، اس سے بچنے کے لئے ایک ہندو عالم سے پوچھ کر کچھ صدقہ خیرات وغیرہ جیسے وہ کہے اس طرح کرائے تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ وہ ہندو عالم اپنے مسلمان بھائی بہنوں کو صوم وصلوۃ کا پابند رہنے کو کہتا ہے اور کسی بھی طرح سے اور کوئی بات اسلام کے خلاف نہیں پائی جاتی، بلکہ وہ کتاب سے دیکھ کر ہی بتاتا ہے اور اپنا نام ماں کا نام پوچھ کر بتاتا ہے پھر کچھ صدقہ وغیرہ کرنے کو بولتا ہے، جبکہ صدقہ ایسے گھر کے بارے میں رکھنے کو اور جگہ وغیرہ کی تکلیف ہو تو کرنے کو کہتا ہے کہ فلاں چیز وہاں رکھ دو تو اس بارے میں کیا رائے ہے؟ اور اگر نہ کرے تو تکلیف کیسے ہٹائی جائے، اور اپنوں میں سے کوئی ایسا نہیں، اس لئے ایسی چیزوں کا علاج کیسے کیا جائے؟ تفصیل سے آگاہ فرمادیں، مثال کے طور پر میرے ہی گھر میں ایسا معاملہ ہو تو کیا کیا جائے؟ اس کے لئے ترکیب بیان فرماویں، اور اگر وہ ہندو جس طرح کہتا ہے اس طرح کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ واضح فرمائیں۔

۴-غیر مسلم سے گھر کا کام کرانا:

اگر کسی مسلمان کے گھر میں غریب غیر مسلم کام کریں (پانی بھریں) تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اسے الگ کھانا دیں یا جب گھر کے لوگ ساتھ بیٹھ کر کھائیں اسے بھی بٹھالیں واضح طور پر بیان فرمائیں۔

۵-سحر سے محفوظ رہنے کی تدبیر:

اگر کوئی مسلمان یا غیر مسلم کسی کے گھر میں آکر یا باہر ہی سے حسد کے لئے کوئی تکلیف والا عمل (مثلاً جادو) کر جائے اور اس سے بیوی بچوں کو تکلیف ہو جائے، تو اس کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

۶-گھر میں لوبان وغیرہ جلانا:

گھر میں اگر بتی لوبان وغیرہ جلاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں، مذکورہ اشیاء اگر خوشبو کیلئے جلائی جائیں تو حرج ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کر کے یا بغیر مصافحہ کئے ہوئے اگر بغل گیر ہوتا ہو تو صرف بائیں حصہ سے سینہ سے سینہ ملانا ثابت ہے بائیں جانب قلب ہوتا ہے اور قلب کی قلب سے محاذاۃ مطلوب ہوتی ہے اور بس۔

۲-صحیح حدیث میں ہے: **"اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون"** (۱)، **أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام** اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مقاصد کے لئے بھی تصویر کھنچوانا وغیرہ ٹھیک نہیں؟ ہاں! اگر وہ تصویر اتنی چھوٹی ہو اگر زمین پر رکھ دیا جائے تو کھڑے ہو کر دیکھنے پر اس کے سب اعضاء صاف معلوم نہ ہوں، اتنی چھوٹی تصویر کا بنانا اور رکھنا سب جائز رہے گا کما فی الدر والطحطاوی (۲)، وغیرہما۔

۳-حضرت حفصہؓ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **"من أتی عرافاً فسألہ عن شئی لم یقبل لہ صلوۃ أربعین لیلۃ"** (۳)، اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مسند احمد و ابو داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: **"من أتی کاھنا فصدقہ بما یقول (اِلی قولہ) فقد بریٔ مما أنزل علی محمد ﷺ"** (۴)، اس طرح اور بھی بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے ہرگز ان باتوں کے قریب بھی جانا درست نہیں ہے اور ایسا کام کرنے والا عموماً

۱- مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب التصاویر ۲/۳۸۵ قدیمی۔

۲- "قبیل مطلب الکلام علی اتخاذ السبحۃ باب مایفسد الصلوۃ ویکرہ فیہا" (۱/۴۳۶، دار احیاء التراث، بیروت)۔

۳- کتاب السلام باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہان ۲/۲۳۳ قدیمی۔

۴- رواہ ابوداؤد فی کتاب الکہانۃ والطیر باب فی الکہان: ۳۸۹۸، رواہ احمد فی مسندہ حدیث امرأۃ بنی سلیم ۵/۱۷، ۱۶۲۰۲، دار احیاء التراث، بیروت۔

عراف یا کاہن یا ساحر ہوتے ہیں بالخصوص غیر مسلم ہوں ان لوگوں کے پاس نہ جانا چاہئے اور نہ ان کی تصدیق کرنی چاہئے، انکی بات کی تصدیق کرنے سے آخرت بھی برباد ہوتی ہے اور دنیا بھی برباد ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ روزہ نماز وتلاوت وغیرہ سب کی پابندی کے باوجود مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ عراف والی روایت سے معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے چالیس ۴۰ رنمازیں مردود ہوجاتی ہیں اور دوسری روایت تو بڑی ہی خطرناک ہے، ورنہ صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے تو صحیح حدیث کے مطابق محض سورہ بقرہ کے اخیر رکوع کی تلاوت بلند آواز سے کردینا بھی ان بلاؤں سے دفعیہ کے لئے کافی ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ جس گھر میں ایک ختم قران پاک کی تلاوت جہراً کردی جائے اس گھر میں شیاطین نہیں رہ سکتے ہیں بشرطیکہ پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں اس حدیث پر ایمان واعتماد رکھتے ہوں۔

۴-مسلمان کے گھر میں بھی غیر مسلم کا کام کرنا جائز ہے بشرطیکہ عورتوں سے پورا پورا پردہ ہوورنہ منع رہے گا اور اگر اس کا ہاتھ ومنہ پاک وصاف ہے تو ساتھ میں کھلانا بھی درست رہے گا ورنہ الگ کھلانا چاہئے۔

۵-جب کوئی مسلمان یا غیر مسلم گھر میں آکر حسد سے جادو یا سحر وغیرہ کرے تو اس کو گھر سے نکال دینا چاہئے۔

۶-گھر میں خوشبو کی خاطر اگر بتی ولوبان جلانا سب جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۴/ ۲/ ۱۴۰۳ھ

۱-حمد وشکر کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

حمد وشکر کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں، ہمارے یہاں کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر شکر کرتے ہیں۔

۲-کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنا:

ہمارے یہاں جو آدمی مرجاتا ہے تو اس کے ورثہ ایک یا دو ۲ سال اس کی طاقت میں جب ہو ایک گائے ذبح کر کے لوگوں کو کھلا کر مرحوم کی روح کو ثواب بخشتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳-ستائیسویں شب کو مٹھائیاں کھلانا:

ہمارے یہاں ۲۷ ویں رات کو مٹھائی یا کھانا جتنا ہوسکے لاکر مسجد میں نمازیوں کو کھلاتے پلاتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ا-حمدوشکر کے موقعہ پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا نفس جواز میں کلام نہیں۔ باقی اس کو شرعی حکم سمجھنا یا جو ایسا نہ کرے اس کو برا سمجھنا ناجائز ہے اور ایسے طریقہ پر کرنے سے یہ فعل بدعت بھی ہوجائے گا۔

۲-ثواب پہنچانا تو بہت اچھی چیز ہے اگر پوری گائے یا پکا کر کے اس کا گوشت غریبوں محتاجوں کو دیدیا جائے یا پکا کر کھلا دیا جائے، اور کوئی نام ونمود نہ کیا جائے اور اس کے لئے کوئی خاص تاریخ کو شرعاً ضروری قرار نہ دیا جائے تو درست رہے گا ورنہ بدعت ہوگا جیسا کہ اہل بدعت کے یہاں یہ سب چیزیں چالیسویں ششماہی برسی کے نام سے موسوم ہوکر اور ضروری سمجھ کر کی جاتی ہیں یہ سب طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔

۳- اس کا بھی شرعاً کوئی حکم نہیں ہے، اگر کوئی شرعی حکم اس کا سمجھ کر کرے تو ممنوع ہوگا اور اگر ویسے ہی محض مسلمانوں کا دل خوش کرنے کے لئے کرے تو درست ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۲/۱۲/ ۱۴۰۳ھ

ایصال ثواب کے لئے سورہ یسین پڑھ کر دعا کرنا:

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ بیرون ملک کسی رشتہ دار کا انتقال کی خبر پر جمعہ بعد ایصال ثواب کے لئے یاسین شریف کے ختم کا اعلان امام صاحب سے کرایا جاتا ہے، ایک طالب علم نے اس رواجی ایصال ثواب کے طریقہ سے نکیر کی ہے عرض یہ ہے کہ بستی نظام الدین میں بھی باقاعدہ کسی نماز کے بعد یاسین شریف کے ختم کا اعلان ہوتا ہے اور اس کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے اور آج کل تو لوگ اکابر کے عمل کو صرف دیکھتے ہیں اکابر کا عمل فتوی یا کتاب سے تو ملاتے نہیں تو لوگ ان مراکز کے عمل کو دلیل میں پیش کرتے ہیں تو ان کو کیا جواب دیا جائے، ایسے موقع پر طالب علم کی رہبری فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

الیس بوڑیات (۴- ارتھ کنگ اسٹریٹ باٹلے انگلینڈ)

الجواب وباللہ التوفیق:

اس رواجی ایصال ثواب کو لازم وواجب قرار دے دیا گیا ہو یا اس کے لئے بعد نماز جمعہ کو لازم وواجب قرار دے دیا گیا ہو کہ اگر کوئی جمعہ کی نماز کے بجائے کسی اور وقت کرائے تو اس پر لوگ نکیر کرتے ہوں یا اگر کوئی شخص اس جگہ سے اٹھ کر

چلا جائے یا شریک نہ ہو اس کو مطعون کیا جاتا ہو اس پر لعن طعن کیا جاتا ہو یا شرعاً ضروری قرار دیا جاتا ہو تو اس کو ترک کرنا اور اس کی اصلاح کرنا ضروری ہوگا، ورنہ نفس جواز و اباحت میں بغیر کسی وقت و دن وغیرہ کی تعیین کے ہو تو کوئی کلام نہیں ہوگا، ان تمام حالات پر غور کرکے مناسب طریقہ سے اصلاح کرنی چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴/۱/۱۱ ۱۴ھ

۱-تعلیم کے لئے عورتوں کا بے پردہ نکلنا:

انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے عورتوں کا غیر شرعی طور پر نکلنا کیسا ہے؟

۲-لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ:

لڑکیوں کی تعلیم شرعی اعتبار سے کس حد تک درست ہے؟

زکوۃ کا پیسہ جو دینی مدارس کے لئے وصول کیا جاتا ہے، لڑکیوں کی انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-کوئی بھی تعلیم ہو انگریزی یا غیر انگریزی اس کے حاصل کرنے کیلئے غیر شرعی طور پر نکلنا درست نہیں ہے۔

۲-پردہ کے ساتھ شرعی حدود میں رہتے ہوئے عالمہ حافظہ مفسرہ محدثہ فقیہہ بننے کی حد تک فرض کفایہ کے درجہ میں تعلیم حاصل کرلینا شرعاً درست ہے، البتہ ضروری درجہ انکے لئے صرف اتنا ہے کہ جس سے اعتقادات و ایمانیات و عبادات (فرض و واجبات) کا علم حاصل ہونے کے ساتھ شرعی معاملات کی صحت و سقم کا بھی صحیح معاملات کے لئے علم حاصل ہو جائے، نیز گھریلو خانگی حساب کتاب لکھنے پڑھنے اور سمجھنے اور بچوں کی تربیت و پرورش کا بھی سلیقہ ہو جائے اور بس۔

زکوۃ کا پیسہ جو دینی مدارس کے لئے وصول کیا جاتا ہے، اس کو دینی تعلیم پر خرچ کرنا حسب قاعدہ و ضابطہ شرع ضروری ہے اور بوجہ ضرورت شرعی اور بقدر ضرورت شرعی انگریزی تعلیم ہو یا غیر انگریزی اس پر بھی حسب قیود ضابطہ شرع ضمناً خرچ کرنا درست رہے گا، لڑکیوں کی تعلیم ہو یا لڑکوں کی ہو، البتہ لڑکیوں کی تعلیم میں مذکورہ بالا نمبروں کی قیودات کا لحاظ زیادہ اہم ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴/ ۴/ ۱۴۰۲ھ

افریقہ کی موجودہ صورتحال میں مسلمان کیا کریں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

ہر دو مضمون پورا بار بار بغور پڑھا حسب تحریر یہ مسئلہ محض تعاون ظالم یا تعاون مظلوم کا نہیں ہے، بلکہ وہاں کے پورے قوم مسلم کا من حیث المسلم مسئلہ ہے اور ان کے من حیث القوم زیست وموت کا مسئلہ ہے اور ان کے دین واسلام کے تحفظ وبقاء کا مسئلہ ہے۔

سوال میں مسلمانوں پر سیاہ فام قوم کے مظالم کا تذکرہ ہے، گوروں کے مظالم کا تذکرہ ہے ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی غیر مسلموں بلکہ بدعتیوں اور اہل زیغ کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ بھی ہے اگر پورے تدابیر اور ہوشیاری کے ساتھ اس وقت حفاظت وبقا کا سامان نہ کیا گیا تو پوری قوم مسلم اور ان کے دین وایمان کا اس ملک سے ختم ہوجانے کا شدید خطرہ واندیشہ ہے اور یہ صورت وہاں کے پورے مسلم قوم کے قومی ودینی واجتماعی اضطرار جس طرح انفرادی ہوتا ہے، اسی طرح اضطرار اجتماعی بھی ہوتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے پورے قوم مسلم کو اپنے اجتماعیت کو اور اپنے دین ومذہب کے تحفظ وبقا کو اور بلکہ اس کے ترقی دینے کو مطلوب شرعی قرار دیا ہے اور اس کا صریح حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم"(۱)۔**

ان موجودہ حالات میں وہاں کے مسلمان اگر بالکل خوش ہوجائیں اور بالکل الگ تھلگ ہوجائیں، گوروں اور سیاہ فام کسی کے ساتھ کوئی ربط واشتراک وغیرہ نہ رکھیں تو دونوں کے بے انتہا مظالم کے شکار ونشانہ بنیں گے بلکہ ہندوستانی غیر مسلموں کے مظالم وخداع کا نشانہ بنیں گے، اور خدانخواستہ جو تباہی اور ہلاکت پچاس ۵۰ سال میں آتی ہیں دس پانچ سال میں اس طرح آجانے کا قوی خطرہ ہے کہ یا تو وہاں کی قوم مسلم اپنے دین ومذہب اور اپنی قومیت وغیرہ کے سب اعتبار سے فنا ہوجائیں جیسا کہ روس میں ہوا، یا وہاں کا وطن چھوڑ کر بھاگیں جیسا کہ برما میں ہوا اور اگر صرف سیاہ فاموں کی حمایت اور ان کے ساتھ اشتراک کریں تو سیاہ فاموں کی حیوانیت ودرندگی وبربریت سے کوئی توقع نہیں کہ اس صورت حال میں اپنی قومیت ومذہبیت محفوظ رکھ سکیں، بمزید برآں گوروں کے اور ہندوستانی غیر مسلموں کے مظالم کا نشانہ اور زیادہ شدت سے بن جانے کا

۱- سورۃ الانفال ۶۰۔

غالب امکان ہے اور اسی نتیجہ کا اندیشہ ہے جو بالکل الگ تھلگ رہنے میں ہے۔

اور اگر گوروں میں رہ کر حمایت وموافقت کریں تو چونکہ ان کی بربریت عموماً درندگی وحیوانیت کے درجہ میں نہیں ہوتی بلکہ عموماً قانونی انداز میں ہوتی ہے، ساتھ ساتھ مذہبی وقومی آزادی بھی کچھ نہ کچھ رہتی ہے اس لئے توقع ہوتی ہے کہ ان کی حمایت وقانونی محافظت کے ذریعہ سیاہ فاموں کی درندگی وبربریت سے کچھ حفاظت ہو سکے، لیکن ہندوستانی غیر مسلموں کی دشمنی اور خصلت کینہ پروری اور انکے مظالم سے حفاظت رہنا ضروری نہیں بلکہ اس کا خطرہ غالب ہے جیسا کہ ابھی ذرا سی چوک یا غفلت سے نماز جمعہ کے سلسلے میں مسلم ٹیچران اور طلبہ وطالبات کے مبتلا ئے پریشانی سے ظاہر ہے، پس اگر مسلمانوں نے اپنی حمایت وموافقت کو صرف زبانی حد تک محدود رکھا اور عملی طور پر کسی درجہ میں دخیل نہ ہوئے تو ہندوستانی غیر مسلم، مسلم قوم کے تباہ وبرباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے، **كما صرح به في البحر بقوله لان الحمية الملية تحملهم عليه۔**

اس لئے یہ طریقہ منشاء شرع وشارع علیہ السلام کے مطابق نہ ہوگا اور یہ طریقہ بھی شرعی حکم ہرگز نہ بن سکے گا، البتہ جب گورے اپنی حمایت وموافقت میں قانوناً ملازمتیں بھی دیں گے اور پارلیمنٹ میں بھی کچھ نمائندگی دیں گے اور کچھ اندرونی حقوق حکومت بھی دیں گے تو ایسی حالت میں گر قوم مسلم محض زبانی حمایت وموافقت تک اپنے کو محدود نہ رکھے بلکہ جس طرح غیر مسلموں سے دلی وقلبی دوستی قائم کئے بغیر محض دنیوی امور تک تعلق ورابطہ رکھنا درست ہے جیسے تجارت میں شرکت ومضاربت یا ان کے ساتھ ایجار اور استیجار کا معاملہ کرنا یا ملازم رکھنے یا ملازمت کرنے کا معاملہ کرنا جائز درست ہے، اسی طرح ان کی حکومت سے دنیاوی معاملہ تک بغیر مداہنت وتلبیس کے رابطہ رکھا جائے اور سول ملازمتوں میں پولس ملازمتوں میں فوجی ملازمتوں میں اسمبلی ڈپارٹمنٹ میں آپس کے اتفاق واتحاد کے ساتھ گھسا جائے اور دانشمندی وہوش مندی کے ساتھ کلیدی عہدوں پر قابض ہوا جائے اور اپنے دین ومذہب کو اور معاشرہ کو سنوارا جائے اور اپنے خوبصورت شکل ووضع قطع امر اخلاق کو احکام خداوندی کے مطابق ڈھالا جائے تو بلاشبہ جائز رہے گا، اور اللہ کا شکر ہے اور ابھی اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ موقع ہے، اس سے اپنی حفاظت ہی نہیں بلکہ حکم خداوندی ”**وأعدوا لهم ما استطعتم**“ کے تحت بہت کچھ حاصل بھی کیا جا سکتا ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کثرت سے تبلیغی اجتماعات جگہ جگہ قائم کئے جائیں اور اہل دل مشائخ مصلحین اور علمائے ربانیین کو بکثرت بلایا جائے وعظ کہلوایا جائے اور عوام وخواص سب کا رابطہ قائم ومضبوط کرایا جائے، اور زیادہ سے زیادہ ان کی صحبتوں سے فائدہ اٹھائے جانے میں سعی کی جائے اور اپنے ظاہر وباطن سب کو اللہ جل جلالہ سے فقط انکی رضا جوئی کے لئے مربوط کیا جائے،

اور اس میں رسوخ پیدا کیا جائے، اس لئے کہ بہ نصوص قطعیہ حقیقت یہی ہے کہ یہ سب رسوائیاں اور دنیا و آخرت کی ذلتیں ہماری ہی بد اعمالیوں کے نتائج بد ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہمارے اعمال ہی دوسرے شکل میں ہم پر حاکم ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث پاک میں ہے:

(الف) "أعمالنا عمّالنا أو كما قال ﷺ" (۱)۔

ہمارے اعمال جیسے ہوتے ہیں ویسے ہی ہم پر حاکم من جانب اللہ مقرر ہوتے ہیں۔

(ب) "كما تكونوا يولّى عليكم أو كما قال" اس کا بھی حاصل وہی ہے جو الف کا ہے اور مثلاً (ج)

"عن عبدالله بن عمروؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ستكون هجرة بعد هجرة فخيار أهل الأرض ألزمهم مهاجرابراهيم وَيَبقى في الأرض شرار أهلها تلفظهم أرضو هم وَتقذرهم نفس الله وتحشرهم النار مع القِردَةِ والخنازير" (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ فرمایا، میں نے خود حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے عنقریب یکے بعد دیگرے، ہجرتیں ہوں گی (یعنی لوگ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر بار بار ادھر ادھر بھاگیں گے) بس اچھے لوگ عموماً وہ ہوں گے جو ہجرت گاہ ابراہیم علیہ السلام کو زیادہ لازم پکڑنے والے ہوں گے، اور اکثر بدترین لوگ وہاں باقی رہ جائیں گے، ان کو ان کی زمین یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں پھینکتی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ کی ذات انکو (نجاظت کی طرح) مکروہ ومذموم قرار دیگی، یہاں تک کہ فتنہ کی آگ ان کو مردہ (چھوٹے کافر اور خنازیر (بڑے کافر) کے ساتھ محشور نہ کردیگی،

"اللهم احفظنا من شرور أنفسنا وفي البذل (۳/ ۳۰۳) قوله تلفظهم أرضوهم الخ المعنى ترمي شرار الناس أراضيهم من ناحية الى ناحية أخرى، وفيه قال المظهر: النار ههنا الفتنة يعني تحشرهم نارا لفتنة التي هي نتيجة أفعالهم القبيحة مع القردة والخنازير لكونهم متخلقين بأخلاقهم فيظنون أن الفتنة لا تكون إلا في بلدانهم فيختارون جلاد أوطانهم ويتركونها والفتنة تكون لازمة لهم ولا تنفك عنهم حيث

۱- "قال النجم لم أره حديثا لكن سيأتي الإشارة إليه في كلام الحسن في حديث كما تكونوا يولىٰ عليكم وأقول رواه الطبراني عن الحسن البصري أنه سمع رجلا يدعوا على الحجاج فقال له: لاتفعل إنكم من أنفسكم او يتم إنما نخاف إن عزل الحجاج أو مات أن يولىٰ عليكم القردة والخنازير فقد روى أن أعمالكم عمالكم وكما تكونوا يولىٰ عليكم" (کشف الخفا ۱/ ۱۴۲ - ۱۴۳، حدیث ۴۲۷، مکتبۃ العلم الحدیث، وکشف الخفاء ۱/ ۱۴۶، حدیث ۴۲۷ مکتبۃ القدسی القاہرہ)۔

۲- ابوداؤد شریف کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام حدیث ۲۴۷۹۔

يكونون "(۱)۔

اور بذل المجہود میں تلقطہم ارضوہم کے معنی یہ لکھے ہیں کہ شرار اس ان کی زمین وملک اس ناحیہ سے اس ناحیہ کی طرف پھینکتی رہے گی مگر کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

اور اسی بذل المجہود میں یہ بھی مذکور ہے کہ شارح حدیث (حضرت مظہر) نے فرمایا ہے کہ نار سے مراد اس جگہ اپنی بداعمالیوں کے سبب طرح طرح کے فتنے ہیں، یعنی انہی فتنوں کی آگ جو ان کے افعال قبیحہ واخلاق کافرانہ اختیار کرنے کی وجہ سے ہوگی ان کوقردہ وخنازیر کے ساتھ ملحق ومحشور کردے گی اسوجہ سے کہ وہ لوگ کافرانہ وفاسقانہ عادات واخلاق وطور طریقہ میں غرق ہونے کی وجہ سے اپنی ذلت ورسوائی کا اصل سبب بھی نہ سمجھ سکیں گے، بلکہ یہ گمان کریں گے کہ ہماری ذلت و رسوائی اس ملک وخطہ کی خرابی کی وجہ سے ہے، اور اس ملک وخطہ میں ایسا نہیں ہے لہذا وہاں چلو اور اپنے وطنوں کو چھوڑ کر جلا وطن ہوکر دوسرے وطن میں جائیں گے حالانکہ یہ آگ ان کی بداعمالیوں کی ہوگی وہ ان بداعمالیوں کو نہ چھوڑنے کی وجہ سے ہر وقت اس کے وبال میں مبتلاء رہیں گے۔

اور اسی بناء پر یہ ان کے لازم حال رہے گی کبھی ان سے الگ نہ ہوگی یہاں تک کہ تائب ہوکر اپنا حال بدل کر اللہ کی مرضی وخوشنودی کے مطابق نہ کرلیں۔

اور حدیث قدسی میں ہے: راوی حضرت ابو الدرداءؓ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہوں کا بادشاہ ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں بادشاہوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں، اور یہ فرمایا کہ بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو ان کے بادشاہوں کے دلوں کو پھیر دیتا ہوں (تاکہ وہ انکو خوب راحت وآرام پہنچائے ظلم وتعدی نہ کریں)۔

اور بلاشبہ جب بندے میری (میرے حکم کی) نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے قلوب کو ان کے اوپر حکمت اور ناراضی وگرفت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں جس سے وہ بادشاہ (خواہ کافر ہو یا مؤمن) ان کو طرح طرح کے بدترین عذاب چکھاتے ہیں (اور طرح طرح کے مصائب میں گرفتار کرتے ہیں)، پس ایسے وقت میں تم لوگ اپنے کو ان بادشاہوں پر بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، (کیونکہ یہ چیزیں خود تمہارے ہی بداعمالیوں کا خمیازہ ہے) بلکہ تم لوگ ایسے وقت میں اللہ کی یاد اور اس کے احکام کی اتباع کی جانب متوجہ ہوجایا کرو، اور اسی سے زاری وتضرع کے ساتھ نجات مانگا کرو تاکہ میں

۱- كتاب الجہاد باب فی سکنی الشام ۳/ ۱۹۴۔

تمہاری کفایت کروں، اور تمکو (بعد توبہ وانابت الی اللہ اس سے بلا بھی) نجات بخشوں پس اگر ان مذکورہ بالا اصول کے مطابق عمل کیا گیا تو یقین کامل ہے کہ فریقہ کی پوری مسلم قوم من حیث القوم) و من حیث الدین والمذہب ہر طرح محفوظ و مامون رہے گی بلکہ اگر منطوق قرآنی "**واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا**"، اور آیت "**ولا تنازعوا افتفشلوا وتذهب ريحكم**" ترجمہ: (اللہ کی رسی (دین) کو مجتمع ہوکر مضبوط پکڑ لو اور آپس میں اختلاف نہ کرو، اور آیت کریمہ کا ترجمہ، آپس میں منازعت مت کرو ورنہ تمہارا قدم پھسل جائے گا اور تمہاری ہوا (وہاک) اکھڑ جائے گی (اور تم ذلیل ورسوا ہوجاؤ گے)۔

۱؎ مشکوۃ ص **۳۲۳** قبیل باب ماعلی الولاۃ من التیسیر الفاظ حدیث مندرجہ ذیل ہیں:

"**عن ابی الدرداء او قال قال رسول الله ﷺ: ان الله تعالیٰ يقول: أنا الله لا إله الاّ أنا مالک الملوک و ملکُ الملوک قلوب الملوک فی يدی وإن العباد اذا أطاعونی حوّلتُ قلوبَ ملوكهم عليهم بالرحمة والرآفة وإن العباد إذا عصونی حولت قُلُوبهم بالسخطة النقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوک ولكن إشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع كی اكفيكم**" (۱)۔

ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان اصول پر آئندہ بھی عمل جاری رکھا گیا تو یقین واثق ہے کہ انشاء اللہ ان نصوص وآثار کی برکت سے وہاں کی قوم مسلم موفق من اللہ ہوکر سب سے فائق ہوجائے گی قوم مسلم یا یہ لوگ من حیث القوم والمذہب ہر طرح مامون ومحفوظ رہیں گے انشاء اللہ اس لئے کہ یہ طاقتیں محض دنیوی تدابیر کی بنیاد پر ہوشمندی ودانشمندی سے عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اتنی غالب وحکمراں ہیں یا ہوتی ہیں تو یہاں تو مسلمانوں کے پاس نصرت خداوندی بھی شامل رہے گی پھر کیوں نہ موفق وفائق یا کم ازکم ہر طرح مامون ومحفوظ رہے گی کما اشارت الیہ روایات کثیرۃ عدیدۃ فی الصحاح ایضاً۔

الحاصل فریقہ کے مذکورہ حالات وکوائف کے پیش نظر منشاء شرع وشارع علیہ السلام کے مطابق یہی طریقہ کار ہوگا اور یہی شرعی حکم ہوگا اور اس حکم شرعی کے مطابق عمل نہ کیا گیا تو قوی خطرہ ہے کہ وہ ہلاکت وتباہی جسکے پچاس سال میں آنے کا اندیشہ تھا وہ کہیں دس یا پانچ سال میں نہ آجائے جس کی جانب پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔

"**اللهم احفظنا واحفظهم من جميع الآفات والبليات وهو آخر ما اوردنا ايراده من الشرع الشريف فاللهم وفقنا و وفقهم كما تحب و ترضى من القول والفعل والهدى انک على كل شئ**

۱- روا ہ ابونعیم فی الحلیۃ مشکوۃ ص ۳۲۳۔

قدير، اللهم يا مقلب القلوب قلب قلوبنا و قلوبهم الى دينك وقلب قلوبنا وقلوبهم الى طاعتك وثبت اقدامنا واقدامهم وانصرنا وانصرهم بفضلك ومنك امين ، يا رب العالمين بحرمة سيد الانبياء وخاتم النبيين "، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱-افریقہ میں مسلمانوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

مسلمان کی حیثیت اس ملک (افریقہ) میں کیا ہوگی؟ مستامن یا کچھ اور؟

۲-افریقہ میں مسلمانوں کے لئے حکومت میں شرکت اور ووٹ کا حکم:

اگر مسلمان مستامن کی حیثیت رکھتا ہے اس ملک میں تو اس سے اشتراک عمل میں حکومت کا ساتھ دے سکتا ہے یا نہیں اگر شریک ہوسکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

۳-اگر شریک ہوسکتا ہے تو ووٹ دینے کی کیا صورت ہونا چاہئے؟

۴-اگر شریک ہوسکتے ہیں تو فوج میں داخل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہوسکتے ہیں اور مقابلہ پر فوج مسلمانوں کی ہو تو کیا کریں۔

مولوی محمد شبیر سالول (جمعیۃ العلماء پکس۔۱۰، جوہانسبرگ ٹرانسوال افریقہ)

الجواب وباللہ التوفیق:

۱ تا ۳-مستامن کی حیثیت صرف ان لوگوں کی ہوگی جو صرف چند متعینہ مدت کے لئے ویزا پر گئے ہوئے ہیں اور بعد ختم مدت ویزا انکو واپس آجانا ضروری ہے، اور جو لوگ وہاں کے مستقل قیام پزیر ہو چکے ہیں وہ شرعاً بجائے مستامن ہونے کے وہاں کے باشندے شمار ہونگے اور حدود شرع میں رہتے ہوئے، اور اپنے حقوق ملکی حاصل کرتے ہوئے جس طرح اور دنیوی کاروبار میں غیر مسلم سے شرکت کر سکتے ہیں اور اس کا ساتھ دے سکتے ہیں اسی طرح اس حکومت سے بھی شرکت کر سکتے ہیں اور شرکت کی اور ساتھ دینے وغیرہ کی صورت تفصیل کے ساتھ ہر شق سوال کے مفصل جواب میں مدلل و مبرہن طریقہ سے عرض کیا جا چکا ہے اس کو ملاحظہ فرمالیں۔

۴- ملک کی حکومت وحفاظت کی نیت سے ہر ملازمت میں حدودشرع میں رہتے ہوئے جب تک کہ تلبیس ومداہنت کے بغیر شریک ہوکر ملک کی خدمت وحفاظت کر سکتے ہیں، فوج میں بھی اسی نیت وقید کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں، پھر اگر مقابلہ مسلم فوج سے ہوتو دوحال سے خالی نہیں یا تو وہ بالکل اسلامی ضابطہ کے مطابق بالکل شرعی جہاد کے تحت ہوگی تو اس کے مقابلہ کا دوسرا حکم ہوگا اور اگر محض دنیوی معاملات ومفادتک یہ قتال محدود ہوگا تو اس کا حکم دوسرا ہوگا جو وقت پر دریافت و تحقیق سے واضح ہو سکے گا، پھر اس سے متعلق احقر کی ایک شرعی اور واقعی تدبیر بھی مفصل جواب میں مذکور ہے ملاحظہ فرمالیں، نیز یہ ضابطہ مسلم ہے کہ خطرہ موجودہ ومحقق کے اسباب حفاظت کو خطرہ موہوم کی وجہ سے ترک نہ کریں گے، بلکہ اس کے اسباب حفاظت کو فوراً اختیار کریں گے، جب خدانخواستہ اس خطرہ موہوم کا سامنا ہوگا تو اس کے اسباب حفاظت بھی اختیار کئے جائیں گے اس لئے یہ خطرہ بھی موثر نہ ہوگا۔

پھر محض تقریب فہم کے لئے ایک صورت یہ بھی پیش خدمت ہے، مثلاً ایک جائداد جس کے مالک مسلم وغیر مسلم دونوں مشترک طور پر ہوں اور ایسا بکثرت ہوسکتا ہے، بلکہ ہوتا ہے جیسے عقد شرکت وعقد مضاربت کی شکل میں ہوتا ہے، اس صورت میں حقیقت کے بارے میں نزاع مسلم سے یا مسلم گروپ سے ہوجائے تو اس وقت شرعی کیا حکم ہوگا؟ اسی طرح کبھی آبادی میں مسلم وغیر مسلم کی مشترک رہائش کی شکل میں ہو اور اس آبادی پر قطاع الطریق جس میں مسلم وغیر مسلم دونوں شریک ہوکر حملہ آور ہوں تو شرعی حکم کیا ہوگا؟ اسی قسم کا قریب قریب حکم صورت مسئولہ میں بھی نکل سکتا ہے جو عین وقت پر منقح ہوسکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱- جنات کا ذریعہ معاش:

جنات کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

۲- حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سلام کا حضور ﷺ کیا جواب دیتے تھے؟

جب حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیلؑ اللہ کی جانب سے سلام لایا کرتے تھے تو کیا آپ ﷺ جواب دیتے تھے؟

۳-ہمہ وقت قرآن ساتھ رکھنا:

ایک شخص اپنے ہمراہ ہمہ وقت قرآن کا کوئی پارہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

۴-واقعہ معراج سے قبل قرآن کتنا نازل ہوا تھا؟

الف-قرآن پاک حضور ﷺ پر معراج سے قبل کتنا نازل ہوا تھا؟

ب-دودھ دیتی بھینس کے آج کل سواں لگا کر دودھ نکالتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-احادیث میں آتا ہے کہ ہمارے کھائے ہوئے گوشت کی ہڈیاں اور کوئلہ ان کی خوراک ہے (۱)، باقی انکا ذریعہ معاش کیا تھا احقر کو معلوم نہیں۔

۲-آپ اسی طرح سے جواب باحسن منہاد یتے تھے جس طرح آپ نے یہاں جواب دینے کی تعلیم فرمایا ہے۔

۳-رکھ سکتا ہے باقی اس کی حفاظت کرنا بھی واجب ہوگا۔

۴(الف)-اس تعداد کا معلوم کرنا موقوف علیہ نجات نہیں، اس لئے موضوع سے خارج ہے، یہ مسئلہ ان کتابوں میں تلاش فرمایئے جن میں نزول آیات کی تاریخ وترتیب سے بحث وریسرچ کی گئی ہے، ہاں آیت **"واذ یمکر بک الذین کفروا"**(۲) کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔

۴(ب)-جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۱۲/ ۱۴۰۴ھ

۱- "عن عبد اللہ بن مسعود قال: قدم وفد الجن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقالوا یا محمد انہ امتک أن لایستنجوا بعظم او روثۃ او حممۃ فان اللہ عزوجل جعل لنا فیہا رزقا قال فنھی النبی ﷺ عن ذالک، ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب ماینھی عنہ ان یستنجی بہ" (بذل المجہود ۱/۲۹، وقال فی المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ان الحروث لمواہبم ۱/۳۵۶، مکتبہ اشاعت الاسلام)۔

۲- "واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک أو یقتلوک أو یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین" (سورۃ انفال:۳۰)۔

کیا علماء کے لئے شریعت کے بنیادی احکام میں قانون سازی درست ہے؟

لما کتب بصدر اصدار کتاب موضوعه دعوة أوسع الأمر في البلاد الإسلامية لتقنين أحكام الشريعة الإسلاميه وإصدارها في أنظمة أو قوانين شرعية بعد إختيار و ترجيح من قبل هيئة مختارة من كبار العلماء ثم إلزام القضاء بتطبيقها دون غيرها بدلا من ترک الإختيار والترجيح لكل قاضي منفردا مما يسبب تعارضا في الأحكام القضائية في القضايا المتشابهة في عناصرها ودقائقها نتيجة لتعدد الآراء الفقهيه في المسئله الواحدة لذا ألتمس من فضيلتكم التكرم ببيان رأيكم في المسائل الآتية لاستئناس به

ا - هل مثل هذا التقنين المستعد من الأحكام الشرعية الإسلاميه متى أصدره ولي الأمر وألزم القضاء به بدعة في الدين محرمة أم يعد من قبيل الرد إلى الله والرسول؟

۲- هل يجوز للقاضي متى ألزمه ولي الامر بتطبيق نظام أو قانون معين مستعد من أحكام الفقه الإسلامي أن يحكم به قضاء ولو اعتقدأن رأياً آخر أصح منه وأقوى منه؟

۳- هل افضل وأجدى أن يتدخل ولي الأمر لتقنين احكام الشرعية الصلبة ۔ وتجديد التعزيرات عن طريق مجموعة من الفقهاء الموثوق بهم أم يترک الاختيار و الترجيح لاجتهاد القاضي هذا والله اسأل لكم الاجر المثوبة ولكم خالص شكري و تقديري حفظكم الله۔ والسلام

مولانا ولی غنی (مدرسہ دارالعلوم جامع مسجد بڑودہ گجرات)

الجواب وبالله التوفيق:

بسم الله الرحمن الرحيم صاحب الفضيلة والكرامة السلام عليكم وعلیٰ من لديكم ورحمة الله وبركاته لقد شرفنا تصديركم الينا للمشورة فها انا حاضر للخدمة مع قلة البضاعة لدى فاعلموا أن الأحكام الشرعية العملية على ثلاثة أنواع:

١۔ العبادات (الصلوة والصوم والزكوة وغير ذالک)

٢۔ المعاملات (المناكحات والمخاصمات والمعارضات المالية وغيرها)

۳۔ العقوبات (الحدود والقصاص والكفارات وغيرها)

اما الثالث لااحتياج فيها إلى التقنين بل لا يجوز تقنينها لان الكل منها منصوص والنصوص هو القانون۔ واما الاول۔

فالتقليد فيها واجب لامام معين من الأئمة المجتهدين الأربعة لايجوز الخروج عنه، ومسالكهم متنوعة ومنظورة بتنوعات كثيرة وتطورات شتیٰ لا يمكن اجتماعها في قول واحد في كل حال فكيف يسوغ التقنين علىٰ أصولكم بل يورث التقنين مفسدة عظيمة في الدين۔

واما المعاملات فبعض منها منصوصة وبعض منها اجتهادات ائمة الهدى وداخلة في دائرة التقليد وحُكم كل منها حكم النوع الأول، أما الثالث لا يحتمل التقنين، وبعض منها مسائل سياسية لا تتعلق بالتقليد ولا بصراحة النصوص ولا باجتهادات الأئمة فيسوغ التقنين فيها تحت الحدود الشرعية بأصول شرعية صحيحة كما قننها العلماء الفحول السابقون في الزمن الماضي و صنفوا لها تصانيف نافعة كالمجلة وغير ذلک فيسوغ لكم التقنين ايضاً فيها على هذا الاسلوب المذكور مقتديا بالأ سلاف المعتمدين الصالحين، ولا تعد بدعة بل تكون من قبيل المدعوة لهم الى الله والرسول وردهم إليها وهكذا طالب من علماء ديوبند صاحب الدولة العثمانية (حيدرآباد دكن)۔

في زمنه ان يرتبوا الأحكام الشرعية على طور القانون نمرة بعد نمرة فرتبوها وجعلوها في مجلة بترتيب حسن واسلوب جيد وارسلوا إليه (صاحب الدولة والفضيلة) فاستحسنه واعجب به۔

وأنا أرجو أن يكون ذالک كافيا وافيا في ذالک المدخل حاويا للمسائل والأحكام المعتبرة إلا جزئيات يسيرة حادثة بعمله في يومنا هذا فلتطالعوه ، وأرجو أيضا أن يورث لكم البصيرة ويرشد كم إلى القوة في هذا المجال وهذا ما عندي مرتجلا والتفصيل عند العمل ان شاء الله تعالىٰ وهو الموفق والمعين المرشد الى السداد والصواب وهو أعلم واليه المرجع المآب۔ فقط والسلام وايانا بمنه وكرمه۔

كتبہ محمد نظام الدين اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

پڑوسی کے بعض حقوق کا بیان، چور بازاری اور سودی کاروبار کا حکم:

ایک شخص کے گھر کا پانی باپ دادا کے زمانہ سے اپنے بغل والے پڑوسی کے گھر سے ہوکر نکلتا ہے، یعنی قدیم زمانہ سے اس کے گھر کی نالی پڑوسی کے گھر سے ہوکر سڑک پر نکلتی ہے۔موجودہ صورت میں اب پڑوسی کو اس پر کچھ اعتراض ہے، وہ اصرار کرتا ہے کہ آپ نالی کا رخ پھیر لیجئے، نالی کے رخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر سے ایک نئی نالی نکالنے، اس صورت میں ظاہر ہے کافی خرچہ بیٹھے گا۔

الف-سوال طلب امر یہ ہے کہ نالی کا رخ پھیرنے میں جو خرچہ بیٹھے گا شرعاً پڑوسی پر کچھ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی اس خرچہ میں دونوں نصف نصف شریک ہوں گے یا نہیں؟

ب-عرف رواج عام تو یہ ہے کہ آدھے آدھے کا کچھ رقم کے دونوں ذمہ دار ٹھہرتے ہیں، یہ آدھا خرچ برچے لینا کیسا ہے؟ آیا جائز ہے یا شرعاً کوئی قباحت ہے؟

۲- عام طور سے شہروں میں تمام بازاروں کے ساتھ ایک چوربازار بھی ہوتا ہے جہاں عموماً تمام چیزیں چوری ہی کی رہتی ہیں، یہ جانتے ہوئے وہاں کی چیزیں خریدنا کیسا ہے؟ اس میں کوئی شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

ب- نٹ کی لکڑیاں خریدنا کیسا ہے جب کہ ان کا یہی پیشہ ہے کہ دوسروں کے باغات سے لکڑیاں کاٹ لاتے ہیں اور بیچتے ہیں۔

۳-کاروباری سلسلے میں کبھی کبھی مجبوراً بغیر قصد کے سود دینا ہی پڑجاتا ہے مثلاً ایک گانٹھ مال خریدا اور ایک ہفتے یا ایک مہینے کا ڈیو (وقت) لیا مشتری کا خیال ہوتا ہے کہ میں رقم وقت پر چکا دوں گا لیکن کبھی بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہیں چکا پاتا، ادھر مہاجن کا اصول یہ ہے کہ ڈیو پورا ہونے کے بعد اگر رقم اس کے ہاتھ میں نہیں پڑتی تو فٹ سے سود کے دس بیس روپے بڑھا دیتا ہے جس کو مجبوراً دینا ہی پڑتا ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہئے، آیا سود دینے کی گنجائش اس کے لئے ہے یا نہیں، تفصیلی جواب سے آگاہ فرماویں۔

الجواب وبالله التوفيق:

۱-جب قدیم زمانہ سے اسی طرح چلا آرہا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ کسی صحیح معاہدہ یا بنیاد پر قائم ہے، ایسی صورت میں وہ پڑوسی مجبور نہیں کرسکتا ہے، "في الذخيرة عن أبي الليث سيل سطوحه إلى دار رجل وله فيها ميزاب قديم

فلیس له منعه (إلی قوله) والفتوی علی ما ذکره أبو اللیث ثم..... (إلی قوله) أن القدیم یترک علی قدمه"(۱)۔

ہاں آپس کی مصالحت سے فریقین نصف نصف خرچ جس طرح کا معاملہ آپس میں کرلیں جائز اور بہتر ہے۔

۲-الف-جس چیز کے بارے میں ظن غالب یہ ہوجائے کہ یہ یقیناً چوری کی ہے اس کو نہ خریدنا چاہئے۔

ب-نٹ کے بارے میں یہ احتمال غالب ہے کہ مالکان باغ نے اس بات کی اس کو چھوٹ دے رکھی ہو، اس لئے ان سے خریدنے میں گنجائش ہے، ہاں یہ ہے کہ اگر دلیل شرعی سے چوری کی ہونا معلوم ہوجائے تو خریدنا جائز نہ ہوگا۔

۳- حتی المقدور وقت مقررہ (ڈیو) کے اندر ادا کرے اور مجبوری کی صورت دوسری ہے اس میں گنجائش ہوسکتی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

حکومت کی ایک اسکیم کا حکم:

یہاں پر یعنی سنگاپور گورنمنٹ مکانات بنا کر کرایہ پر دیتی اور بکری بھی کرتی ہے، جو مکان کرایہ پر دیتی ہے اس کو بھی کچھ مدت کے بعد اس آدمی کو بکری کردیتی ہے جو کہ گھر میں رہتا ہے، اگر وہ نہ خرید سکا تو اس کو نکال دیتی ہے۔اور یہ مکان جو بن چکے ہیں اور بن رہے ہیں سب فلیٹ میں کافی اونچے ہیں اور بہت تلے ہوتے ہیں تو جن مکانوں کی سرکاری بکری ہوتی ہے، خواہ نیا ہو، شروع میں بکری کرنے والا ہو، یا کہ جس میں کوئی کرایہ دار پہلے کرایہ پر رہ چکا ہے اور بعد میں بکری کر رہی ہو تو اس کی بکری کی شکل یہ ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت ایک ہوتی ہے جس میں کہ سود شامل کرلیا جاتا ہے۔اور قسط ادا کرتے کرتے اصل رقم سے زیادہ ہوجاتی ہے۔فلیٹ میں مکانوں کی قیمت دس ہزار سے لے کر ۵۰ ہزار ڈالر تک ہوتی ہے، عام طور سے اسی شکل میں فلیٹ چھوٹے بیوپاری یا سرکاری ملازم کو بکری ہوتے ہیں۔اور یہاں سب مکان سرکار کے ہوتے جارہے ہیں اور اوپر کی تدبیر کے مطابق سرکار بکری کرتی ہے آیا یہ جائز ہے یا ناجائز۔اس طرح ایک سوال اور یہ ہے کہ اکثر یہاں عام طریقہ سے زیادہ گاڑی، یعنی موٹر خود کی رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کی خرید کی شکل یہ ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت یکساں ہوتی ہے، مگر ادھار جو موٹر گاڑی لی جاتی ہے اس کی قیمت کا ایک چوتھائی پہلے جمع کرنا پڑتا ہے۔اور باقی رقم قسطوار ادا کرنی

۱- شامی ۵/۲۸۵ فصل فی الشرب۔

پڑتی ہے جو کہ اخیر میں اصل رقم سے زیادہ ہوجاتی ہے جب تک قسط ادا نہیں ہوجاتی اس وقت تک خریدنے والا کرایہ دار شمار ہوتا ہے اور کمپنی والا مالک شمار ہوتا ہے اور سارے کاغذات موٹر خریدنے کے کمپنی کے پاس رہتے ہیں جو پوری رقم ادا ہونے پر واپس کرتے ہیں تو آیا اس شکل میں ادھار موٹر گاڑی خریدنا جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- جب حکومت یہ کرتی ہے کہ جو نہ خرید سکے حکومت اس کو نکال دیتی ہے، تو یہ بڑی مجبوری ہے کہ اگر نکال دے تو کہاں رہے، نقد خریدنے کی طاقت نہیں، پردیس کا معاملہ ہے۔ پس اس مجبوری کی وجہ سے تو اگر خریدنے والے پاس رہنے کے لائق اپنا ذاتی مکان نہ ہوتا، سوال میں لکھے ہوئے ادھار خریدنے کے طریقہ کے مطابق ادھار بھی خرید سکتا ہے۔ اسی طرح اگر نقد خریدنے میں کسی قانونی خطرہ کا اندیشہ ہو جب بھی بطریق مذکور ادھار خرید سکتے ہیں اور اگر بیچنے والے محکمہ کے کسی ذمہ دار سے اس طرح بات کرلیں کہ آپ جتنی قیمت ادھار کی قیمت رکھتے ہیں اتنی ہی نقد کی قیمت بھی رکھتے ہیں اور چوتھائی پہلے لے کر پھر قسط وار جو وصول کرتے ہیں اس میں نقد کی قیمت سے اتنا زیادہ وصول کرتے ہیں، مثلاً نقد کی قیمت دس ہزار ہے اور ادھار میں کل وصولی ۱۲ ہزار ہوتی ہے تو اگر آپ ہم سے اس طرح معاملہ کرلیں کہ ادھار کی کل قیمت بارہ ہزار ہے اور ایک چوتھائی قیمت ڈھائی ہزار تو ابھی لیں گے اور باقی ساڑھے نو ہزار قسط وار لیں گے۔ پس اگر وہ اس بات کو آپ کی مان جائے اور اسی طرح بات ومعاملہ کرلے تو اگرچہ زبانی ہی اس طرح معاملہ کرے اور کاغذ میں اپنے قانون کے مطابق نقد کے برابر ہی قیمت دکھلائے جب بھی نقد خریدنے کی قوت رہتے ہوئے بھی ادھار خریدنا درست ہوجائے اور نقد سے بڑھ کر زبانی بتائی ہوئی کل رقم بھی اصل قیمت ادھار کی ہوجائے گی اور سود کا شبہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ نقد کی قیمت سے ادھار میں قیمت زیادہ لینا جائز ہے۔

۲- نقد خریدنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں یا نقد خریدنے میں کسی قانونی پریشانی میں مبتلا ہوجانے کے اندیشہ کی صورت میں موٹر کو بھی ان کے ذکر کردہ قانون کے مطابق خریدنے کی بوجہ مجبوری گنجائش ہے، لیکن اگر سوال نمبر ۱ میں لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق محکمہ کے کسی ذمہ دار سے معاملہ وبات کرلیں تو اگرچہ وہ معاملہ اور بات زبانی ہی ہوگی، مگر سود کی خرابی سے محفوظ رہیں گے، البتہ خریداری کے معاملہ اور کرایہ داری کے معاملہ کے تداخل کی خرابی میں میں بھی ابتلاء رہے گا، مگر

اس سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار میں نہیں ہے، اس لئے بوجہ مجبوری اس کی گنجائش رہے گی۔ اور برداشت کریں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۲۳/۳/۹۵ ۱۳ھ

امداد باہمی کے مقصد سے انجمن میں جمع شدہ رقم کو بینک میں رکھا جاسکتا ہے؟

ایک کارخانے کے آٹھ سو مسلم ملازمین ایک انجمن قائم کرتے ہیں، اور ہر ماہ اپنی تنخواہ سے ایک روپیہ فی کس کے حساب سے رقم جمع کرتے ہیں، اور اس انجمن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رکن ملازم کے حسن خدمت سے سبکدوشی پر اس کی جمع شدہ رقم ۲۵ فی صد اضافہ کے ساتھ اس کو واپس دی جائے، یا ملازم کے دوران ملازمت فوت ہوجانے پر ہر رکن دو روپیہ فی کس کے حساب سے اسی ماہ کی حد تک رقم جمع کر کے یکمشت رکن متوفی کے پسماندگان کو مالی اعانت کریں۔ مسئلہ درپیش یہ ہے کہ جمع شدہ رقم جس میں ہر ماہ اضافہ ہوتا رہتا ہے کسی ایسے شعبہ یا ادارہ میں مستقل ہو جس سے جائز منافع حاصل ہو۔ ملازمین ادارہ مذکورہ کے لئے اپنی مصروفیات اور دیگر حالات کی بناء پر آج خود تجارت یا صنعت وزراعت میں سرمایہ جمع شدہ کا استعمال کرنا مشکل ہے۔ دریں حالات ارکان مقتدر انجمن مذکور یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی بینک میں اس رقم کو محفوظ کردیا جائے یا بڑے بڑے صنعتی اداروں میں جہاں حصص فروخت ہوتے ہیں اس سرمایہ کو لگایا جائے، ایسی صورت میں بینک سے جو منافع بشکل سود ملتا ہے یا حصص کے سلسلہ میں جو معاوضہ ایک مقرر شرح فی صد سے طے شدہ ملتا ہے وہ ہمارے لئے جائز ہوگا کہ نہیں؟

علاوہ ازیں متعلقہ ارباب انجمن مذکور یہ چاہتے ہیں کہ موجودہ حالات میں وہ کون کونسی جائز صورتیں ہیں جن میں گھر بیٹھے سرمایہ لگانے پر منافع ملے تو جائز ہوسکتا ہے اور کونسی صورتوں میں ناجائز فقط۔

الجواب وباللہ التوفیق:

انجمن کے مقاصد وارادے نیک ہیں، اللہ تعالیٰ صحیح طریق پر عمل کی، نیز مقاصد حسنہ میں کامیابی کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ یہ رقم کسی بینک میں محفوظ کرنے کے بجائے مناسب یہ ہے کہ انجمن کے مقتدر اراکین ایک نگراں کمیٹی بنا کر اس کی نگرانی میں اس رقم سے اصول مضاربت پر کچھ کاروبار کرائیں اور حساب وکتاب ونفع ونقصان کی برابر جانچ کرتے رہیں اور

تمام ملازمین جن کی رقمیں اس میں شریک ہیں سب کو حسب حصہ رسدی نفع دیتے رہیں، کسی بڑے صنعتی ادارہ یا کمپنی کے حصص بھی خرید سکتے ہیں جہاں شرکت یا مضاربت کے اصول پر کام ہوتا ہو، لیکن ہر حال میں یہ ضروری ہے کہ کسی ملازم کے سبکدوش ہونے پر ہر حال میں محض ۲۵ فی صدی اضافہ کر کے نہ دیا جائے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی ملازم کے دوران ملازمت فوت ہوجانے پر باقی ارا کین اپنی طرف سے دو روپیہ فی کس کی اعانت خود پسماندگان کو کردیں، لیکن یہ ان ارا کین کا تبرع اور احسان ہوگا، اس اعانت سے اس ملازم کی جمع شدہ رقم سوخت کردینے کا حق نہ ہوگا اور نہ ایسا کرنا جائز ہی ہوگا، بلکہ اس فوت شدہ ملازم کی جمع شدہ رقم کے نفع ونقصان کا حساب کر کے اور اخراجات وضع کر کے جو رقم بچی ہوگی اس کو بھی ان پسماندگان کو دینا ضروری رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۹۵/۵/۱۵ ۱۳ھ

مختلف فیہ و مجمع علیہ کے مفہوم میں فرق:

مختلف فیہ، متفق علیہ، مجمع علیہ اور مفتیٰ بہ کی ایسی تشریح کیجئے کہ عوام سمجھ جائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

مفتیٰ بہ صرف اس قول کو کہنا جس پر اجماع ہوچکا ہو۔ صحیح نہیں ہے، مفتیٰ بہ کو مجمع علیہ میں محصور کرنا غلط ہے اور مجمع علیہ تو مفتی بہ ہوگا ہی، مختلف فیہ اقوال میں بھی مفتیٰ بہ اس قول کو کہتے ہیں جس کو محققین واصحاب ترجیح نے فتوی کے لئے اختیار ومنتخب کیا ہو۔ علامہ ابن عابدین کی ''عقود رسم المفتی'' میں نیز عموماً کتب فتاوی کے باب رسم المفتی میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس کی کچھ علامتیں بھی بیان کی ہیں ۔ مثلاً یہ الفاظ: **"به يفتي، عليه الفتوى، عليه المعمول. عليه الاعتماد، وهو المختار وغيره وغيره"**، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: محمود غفی عنہ، سید احمد علی سعید

یوم عرفہ کا صحیح مصداق کونسا دن ہے؟

حدیث شریف میں جو یوم عرفہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے اس کا صحیح مصداق کون سا یوم ہے، جبکہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مثلاً سعودی عرب میں جس دن یوم عرفہ ہوتا ہے اس کے تقریباً دو دن کے بعد ہمارے ملک میں یوم عرفہ ہوتا ہے (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) ہم اپنے حساب سے یوم عرفہ شمار کرتے ہیں۔ اس تفاوت کی بناء پر یہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کہ یوم عرفہ کا مصداق ثواب کے اعتبار سے کون سا دن ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اس کا صحیح مصداق سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھئے کہ یہ حقیقت تسلیم شدہ عند الکل ہے کہ جناب باری تعالیٰ کے رحم وکرم وفضل خصوصی کی توجہ پورے بساط ارض پر گوشہ گوشہ میں ہمیشہ قائم ودائم رہتی ہے، جیسا کہ ان احادیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باری سبحانہ وتعالیٰ محض عدل کا معاملہ فرمائیں تو عالم بالکل ہی نہ رہے، بلکہ سارا عالم ختم وبھسم ہوجائے ان تمام ترحمات کے باوجود پھر انسانی وبشری ضعف پر نظر فرماتے ہوئے اس کے آخرت میں ترقی وفلاح حاصل کرنے کے لئے ایک ضابطہ مقرر فرما کر بعض مہینوں، بعض دنوں، بعض تاریخوں اور بعض اوقات کو متعین فرمادیا کہ جو پائے گا وہ اپنی آخرت بنالیگا اور سنوار لے گا، اور ان متعینہ اوقات کو بندہ کے پانے کے لئے ایک ضابطہ مقرر فرمادیا کہ اس کے مطابق پاسکتے ہو، مثلاً ماہ مبارک رمضان کہ اس کی فضیلت: **"من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه"** (۱)، پھر اس کی فضیلت پانے کے لئے یہ ضابطہ فرمایا ان آیات میں **"شهر رمضان الذی أنزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان فمن شهد منكم الشهر فلیصمه"** (۲) متعین فرمادیا کہ پس جو شخص ماہ رمضان کا شہود کر لے دیکھ لے اس کو روزہ رکھ کر اس کی فضیلت حاصل کرنا چاہئے اور شہود ماہ رمضان کی شرح وتفسیر احادیث پاک میں یہ آئی ہے: **"صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته"** (اس کی تخریج گذر چکی ہے) اور **"ولا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروا الهلال"** (۳) اور ہلال نام صرف اس چاند کا ہے جو ہر ماہ وشہر میں دو دن چاند کے غائب ہونے کے بعد نظر آتا ہے پس انہیں دنوں میں اس کے دیکھنے کا اعتبار ہے۔

۱- ترمذی عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: ۶۷۸ ابواب الصوم ۳/ ۳۹۳۔

۲- سورۂ بقرۃ ۱۸۵۔

۳- اللؤلؤ والمرجان/ ۲۳۹۔

پھر حدیث میں آیا ہے: **"الشهر هكذا وهكذا (إلى قوله) يعني مرة تسعاً وعشرين ومرة ثلثين"** (۱)، پس مہینہ انہی دوطریقوں میں دائر رہتا ہے، پس جس طرح ۳۰ دن سے زیادہ نہیں ہوسکتا، اسی طرح ۲۹ دن سے کم نہیں ہوسکتا، پس اگر ۲۹ویں تاریخ سے قبل کسی بھی جگہ یا شہر میں رویت ہلال ہوجائے وہ اس حدیث پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہ ہوگی، اورروزہ رکھنا صحیح نہ ہوگا، بلکہ اگر کوئی رکھے گا تو: **"لا تصوموا حتى تروا الهلال"** (۲) والی حدیث اور **"لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم أو يومين"** کے خلاف کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، پس جس طرح ہمارے یہاں کی رویت کے اعتبار سے ماہ مبارک رمضان کی پہلی تاریخ متعین ہوکر رمضان کی فضیلتیں ہوتی ہیں، اسی طرح یوم عرفہ کی تاریخ بھی ہمارے یہاں کی رویت ہلال کے اعتبار سے متعین ومحقق ہوکر اسی دن کے مرویہ اعمال کرکے اس کی فضیلت حاصل کی جائے گی، بلکہ یہی حکم صوم عاشورہ اور صوم نفل وغیرہ سب میں جاری ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ محض اپنے خطہ کی تاریخ ودن کا اعتبار مذکورہ بالا اصول کے مطابق جاری ہوگا، نہ کہ کسی اور خطہ کی تاریخ ودن کا، خواہ سعودی عربیہ ہی کے اعتبار سے کیوں نہ ہو، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۱/۱۴۱۲ھ

امراض شکم میں مبتلا کا حکم:

۱- سائل امراض شکم کا دائمی مریض ہے، شدت قبض اوردائمی کثرت ریاح سے دس منٹ بھی باوضو نہیں رہ سکتا، نماز کو مختصر کرتا ہوں اگر ریاح کو روکتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے، درود شریف ابراہیمی اور سورہ یٰسین زبانی پڑھنے کا معمول چلا آرہا ہے جس میں ایک گھنٹہ کا وقت لگتا ہے، اگر ہر بار وضو کروں تو شاید دوپہر تک بھی پورا نہ کرسکوں، ایسی حالت میں کیا کیا جائے، معمول کو ترک کرنے کی بھی طبیعت نہیں چاہتی ہے؟

۲- جس مکان میں قرآن پاک اوردیگر کتابیں رکھی ہوں اس میں تعلقات زن وشوہر کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

پہلے نور محمدی کی تخلیق ہوئی یا قلم کی:

۳- ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تو نور محمدی پیدا فرمایا، دوسری جماعت کا مولوی کہتا

۱- کتاب اللولووالمرجان ۱/۲۴۰ حدیث نمبر: ۶۵۵۔

۲- کتاب اللولووالمرجان ۱/۲۴۰ حدیث نمبر: ۶۵۷۔

ہے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور حدیث "أول ما خلق الله نوری" کو بلا سند کہتا ہے، اس لئے کہ حضور ابن آدم ہیں اور جن کی پیدائش مٹی سے ہوئی نور سے نہیں؟

علی احمد انصاری (موضع پنڈوھیا، منصور نگر، بہرائچ)

الجواب وبالله التوفيق:

۱-سورہ یٰسین لکھی ہوئی ہوتو اسکو بلا وضو چھونا جائز نہیں ہوتا، "لايمسه إلا المطهرون"(۱)، بغیر چھوئے ہوئے سورہ یٰسین کا پڑھنا بلا شبہ جائز رہتا ہے، اس لئے آپ زبانی اپنا معمول برابر پڑھتے رہیں اس میں کوئی خرابی یا حرج نہیں ہے، خاص کر اس معذوری کی صورت میں۔

۲-اگر قرآن پاک اور فرمان رسالت قد آدم سے نیچے ہوتو بے ادبی ہے وکراہت غلیظہ ہے اور اگر قد آدم سے اونچی رکھا ہوا اور پائتی نہ ہوتو جائز بلاکراہت ہے اور بے ادبی بھی نہیں ہے، اور اگر قد سے اونچی اونچی ہو، مگر پائتی یعنی پیر کی جانب ہوتو کراہت خفیفہ ہے اور پردہ سے مستور رکھنا افضل ہے، "يجوز قربان المرأة في بيت فيه مصحف مستور كذا في القنية"(۲)۔

۳-پہلی جماعت کا عقیدہ وقول صحیح ہے: "أول ما خلق الله القلم" (۳) اس کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ "أول ما خلق الله القلم" میں اولیت سے حقیقیہ مراد نہیں ہے، بلکہ محض اولیت اضافیہ، اولیت فی الجملہ، اولیت اعتباریہ مراد ہے، اس لئے کہ اسی درجہ کی اور بھی حدیثیں ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ وہ قلم جنت کی نہروں میں سے ایک نہر نور کی تھی اس سے بنی، یعنی وہ نہر جنت کی مراد ہے، اس قلم سے اول واقدم ہوئی اور جب وہ نہر اول واقدم ہوئی تو جنت بدرجہ اولی بدرجہ قلم سے اولی واقدم ہے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ وہ قلم نور سے بنی تو وہ نور یقیناً اس قلم سے اولی واقدم ہوا، اس لئے کہنا پڑے گا کہ "أول ما خلق الله القلم" میں اولیت سے اولیت حقیقیہ مراد نہیں ہے، بلکہ محض اولیت اضافیہ اور فی الجملہ اولیت اعتباریہ مراد ہے، یعنی محض بعض اعتبار سے اول ہے، نہ کہ تمام اعتبارات سے اور اس کی تفصیل خود ایک حدیث پاک میں موجود ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب مشیت الٰہی قضا وقدر رکھنے کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرما کر حکم

۱- سورۂ واقعہ: ۷۹۔
۲- الفتاوی الہندیہ ۳۲۲/۵۔
۳- فتح الباری عن ابن عباس کتاب بدء الخلق ۲۸۹/۱۰۔

دیا کہ اکتب (لکھو) تو قلم نے عرض کیا کہ بار الٰہی کیا لکھوں (ما اکتب) جواب ملا کہ اکتب ما ہو کائن، یعنی وہ تمام چیزیں لکھو جو قیامت تک یا ابد تک ہونے والی ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ اس قلم سے مراد ان ملائکہ کا قلم ہے جو قضا وقدر لکھنے کے لئے مامور تھے، یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر وبغوی وغیرہ میں موجود ہیں، ان روایتوں سے جس طرح بہت سی چیزیں معلوم ہوئیں، مثلاً یہ کہ تمام کائنات عالم محض یوں ہی کیف ما اتفق (علی العبث) نہیں پیدا ہو گئے ہیں، جیسا کہ ملحدین اور دہریوں کا خیال ہے، بلکہ سب ایک ایک نظم کے مطابق اور منظم ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ قلم اس موقع پر پیدا فرمایا گیا جب قضا وقدر کے لکھنے کا موقع آیا، اس موقع سے قبل یہ قلم پیدا نہیں ہوا تھا اور بہت سی چیزیں موجود تھیں، نور موجود تھا، ملائکہ موجود تھے، پس جب "أول ما خلق الله القلم" میں اولیت حقیقیہ نہیں، بلکہ محض اولیت اعتباریہ ہے تو "أول ما خلق الله نوري" سے کوئی منافات نہ رہی، بلکہ جس طرح اور نور موجود تھے اسی طرح نور محمدی بھی موجود تھا، بلکہ "أول ما خلق الله نوري" کی اولیت وقدمیت بھی قلم پر نکل آئی وہو المراد، پھر یہ کہنا کہ حضور ﷺ ابن آدم ہیں، اس لئے آپ مٹی سے ہوئے نور سے نہیں نہایت تعجب ہے، اس لئے حضرت آدمؑ کا قالب اگرچہ مٹی سے تھا، مگر ذات وحقیقت تو مٹی سے نہیں تھی، ذات وحقیقت تو نئی نہیں، ذات وحقیقت تو اسی طرح اگرچہ سرکار دو عالم ﷺ کا قالب ناسوتی میں سے ہے، در اصل مٹی سے ہونا کب لازم آتا ہے، آپ کی ذات مبارکہ تو بہت اعلیٰ وارفع ہے، عام انسانوں کا بھی صرف قالب ناسوتی میں سے ہے اور اس کی حقیقت وذات ومجردات سے ہوتی ہے، پھر اول ما خلق اللہ نوری میں خلق (پیدائش) ناسوتی مراد نہیں ہے، بلکہ خلق نوری اور عالم مجردات کا مراد ہے، پس قالب ناسوتی پر قیاس کر کے یہ کہہ دینا کہ آپ کی پیدائش (خلق) نور سے نہیں ہوئی بالکل ناسمجھی کی بات ہو جائے گی۔ امید کہ اب خلجان رفع ہو کر اطمینان ہو جائے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۶/۱۱/۹۹ ۱۳ھ

ایک فلاحی تنظیم کے بارے میں فیصلہ شرعی:

آج ہندوستان کے حالات ناگفتہ بہ موڑ پر پہنچ چکے ہیں۔ مسلمانوں کے جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں، حکومت کی پالیسی بھی معاندانہ ہے۔ ان حالات میں مسلمان ہی اپنے بھائی کی امداد پر مجبور ہوتا ہے۔ انہیں وجوہ کے پیش نظر یہاں امارات میں باشندگان اعظم گڑھ وجونپور نے فلاح المسلمین کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے، اس کے ارکان منتخب ہو چکے ہیں۔ فی کس دس درہم ماہانہ چندہ متعین کیا گیا ہے، تنظیم تین خاص امور کی پابند ہوگی۔

اول: فسادزدہ علاقوں کے مسلمانوں کی مالی امداد۔

دوم: کمیٹی نے ہر ممبر کو اس کا پابند کیا ہے کہ ہر ماہ چندے کی رقم ادا کریں۔ اگر کسی عذر سے دو ماہ نہ ادا کرسکا تو تیسرے مہینہ مکمل رقم تیس درہم دینا ضروری ہے، ورنہ ممبری ختم کردی جائے گی اور سابق جمع شدہ رقم اس کو واپس نہیں ملے گی، کیا ایسا شرعاً جائز ہے، یہ زندگی بیمہ کی شکل تو نہیں، اگر خدانخواستہ درست نہ ہوتو کیسی ترمیم کی جائے کہ مطابق شرع ہوجائے اور سب لوگ گناہ سے بچ سکیں۔

سوم: اگر کوئی ممبر دوران ممبری فوت ہوجاتا ہے تو اس کے ورثاء کو بیس ہزار درہم بطور امداد دیئے جائیں گے، ورثاء کی خواہش کے مطابق تدفین یہیں ہوگی۔ ورنہ میت ملک روانہ کردی جائے گی اس کا خرچ اسی بیس ہزار سے ادا کیا جائے گا، کیا محررہ رقم سے منتقلی کی اجرت دینا جائز ہے، نیز منتقلی کی بابت علماء کرام کیا فرماتے ہیں اگر معذور ہوجائے تو اس صورت میں بھی باہمی مشورے سے اس کی مالی اعانت کی جائے گی؟

محمد ارشد اعظمی

الجواب وبالله التوفيق:

تقریب فہم کے لئے ذخائر حدیث میں سے صرف چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:

۱- "عن نعمان بن بشيرؓ قال قال رسول الله ﷺ: ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضو تداعىٰ له سائر الجسد بالسهر والحمى" (متفق علیہ)(۱)۔

۲- "عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجته أخيه كان الله في حاجة ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيٰمة، ومن ستر مسلماً ستر الله يوم القيٰمة" (متفق علیہ)(۲)۔

۳- "عن النعمان بن بشيرؓ قال قال رسول الله ﷺ: المؤمنون كرجل واحد إن اشتكى عينه اشتكى كله، وإن اشتكى رأسه اشتكى كله"(۳)۔

۱- صحیح مسلم للمنذری ۸/۱۸، ۴۶۷، حدیث نمبر: ۱۷۷۴۔

۲- اللولوو المرجان ۱/۲۰۱، حدیث نمبر: ۱۶۶۷، مسلم ۸/۷۷۳، باب تحریم الظلم۔

۳- مسلم ۸/۳۸۴ کتاب البر والصلۃ والآداب۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا اقدام بہت بروقت اور بہت ضروری اور بڑا مستحسن ہے، بس شرط یہ ہے کہ بڑھو بڑھاؤ ترقی کرو، لیکن سر رہے قدموں تلے رسول کے۔ ذیل میں تنظیم کے تینوں امور کا شرعی حکم لکھا جاتا ہے۔

اول: فسادزدہ علاقوں کے مسلمانوں کی امداد ضروری و مستحسن ہونے میں کوئی کلام نہیں، صرف شرط یہ ہے کہ حدود شرع کے اندر رہے: "**كما دل قوله عليه السلام: إني تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله**" (۱)۔

دوم: جو ممبر اس فیس کا بغیر کسی دباؤ وجبر کے محض اپنی خوشی ومرضی سے اور بطیب خاطر منظور کرلے گا تو یہ فیس دینا درست رہے گا، بلکہ شروع سوال میں لکھی ہوئی ضروریات وحالات کے پیش نظر بہتر ومناسب ہوگا کہ اس معاملہ میں ارکان کمیٹی کو اس دی ہوئی رقم کا کھلے دل سے مالک بنادیں، یعنی واپس لینے یا مانگنے کی نیت بالکل نہ رکھیں تو آئندہ بہت سی خرابیوں سے حفاظت اور بہت سے مقاصد صحیحہ کا حصول بآسانی ہوسکے گا، مثلاً ایک تو یہی کہ جب کسی میت کو ملک بھیجنا ہوگا تو اسی پسماندہ رقم سے بھیجنا آسان ہوگا یا کسی ہنگامی حالت پر بڑی رقم سے اعانت درکار ہوگی تو اس میں سہولت ہوگی، اس لئے مخیر ومتمول حضرات کو اس تملیک کا لحاظ رکھنا خصوصی طور سے بہتر ہوگا، البتہ کمیٹی کے ارکان منتخب کرنے میں خوب چھان بین کرکے معتمد ودیانت دار حضرات کا انتخاب کیا جائے اور جب بطیب خاطر فیس دے دینے اور بطیب خاطر تملیکاً دے دینے کا معاملہ کرے گا تو اس جملے (ورنہ ممبری ختم کردی جائے گی اور سابق جمع شدہ رقم اس کو نہیں ملے گی) کی گفتگو ہی ختم ہوجائے گی ہاں اگر بطیب خاطر فیس ممبری دے گا مگر دی ہوئی رقم کا کمیٹی کو مالک نہیں بنائے گا تو اس وقت اس معاہدہ (اگر ماہ فیس نہ دے گا تو تیسرے ماہ پورے تین درہم دینا ہوگا) کا حکم شرعی یہ ہوگا کہ حسب ضابطہ شرع: "**إن المرء يعامل في حق نفسه كما أقر به**" (۲)، اس معاہدہ کا پابند رہنا ہوگا، البتہ اگر یہ شخص شرعاً معذور ہو اور شرعاً عذر کی وجہ سے نہ دے سکا ہو تو یہ چیز شرعاً قابل گرفت نہ ہوگی، بلکہ یہ اعذار صحیحہ عدم ادا کی جانب مشعر ہوجائیں گے اور ایسی صورت میں اس کی رقم اس کی مرضی کے بغیر ضبط کرنا لازم آئے گا جو ناجائز اور ظلم ہوگا اور اگرچہ بیمہ کی شکل نہ ہو مگر حدیث پاک: "**لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه**" (۳) کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی دنیوی وبال میں بھی مبتلا ہوجانے کا شدید خطرہ ہوجائے گا، البتہ

۱- رواہ الشیخان۔

۲- قواعد الفقہ / ۱۴۳۔

۳- "وفي غريب الحديث لابن قتيبة: لا يحل لأحد منكم من مال أخيه شيء إلا بطيب نفسه" (۱/ ۱۸۱)۔

اس رقم کے واپس نہ کرنے کے جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس رقم کے واپس نہ کرنے کے فوائد دنیوی و اخروی بتلا کر اس کو اس پر راضی کرلیا جائے ایسا کر لینے سے سب گناہ سے بچ ہی نہیں جائیں گے، بلکہ حسب حالات و مجبوری اس تدبیر سے مستحق ثواب بھی ہوجائیں گے۔

سوم: میت کے ورثاء کو بیس ہزار درہم بطور امداد دینا بہت عمدہ اقدام ہے اور ان کی خواہش کے مطابق وہیں تدفین کر دینا بلا ریب صحیح و مستحسن ہے، البتہ میت کو ملک روانہ کردینا یہ فعل اگرچہ شرعاً پسندیدہ و مستحسن نہیں، لیکن اگر روانہ کردیا جائے تو شرعاً جائز رہے گا، جبکہ روانگی و منتقلی کا خرچ میت کے ترکہ سے نہ ہو، بلکہ لوگوں کی امداد باہمی سے یا فنڈ میں تملیکاً جمع شدہ رقم سے ہو، کیونکہ تملیکاً کمیٹی میں دے دینے کے بعد دینے والے کی ملک نہ رہے گی، یہ فائدہ اور اس قسم کے بہت سے فوائد اس رقم کو کمیٹی کی ملکیت میں دے دینے پر متفرع ہوں گے، جیسا کہ سوال نمبر ۱ کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ میت کے ترکہ سے بھیجنے کا خرچ دینے میں یہ گفتگو ہوگی کہ مرنے کے بعد ترکہ وارثین میں نابالغ کی اجازت معتبر نہ ہوگی اور ان کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ ترکہ کی رقم سے بھیجنا جائز ہوگا ورنہ ناجائز ہوگا، اس لئے وہی اوپر لکھی ہوئی صورت (کمیٹی کی تملیکاً حاصل کردہ رقم سے بیس ہزار جو ورثا کو بطور امداد ملتے ہیں اس میں سے یا اپنے طور پر چندہ جمع کر کے میت کو ملک بھیج سکتے ہیں، کیونکہ یہ رقمیں میت کا ترکہ نہیں ہیں)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۱/۷/۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ، کفیل الرحمن

ڈبل آڑھت اجرت لینے کا حکم:

منڈی میں دکان کرنا چاہتا ہوں جس میں کمیشن لیا جاتا ہے، اس طرح سے کہ ایک شخص گاؤں سے کچھ سبزی لے کر آتا ہے فروخت کرنے کے لئے، اور دوسرا شخص خریدنے کے لئے، ہم نیلام کرتے ہیں جس کے نام بولی چھوٹ جاتی ہے اس کو دیدیتے ہیں، لینے والا ادھار لیتا ہے اور فروخت کرنے والا نقد پیسے سے لیتا ہے، ہم اپنی طرف سے فروخت کرنے والے کو پیسے دیتے ہیں اور خریدار ہم سے ادھار لے جاتا ہے اور ہم دس فی صد خریدار سے اور دس فی صد فروخت کرنے والے سے کمیشن لیتے ہیں۔ براہ کرم جواب سے نوازیں یہ کمیشن لینا شرعی رو سے کیسا ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

دلالی وآڑھت داری میں بھی ڈبل اجرت لینا جائز نہیں ہوتا، بلکہ جس کا کام کرے صرف اسی سے اجرت لینا جائز ہوتا ہے، پس اس صورت میں یہ شخص صرف بیچنے والے کا کام کرتا ہے کہ اس کی جانب سے بولی بولتا ہے اور جس خریدار پر بولی ختم ہوجاتی ہے اس کو سودا دے دیتا ہے اور خریدار کے ادھار خریدنے پر یہ شخص جو نقد پیسہ بیچنے والے کو دیتا ہے یہ بھی بیچنے والے ہی پر تبرع ہوتا ہے اور خریدار خود آڑھت کے پاس آتا ہے اور آڑھت دار خریدار تلاش کرنے کے لئے نہیں جاتا ہے، اور نہ اس کا اور کوئی کام کرتا ہے کہ اس سے بھی اجرت لے، لہذا صورت مسئولہ حسب تحریر سوال صرف اس شخص سے اجرت دلالی لے سکتا ہے جس کی طرف سے بیچتا اور بولی وغیرہ بولتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/۱۱/۱۴۱۰ھ

لپ اسٹک لگانے اور فلم بنانے کا حکم:

میں نے برائے معلومات چند مسائل ایک لفافہ تقریبا ایک ماہ پہلے ارسال کیا تھا جس میں عورتوں کو لپسٹک کی حالت میں وضو کرنا اور شادیوں وغیرہ میں فلم بنانا اور فوٹو وغیرہ بنانے کے متعلق معلوم کیا گیا تھا؟

الجواب وبالله التوفيق:

۱-لپسٹک میں عموما جلد پر ایک تہہ جم جاتی ہے جس سے وضو کرنے میں پانی جلد (چمڑے) تک نہیں پہنچتا اور وضو صحیح نہیں ہوتا، اس لئے لپسٹک سے بغیر اس کو صاف اور دور کئے ہوئے وضو کر کے نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی، اسی طرح اگر غسل ضروری ہو تو غسل کی طہارت بھی حاصل ہو کر نماز وغیرہ صحیح نہیں ہوگی، ہاں اگر لپسٹک رقیق پانی کی طرح ہو تو یہ حکم نہ ہوگا۔

۲-فلم بنانا جس میں جاندار کی بھی صورتیں آئیں یا جاندار کا فوٹو وغیرہ بنانا جس میں اس کے سر کا بھی فوٹو آجائے درست و جائز نہیں ہے، خواہ کسی بھی طریقہ کی بنا پر یہ چیز پائی آجائے تو حرمت وعدم جواز کا حکم ہوگا، اس لئے کہ اس پر حرمت و وعید کی جو روایتیں وارد ہیں وہ مطلق اور عام ہیں اور ہر شق کو شامل ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۳/۹/۱۴۱۰ھ

قرض کے ایک حیلہ کا بیان:

کسی شخص نے اس ارادہ سے حکومت سے بطور امداد قرض لے لیا ہے کہ اس میں سے بعض رقم کو بینک کے کسی ایسے کھاتہ میں جمع کردے جس میں جمع کی ہوئی رقم کا سالانہ سود بیاج قرض لی ہوئی رقم سے بڑھ جاتی ہو، مثلاً قرض رقم مبلغ چھ ہزار روپے کا سود و بیاج فی سیکڑہ دس روپے کے حساب سے ہوتا ہے تو کھاتہ میں جمع کی ہوئی رقم مثلاً تین ہزار روپے کا سود و بیاج فی سیکڑہ بیس روپے کے حساب سے سالانہ ہوتا ہے۔

لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ تین ہزار روپے جمع شدہ رقم کے سود و بیاج سے چھ ہزار روپے کا سود و بیاج پورا ہوتا ہے اور صرف تین ہزار روپے سے اپنا کاروبار کرتا ہے جس میں سود و بیاج کا لینا دینا نہیں ہے تو ایسا حیلہ کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

مجبور و غریب کا حکومت سے بطور امداد قرض لینا کہ اس میں سے کچھ رقم بینک کے کسی ایسے کھاتہ میں جمع کردی جائے جس سے ملنے پر سود پورے قرضہ کے سود کی ادائیگی کے لئے کافی ہو اور بقیہ رقم اپنے کاروبار میں لگادی جائے جس کو الگ سے ادا نہ کرنا پڑتا ہو تو شرعاً یہ حیلہ درست ہے: **"من أراد بالحيلة الهرب من الحرام فلا بأس** (۱)۔

"وأجمعوا على أن ما لا يبطل حق الغير لا يكره فيه استعمال الحيلة وتعلم الحيلة" (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: محمد ظفیر الدین مفتاحی عفی عنہ

۱- سراجیہ علی الخانیہ ۳/۵۷۳۔

۲- خانیہ ۴/۷۱۳۔

چوری کے مال کی تحقیق کے لئے لوگوں سے پوچھنا:

چوری ہونے کے بعد لوگ باگ سے پوچھ تاچھ کرا تے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ شرعی چیز نہیں ہے اور اس پر یقین رکھنا ناجائز ہے، اس طرح سے کسی کو بدنام یا متہم کرنا بھی صحیح نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۶/۱۲/ ۱۴۰۴ھ

باب الأکل والشرب

کوکاکولا اور فنٹا کا شرعی حکم:

حسب ذیل مسئلہ کے متعلق فتویٰ مطلوب ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کوکاکولا فنٹا اور ان کے مانند دیگر اشیاء مشروبہ شائع ذائع اور کثرت سے مستعمل ہیں جیسا کہ آنجناب کو بخوبی معلوم ہوگا، اب بنانے والے کارخانہ سے بالتحقیق معلوم ہوا کہ ان شربتوں میں یعنی کوکاکولا واخواتہا میں الکحل ڈالا جاتا ہے جس کو انگریزی میں ''ایتھول'' کہتے ہیں، اس الکحل کے بعض اقسام عصیر العنب سے تیارشدہ ہیں اور بعض اقسام آلو، کوئلہ، گیہوں وغیرہ اشیاء سے بنتے ہیں ایک شیشی میں تقریباً ایک آدھ قطرہ الکوحل موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی شربتیں محض تنعم وتلذذ کے طور پر پی جاتی ہیں بہشتی زیور حصہ نہم کے ضمیمہ ثانیہ میں ایک حاشیہ کی حسب ذیل عبارت ہے:

"فالقسم الاول منه حرام ونجس غليظا والثلاثة الاخيرة حرام ونجس خفيفاً وفي رواية نجس غليظا كما في الهدايه وما عدا ذالک من الاشربة فهي في حكم الثلاثة الاخيرة عند محمدؒ في الحرمة والنجاسة وعند ابي حنيفةؒ وابي يوسف رحمهما الله تعالىٰ يحرم منها القدر المسكر واما القدر الغير المسكر فحلال الا اللهو"— اھ

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عند الشیخین غیر خمر کی قلیل المقدار شراب حلال ہے، لہذا اگر غیر خمر کی کوئی شربت قلیل مقدار میں کسی کھانے یا پینے کی چیزیں مثلاً بسکٹ، کیک، مٹھائی کوکاکولا وغیرہ میں استعمال کی جائے تو ان چیزوں کا کھانا پینا حلال ہوگا۔

زید کہتا ہے کہ بر بناء مذہب شیخین علیہما الرحمۃ اگر کسی کھانے یا پینے کی چیز میں غیر خمر کا الکحل ڈالا جائے تو وہ طعام یا شراب جائز الاکل وحلال ہے، لیکن عمرو کہتا ہے کہ انھوں نے جو قول کیا ہے وہ عدم لہو کے ساتھ مقید ہے اور بسکٹ، کیک، مٹھائی کوکاکولا وغیرہ چیزیں تو غیر ضروریات میں سے ہیں وہ تو محض تنعم وتلذذ کیلئے کھائی جاتی ہیں، لہذا یہ لہو میں داخل ہوکر

حرام ہوجائیں گی، دونوں میں سے کس کا قول صحیح وبرحق ہے۔

زید یوں بھی کہتا ہے کہ کوکا کولا، فنٹا وغیرہ اتنی کثرت سے مستعمل ہیں کہ اب ابتلاء عام کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اس بناء پر حرمت ثابت ہے مگر مستثنیٰ ہوجائیگی عمرو یہ قول کرتا ہے کہ اس معاملہ میں ابتلاء عام کا حکم لگانا نا قابل قبول ہے کیونکہ کوکا کولا وغیرہ اشربہ کو تو فقط تنعم وتلذذ کے درجہ میں مستعمل ہیں ضروریات طعام میں سے نہیں ہیں نیز دوسری شربتیں مثلاً پھلوں کے رس وغیرہ اس کے قائم مقام مل سکتے ہیں، لہذا عدم ضرورت وحاجت کے سبب ابتلاء عام نہیں کہا جا سکتا، اب کون صواب پر ہے، زید یا عمرو، کتب فقہ میں غیر خمر کے متعلق کسی قدر اختلاف معلوم ہوتا ہے بعض کے نزدیک قلیل المقدار خارجاً وداخلاً حلال ہے اور بعض کے نزدیک دونوں طرح استعمال کرنا حرام ہے البتہ حاشیہ مذکورہ از بہشتی زیور میں فرمایا گیا: "**فالاولیٰ ان لا یتعرض للمبتلی به بشیء نعم من قدر علی الاحتراز منه فلیحترز ما شاء**"۔ اس بناء پر زید کہتا ہے کہ قدر قلیل از غیر خمر شراب جائز الاستعمال ہے خارجاً ہو یا داخلاً البتہ اجتناب از روئے تقویٰ اولیٰ واحسن ہے، اس طرح کوکا کولا وغیرہ میں اگر یہ غیر خمر الکحل ڈالا جائے تو جائز الشرب ہوگا بوجہ اسکے قلیل المقدار ہونے کے عمرو اس کے خلاف کا قائل ہے یہ عبارت بہشتی زیور کے متن میں ہے اور حاشیہ پر جو لکھا ہے وہ صرف دواء ہے، یعنی صرف مداوی کے لئے استعمال درست ہوگا نہ کہ تلذذ وتنعم کے لئے اور عمرو بہشتی زیور کی یہ عبارت سند میں پیش کرتا ہے۔

"دواء بقدر غیر مسکر داخلاً بھی استعمال کی جا سکتی ہے" مگر زید تو دواء کی قید کو غیر احترازی بتلاتا ہے اور اس رائے کے استناد میں اس کتاب کی دوسری عبارت پیش کرتا ہے جو "اسپرٹ خمر اربعہ میں سے نہیں ہے پس ایسی اسپرٹ کا شیخین کے نزدیک استعمال جائز ہے"

یہاں دواء کی قید مفقود ہے معلوم ہوا کہ اول عبارت میں قید اتفاقی تھی تو چاہے کھانے یا پینے کی اشیاء میں یہ غیر خمر الکحل قلیل المقدار موجود ہو تب بھی اکل وشرب جائز ودرست ہوگا لیکن عمرو کہتا ہے دونوں عبارتیں ایک دوسرے سے متعلق ہیں الگ الگ نہیں ہیں، آنجناب فرمائیں کہ دونوں میں سے کون صائب الرائے ہے۔ جن اشربہ میں یہ غیر خمر الکوحل پایا جائے قلت مقدار کے ساتھ اگر وہ حرام ہیں تو ان کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

سراج احمد خان افریقی

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہاء کی یہ تحقیق اس وقت کی ہے جب الکحل شراب کا جوہر یا اس کی تلچھٹ ہی ہوا کرتا تھا، اب الکحل سائنٹیفک طریقہ سے اس طرح بنائی جاتی ہے جس کو شراب کا جوہر یا شراب کی تلچھٹ نہیں کہہ سکتے، لہذا جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ شراب کا جوہر ہی ہے یا اس کی تلچھٹ ہی ہے اس وقت تک حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا البتہ کوئی احتیاط برتے تو یہ تقوی ہوگا فتوی نہ ہوگا فتوی کے اعتبار سے ان مذکورہ چیزوں کو ناجائز الاستعمال یا حرام نہیں کہہ سکتے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

جھینگا کھانا:

دریا کے جانوروں میں سے جھینگا کھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وبا اللہ التوفیق:

جائز ہے، لیکن جھینگا بعض فقہاء کے نزدیک منع ہے، لہذا احتیاط یہ ہے کہ اس کو نہ کھایا جاوے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۱۰/ ۱۹۸۵

الجواب صحیح احقر محمود غفی عنہ

۱-مغربی ممالک سے ڈبوں میں جو پکے ہوئے گوشت آتے ہیں ان کا حکم:

ہمارے یہاں ایک مسئلہ زیر بحث ہے فریقین کے دلائل درج ذیل ہیں براہ کرم رہنمائی فرمائیں!

بعض مقامی مسلمان پکے ہوئے گوشت کے ڈبے اپنی پرچون کی دکان پر فروخت کرتے ہیں، اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ڈبوں میں خنزیر کا گوشت ہو، خنزیر کا گوشت تو قطعاً حرام ہے اس پر ایک دکان دار نے یہ حیلہ اختراع کیا کہ وہ اس مال کو کسب کے لیے نہیں بلکہ میل لگانے کے لئے رکھے گا، اور قیمت خرید پر ہی فروخت کرے گا یہ حیلہ جائز ہے یا ناجائز؟

اگر ڈبے میں بھیڑ یا گائے کا گوشت ہے تو بھی وہ مسلمان کا ذبیحہ نہیں ہے، عرب حضرات اس کو طعام اہل کتاب سمجھ کر

کھاتے ہیں، بعض حضرات اس کی خرید فروخت کو بھی حرام قرار دیتے ہیں، لیکن کچھ اور اہل علم اس کی حرمت کو غیر مؤثر قرار دے کر خرید فروخت کی حد تک اجازت دیتے ہیں۔

۳-خون سے بنے نمک کا استعمال:

یہاں خون کا نمک بھی فروخت ہوتا ہے جو شوربے میں کام آتا ہے، اگر خنزیر کا خون شامل ہونے کا شبہ نہ ہو تو کیا خون کی حرمت اس کی اس قسم کی مصنوعات کو بھی حرام کردے گی؟

۴-جانوروں کی ہڈی سے بنی ہوئی چیز کھانا:

بعض کھانے کی چیزیں ان جانوروں کی ہڈی سے تیار کی جاتی ہیں، اگر یہ یقین ہو کہ اس میں خنزیر کی ہڈی شامل نہیں ہے تو کس دلیل کی بناء پر حرام ہوگی؟

۵-ذبح شدہ گوشت جو پیکٹ میں آتے ہیں ان کا حکم، کیا ہر مرحلہ میں مسلمان کی نگرانی ضروری ہے؟

ایک غیر مسلم کی کمپنی میں گائے کا گوشت ذبح ہو کر ڈبوں یا پیکٹ میں پیک کیا جاتا ہے، پھر مسلم یا غیر مسلم کی دکانوں میں فروخت کیا جاتا ہے، اس گوشت کے ذبح ہونے سے اور فروخت ہونے تک حسب ذیل مراحل ہوتے ہیں:

۱-جانوروں کو مسلمان ذبح کرتا ہے۔

۲-اس کے بعد مسلم یا غیر مسلم اس کو صاف کرتے ہیں۔

۳-اس کے بعد اس گوشت کو مسلم یا غیر مسلم کی نگرانی میں برف خانوں میں رکھا جاتا ہے۔

۴-اس کے بعد برف خانوں سے نکال کر ہڈیوں کو الگ کر کے گوشت کو مختلف طریقوں سے پکایا جاتا ہے، پکانے میں صرف حلال اجزاء استعمال کیے جاتے ہیں۔

۵-اس کے بعد تیار شدہ گوشت کو پیکٹ یا ڈبوں میں پیک کیا جاتا ہے، پھر اس پیک شدہ ڈبہ پر مسلمان نگراں اپنی جماعت (جمعیۃ العلماء) کی رجسٹرڈ شدہ مہر یا لیبل یا نشان لگاتا ہے (جو گوشت کے حلال ہونے کی نشانی ہوتی ہے)

۶-بعدہ اس پیک شدہ گوشت کو مسلم یا غیر مسلم ڈرائیور مسلم یا غیر مسلم تاجروں کو پہونچاتا ہے جو اس کو اپنی دکانوں میں فروخت کرتے ہیں۔

صورت مذکورہ میں حسب ذیل امور کی وضاحت مطلوب ہے:

۱-کیا ہر مرحلہ میں مسلمان کی نگرانی ضروری ہے یا نہیں؟

۲-ہر مرحلہ میں ضروری نہیں تو کن کن مراحل میں ضروری ہے؟

۳-اگر گوشت ذبح ہونے سے تاجر تک پہنچنے تک ہر مرحلہ میں مسلمان کی نگرانی رہے تو ایسے پیک شدہ اور مہر لگا ہوا گوشت غیر مسلم کی دکان سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۴-اگر ذبح کے بعد کے مراحل میں مسلمان کی نگرانی نہ رہے، صرف پیکنگ کے بعد مسلمان نگراں اپنی مہر نشان یا لیبل ہر ڈبہ یا پیکٹ پر لگائے تو آیا پیک شدہ اور مہر زدہ گوشت کا ان غیر مسلم کی دکان سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نا جائز؟

۵-پیک ہونے کے بعد مسلم یا غیر مسلم تاجر کو پہونچنے تک مسلمان کی نگرانی شرط ہے یا نہیں؟

۶-یہ پیک شدہ گوشت یہاں سے مسلم ممالک کے لیے برآمد کیا جاتا ہے جو غیر مسلموں کے ہوائی یا بحری جہاز سے بھیجا جاتا ہے تو یہ غیر مسلموں کی نگرانی میں بھیجا ہوا گوشت مسلم ممالک کے مسلم یا غیر مسلم تاجر سے مسلمانوں کو خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۷-اگر فیکٹری کا مالک تمام شرائط قبول کرلے تو اس کو سرٹیفکٹ دینا پڑے گا، شرعاً سرٹیفکٹ شہادت کے قائم مقام ہوگی یا صرف سند ہوگی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱ و ۲-ذبح ہونے سے پیک ہو کر سیل اور مہر لگنے تک برابر ہر درجہ میں معتمد مسلمان کی موجودگی ونگرانی ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے سامنے ان مراحل کی تکمیل کرائے، پھر ذبح شرعی کے بعد صاف کرنا یا برف خانوں میں رکھنا یا برف خانوں سے نکال کر ہڈیوں وغیرہ کو صاف کرنا، یا پیک کرنا یہ سب معتمد مسلمان کی موجودگی ونگرانی میں اور مسلمان کے سامنے غیر مسلم بھی کرسکتا ہے۔

۳-جب معتمد مسلمان کی نگرانی وموجودگی میں اس کے سامنے مذکورہ بالا تمام مراحل طے کر کے سیل ومہر ہو کر باقاعدہ پیک ہو جائے تو اب کسی مسلمان کی موجودگی ونگرانی باقی رہنا ضروری نہیں رہے گی، حتیٰ کہ صحیح سیل ومہر والا بند پیکٹ غیر مسلم بھی اپنی دکان میں رکھ کر فروخت کرسکتا ہے، البتہ غیر مسلم کی دکان سے محض سیل ومہر والا بند پیکٹ و بند ڈبہ جس کے اندر تلبیس وخداع وغیرہ کا بالکل شبہ نہ ہو خریدنا کھانا جائز رہے گا، کھلے ہوئے یا مشتبہ حال کا خریدنا اور کھانا جائز نہ رہے گا۔

۴-ایسا گوشت خریدنا اور کھانا جائز نہیں۔

۶و۵- اس کا جواب (۱) تا (۳) میں گذر چکا ہے کہ ان نمبروں میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق پیک ہوکر سیل وہر ہوجانے کے بعد ہر وقت کسی مسلمان کی موجودگی شرط نہیں، لہذا غیر مسلم ہوائی یا بحری جہاز سے اور غیر مسلم کے واسطہ سے بھی بھیجا جا سکتا ہے اور غیر مسلم اور مسلم ممالک میں بھیجا جا سکتا ہے، اور محفوظ سیل وہر والا بند پیکٹ وڈبہ مسلم وغیر مسلم ہر دکان سے خرید ابھی جا سکتا ہے، اس میں شرط ہے کہ یہ اطمینان حاصل رہے کہ درمیان میں کوئی غداری یا خداع کاری وغیرہ نہیں ہوئی ہے، البتہ کھلا ہوا پیکٹ یا ڈبہ اس کا گوشت غیر مسلم کی دکان سے اطمینان حاصل ہونے کی حالت میں بھی خریدنا یا کھانا جائز نہ رہے گا۔

۷- صرف انہی گوشتوں کا سرٹیفکٹ دینا جائز ہوگا جن کے پانچوں مراحل معتمد مسلمان کے سامنے (۱) تا (۳) کے مطابق تکمیل پا کر سیل وہر ہونے کا مشاہدہ یا شرعی ثبوت موجود ہو، اس کے علاوہ اور گوشتوں کا سرٹیفکٹ دینا درست نہ ہوگا اور یہ سرٹیفکٹ دینا شہادت نہ ہوگی بلکہ صرف تصدیق اور سند کے درجہ کی چیز ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۶/۱۳۹۸ھ

آسٹریلیا وغیرہ سے جو گوشت آتے ہیں ان کا استعمال شرعاً کیسا ہے؟

☆ یہاں پر یعنی مسقط میں گوشت اور مرغی آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے آتا ہے اور مشکوک کے خیال سے ہم استعمال نہیں کرتے۔ بعض لوگ استعمال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ گوشت اور مرغی کے پاکٹ پر لکھا ہوتا ہے حلال طریقہ سے ذبح کیا ہوا ہے، پھر اسلامی حکومت میں بغیر تحقیق کے سامان آتا نہیں، لہذا استعمال کریں کیا یہ درست ہے؟

☆ مسقط کے وطنی حضرات اور ائمہ مساجد کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں علم نہیں، لیکن یہ لوگ ہاتھ چھوڑ کر اور ایک سلام میں دونوں طرف رخ کرتے ہوئے سلام کرتے ہیں، کیا ان کے پیچھے، یعنی ان کی اقتداء درست ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

☆ اگر یہ تحقیق ہوجائے کہ آسٹریلیا یا نیوزی لینڈ میں جو مسلمان رہتے ہیں انہیں کے ہاتھ کا اسلامی قاعدہ سے ذبح کیا ہوا یہ گوشت آتا ہے، یا وہاں کے اہل کتاب محض اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہوں تو اس گوشت کا کھانا جائز رہے گا، پس اگر گمان غالب ہوجائے کہ واقعی یہ ذبیحہ اسی اسلامی قاعدہ کا ہے، جیسا کہ پیکٹ پر لکھا ہوا ہے تو فتویٰ کے اعتبار سے اس کا کھانا

جائز رہے گا، باقی تقویٰ میں پرہیز بہتر ہوگا، اس کے نہ کھانے میں احتیاط اور بہتری ہے۔

☆ اگر وہ حضرات مالکی مسلک کے ہوں خوارج ومعتزلہ وغیرہ نہ ہوں تو ان کے پیچھے حنفی کی نماز صحیح ادا ہو جائے گی بشرطیکہ نجاست وطہارت وتطہیر کے مسئلہ میں حنفی مسلک کی رعایت کرتے ہوں، ورنہ ان کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی، اور پھر جب وہ ایک ہی سلام میں دونوں طرف رخ پھیریں تو حنفی مقتدی کو دونوں طرف سلام پھیرنے میں دو مرتبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ لینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۹/۴/۰۲ ۱۴ھ

بیرونی ممالک سے آئی ہوئی مذبوحہ مرغیوں کا شرعی حکم:

یہاں سعودی عرب میں یورپ اور دیگر بیرونی ممالک سے کھال اتاری ہوئی آلائش سے پاک مرغیاں پولی تھین کے بیگ میں بھر کر آتی ہیں اور ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے "مذبوحة عن طريق الشريعة" یہاں رہتے ہوئے کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ پتہ چلایا جائے کہ واقعی یہ شریعت کے مطابق ذبح شدہ ہیں جبکہ یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رہنے والے بعض دیندار لوگ ایسی مرغیوں کو مشکوک قرار دیتے ہیں اور بعض بالکل حرام کہتے ہیں کہ مشین سے گردن کاٹ دی جاتی ہے (واللہ اعلم) کیا ایسی مرغیوں کو کھانا جائز ہے؟

محمد ضیاء الرحمٰن، معرفت محمد افضال سعود ولد (ریاض سعودی عربیہ)

الجواب وبالله التوفيق:

تجارت کا بھی یہ اصول مسلم ہے کہ تجارت دھوکہ دہی اور فریب دہی سے کامیاب نہیں ہوتی اور اس وجہ سے بڑے تاجر دھوکہ فریب دہی وغیرہ سے بچتے ہیں پھر جب حکومت بھی حرام وحلال کا معاملہ سخت پرکھ پر رکھتی ہو تو جن ڈبوں پر لکھا ہو کہ مذبوحہ عن طریق الشریعۃ تو جب تک اس کے خلاف کا ثبوت دلیل شرعی سے نہ ہو جائے از روئے فتویٰ استعمال کی گنجائش رہے گی باقی از روئے تقویٰ اجتناب افضل واولیٰ ہے (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/۱۲/۰۰ ۱۴ھ

۱- "ويقبل قول كافر ولو مجوسياً قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل أو قال اشتريته من مجوسي فيحرم، ولا يرده

۱-دھوبی کے یہاں کھانا:

مسلمان دھوبی کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟

۲-کافر کے یہاں کھانا:

کافر کے یہاں کا کھانا کیسا ہے؟

مفتی حسن انصاری مقام گڈھی سلیم پور، مرادآباد

الجواب وباللہ التوفیق:

۱مسلمان دھوبی کے گھر کا گوشت بھی کھانا جبکہ اس میں نجاست لگنے کا گمان نہ ہو جائز ہے(۱)۔

۲-غیر مسلم کے گھر کا گوشت کھانا بالکل حرام و ناجائز ہے البتہ گوشت کے علاوہ اور چیزوں کا کھانا جبکہ اس کے برتن وغیرہ اور ہاتھ وغیرہ سب چیزیں ناپاکی سے محفوظ ہوں تو کھا سکتے ہیں مگر غیرت کے خلاف ہے(۲)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/ ۸/ ۱۴۰۰ھ

شرادھ کے کھانے کا حکم:

ایک ہندو کے یہاں موتی کا کھانا جو انکے مذھبی طریقہ پر کھلا دیا جاتا ہے کیا مسلمان کو کھانا جائز ہے یا کہ نہیں اور کیا وہ کھانا مسلمان کے لئے حلال بھی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

سوال کی عبارت صاف نہیں پڑھی جاتی ہے غالبًا موتی سے مرادمیت اور مردار جانور ہے جس کو ہندو لوگ جھٹکے وغیرہ

بقول الواحد واصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات وعليه يحمل قول الكنز: ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/ ۴۹۷ کتاب الحظر والاباحۃ)۔

۱- "اهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس" (فتاوی عالمگیریہ ۵/ ۳۴۲)۔

۲- "قال محمدٌ ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز ولا يكون آكلاً ولا شارباً حراماً وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني..... الخ" (فتاوی عالمگیریہ ۵/ ۳۴۷)۔

اپنے مذہبی قاعدہ سے مارڈالتے ہیں اور کھاتے ہیں اگر یہی مراد ہے تو اس کا کھانا بالکل حرام ہے اور سخت گناہ قطعاً ناجائز ہے ہرگز نہ کھانا چاہئے (۱)، اور اگر مراد کچھ اور ہو تو اس کو صاف لکھ کر پھر پوچھیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۷/۷/۱۹۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غنی عنہ

نہر فرات کا پانی پینا:

کربلا معلی میں خداوند عالم نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کی آل کو نہر فرات کا پانی پینے کے لئے نہیں نصیب کیا یعنی نہر فرات کا پانی پینا نصیب نہیں ہوا تو بعد ان کے شہادت کے اور مسلمانوں کے لئے اس کا پانی پینا جائز ہے یا کہ نا جائز ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

دونوں باتیں خدائے قدیر کے علم اور اختیار سے ہوئیں ہیں اور خدائے قدیر نے اباحت مطلقہ پانی پینے کے لئے دی ہے، اس لئے جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۸/۸/۱۹۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غنی عنہ

کیا بعد عصر کھانا کھانا ممنوع ہے؟

مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ اس بارے میں حدیث ہے کہ عصر کے بعد کھانا کھانا ممنوع ہے، دریافت ہے کہ اس بارے میں حدیث ہے یا کہ نہیں۔

۱- ''وذبحها من قفاها ان بقيت حية حتى تقطع العروق والا لم تحل لموتها بلا ذكاة'' (الدر مع الرد ۹/۴۲۷ مکتبہ زکریا)۔

الجواب وبالله التوفيق:

باتیں بے بنیاد اور من گڑھت ہیں عصر بعد کھانا شرعاً منع یا مکروہ نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حیض والی عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ایام حیض میں عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیا جائز ہے یا کہ نا جائز ہے؟

الجواب وبالله التوفيق:

۱۔ ایام حیض میں عورت کے ہاتھ کا کھانا کھانا پکانا سب جائز ہے (۱)۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

جرمنی گائے کے دودھ کا حکم:

کشمیر میں اکثر لوگ جرمنی گائیں پالنے لگے ہیں، کیونکہ ان سے دودھ زیادہ حاصل ہوتا ہے لاگت بھی بہت لگتی ہے، لیکن روزانہ دس کلو سے پندرہ کلو دودھ دیتی ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ یہ دودھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، کیونکہ بعض کہتے ہیں کہ جنگلی کتے کا بیج گائے میں ڈالکر گائے پیدا ہوتی ہے، لہذا یہ گائے کتے کی نسل ہے، اس واسطے پرہیز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیجی جینس یعنی جاموس اور گائے سے یہ نسل پیدا ہوئی ہے ان تینوں سوالوں کے جواب دیں۔

نذیر احمد (متصل زیارت حضرت شاہ ہمدان مقام ترال ضلع پلوامہ، کشمیر)

الجواب وبالله التوفيق:

حیوانات میں نسب و نسل مادہ سے چلتی ہے اور مادہ ہی کا اعتبار ہوتا ہے (۲)، پس جس نطفہ سے بھی بچہ پیدا ہو پیدا

۱۔ "ولا يكره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجين او ماء" (ردالمحتار ۱/۴۸۶ باب الحیض مکتبہ زکریا)۔

۲۔ بدائع الصنائع ۴/۲۰۵ میں ہے "فإن كان متولداً من الوحشي والإنسي فالعبرة بالأم..... لأن الأصل في الولد الأم لأنه

ہوا کرے بچہ گائے کا ہی کہا جائے گا اور یہ دودھ گائے کا ہی کہا جائے گا اور گائے کا دودھ علی الاطلاق مباح وحلال فرمایا گیا ہے، لہذا ان وجوہ کو صحیح تسلیم کر کے بھی اس دودھ کو حرام نہ کہیں گے اور یہ الگ بات ہوگی کہ چونکہ یہ طریقہ قبیح اور بعض وجوہ سے ممنوع ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص ایسا باوجاہت ومقتدی ہو کہ وہ باب اصلاح وتبلیغ کے ضابطہ کے مطابق منع کرے یا خود استعمال نہ کرے تو باب تبلیغ واصلاح سے قرار دیکر اس کو یہ گنجائش ہوگی مگر یہ عام حکم نہیں بن سکے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۶/۶/۱۴۰۰ھ

تصویر والی مٹھائی کا حکم:

بچوں کے کھانے کی مٹھائی تصویر کی بنی ہوئی آتی ہیں بعض مچھلی کی بعض ہاتھی کی ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ تو آیا انکا کھلانا بچوں کو بڑوں کا خود کھانا اور ان کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جو مٹھائیاں جاندار کے جسم کی طرح بنی ہوئی ہوں انکا خریدنا بیچنا جائز نہیں (۱) ہے، البتہ اگر بغیر خریدے ہوئے بطور ہبہ وغیرہ کے مل جائیں تو انکو توڑ پھوڑ کر کھانا جائز (۲) ہے، لکڑی کے ڈبوں پر جو کسی جانور کی پوری تصویر خواہ پینٹ سے یا لکڑی وغیرہ سے اس طرح بنی ہوئی ہو جو اتنی بڑی ہو کہ اگر اس کو زمین پر رکھ کر خود کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو نمایاں طور پر ظاہر ونمایاں ہوں تو ان کا بنانا اور اس پر اجرت لینا کچھ جائز نہیں ہوگا، اور اگر چھوٹی ہوں کہ کھڑے ہو کر دیکھنے میں نمایاں نہ ہوں یا اس طرح پر ہوں کہ ان کا سر نہ ہو تو اس کا بنانا اور اسکی اجرت سب جائز رہے گا۔ اس طرح اگر غیر جاندار کی تصویریں

ینفصل عن الأم"۔

۱- ''اشتری ثوراً او فرساً من خزف لأجل استئناس الصبی لایصح ولاقیمة له فلایضمن متلفه، قال فی الشامیه کأنه لأنه آلة لهو'' (ردالمحتار ۷/ ۴۸۷، کتاب البیوع/ باب المتفرقات، مکتبہ زکریا)۔

۲- ''لما فی صحیح ابن حبان إستاذن جبریل علیه السلام علی النبی صلی الله علیه وسلم فقال أدخل فقال: کیف أدخل وفی بیتک ستر فیه تصاویر فإن کنت لابد فاعلاً فاقطع رؤوسها أو اقطعها وسائد أو إجعلها بسطاً وفی البخاری فی کتاب المظالم عن عائشةؓ أنها إتخذت علی سهوة لها ستراً فیه تماثیل فهتکه النبی صلی الله علیه وسلم. قالت فاتخذت منه نمرقتین فکانتا فی البیت تجلس علیهما زاد احمدؒ فی مسنده: ولقد رأیته متکئاً علی أحدهما وفیه صورة'' (البحرالرائق کتاب الصلاۃ باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا ۲/ ۴۹، مکتبہ زکریا)۔

ہوں تو اسکو بھی بنانا اور اس پر اجرت لینا سب جائز رہے گا (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الگ الگ پلیٹ میں کھانا:

گھر میں آجکل لوگ الگ الگ پلیٹ میں کھانا کھاتے ہیں لیکن ہر ایک کے ساتھ ایک پلیٹ رکھکر کبھی اکٹھے ملکر کھاتے ہیں جبکہ ایک بڑے تھالے یا تھال میں لینے کے بجائے ہر ایک کو علیحدہ چاول، روٹی، سبزی وغیرہ ایک ہی پلیٹ میں لیکر کھاتے ہیں لیکن سب مل کر کھاتے ہیں بھارت میں اور آجکل یہ رواج دیہاتوں میں عام ہوگیا ہے، اس لئے اس طرح کھانے کا کیا حکم ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب وبالله التوفيق:

الگ الگ پلیٹ میں کھانا اور ایک بڑے تھال میں کھانا سب درست ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۴/ ۴/ ۱۴۰۳ھ

۱- مسلم لڑکے کے لئے اپنے غیر مسلم والدین کا کھانا کھانا:

ہم ساؤتھ افریقہ میں دعوت اسلام کی خدمات بھی انجام دیتے ہیں، بعض مرتبہ نوعمر لوگ جن کی عمر ۲۰ سے ۱۸ سال تک ہوتی ہے اسلام قبول کرتے ہیں جب کہ ان کے والدین اسلام قبول نہیں کرتے، کیا یہ نوعمر نومسلم اپنے والدین کا کھانا کھاسکتے ہیں جو برائے نام عیسائی ہیں اور عیسائیت پر صحیح طور پر عمل پیرا نہیں ہیں، ان کے والدین اپنے چوزے اور بکرے جو

۱- ''وأما صورة غير ذي الروح فلا خلاف في عدم كراهة الصلاة عليها أو إليها ولا كراهية في عملها أيضاً لما روى عن ابن عباسؓ أنه قال للمصور حين نهاه عن التصوير وذكر له الوعيد وقال إن كنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا نفس له''۔ حلبی کبیری مع زیادۃ لبیرۃ باب کراہیۃ الصلاۃ ۳۵۹ سہیل اکیڈمی لاہور. وقال في الدر (أو كانت (صغيرة) لا تتبين تفاصيل أعضاءها للناظر قائماً وهي على الأرض، او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة الوجه لاتعيش بدونه (أو غير ذي روح لا) يكره لأنها لاتعبد، وخبر: جبريلُ مخصوص بغير المهانة، وقال في الشامية وقد صرح في الفتح وغيره بأن الصورة الصغيرة لاتكره في البيت قال: ونقل أنه كان على خاتم أبي هريرةؓ ذبابان'' (ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الصلاۃ ۲/ ۱۹ - ۴۲۰)۔

ذبح کرتے ہیں یہ نوعمر نومسلم کھانے کے معاملہ میں بڑی مشکل میں ہیں اور کھانے کے معاملہ کی وجہ سے کچھ لوگ مسلمان ہونے سے احتراز کرتے ہیں کیا ان نوعمر نومسلم لوگوں کے لئے عیسائی والدین کا کھانا کھانا جائز ہے؟

۲-جلاٹین ملی ہوئی مٹھائی کھانا:

بعض مٹھائیوں کی تیاری میں ایک چیز شامل کی جاتی ہے جو جلوٹین کہلاتی ہے (جلاٹین ایک چیپ دار مادہ ہے جو جانور کی کھال ہڈی وغیرہ سے نکلتا ہے) جلاٹین تیار کرنے والوں نے بتایا کہ یہ گائے کی کھال سے تیار کی جاتی ہے کوئی سور کی کھال استعمال نہیں کی جاتی کیا ہمیں اس مٹھائی کے کھانے کی اجازت ہے جو اس جلاٹین سے تیار کی جاتی ہے میں یہ گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے کھالیں تازہ ذبح شدہ گائیوں کی استعمال کی جاتی ہیں جن کو سکھایا یا انگار کیا نہ گیا ہو ان جانووروں کو اہل کتاب میں سے کوئی شخص اپنے طریقہ پر ذبح کرتا ہے اور بعض صورتوں میں اللہ کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔

الجواب وبالله التوفيق:

یہ نوعمر لوگ جنکے والدین نے اسلام قبول نہیں کیا اپنے والدین کا کھانا گوشت کے علاوہ اور سب کھانا بے تکلف کھا سکتے ہیں، جبکہ ظاہر میں وہ لوگ ہاتھ دھوکر پکائیں اور کھانے میں کوئی نجاست کا ڈالنا معلوم نہ ہو اور گوشت کھانے میں خنزیر کے گوشت کے علاوہ حلال جانور جسکو فقط اللہ کا نام لیکر ذبح کرتے ہوں اور خون بہا دیتے ہوں اس کو بھی کھا سکتے ہیں سامنے ذبح کرنا یا ذبح کرتے وقت اللہ کا نام سامنے لینا ضروری نہیں ہے بلکہ انکی عام عادت سے اس کا علم ہونا کافی ہوگا کہ یہ لوگ ذبح کرتے وقت محض اللہ کا نام لیتے ہیں تو اس مجبوری میں یہ گوشت بھی کھا سکتے ہیں باقی بہتر ہے کہ اگر خود ذبح کر لینے کی گنجائش ہوتو خود ذبح کرنے کا ڈھنگ سیکھ لیں اور خود سبقت کر کے ذبح کرلیا کریں **كما في الدر على الشامي ج ۵ ص ۱۸۹ فتحل ذبيحتهما (الى قوله) أو صبيا يعقل التسمية والذبح** (کتاب الذبائح)۔

۲-جب محض بعض مٹھائیوں میں جلاٹین ملائی جاتی ہے تو جب تک یقین نہ ہوجائے کہ اس مٹھائی میں جلاٹین ملائی گئی ہے اسکا کھانا ازروئے فتوی جائز رہے گا، اس لئے کہ اصل اشیاء میں حلت واباحت ہے محض شبہ سے وہ حرام نہ ہوگی باقی تقوی یہ ضرور ہوگا کہ جب شبہ ہوجائے تو نہ کھائے۔

اور جب یہ یقین ہوجائے کہ اس مٹھائی میں جلاٹین ملی ہوئی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب قرائن کے ذریعہ سے ظن غالب ہو کہ اس میں مردار گائے کی کھال کی جلاٹین نہیں ملائی گئی ہے بلکہ حلال ذبیحہ کی کھال سے نکالی ہوئی جلاٹین

ملائی گئی ہے تو اس کو کھا سکتے ہیں اور جب یہ ظن غالب حاصل نہ ہو بلکہ شک یا ظن غالب مردار کی کھال سے نکالی ہوئی جلاٹین ملانے کا ہو تو اس کو نہ کھائے، **كما في الدر على الشامي (ص ٣٠٦) بقوله: "لا يحل لوقوع الشک في هذه المسائل من المشروع** "(۱)، اور حلال ذبیحہ کس کو کہتے ہیں اس کا علم سوال ا کے جواب میں مل جائے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

مولانا محمد افضل فریقی متعلم دار الافتاء دار العلوم

الجواب صحیح محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

۱- آخر کتاب الصید قبیل کتاب الرہن۔

كتاب الوصية
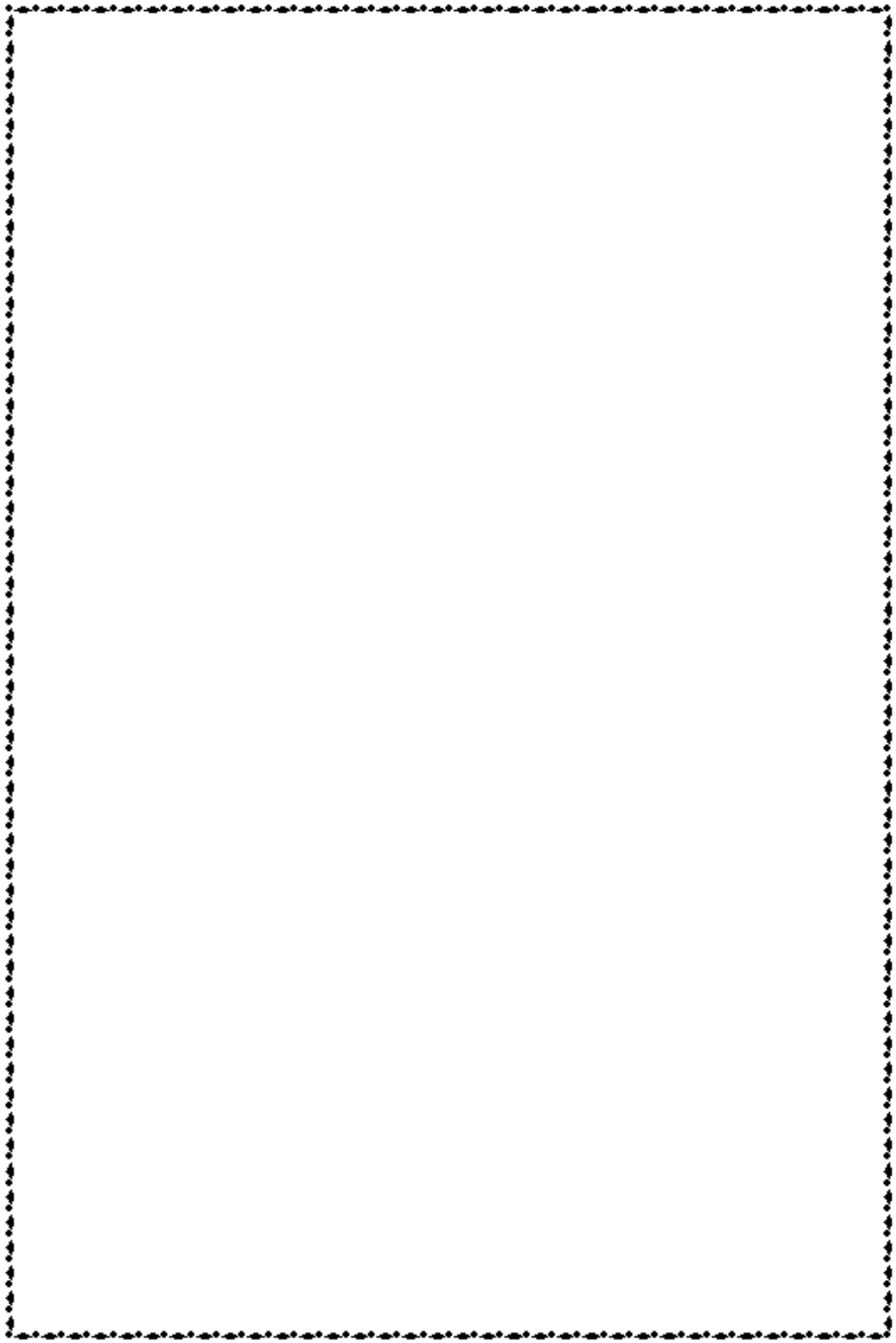
کتاب الوصیۃ

بیوی کو قرض کی ادائیگی اور اولاد کی شادی کے انتظام کے لئے منتظم و وصی بنانا:

۱-نواب سید جمال الدین کا انتقال ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء کو ہوگیا، انہوں نے اپنے ورثہ میں زوجہ اول جنکا انتقال نواب صاحب کی حیات میں ہوگیا ہے، ان کے بطن سے ایک فرزند سید محمد دبیر حسین خان صاحب چھوڑا اور زوجہ ثانی حسینی بیگم جو اس وقت حیات ہیں، انکے بطن سے تین فرزندان ۱-سید محمد کمال الدین ۲-سید محمد جمال الدین حسین ۳-سید محمد بلال الدین حسین اور چھ ۶ دختران ۱-کریم النساء بیگم ۲-سیف النساء، ۳-بیگم حرمۃ النساء، ۴-بیگم صالحہ، ۵-بیگم حافظہ، ۶-بیگم مسرت النساء اور ایک زوجہ حسینی بیگم چھوڑی مرحوم اپنی وفات سے قبل کئی سال تک علیل رہے، انکی دولڑکیوں کی شادی ہوئی کریم النساء اور سیف النساء کی ان شادیوں اور مرحوم کی تیمارداری کے لئے قرض لیا گیا ہے، اس قرض کی ادائیگی اور حرمت النساء کی شادی کرنے کے لئے اور اپنے نابالغ فرزندان و دختران کے لئے اور انتظام نفقہ وغیرہ کے لئے اپنی زوجہ حسینی بیگم کو منتظم اور ولی وصیتی نامزد کیا اور وصیت کی کہ اگر ان کی حیات میں یہ قرض ادا نہ ہوا و فریضہ شادی انجام نہ پائے تو زوجہ اپنی ولایت سے متروکہ زمین سے کوئی جائداد فروخت کر کے قرض کی ادائیگی اور شادی کا انتظام کرے اور دیگر متروکہ کی حفاظت بھی کرے، نیز بچوں کی تعلیم و تربیت اور نفقہ کا انتظام کرے، چنانچہ حسینی بیگم ولی وصی نے حسب ہدایت شوہر ایک آراضی سدوی ۷۷ موسومہ خاص باغ واقع سیر کلیاں ضلع بیدو شریف میسور اسٹیٹ مبلغ (۲۰۰۰۰) بیس ہزار روپیہ سکۂ ہند میں فروخت کر کے مشتریان عبدالسلام نابالغ پدر حقیقی محمد عبدالکریم صاحب وغیرہ کے حق میں ولایۃ بیع کرنے کا معاہدہ کر کے محکمہ اسٹیٹ کمشنری ضلع بیدر شریف سے اجازت نامہ انتقال آراضی حاصل کر کے بحیثیت ذات اور ولی نابالغ فرزندان و دختران شرکت دختران بالغ بتاریخ ۳ / اگست ۱۹۵۷ء دستاویز بیعنامہ کی تکمیل و رجسٹری کرادی اور آراضی معینہ پر مشتریان قابض و متصرف ہیں، اب نابالغ فرزندان میں سے دو فرزندان سید محمد کمال الدین حسین خانصاحب اور سید محمد جمال الدین خانصاحب جنکی عمر دستاویز بیعنامہ میں (۱۱) سال درج ہے بالغ ہو کر فرزند سوم محمد بلال الدین نابالغ کا خود کو ولی ظاہر کر کے اور مسرت النساء دختر نواب

خانصاحب مرحوم کا بھی ولی بتا کر بشرکت صالحہ بیگم وحافظہ بیگم ایک دعوی دیوانی عدالت سیول جج بیدر کے پاس دستاویز ہبہ نامہ کو کالعدم قرار دینے اور قبضہ آراضی مبیعہ کے لئے دائر کیا، اس دعوی میں اپنی مادر حقیقی ولیہ کی ولایت کو شرعا کالعدم ہونا بیان کیا ہے، متوفی کے متروک میں آراضی مبیعہ کے علاوہ کثیر جائداد غیر منقولہ موجود ہے جو مرحوم کے ورثہ کے قبضہ میں ہے۔ یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ مادر حقیقی کی ولایت جو پدر متوفی کی نامزد کردہ ہے شرعا درست ہے یا کہ نہیں اور ایسی ولیہ کو نابالغ کی جائداد جو متروک میں انکو ملی ہو مذکورہ اغراض کے لئے منتقل کرنے کا اختیار شرعا حاصل ہے یا کہ نہیں اور ایسا انتقال شرعا جائز ہے یا کہ نہیں، متوفی کے ایک بھائی سید مہدی حسین بوقت وفات نواب مرحوم موجود تھے جن سے متوفی کو سخت اختلاف تھا اور دونوں میں مقدمہ بازی جائداد کے لئے جاری تھی۔ صورت جواب مرقوم فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال حسینی بیگم کو منتظم اور وصی مقرر کرنا شرعا صحیح ہے اور وصایہ کے حق سے مساۃ مذکورہ نے جو آراضی فروخت کی ہے اگر عام نرخ کے مطابق بھی قیمت لیکر فروخت کی ہے تو اس کی بیع صحیح اور نافذ ہے، سید محمد کمال الدین حسین خانصاحب اور سید جمال الدین حسین خانصاحب کا ان نابالغین پر خود اپنے کو متولی ظاہر کرنا اور دستاویز ہبہ نامہ کو کالعدم کہنا شرعا صحیح نہیں ہے، مساۃ حسینی بیگم سے جب تک خیانت صریح یا غبن فاحش کا صدور دلائل شرعیہ صحیحہ سے ثابت و محقق نہ ہو جاوے یا تمام نابالغین بالغ ہوکر اپنے حقوق واپس وحاصل نہ کرلیں اس وقت تک حسینی بیگم کی یہ وصیت ختم نہیں ہوسکتی۔ **ودلائله مذكورة مفصلة في الكتب الفقهية المعتبرة فمن شاء فليراجع اليها كتنقيح الفتاوىٰ الحامدية،** فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/۷/۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح محمود علی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

پوتے کو لڑکے کے برابر حصہ دینے کی وصیت:

زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے جن میں سے زید کے روبرو زید کی زندگی میں ایک لڑکے کا انتقال ہوجاتا ہے اور مرنے والے لڑکے نے اپنی نسل سے ایک لڑکا زندہ صحیح وسلامت چھوڑا ہے، زید اپنی اولاد لڑکوں اور لڑکی کے روبرو گھریلو

معاملات آمدنی وخرچہ میں برابر برابر اپنے مرنے والے لڑکے کے لڑکے کویعنی پوتے کو لیتا دیتا رہا ہے اور اپنی زندگی میں یہ بھی اپنے لڑکوں سے کہتا رہا کہ میرے پوتے کو اپنے برابر میرے مال ومکان میں حصہ دینا۔

زید نے اپنے مرتے وقت بھی یہ وصیت کی کہ میرے مال ومکان میں سے میرے پوتے کوضرور حصہ دینا، لہذا زید کے پوتے کوشرعاً کتنا حصہ ملنا چاہئے، اور زید فوت ہوگیا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

صورت مسئلہ میں زید کے سامنے مرنے والے لڑکے کا لڑکا اگرچہ ازروئے وراثت محجوب ہوگا مگر ازروئے وصیت حصہ پائے گا یہ تو سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اپنی زندگی میں بھی اپنے لڑکوں کے برابر اس پوتے کو بھی دیتا لیتا تھا نیز یوں بھی زندگی میں کہتا رہا کہ میرے پوتے کو اپنے لڑکوں کے برابر دینا پھر مرتے وقت جو وصیت کی ہے اگرچہ اس میں برابر برابر دینے کی تصریح نہیں کی ہے لیکن قرائن سے مساوات اور برابر ہی دینا معلوم ہوتا ہے۔

نیز وصیت کا یہ لفظ کہ میرے پوتے کوضرور حصہ دینا بھی برابر ہی دینے کا ہے بشرطیکہ ثلث متروکہ کے اندر اندر رہے جیسا کہ عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے، "**ومن أوصی لأحد بحظ من ماله أو اوصیٰ من ماله أو بنصیب من ماله فالبیان إلی الموصی الخ**" (۱)۔

وفی الجامع الصغیر (ص ۱۲۲): رجل أوصی لرجل بجزء من ماله فإن الورثة یعطونه ما شأوا وإن أوصی بسهم من ماله فله مثل نصیب أحد الورثة ولا یزاد علی الثلث إلا ان یجیز الورثة"

اور صورت مسئولہ میں لڑکوں کے برابر کو دینے کی صورت میں متروکہ کے ایک تہائی کے اندر ہی اندر رہتا ہے، کیونکہ زید کے تین لڑکے اور ایک یہ پوتا اور زید کی ایک لڑکی کل وارث ہیں، زید کی اہلیہ بھی زید کی زندگی ہی میں انتقال کر چکی تھی جیسا کہ اس واقعہ سے متعلق اس کے قبل والے استفتاء سے معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں زید کا کل متروکہ بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی الارث کے ۹ سہام (حصہ) پر تقسیم ہوکر دو دو سہام زید کے تینوں لڑکوں کو اور دو سہام زید کے پوتے کو دیئے جائیں گے اور ایک سہام زید کی لڑکی کو ملے گا۔ اس طور پر زید کے پوتے کو کل متروکہ ۲-۹ ملا اور یہ ثلث ترکہ کے اندر

۱- عالمگیری ۱۰۲/۶۔

ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کے پوتے کو حسب وصیت زید کے لڑکوں کے برابر ملے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

مدرسہ یا مسجد بنانے کی وصیت:

ہمارے ایک رشتہ دار کا وصیت نامہ ہے کہ ہماری جائداد کے تین حصے کئے جائیں اور اس میں سے ایک حصہ مدرسہ یا شفاخانہ میں ایک کمرہ یا مسجد بنائی جائے مگر رقم اتنی نہیں ہے کہ ان میں ایک حصہ کی رقم میں ایک چیز بن جاوے، لہٰذا ٹرسٹیوں کا یہ خیال ہے کہ کسی مدرسہ میں استاد کی تنخواہ یا مسجد کے امام کی تنخواہ میں وہ رقم استعمال کریں کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس روپیہ کو کسی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جس طرح وصیت کرنے والے نے وصیت کی ہے اسی طرح خرچ کرنا ضروری ہے خام تعمیر کرکے یا پختہ ہاں اگر کسی طرح تعمیر میں کفایت نہ کریں تو اس کو بمد تعمیر محفوظ کرکے اگر کسی طرح تعمیر کے لئے اور رقم فراہم ہو جائے اس وقت یہ روپیہ بھی اس میں ملا کر تعمیر پر خرچ کیا جاوے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۵/ ۸/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید دارالعلوم دیوبند

وصیت سے رجوع کا حکم اور پھر وصیت کرنا:

ایک شخص سعید الدین شاہ نے کچھ رقم جمعہ کے روز جامع مسجد کے اندر مجمع عام میں حافظ صدیق احمد کے سپرد کر کے اعلان کیا کہ اس رقم میں سے جو کچھ میں اپنی زندگی میں اپنے تصرف میں لے آؤں اور جو کچھ رقم بچے گی اور کفن وغیرہ سے بھی بچے گی وہ اس مسجد میں دیدینا۔ اب سعید الدین کا پانچ چھ سال بعد انتقال ہو گیا ہے، حافظ صاحب نے اس کے باقی ماندہ رقم سو روپیہ بتائی جس میں سے ۲۱۔ روپیہ کفن وغیرہ میں خرچ آ گئے ہیں ۷۹۔ روپیہ موجود ہیں، لیکن اب حافظ صاحب کا بیان ہے کہ میرے سے متوفی نے کئی مرتبہ یہ وصیت کی ہے کہ میری باقی ماندہ رقم گاؤں میں تین مسجدیں ہیں تینوں میں دینا حافظ جی کہتے ہیں کہ میں نے یہ بھی کہا کہ تو نے مجمع عام میں ایک مسجد میں دینے کا اعلان کر رکھا ہے۔ اب تو تینوں مسجدوں میں دینے کو

کہتا ہے تو اس نے باصرار پھر یہی کہا ہے کہ تینوں مسجدوں میں دینا ورنہ حشر میں دامن گیر ہوں گا، اب حافظ صاحب دریافت کرتے ہیں کہ پہلے قول کے بموجب ایک مسجد میں دوں یا دوسرے قول کے بموجب تینوں مسجدوں میں دوں جس طرح آپ فرمائیں گے میں ویسے کروں گا مجھکو کسی قول سے خصوصیت نہیں ہے نہ دلچسپی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

صورت مسئولہ میں حسب تحریر سوال تینوں مسجدوں میں دینا چاہئے، نیز یہ معلوم کر لیجئے کہ وصیت محض ایک تہائی متروک میں جاری ہوتی ہے، لہٰذا اگر سعید الدین اس روپیہ کے علاوہ کچھ ترکہ نہیں چھوڑا ہے تو (۷۹) اناسی روپیہ کی ایک تہائی محض چھبیس روپیہ پانچ آنہ چار پائی ہے کل اتنی مقدار مسجدوں پر دیں اور بقیہ دو تہائی سعید الدین شاہ کے وارثوں کا حق ہے بغیر ان وارثوں کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں کل دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا سعید الدین کے وارثوں سے اس دو تہائی کی اجازت صریح لے کر مسجد پر دیں بغیر اس کے نہیں، "**ولاتجوز بمازاد علی الثلث إلا أن یجیز الورثة بعد موته وهم کبار**" (۱)، اگر ورثہ معلوم نہ ہو یا نابالغ ہوں تو معلوم ہونے تک اور بالغ ہونے تک اس دو تہائی کو محفوظ رکھیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۵/ ۹/ ۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

داشتہ سے پیدا ہونے والی لڑکیوں کے لئے وصیت کا حکم:

اعظم نے دو شادی کی پہلی بیوی سے زید اور بیگم دو بچے پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے بکر اور خاتون پیدا ہوئے، اعظم کے مرنے کے بعد چاروں اولادوں نے باپ کی جائداد تقسیم کر لی، زید نے بغیر نکاح کے اپنے گھر میں ایک عورت کو رکھ لی جس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جنکے نام نرگس اور ثریا ہیں جب یہ دونوں جوان ہوگئیں تو انکی والدہ جو بلا نکاح کے رہتی تھی گھر چھوڑ کر چلی گئی اور اپنے ہمراہ دونوں لڑکیوں کو بھی لے گئی اس کے بعد اس نے اپنا نکاح کسی دوسری جگہ کیا اور نرگس اور ثریا کی شادی کی لڑکیوں کی شادی میں زید بھی شریک ہوا اس کے بعد زید بیمار ہوا اور ایک وصیت نامہ لکھا کہ میرے مرنے کے بعد

۱- الفتاوی الہندیہ ۶/ ۹۰۔

میری جائداد لڑکیوں کو دیجائے لیکن وصیت نامہ کی کوئی تصدیق نہیں ہے اور نہ گواہوں کے دستخط ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی جائداد مذکورہ میں سے کس کس کا حصہ ہے۔

الجواب وبالله التوفيق:

صورت مسئولہ میں اگر واقعی نرگس کی ماں سے زید کا نکاح نہیں ہوا تھا تو نرگس وثریا زید کی شرعی وارث نہیں ہیں اور ایسی صورت میں زید کی یہ وصیت زید کے دیگر ورثاء شرعی کی اجازت ومرضی کے بغیر بھی درست ہے ونافذ ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ زید مرحوم کے ذمہ اگر کچھ قرض ہو تو پہلے ان کے ترکہ سے قرض ادا کیا جاوے پھر جو بچے اس میں سے فقط ایک تہائی کے اندر اندر اس وصیت کے مطابق نرگس اور ثریا کو دے دیا جاوے اور باقی دو تہائی (چونکہ زید کی والدہ ماں سوال کے قرائن سے فوت شدہ معلوم ہوتی ہے اس لئے) کا نصف یعنی ایک تہائی بیگم کو اور پھر باقی ماندہ یعنی ایک تہائی کا تین حصہ کر کے دو حصے بکر کو اور ایک حصہ خاتون کو دے جائیں۔

مسئلہ ۳/۱۸ زید متوفی

م ی ت

موصی لہما	اخت حقیقی	اخ علاتی بکر	اخت علاتی خاتون
نرگس - ثریا	بیگم		۱
۳-۳	۶	۴	۲

حاصل تخریج یہ ہے کہ زید متوفی کے ذمہ اگر قرض ہو تو قرض ادا کرنے کے بعد کل ترکہ زید اٹھارہ سہام کر کے پہلے تین سہام نرگس اور ثریا کو بوجہ وصیت دیں اور پھر چھ سہام (یعنی باقیماندہ ۱۲ سہام کا نصف) بیگم کو اور چار سہام بکر کو اور دو سہام خاتون کو دیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/۹/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

میرے روپئے کارخیر میں لگادینا:

میری بیوی کا بھائی محمد یوسف کا انتقال ہوا انکے کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ بیوی ہے صرف بڑے بھائی کے دولڑ کے اور ایک بڑے بھائی کی بیوہ ہے جو کہ یوسف سے پہلے مر چکے ہیں، مرحوم کو بڑی فکر تھی کہ حسب ضرورت رقم جمع ہوجاوے تو حج کو جاؤں۔ انکی خدمت میری بڑی لڑکی کرتی تھی۔

ایک دفعہ اس نے شدت مرض میں کہا تھا کہ میرے روپیہ کو کارخیر میں لگادینا جس سے میری روح کو ثواب پہنچے اس کے علاوہ کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

ا۔ڈاکخانہ میں سات سوروپیہ ہے جس کے متعلق مرحوم نے کہا تھا کہ یہ طاہر نہیں ہے وکالت کی کمائی ہے۔

۲۔ایک بکس میں نوسوروپیہ کے نوٹ تھے اور نوٹوں کے نمبر کاغذ پر تھے اور لکھا تھا برائے حج۔

۳۔اسکے علاوہ کوئی جگہوں سے ۱۸۲ روپیہ ملے۔

۴۔کپڑوں میں چھ جوڑے بستر لحاف اور دیگر کپڑے بھی تھے دریافت ہے کہ رقومات مندرجہ صدر یعنی وہ رقم جو کہ پاس تھی اور جو ڈاکخانہ میں ہے اور جس رقم پر برائے حج لکھا ہے اور پارچہ کو کیا کیا جاوے بتلایا جاوے کچھ دودھ کا قرض تھا وہ بھی دے دیا۔

الجواب وبالله التوفيق:

صورت مسئولہ میں حسب تحریر سوال تجہیز و تکفین میں جو آپ نے خرچ کیا اسی طرح دودھ کی قیمت بقایا جو دیا وہ سب ٹھیک ہے اور مرحوم کا یہ جملہ کہ میرے روپیہ کو کارخیر میں لگادینا جس سے میرے روح کو ثواب پہنچے یہ وصیت ہے جو تجہیز و تکفین قرض کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ کے محض ایک تہائی میں نافذ ہوگی، اور باقی دو تہائی ازروئے وراثت مرحوم کے دونوں بھتیجوں کا حق ہے اور آپ نے جو چیزیں اور نقد صدقہ کردیا ہے وہ بھی چونکہ تہائی کے اندر اندر ہے جائز تصرف ہوگیا ہے۔

مگر اب آئندہ یہ کیجئے کہ مرحوم کے بھتیجے کو بلا لیجئے اور انکے سامنے وصیت والی رقم الگ کر لیجئے اور انکے مشورہ سے جس نیک کام میں چاہتے ہوں خرچ کیجئے، اس میں سے ان دونوں جوان قابل عقد یتیم لڑکیوں کے نکاح وسامان جہیز کے لئے بھی کچھ رقم نکال سکتے ہیں اور باقی دو تہائی رقم چند معتبر مسلمانوں کے سامنے مرحوم کے ان دو بھتیجوں کے سپرد کردیجئے اور جائز کاموں میں صرف کرنے کی نصیحت کردیجئے آپ کا ذمہ بھی نہیں ہوگا بلکہ ثواب کے بھی مستحق ہوجائیں گے اب آپ از خود

کچھ مت کیجئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور
الجواب صحیح محمود غفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند

وصیت کی گئی زمین سے حقوق اللہ کی ادائیگی:

شیخ سلطان احمد صاحب اپنی زندگی میں کثرت مشاغل اور بدقسمتی کی وجہ سے فریضہ حج ادا نہ کر سکے اور آخر عمر میں مرض فالج کے بھی شکار ہو گئے جس کا سلسلہ تقریباً آٹھ دس سال تک چلتا رہا، معقول دوا علاج اور کافی صرف خرچہ کے باوجود بھی شفایاب نہ ہو سکے، اس عرصہ میں روزہ نماز اور دوسرے فرائض کما حقہ ادا کرنے سے معذور و مجبور ہو گئے تو وصال سے پہلے تلافی مافات کے لئے دس کٹھہ زمین مخصوص کر دی جس کی مالیت اس وقت بھی آٹھ دس ہزار روپیہ تھی اور تنبیہ بھی کر دی کہ وارثوں میں یہ زمین تقسیم نہ کی جائے گی بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی کی جائے گی جو میرے ذمے نکلتے ہیں۔

چنانچہ وصال کے بعد جناب قاری امیر حسن صاحب مدظلہ کو حج بدل کے لئے تیار کیا گیا ہے جنکو مرحوم نے اپنی حیات میں اس کے لئے منتخب فرمایا تھا، جسے ایک شخص سے لیکر زمین مذکور رہن کے طور پر دے دیا جانا طے ہو گیا ہے، اسی بیچ میں مرحوم کے تیسرے لڑکے نے کہا کہ روپیہ کا انتظام ہم کئے دیتے ہیں وہ زمین ہمکو دے دی جائے بعد میں لکھ پڑھ دیا جائے گا، چنانچہ وہ زمین ان کو دے دی گئی اور کوئی تحریر عمل میں نہیں آئی لکھ پڑھ دینے والی بات صاف نہیں ہوئی یونہی رہ گئی وہ سمجھ بیٹھے کہ یہ زمین ہمکو بطور بیع مل جائے گی لیکن کوئی تحریر عمل میں نہیں آئی جسے لگ بھگ دس سال کا عرصہ ہو رہا ہے وہ زمین ابھی بھی مرحوم کے تیسرے لڑکے کے پاس دخل قبضہ میں ہے، اب جبکہ بڑے لڑکے دس سال کے بعد پاکستان سے آئے ہیں جنکے غائبانہ میں یہ معاملہ ہوا ہے یہاں آنے پر علم ہوا ہے اب تیسرے لڑکے طالب ہیں کہ یہ لوگ بیع لکھ دیں جبکہ زمین مذکور دس سال پہلے بھی آٹھ دس ہزار کی تھی اب تو بارہ تیرہ ہزار کی ہے جس پر صرف تین ہزار حج بدل کے لئے لیا گیا ہے بقیہ حقوق کی ادائیگی باقی ہے، اس لئے یہ امر دریافت ہے کہ تین ہی ہزار میں زمین دے دی جائے یا کل زمین موجودہ نرخ کے حساب سے فروخت کر کے تین ہزار دے دیا جائے، بقیہ سب حقوق اللہ کی ادائیگی میں صدقہ جاریہ میں دے دیا جائے، آیا کون سی صورت اختیار کی جائی جو شرعاً حکم ہو صادر فرمایا جائے۔

ڈاکٹر عالم (ساکن لالی، پوسٹ چکرہ سیوان)

الجواب وباللہ التوفیق:

جب مرحوم نے وصال سے پہلے تلافی مافات کے لئے دس کٹھہ زمین مخصوص کردی تھی اور تنبیہ کردی تھی کہ وارثوں میں یہ زمین تقسیم نہ کی جائے گی بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی کی جائے گی تو یہ وصیت ہوگئی تھی اور جہاں تک جلد ممکن تھا اسکی تعمیل ضروری ہوگئی تھی اور اسکا حکم شرعی یہ تھا کہ مرحوم کے ذمہ جو قرض تھا اسکے دینے کے بعد جتنا ترکہ بچتا ہے خواہ کسی قسم کا ترکہ ہو اگر یہ دس کٹھہ پورا اس ترکہ کے تہائی کے اندر آتا تھا تو پورا دس کٹھہ ورنہ جتنا کٹھہ تہائی ترکہ میں آیا اتنا وصیت میں شمار کرکے مرحوم کی نماز روزہ حج وعمرہ جتنے حقوق اللہ ہیں ادا کردیے جاتے اور اگر وہ ساری قیمت تمام حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوسکے تو اس کے متعلق استفتاء کرکے حکم شرعی معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کیا جاتا اور اگر کوئی وارث اس زمین کو خرید لینا چاہتا ہے تو اس کی پوری قیمت لیکر اس وارث کو دیدینا مقدم کردیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا، روزہ نماز وغیرہ کا پورا حساب لگا کر اس کے فدیہ کی رقم نہیں معلوم کی گئی بلکہ صرف حج کی ادائیگی سوچی گئی اور معاملہ رہن دخلی کا طے کرلیا گیا حالانکہ رہن دخل میں سود ہوتا ہے (۱)، اور یہ معاملہ شرعاً حرام وناجائز ہے یہ سب اسی کا وبال ہونا اغلب ہے، **کما ورد في الحديث "ما لم تحكم أئمتهم بكتاب الله جعل الله بأسهم بينهم او كما قال عليه الصلوة والسلام"** (۲)۔

یعنی جب قوم کے بڑے لوگ کتاب اللہ سے خلاف فیصلہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ (اس کے وبال میں) قوم کے اندر آپس میں خوب گتھم گتی کردیتے ہیں۔

یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ ساری زمین (دس کٹھ) صرف تین ہزار میں ایک لڑکے کو دے دی گئی ہے اب بھی اس وصیت کا شرعی حکم یہ ہے کہ مرحوم کے تمام قضا شدہ روزوں نمازوں وغیرہ کا حساب لگا کر اس کے فدیہ کی رقم معلوم کرکے دس کٹھہ سب زمین یا اس سے کم جتنی زمین تہائی ترکہ قرار دیکر وصیت میں آتی ہو اس وقت کی مناسب قیمت پر فروخت کرکے اس میں سے تمام وصیت پوری کیجائے اور اگر کوئی وارث خود لینا چاہتا ہو تو پوری قیمت لے کر اس کو دیدینا راجح ہوگا۔

ہاں اگر تمام ورثاء یا بعض وارث راضی ہوجائیں کہ وہ زمین فروخت کے بغیر اپنی جانب سے ساری وصیت پوری

۱- "لا انتفاع به (يعني الرهن) مطلقاً لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس ولا إجارة ولا إعارة سواء كان من مرتهن أو راهن إلا بإذن كل للآخر، وقيل لا يحل للمرتهن لأنه ربا" (الدر المختار مع الرد المحتار ۱۰/ ۸۲، ۸۳)۔

۲- ایک لمبی حدیث ہے "عن عبد الله بن عمر قال: اقبل علينا رسول الله ﷺ فقال: يا معشر المهاجرين، خمس إذا ابتليتم بهن وأعوذ بالله أن تدركوهن..."، اس کے آخر میں ہے "وما لم تحكم أئمتهم بكتاب الله ويتخيروا مما أنزل الله إلا جعل الله بأسهم بينهم" (سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۳۳۳، کتاب الفتن، باب العقوبات حدیث ۴۰۱۹)۔

کردیں تو یہ زیادہ لیاقت کی اور عند اللہ پسندیدہ بات ہوگی اور تمام وصیت پوری کردینے کے بعد جو رقم فاضل بچے اس کے ذریعہ سے مرحوم کے ثواب کے لئے کوئی صدقہ جاریہ مہیا کردیا جائے، غرض یہی مذکور سب وبال سے نکلنے اور فلاح دارین کا ذریعہ ہے(۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۱/۱۱/۱۴۰۰ھ

۱- ''وتجوز (الوصیة) بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث ذلک لا الزیادة علیه إلا أن تجیز ورثته بعد موته'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۱۰/۳۳۹)۔

كتاب الفرائض

کتاب الفرائض

بعض وارث کی غیر موجودگی میں ثالث کے فیصلہ کی حیثیت:

فریقین نے کسی معاملے میں چند لوگوں کو ثالث بنایا ایک فریق کے چھ وارث ہیں دوسرے فریق کے تین وارث ہیں، ثالثی فیصلے کے وقت چھ وارث والے فریق کے صرف دو وارث موجود تھے اور تین وارث والے فریق سب یعنی تینوں موجود تھے، ان تینوں اور دوسرے فریق والے دونوں نے ثالثی کا فیصلہ مان لیا اور چار غیر حاضر رہے، فیصلہ کرنے والوں نے چھ وارث والے فریق کو شرعی طور سے جو حصہ پہنچتا تھا اس سے بالکل محروم کردیا اور بیوی کا جو مہر پانچ ہزار روپیہ تھا اس سے محروم کردیا، اب سوال یہ ہے کہ چار وارث کی غیر موجودگی دو وارث کی موجودگی اور ان کا فیصلہ ماننا جب کہ شریعت کے خلاف فیصلہ ہے معتبر اور جائز ہوگا یا نہیں امید ہے کہ مفصل فتویٰ صادر فرمائیں گے۔

حافظ نور احمد عرف مکن (کیرانہ ضلع مظفر نگر، یوپی)

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ صورت میں جب ان بعض ورثہ کو بقیہ ورثہ نے اپنا وکیل نہیں بنایا ہے تو یہ فیصلے ان ورثہ کے حق میں معتبر اور لاگو نہ ہوگا جو موجود نہیں تھے اور مہر بھی ساقط نہ ہوگی اور بلکہ بعد ادئیگی حقوق متقدمہ و بعد ادائیگی مہر وہ ورثہ جو موجود نہیں تھے حسب تخریج شرعی مستحق ترکہ ہوں گے(۱)، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۳/۲/۱۴۰۱ھ

۱- تحکیم اور ثالثی کے صحیح ہونے کے لئے ہر فریق کا ثالث اور حکم پر متفق ہونا ضروری ہے علامہ شامی "انہ کالقاضی إلا فی مسائل" کے تحت لکھتے ہیں: "وأنه لا بد من تراضیهما علیه.... وأنه لا یتعدی حکمه إلی الغائب ...... وأنه لا یتعدی حکمه من وارث إلی الباقی والمیت" (رد المحتار علی الدر المختار ۸/ ۱۳۰)۔

۱- والد کی خدمت نہ کرنے سے وراثت سے محروم نہ ہوگا؟

مرد اپنی چوتھی بیوی اور دوسری بیوی کے بچوں کے ساتھ رہتے رہے، تیسری بیوی کا لڑکا کبھی بھی کسی خوشی و رنج کے موقعہ پر والد کے ساتھ شریک نہ رہا اور والد کی آخری دو سال کی سخت علالت میں بھی باپ سے نہیں ملا حتیٰ کہ انتقال میں بھی شریک نہ ہوا اور دوسری بیوی کے دونوں لڑکے ان کی خدمت اور تیمارداری کرتے رہے، دوران علالت میں ان کی دلی خواہش ہوئی کہ میں کاغذی طور پر تیسری بیوی کے بچے کو اپنی جائیداد سے محروم کردوں تاکہ بعد انتقال کوئی فتنہ نہ پیدا ہو، چھوڑی ہوئی جائیداد پر اب بھی دوسری بیوی کے دونوں لڑکے قابض ہیں، اب آیا تیسری بیوی کے بچہ کا حصہ ہوا یا نہیں؟

۲- مورث کا تمام مال اس کا ترکہ قرار پائے گا:

مذکورہ بالا مسئلہ میں دوسری بیوی کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں اور تیسری بیوی اور ایک بچہ اور چوتھی بیوی کو چھوڑ کر شوہر عرصہ ۱۵ سال ہوا مر گئے، اور رہائشی مکان کرایہ کی دوکان، کھیت، اور باغ اور اس کے علاوہ شہر میں ایک سائیکل کی کرایہ کی دوکان چھوڑی جو ایک تجارت کی شکل میں تھی جس کی دیکھ بھال دوسری بیوی کے دونوں لڑکے اپنے والد کے ساتھ کرتے تھے، مرد نے انتقال سے تقریباً ۳ سال قبل سائیکل کی دوکان کے سامان کا حصہ اپنے بڑے لڑکے کے نام انکم ٹیکس کی بچت کے تحت تحریر کردیا، اب آیا صرف تجارتی کرایہ کی دوکان کے سامان میں کسی اور کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ اس کے بعد بڑے لڑکے نے چھوٹے بھائی کے ساتھ کام کو آگے بڑھایا اور سال بہ سال سائیکل کی کمپنیوں سے ایجنسی لے لے کر اپنے کاروبار کو کافی محنت کر کے آگے بڑھایا، تیسری بیوی کا لڑکا بالغ ہونے کے بعد اپنے بڑے بھائیوں سے اپنا حق مانگ رہا ہے اور بڑے بھائی دینے کو بھی تیار ہیں اب سوال یہ ہے کہ چھوڑی ہوئی کرایہ کی تجارتی دوکان میں حصہ بھائیوں کے درمیان موجودہ حیثیت پر لگے گا یا اس حیثیت پر جو باپ کے مرنے کے وقت تھی؟

۳- اگر باپ کے مرنے کے وقت کرائے کی دوکان کی جو حیثیت تھی اس پر لگے گا تو تیسری بیوی کے بچہ کا وہ روپیہ جو اس کی آمدنی کا حصہ تھا اس کا کیا حساب ہوگا اور بھائی لوگ جب اس سے مستفید ہوتے رہے تو کس طرح ادا کریں گے؟ بینوا توجروا۔ سوال کے جواب شرع کی رو سے مرحمت فرمائیں۔

شمیم احمد (معرفت اعظم گڑھ سائیکل اسٹورس ۱۹۰، اے پہاڑ پور، اعظم گڑھ-۲۷۶۰۰۱)

الجواب وبالله التوفيق:

۱-تیسری بیوی کا لڑکا بھی باوجود دکھ درد میں شریک نہ ہونے کے بلاشبہ بنص قرآنی مثل اور بھائیوں (یعنی اولادوں) کے حقدار وراثت ہوگا اور جن بھائیوں نے باپ کی خدمت اور تیمارداری کی مگر باپ نے حیات میں ان کو اس خدمت کے عوض میں بطور ہبہ کچھ دیکر ان کے قبضہ دخل میں نہیں دیا تو ترکہ میں سے اس کا عوض لینے کے یہ لوگ مستحق نہ ہوں گے، بلکہ ان خدمت کرنیوالوں کو آخرت میں اس سے کہیں زیادہ ثواب ملے گا اور تیسری بیوی کے لڑکے نے جس نے خدمت وغیرہ نہیں کی اگر اس میں وہ معذور نہیں تھا تو اس کو آخرت میں سخت مواخذہ بھگتنا ہوگا الا یہ کہ باپ کے لئے دعائے خیر وصدقہ وخیرات کرے اور اس کی تلافی کی کوشش کرے۔

اگر باپ کاغذی طور پر بھی اس کو عاق اور محروم کردیتا جب بھی شرعاً وہ حقدار وراثت ہوتا محروم عن الوراثۃ شرعاً نہ ہوتا پھر جب عاق نہیں کیا تو بدرجہ اولی محروم نہ ہوگا(۱)۔

۲-بردازسوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر (مورث) کے مرنے کے وقت دونوں بیویاں (تیسری وچوتھی) زندہ تھیں اگر یہ صحیح ہے تو مرحوم کے رہائشی مکان اور اس کے جملہ سامان واثاث البیت اور کھیت وباغ جو بھی مرحوم کا مملوک رہا ہو سب میں سے حقوق متقدمہ علی المیراث (جیسے خرچ تجہیز وتکفین وبذمہ مورث قرض باقی رہا ہو اور مہر وغیرہ) دینے کے بعد جتنا ترکہ بچے وہ سب ایک سو چوالیس سہام پر تقسیم ہوکر اس میں سے ۹ نو ۹ نو سہام تیسری وچوتھی بیوی کا حق ہوگا۔ اور اٹھائیس اٹھائیس سہام تینوں لڑکوں کا حق ہوگا، اور چودہ چودہ سہام تینوں لڑکیوں کا حق ہوگا، اور صورت تخریج یہ ہوگی:

مسئلہ ۸ تصح ۱۴۴

زید (میت)

زوجہ ثالثہ	زوجہ رابعہ	ابن ثانیہ	ابن ثانیہ	ابن ثالثہ	بنت	بنت	بنت
۹	۹	۲۸	۲۸	۲۸	۱۴	۱۴	۱۴

اور کرایہ کی دوکان کا اگر یہ مطلب ہے کہ وہ دوکان مرحوم کی ملکیت نہیں تھی بلکہ مرحوم نے کرایہ پر لی تھی تو اس کا حکم

۱- ''الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط'' (تکملۃ ردالمحتار ۱۱/۶۷۸)، ''والحقوق هاهنا خمسة بالاستقراء، لأن الحق إما للميت أو عليه أولا ولا، الأول التجهيز والثاني إما أن يتعلق بالذمة وهو الدين المطلق أولا وهو المتعلق بالعين والثالث إما اختياري وهو الوصية أو اضطراري وهو الميراث'' (درمختار مع ردالمحتار ۱۰/۴۸۹)۔

یہ ہے کہ مورث (مرحوم) کے مرنے پر وہ کرایہ داری ختم ہوگئی اور اب اس عمارت میں وراثت نہیں چلے گی، بلکہ مرحوم کے مرنے کے بعد جس نے کرایہ پر لیا صرف وہ شرعاً اس کا کرایہ دار قرار پا گیا یا قرار پا جائے گا، پھر کسی دوسرے کی طرف وہ کرایہ داری جو والد مرحوم کی تھی شرعاً منتقل نہ ہوگی۔

یہی حکم شہر والی کرایہ کی دوکان کا ہوگا، اگر اس کی عمارت کا مرحوم خود مالک نہیں تھا (۱)، اب رہا اس دوکان میں جو سائیکل کرایہ پر دینے وغیرہ کا کام جس کو صرف دوسری بیوی کے دولڑکے انجام دیتے تھے، اپنے والد کے ساتھ بھی اور والد کے مرنے کے بعد بھی اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ جب مرحوم (والد) کے انتقال کے بعد تیسری بیوی کا لڑکا کام میں شریک نہیں ہوا اور نہ کہ اور وارث نے شرکت کیا اور نہ تقسیم اثاثہ و اسباب کا مطالبہ کیا تو یہ سب ورثہ کی جانب سے ان دولڑکوں کے حق میں تبرع و احسان ہوا جس کا ثواب آخرت میں ملے گا، اور جو آمدنی اس کے ذریعہ ان دولڑکوں نے کمائی اس میں حصہ کا مطالبہ کرنے کا کسی کو حق نہیں رہا، بلکہ اس کی آمدنی جو والد مرحوم کے بعد کی ہے وہ سب تنہا صرف ان دولڑکوں کی شرعاً شمار ہوگی (۲)۔

ہاں والد (مرحوم) کے انتقال کے وقت کا جو سامان و اثاثہ موجود ہو اس میں اوپر لکھی ہوئی تخریج کے مطابق سب حصہ دار شریک و حقدار رہوں گے، اور ان دولڑکوں کے علاوہ ورثہ کو حق ہوگا کہ وہ اس موجود اثاثہ و سامان کو تقسیم کرا کے بعینہ لے لیں یا ان کی موجود قیمت کے اعتبار سے قیمت لے لیں۔

۳- اس نمبر کا جواب ۳ کے جواب میں آگیا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴/۲/۱۴۰۱ھ

پگڑی دے کر کرایہ پر لئے گئے مکان میں وراثت:

ہمارے والد مرزا عثمان بیگ کا انتقال ہوا جائیداد کی صورت میں کوئی نقدی یا مال نہیں چھوڑا، البتہ دو روم پر مشتمل ایک کرایہ کا بمبئی میں گھر ہے جس کا کرایہ مبلغ =/۲۲ روپئے تھے، اب مبلغ =/۱۴ روپئے ادا کرنا ہوتا ہے، بمبئی میں کرایہ داروں کے کچھ ایسے حقوق ہیں جن کی وجہ سے گھر مالک اپنی مرضی سے مکان خالی نہیں کرا سکتے یا مرنیوالے کے رشتے دار ہوں یا رکھے ہوئے آدمی ہوں ان سے بھی وہ خالی نہیں کرا سکتے تا وقتیکہ انکو کرایہ ملتا رہے، البتہ اگر ۳ سے ۶ ماہ کا کرایہ نہ ادا ہو تو گھر

۱- ''وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة'' (ہدایہ ۳/۲۹۹)۔

۲- ''لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح فالربح للمتصرف وحده كذا في الفتاوى الغياثية'' (فتاویٰ عالمگیریہ ۲/۳۴۶)۔

مالک مکان خالی کرا سکتا ہے یہ قانونی پیچیدگیاں ہیں جن کی وجہ سے لوگ اپنے قبضہ اور حق کرایہ داری کے عوض ایک خطیر رقم لو گوں سے لیتے ہیں اس بناپر سماجی اور عوامی ذہن میں لوگ اسے جائیداد سمجھنے لگے ہیں ایسے مکان میں وارثین کا حق ہوگا یا نہیں، شرعی نقطہ نظر سے برائے مہربانی تفصیل سے اس پر روشنی ڈالدیں، آجکل یہ معاملہ عوام میں موجب نزاع بنا ہوا ہے،

مرحوم مرزا عثمان بیگ کے تین لڑکے دولڑکیاں اور ایک بیوی تھی، بڑے لڑکے مرزا محمد بیگ صاحب نے والد کے بعد گھر کے افرادکی سرپرستی کی اور ان کی شادیاں والدہ کی تاحیات کفالت حتی کہ تجہیز وتکفین بھی کی، ان اخراجات کی شرعی حیثیت کیا ہے، اگر مرزا محمد بیگ ان اخراجات کا مطالبہ کریں تو شرعاً کیسا ہے؟

مرزا محمد بیگ

الجواب وباللہ التوفیق:

بمبئی کی زمینوں ومکانوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں اور ان احوال کے اعتبار سے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں، مثلاً وہاں زمین ومکان کی مالک واقعی حکومت ہوتی ہے حکومت چونکہ غیر ہے اس لئے حکومت اپنے قانون کے مطابق جس کو جن قیود وشرائط کے ساتھ دیگی حکم اس کے مطابق ہوگا اور مثلاً جن دوکانوں یا مکانوں کے واقعی مالک مسلمان ہیں وہ اگر محض کرایہ پر دیں اور کچھ رقم پیشگی وصول کریں اور کچھ رقم ماہ بماہ وصول کریں تو وہ پیشگی رقم بھی زیر اجارہ پیشگی کی تاویل سے مالکوں کو لینا درست رہے گا(۱)، اور مثلاً جن دوکانوں یا مکانوں کے واقعی مالک مسلمان نہیں ہیں بلکہ واقعی مالک غیر مسلم ہیں تو وہ جن قیود وشرائط کے ساتھ دے رہے ہوں ان قیود وشرائط کے ساتھ لینا درست ہے بشرطیکہ خداع فریب نہ ہو کیونکہ حکومت غیر مسلمہ ہے اور حکومت غیر مسلمہ میں ایسے امور کا یہی حکم ہوتا ہے۔

اور مثلاً جولوگ اصل مالک نہیں ہیں بلکہ محض کرایہ دار ہیں اور محض قبضہ وحق کرایہ داری کے عوض خطیر رقم لیتے ہیں تو چونکہ حق کرایہ داری حقوق مجردہ میں سے ہے اور حقوق مجردہ کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں (۲)، البتہ اگر اصل مالک کی اجازت سے اس مکان یا دوکان میں کچھ اضافہ یا تعمیر وغیرہ اصلاحات وزیادتی کی ہے تو اس کا مناسب معاوضہ لے سکتا ہے اور غیر مسلموں سے ایسا معاملہ کرنا درست ہوگا جیسا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں تاوقتیکہ نصوص شرعیہ صریحہ کے خلاف

۱- ''الأجر لا یلزم بالعقد فلا یجب تسلیمه بل بتعجیله أو شرطه في الإجارة'' (درمختار) اس کے تحت شامی میں ہے: "بل بتعجیله" في العنایة: إذا عجل الأجرة لا یملک الاسترداد..... "أو شرطه" فله المطالبة بها'' (ردالمحتار علی الدرالمختار ۹/۱۳)۔

۲- ''وفي الأشباه: لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة (الدرالمختار مع ردالمحتار ۷/۳۳)۔

نہ ہوگا! ربو او غیرہ کا ارتکاب، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۱/۵/۲۳ھ

بھائی کے نام بینک میں جمع شدہ رقم کا مالک کون ہوگا؟

زید نے اپنی تنخواہ میں سے فنڈ کی رقم NOMINATION.P.F اپنے پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام کر دیا ہے، کیونکہ زید کے والد صاحب زید کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے، انتقال کے بعد سے زید کے بڑے بھائی نے ہی زید کی پرورش کی اس کمر توڑ دوری میں ہی تعلیم دلائی اور دل اور جان کی بازی لگا کر اسے کوشش کر کے اسے ملازمت بھی دلوائی تھی، فنڈ کی رقم زید نے اپنے بھائی کے نام لکھی ہے اور بعد کی رقمیں خود اپنے نام لکھی ہے زید کی شادی وغیرہ کا بوجھ بھی بڑے بھائی کے ذمہ تھا، شادی کرنے کے پانچ سال کے بعد زید کا اچانک انتقال ہو گیا، زید کے انتقال کے وقت زید کی والدہ زید کی ایک بیوہ بہن جو کہ ۴۰ سال سے بیوہ ہے اور نہ ہی اسے کوئی اولاد ہے جو کہ بیوہ ہونے کے بعد ہی سے زید کے سر تھی اب بڑے بھائی کے سر ہے زید کا بڑا بھائی جس نے باپ کا پیار اور شفقت زید کو دی اپنا خون پلایا اور ایک زید کی بیوی اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں باقی ہیں، زید کی شادی سے پہلے بھی فنڈ کی رقم بھائی کے نام تھی اور اب انتقال کے بعد بھی فنڈ کی رقم بڑے بھائی کے نام ہی لکھی ہے۔

لیکن زید جس فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا اس فیکٹری کا قانون یہ ہے کہ شادی کرنے کے بعد وہ فنڈ کی رقم بھی جو کہ پرورش کنندہ کے نام لکھی ہے وہ کٹ جاتی ہے اور یہ رقم بھی فیملی میں چلی جاتی ہے یہی ایسی ایک فیکٹری ہے جس میں وصیت کئے جانے والے کا نام کٹتا ہے کہ جب فنڈ میں نام بڑے بھائی کا موجود ہے اس رقم کی بعد کی رقمیں جو کہ خود زید کے نام پر تھی وہ تو شرع شریف کے مطابق تقسیم ہو چکی ہے لیکن یہ رقم کا مسئلہ رکا ہوا ہے، کیا یہ رقم بزرگ بڑے بھائی کو حاصل ہو سکتی ہے؟ کیونکہ عام سرکاری قانون ساری دنیا کا یہ ہے کہ مرنے سے پہلے جب کوئی انسان کوئی وصیت کرتا ہے تو وہ اس کا حقدار ہوتا ہے شادی کرنے اور نہ کرنے سے کوئی مطلب نہیں ہے، کیونکہ زید پانچ سالہ شادی کے درمیان میں خود نام لکھ سکتا تھا اور بڑے بھائی کا نام کاٹ سکتا تھا لیکن شادی کے بعد بھی نام موجود ہے کیا یہ رقم جو کہ فنڈ کی ہے بڑے بھائی کے نام وہ بھی وارثان میں شرع شریف کے مطابق تقسیم ہوگی یا پھر صرف زید کے نام کی رقمیں شرع شریف کے مطابق تقسیم ہوگی ازروئے شرع شریف بحوالہ کتاب جواب فرما کر اس مسئلہ کو جلد از جلد حل کرنے کی مہربانی فرمائیں۔

لال خاں (محلہ لوہا منڈی ہاپوڑ)

الجواب وباللہ التوفیق:

فنڈ کی جو رقم بھائی کو دینے کے لئے زید نے لکھا ہے اس کی حقیقت وصیت کی ہے اور جب زید کے انتقال کے وقت زید کا لڑکا موجود ہے تو بھائی کو از روئے وصیت زید کے کل ترکہ سے تہائی حصہ میں جتنی رقم وصیت کی آوے گی اس کا مستحق شرعاً از روئے وصیت بھائی ہی ہوگا اور تہائی ترکہ سے زائد جو رقم وصیت کی پڑے گی اس میں تخریج شرعی چلے گی اور سب وارثوں کو حسب قاعدہ وراثت ملے گی (۱)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۱/۵/۱۴۰۱ھ

بہن، ماموں و چچا کی اولاد اور چچی میں ترکہ کس کو ملے گا:

۱- زینب کا انتقال ہوگیا اس کے کوئی اولاد یا اور کوئی وارث نہیں قریبی رشتہ داری میں درج ذیل لوگ موجود ہیں:

۱- بہن کے بچے　　　۲- ماموں کے بچے　　　۳- چچا کے بچے

۴- چچی

اوپر لکھے لوگوں میں کون کون زینب کے وارث کہلائیں گے۔

۲- زینب کی تادم حیات خبر گیری زینب کی بہن کے بچوں نے کی ہے۔ اور اپنی حیات میں زینب کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ میرے بعد مال کے وارث میری بہن کے بچے ہیں۔ کیا اس صورت میں بہن کے بچے وارث کہلانے کے حقدار ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

صورت مسئولہ میں چچی اجنبیہ ہے اور اسکو کسی حال میں استحقاق وراثت نہیں ہے اور بہن کے بچے (لڑکا و لڑکی) دونوں اور ماموں کے بچے (لڑکا و لڑکی دونوں) اور چچا کے بچے (صرف لڑکی) یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں اور چچا کا لڑکا تو عصبات میں سے ہے پس اگر چچا کا لڑکا زندہ ہوگا تو کل ترکہ کا استحقاق وصیت وغیرہ دینے کے بعد تنہا چچا کے لڑکے کو ہو جائے گا اور باقی سب محروم رہیں گے (۲)، اور اگر چچا کا کوئی لڑکا (مذکر) زندہ نہ ہوگا تو کل ترکہ بہن کے بچوں کو مل جائے گا

۱- ''وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته'' (الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/۳۳۹)۔

۲- ''يحوز العصبة بنفسه وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته إلى الميت أنثى ما أبقت الفرائض وعند الانفراد يحوز جميع

اور باقی لوگ بہرحال محروم رہیں گے۔ کیوں کہ ذوی الارحام میں بہن کے بچے اقرب الی المیت کے ہیں (۱)۔ خلاصہ جواب یہ نکلا کہ اگر چچا کے کوئی لڑکا موجود ہے اور بہن کی اولاد کے لئے وصیت بھی کیا ہے تو بہن کی اولاد کو تہائی ترکہ دے کر بقیہ سب چچا کے لڑکے (مذکر) کو مل جائے گا اور چچا کی لڑکی کچھ نہ پائے گی۔ اور اگر چچا کے کوئی لڑکا زندہ نہیں ہے تو اقرب الی المیت ہونے کی بنیاد پر کل ترکہ تنہا بہن کی اولاد مذکر کو دوہرا حصہ اور مونث کو اکہرا حصہ ملے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲/ ۱۰/ ۱۴۰۱ھ

کیا ہندوستان اور بنگلہ دیش دونوں مختلف دار ہیں؟

موجودہ ہندوستان اور بنگلہ دیش ظاہر ہے کہ دونوں الگ الگ مستقل دو حکومتیں ہیں۔ اگر چہ بنگلہ دیش بھی کوئی اسلامی حکومت نہیں تاہم اختلاف دارین کا دار ومدار تو اختلاف قوۃ ومنعۃ پر ہے۔ ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان آپس میں قوۃ اور منعۃ کا اختلاف تو کھلم کھلا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے باشندوں کے درمیان اختلاف دارین کا حکم (حرمان میراث وغیرہ) جاری ہوگا یا نہیں۔

سوال اس سے نہیں ہے کہ کوئی شخص کس طرح رابطہ قائم کرے اور اپنے بنگلہ دیشی کسی رشتہ دار کو اپنی راضی خوشی سے کچھ دلوادے اس سے بحث نہیں بلکہ اصل سوال شرعی استحقاق کے بارے میں ہے۔ اگر شرعاً استحقاق نہ ہوگا تب تو بعض وارث کی طرف سے برضا وخوشی کچھ دینے دلوانے پر دوسرے ورثہ کو حق اعتراض پہنچے گا بلکہ حقوق العباد میں دخل اندازی بھی ہوگی یہاں کے علماء میں اس سوال پر اختلاف ہو رہا ہے یہ بات اگر کہی جائے کہ اختلاف دارین کا حکم بین المسلمین جاری نہیں ہوتا تو اس کا مصرح حوالہ کتب معتبرہ میں ملے گا تو کہاں؟ ورنہ مودودی صاحب نے جیسا کہ ہندوستان پاکستان کے باشندے کے زوجین کے درمیان آپس میں اختلاف دارین کے سبب سے انقطاع نکاح کا فتوی صادر کیا تھا، تو اہل سنت علماء کی طرف سے کس بنیاد پر مودودی کے فتوی کو مورد ہدف بنایا گیا تھا، یہاں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے، لہذا سوال بھیج رہا ہوں۔

مفتی محمد خیر الاسلام (نوگاؤں، آسام)

المال" (تنویر الابصار مع شرحہ الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/ ۵۱۶)، اور وصیت کی بناء پر صرف تہائی ترکہ بہن کی اولاد کو ملےگا، "ثم تقدم وصیتہ .... من ثلث ما بقی بعد تجهیزہ و دیونہ" (الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/ ۴۹۶)۔

۱- "باب توریث ذوی الأرحام هو كل قريب ليس بذی سهم ولا عصبة ولا يرث مع ذی سهم ولا عصبة سوى الزوجين فيأخذ المنفرد جميع المال ويحجب أقربهم الأبعد" (تنویر الابصار مع شرحہ الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/ ۵۴۵)۔

الجواب وبالله التوفيق:

اختلاف دارفیمابین المسلمین مانع عن الارث نہیں ہوتا۔

(مبسوط للسرخسی ۳۰/ص ۲۳) میں بھی اس کی صراحت موجود ہے فرماتے ہیں: "**وأهل الحرب فيما بينهم لا يتوارثون إذا اختلفت منعتهم وملكهم بخلاف المسلمين فان أهل العدل مع أهل العدل يتوارثون فيما بينهم لأن دار الإسلام دار أحكام فباختلاف المنعة والملك لا تتباين الدار فيما بين المسلمين لأن حكم الإسلام يجمعهم**"(۱)۔

اور حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب بھی اپنے حاشیہ سراجی میں اس کی تصریح بایں الفاظ کی ہے: "**بل بعضهم صرح بتخصيصه مع الكفار (في فصل في موانع الارث)**"۔

انہی وجوہ کی بناپر ابو الاعلی مودودی کی اس مسئلہ میں تردید کی گئی تھی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۵/۹/۱۴۰۱ھ

تمام متروکہ جائداد میں سارے ورثہ کا حق ہے:

حاجی عبدالغنی کا انتقال ہوا، انہوں نے حسب ذیل ورثاء چھوڑا (۱) بیوی صُغدی خاتون (۲) ایک بیٹا عبدالعزیز (۳) ایک بیٹی ماجرہ خاتون اور وراثت میں دو دکانیں مع اسباب تجارت دوگودام اور ایک رہائش گاہ چھوڑی۔ دکانیں گودام اور رہائش گاہ سب ہی کرایہ پر ہیں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ

(الف) عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ دکانوں کے صرف مال و اسباب میں مذکورہ تینوں افراد کی وراثت ہوسکتی ہے، لیکن دکانیں، گودام اور رہائش گاہ چونکہ کرایہ پر ہیں اس لئے ان سے صُغدی و ماجرہ کو وراثت کا حق حاصل نہیں۔ بلکہ اس کا سو فیصدی حق عبدالعزیز کو حاصل ہے اور اسی بناپر گودام اور دکانوں پر قابض رہ کر عبدالعزیز اسی سرمائے سے آج تک تجارت کرتا ہے اور مکان مذکورہ میں رہائش پذیر ہے، واضح ہو کہ کلکتہ کے مروجہ دستور کے مطابق رہائشی مکان میں رہائش یا دکانوں میں تجارت کو پوزیشن کا حصول خرید فروخت کے طور پر ہوتا ہے۔

۱- نیز دیکھئے: ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۰/ ۵۱۰ قوله: "بخلاف المسلمين محترز قوله فيما بين الكفار أي اختلاف الدار لا يؤثر في حق المسلمين كما في عامة الشروح حتى أن المسلم التاجر أو الأسير لو مات في دار الحرب ورث منه ورثته الذين في دار الإسلام كما في مكب الأنهر"۔

صفدری وہاجرہ خاتون شرعی اصول کے روشنی میں دکانوں، گودام اور رہائش گاہ میں اپنا حق وراثت چاہتی ہیں تا کہ وہ خود تجارت کرا سکیں۔ شرعی اصول تحریر فرمائیں۔

(ب) عبدالعزیز مال کی تقسیم پر آمادہ ہے لیکن کیا (۱) صفدری وہاجرہ خاتون کی خواہش کے مطابق دکانیں، گودام اور رہائش گاہ میں جگہ یعنی پوزیشن کی تقسیم جس قدر کہ ان کا حق ہے ممکن ہے (۲) جگہ (پوزیشن) کو فروخت کردینے کے بعد حاصل شدہ رقم میں صفدری وہاجرہ کا کس قدر حصہ ہوگا؟ (۳) جگہ کی تقسیم نہ کیے جانے کی صورت میں کیا ہر ماہ (اسی مشترک سرمائے کی) آمدنی میں صفدری وہاجرہ جس قدر کہ ان کا حصہ ہے کی حقدار ہیں۔

(۴) دکانوں میں عبدالعزیز کی جو اپنی محنت شامل ہے اس کی محنتانہ بعد دے کر حساب ہوگا یا کیا؟

یا ہاجرہ خود بھی ایک دکان میں محنت کر کے یا کرا کے محنتانہ کا حساب برابر کرسکتی ہے یا نہیں؟

(ج) حاجی عبدالغنی کا انتقال پانچ برس ہوئے ہوا۔ اس وقت سے عبدالعزیز نے اپنی آل اولاد یا دوسری ضروریات کے تحت جو اخراجات کیے (۱) صفدری وہاجرہ خاتون اس تصرف شدہ رقم میں اپنا حصہ چاہنے کی مجاز ہیں اگر ہیں تو کس قدر؟

(۲) عبدالعزیز نے ۴۵ مہینوں کے لئے ایک دکان بعوض پانچ سو روپے ماہانہ ایک صاحب کو دی تھی جس سے ساڑھے بائیس ہزار روپے حاصل ہوئے اس رقم میں صفدری وہاجرہ کا کس قدر حصہ ہے؟ (د) حاجی عبدالغنی کی حیات ہی میں عبدالعزیز نے ایک دکان وغیرہ کی پوزیشن فروخت کردی صفدری خاتون کی شہادت کے مطابق عبدالغنی کی خواہش کے باوجود اس کی حیات تک اس کو یا صفدری خاتون کو آج تک وہ رقم نہیں ملی۔ واضح ہو کہ وہ دکان بھی کرائے کی تھی اور رائج دستور کے تحت خاطر خواہ رقم طے کر کے اس کی پوزیشن فروخت کی گئی اس ضمن میں کیا حکم ہے۔ لہذا مسئولہ بالا شق (الف، ب، ج اور د) کے سلسلہ میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

محمد عرفان

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئلہ یہ ہے کہ عبدالغنی کے مرنے کے وقت جتنی چیزیں عبدالغنی کے ملکیت میں ہوں گی وہ سب حسب تخریج شرعی سب ورثہ پر خواہ بیوی ہو یا بیٹی یا بیٹا سب پر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوں گی۔ وہ چیزیں جو ملک میں ہوں گی وہ دوکان ہو یا

مکان ہو یا اسباب تجارت ہو یا کچھ اور مملوکہ ہو سب ترکہ ہو کر حسب تفصیل تینوں (بیوی، بیٹا، بیٹی) پر تقسیم ہوں گے سب کا اس میں حق ہوگا نیز مملوکہ چیزیں کرایہ پر رہی ہوں یا خود ان کے قبضہ میں رہی ہوں سب کا یہی حکم ہے (۱)، اور تخریج شرعی یہ ہے۔

عبدالغنی مسئلہ ۸ ۲۴

زوجہ	بیٹا	بیٹی
۱/۸	۷	
۳	۱۴	۷

بر تقدیر صحت سوال عبدالغنی مرحوم کا کل ترکہ حقوق متقدمہ (جیسے قرض اور باقی ماندہ مہر وغیرہ) ادا کرنے کے بعد چوبیس سہام پر تقسیم ہو کر شرعاً تین سہام زوجہ کا حق ہوگا اور سات سہام بیٹی کا حق ہوگا اور چودہ سہام بیٹا کا حق ہوگا۔

(الف) اگر وہ دوکان و گودام وغیرہ خرید کر عبدالغنی کے ملک میں آئی ہیں تو ان سب میں حسب تفصیل مذکورہ بالا تینوں کا حق ہوگا اور عبدالعزیز کا کہنا صحیح نہ ہوگا (ایضاً)۔

(ب) (۱) اس شق کا بھی وہی حکم ہے جو الف کا حکم ہے۔

(۲) مملوکہ جگہ فروخت کر دینے کے بعد حاصل شدہ رقم میں بھی تینوں (بیوی، بیٹا، بیٹی) کا حق حسب تخریج مذکورہ بالا ہوگا (۲)۔

(۳) حسب تخریج و تقسیم مذکورہ بالا حقدار ہیں۔

(۴) اگر یہ محنت کسی معاہدہ کے تحت ہوئی ہے تو اس معاہدہ کے مطابق حکم ہوگا۔ ورنہ عبدالعزیز کا تبرع سمجھا جائیگا، اور آخرت میں عبدالعزیز کو اسکا ثواب ملے گا اور دنیا میں اسکے کسی معاوضہ کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ البتہ بقیہ حصہ داروں پر خود دیانۃً واجب ہوگا کہ ان کی محنت و خدمت کا صلہ کر دیں (۳)۔

۱- ''لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال كما في شروح السراجية'' (رد المحتار علی الدر المختار ۱۰/ ۴۹۳)۔

۲- کیونکہ اس کے ترکہ کا بدل ہے غصب کے باب میں مذکور ہے "وحكمه وجوب رد المغصوب إن كان قائماً ومثله إن كان هالكاً، أو قيمته" (البحر الرائق ۸/ ۱۹۶)۔

۳- ''القن بلا إذن الآخر ولا أمر قاض فهو متبرع كمرمة دار مشتركة'' (الدر المختار مع رد المحتار ۹/ ۳۱۱)۔

اسی طرح بیوی اور ہاجرہ جو جگہ یا چیزیں قابل تقسیم ہیں یعنی تقسیم کے بعد بھی قابل انتفاع ہیں ان کو تقسیم شرعی کے مطابق تقسیم کرا کے اپنے قبضہ وکام میں لاسکتی ہیں۔

(ج) عبدالعزیز اپنی یا اپنی اولاد وغیرہ کی ضروریات پر جو خرچ کر چکے ہیں اگر کسی معاہدہ یا قضاء قاضی کے تحت خرچ کیا ہے تو اس کا حکم اس معاہدہ وقضاء کے نظام کے مطابق ہوگا ورنہ عبدالعزیز کا تصرف ورثہ کے جانب سے تبرع قرار پائے گا اور اب ورثہ کو اس پر آخرت میں ثواب ملے گا اور دنیا میں اس کے عوض کے مطالبہ کا حق نہیں رہا، ہاں عبدالعزیز پر دیانۃً خود ضروری ہے وہ اس کا عوض دیدیں۔

۱۔ اس شق کا حکم یہی ہے جو ابھی لکھا گیا۔

۲۔ اس کرایہ کی آمدنی میں بھی مذکورہ بالا شرعی تخریج کے مطابق سب کا حق ہے

(د) اگر اس دوکان میں عبدالغنی کو ابھی حق قرار حاصل نہیں تھا تو اس کے پوزیشن کی بیع محض حقوق مجردہ کی بیع میں داخل ہوکر شرعا ناجائز رہی اور اس میں کسی کا حق وراثت جاری نہ ہوگا (۱) اور اگر عبدالغنی کو حق قرار حاصل ہوگیا تھا تو اس میں حسب تخریج شرعی سب کا حق ہونے میں حسب تحریر سوال کلام ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

مختلف فنڈ سے ملنے والی رقم کی تفصیل وتقسیم:

ایک مسلمان جو ہیوی الیکٹرک بھوپال میں ملازم تھا، اٹھارہ سال کی ملازمت کے بعد سال گزشتہ اچانک انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی بیوہ اور بچوں کو تقریباً ستر ۷۰ ہزار روپیہ ملنے والے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں۔

(۱) (Provident fund)(ملازمتی فنڈ) یہ فنڈ ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ کٹ کر جمع ہوتا ہے اور ۱۵ سال کے بعد جتنی رقم ملازم کی جمع ہوتی ہے اتنی ہی رقم ملازم کو سرکار دیتی ہے اس طرح سے یہ فنڈ ڈبل ہوجاتا ہے، یہ فنڈ مرحوم کا ذاتی حق اور مرحوم کی اصل میراث یا ترکہ ہے۔

(۲) (Gretinty) گریجویٹی، ملازم کو سال پورا ہونے پر ۱۴ دن کی تنخواہ ملتی ہے گویا کسی ملازم نے ۲۰ سال ملازمت کی تو اس کو ۹ ماہ کی تنخواہ کا حق حاصل ہے گریجویٹی بھی ملازمت پوری ہونے پر ملازم کو ملتی ہے، کیونکہ یہ اس کا ذاتی حق

۱۔ ''وفی الاشباہ لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ کحق الشفعۃ (الدرالمختار مع ردالمحتار ۷/ ۳۳)۔

ہے، اس لئے یہ رقم بھی مرحوم کی میراث یا ترکہ ہے۔

(۳) (Death Reliving)(ڈی۔آر۔ایس) جو ہے وہ اس کارخانہ کے ملازمین کا چندہ ہے اس کی شکل یہ ہے کہ اگر اس کارخانہ کے کسی ملازم کی موت ہوجائے تو یہ چندہ مرنے والے کی بیوہ کو بطور امداد دیا جاتا ہے اس کارخانہ میں تقریباً بیس ہزار ہندو مسلمان ملازم ہیں جو فی کس ایک روپیہ چندہ دیتے ہیں اس طرح سے یہ رقم بیس ہزار روپیہ ہوتی ہے، یہ رقم مرحوم کی میراث اور ترکہ نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اگر ملازم صحیح سلامت ملازمت پوری کر ریٹائرڈ ہوجاتا ہے تو اس کو یہ رقم نہیں دی جاتی لہذا یہ رقم خالص بیوہ کا حق ہے۔

(۴) (Group) اگر کسی ملازم کی موت واقع ہوجائے تو سرکار یہ امداد مرحوم کی بیوہ کو دیتی ہے تاکہ وہ اپنے بال بچوں کو پال سکے اور رشتہ داروں اور سوسائٹی پر بوجھ نہ بنے اس طرح یہ رقم بھی مرحوم کی ترکہ یا میراث میں شمار نہیں ہوسکتی بلکہ یہ بیوہ اور یتیموں کا حق ہے اگر یہ میراث اور ترکہ ہوتی تو ہر ملازم کو ملازمت پوری کرنے پر ملتی ہے۔

خلاصہ:

خالص میراث یا ترکہ کی رقمیں (۱) ملازمتی فنڈ تقریباً بیس ہزار روپیہ (۲) گریجویٹی دس ہزار روپیہ

(بیوہ یتیموں کے حق کی رقمیں) (۱) ڈی۔آر۔ایس تقریباً بیس ہزار روپیہ (۲) گروپ انشورنس تقریباً بیس ہزار روپیہ مجملہ کل رقم ستر ہزار روپیہ ہوئی مرحوم کی والدہ زندہ ہیں اور وہ بیوہ ہیں مرحوم نے اپنی والدہ کے حق میں ۳۰ فیصدی محض گریجویٹی کی رقم لکھی ہے قانوناً ان کو کل تین ہزار روپیہ ملیں گے۔

مرحوم کے تین بچے ہیں جن میں سب سے بڑی لڑکی پانچ سال کی اس سے چھوٹی تین سال کی لڑکی سب سے چھوٹا ایک سال کا لڑکا ہے۔

حبیب محمد خان ماسٹر (۸/ انعمت پورہ، برہان پور ایم پی)

الجواب وباللہ التوفیق:

ملازمتی فنڈ گریجویٹی فنڈ۔ اور بھوپال کے کوارٹر میں جو کچھ سامان مرحوم کی ملک تھا (چھوٹا بڑا) سب مرحوم کا ترکہ ہے وہ اس طرح تقسیم ہوگا:

مرحوم		مسئلہ ۲۴		۹۶

زوجہ	ماں	لڑکا	لڑکی	لڑکی	بھائی	بہن
۳	۴		۱۷		م	م
۱۲	۱۶	۳۴	۱۷	۱۷		

بہ تقدیر صحت سوال مرحوم کا کل ترکہ حقوق متقدمہ علی المیراث (جیسے مرحوم کی بیوہ کا اگر مہر باقی ہو تو مہر اور دیگر قرض جو بذمہ مرحوم ہوں) کی ادائیگی کے بعد باقی کل ترکہ چھیانوے برابر حصوں پر تقسیم ہو کر اس میں سے بارہ حصے بیوہ کا حق ہوگا اور سولہ حصے ماں کا حق ہوگا اور چونتیس حصے لڑکے کا حق ہوگا اور سترہ سترہ سہام دونوں لڑکیوں کا حق ہوگا، اور جب تک بینا بالغ بچے بالغ نہ ہو جائیں اس وقت تک اہل خاندان ان کے حصوں کو محفوظ رکھیں، اور تا بلوغ ان کی کفالت کا بار اہل خاندان پر حسب حصہ شرعی ہوگا (۱)، اور بھائی بہن ازروئے وراثت محروم رہیں گے، اس کے بعد سوال میں قائم شدہ پانچوں نمبر کا جواب الگ الگ بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) چار پاور لوم لگا دینا یہ مرحوم کا جب کسی معاہدہ کے تحت نہیں تھا تو تبرع تھا اور اس کا عوض کا مطالبہ کرنے کا حق کسی کو نہ ہونے کے باوجود مرحوم کے ترکہ میں سے حسب تفصیل مذکورہ بالا ورثاء کا حق ہوگا ()(سوال میں اس جزئیہ کا ذکر نہیں ہے)۔

(۲) ڈی۔آر۔ایس کی کل رقم۔اور گروپ انشورنس یہ مرحوم کا ترکہ نہیں اس میں کسی وارث کا حق نہیں ہے بلکہ حکومت اور قانون نے جب بیوی ہی کو دیا ہے تو صرف بیوہ کو ملے گا (۲)۔

(۳) مرحوم نے اگر واقعی بہنوں سے تین ہزار روپیہ قرض لیا تھا تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس کو ادا کر کے ترکہ تقسیم ہوگا (۳)۔

(۴) (الف) مرحوم کی والدہ اور بڑے بھائی پر لازم ہے کہ بیوہ کو اس کے جہیز کا سب سامان واپس کردیں، جہیز

۱- ''والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيراً أو كانت امرأة بالغة فقيرة أو كان ذكراً فقيراً زمناً أو أعمى ويجب ذلك على قدر الميراث ويجبر عليه كذا في الهداية'' (فتاوی عالمگیریہ ۱/۵۶۶)۔

۲- ''وحكمها (أي الهبة) ثبوت الملك للموهوب له'' (متن الدر المختار مع رد المحتار ۸/۴۹۰)۔

۳- ''يبدأ من تركة: الميت بتجهيزه ثم بدينه ثم وصيته ثم يقسم بين ورثته'' (کنز الدقائق مع شرحہ البحر الرائق ۹/۳۶۵) سوال میں اس جزئیہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔

کے جملہ سامان کی جو بیوہ کو میکہ سے ملا ہو بلاشرکت غیرے تنہا بیوہ مالک ہے۔ اور نہ دینے کی صورت میں عنداللہ غصب کے گناہ میں اور ظالموں کی فہرست میں شمار ہوں گے(۱)۔

(ب) بڑے بھائی نے پاورلوم کی آمدنی سے دینے کا جو وعدہ کیا تھا اس کے پورا نہ کرنے سے وہ لوگ گنہگار ہیں۔ ان کو ایفائے وعدہ خود کر دینا چاہیے(۲)۔

(۵) یہ سب چیزیں جو مرحوم کی ملک ہوں سب مرحوم کا ترکہ ہیں حسب تفصیل مذکور بالا ۹۶ سہام پر تقسیم ہو کر اوپر لکھے ہوئے ورثہ کا اس میں حق ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۰/۱۱/ ۱۴۰۱ھ

کیا حق وراثت معاف کردینے سے حصہ ختم ہو جاتا ہے؟

زید اور بکر نامی دو بھائیوں نے اپنے باپ کے مرنے اور کفنانے دفنانے کے بعد قبرستان سے واپس آتے ہی اسٹام لکھی ہوئی مندرجہ ذیل عبارت اپنی دو بہنوں کو سنا کر ان سے اسٹام پر انگوٹھے لگوالئے عبارت مذکورہ: ہم دونوں بہنیں فلاں وفلاں اپنے فلاں وفلاں بھائیوں کو اپنا حق وراثت جو شرعاً ہمارا حق بنتا ہے معاف کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ اب دونوں بہنیں اپنے بھائیوں سے اپنا حق واپس کرنے کا مطالبہ کر رہی ہیں کہ ہم کو والد کی وراثت سے حصہ دو، ان بہنوں کا کہنا ہے کہ ہم کو تو باپ کا غم تھا پریشان تھیں کہ ہائے ہمارا کیا حال ہوگا، مگر ہمارے بھائیوں کے پیٹ میں زمین اور مکانوں کا درد تھا کہ قبرستان سے آتے ہی ہم سے اسٹام پر انگوٹھے لگوالئے، ان بہنوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم نے تو سمجھا تھا کہ باپ مرگیا ہے اب ہمارے بھائی دکھ سکھ میں ہمارا سہارا اور سایہ بنے رہیں گے اور ہماری اس فراخدلی پر ہمارا خیال رکھیں گے وقتاً فوقتاً ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے۔ مگر انھوں نے تو بعد میں ہماری پرواہ تک نہ کی اب زید بکر دونوں بھائیوں کا کہنا ہے کہ آپ کا ہم سے بوجہ اسٹام پر غیر مشروط بخوشی انگوٹھے لگادینے کے شرعاً وقانوناً کوئی حق نہیں رہتا، جبکہ دو بہنوں میں سے ایک بہن کے لڑکے عالم ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے خالاؤں (ماموؤں) نے ہماری ماں اور خالہ کی بے علمی پریشانی اور ناقص العقلی سے فائدہ اٹھا کر بغیر کسی عوض ومعاوضہ کے خود اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر پر زمین اپنے نام بخشش کرالی یہ عمل غبن فاحش ہے، یاد رہے کہ اسٹام

۱- ''ولها (أي للمرأة) إذا كان العرف مستمراً أن الأب يدفع مثله جهازاً لا عارية'' (متن الدر المختار مع رد المحتار ۴/ ۳۰۸، نیز جہیز کے سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی قاضیخان علی ہامش العالمگیریہ ۱/ ۳۹۱)۔

۲- ''ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي هي أحسن حتى يبلغ أشده وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً'' (سورہ اسراء: ۳۴)۔

پر انگوٹھے لگوانے سے قبل نہ تو ان بہنوں کے نام زمین انتقال ہوئی تھی اور نہ قبضہ تھا اور نہ کوئی حاصل کہ جس سے شرعی کوئی قبضہ ثابت ہونے کا شائبہ مل سکے، مزید یہ کہ زید اور بکر نے والد کے مرنے اور اسٹام مذکورہ کی تحریر کے بہت عرصہ بعد اپنے والد کا چھوڑا ہوا مکان اپنی ان دو بہنوں کو شرعی حق سمجھ کر دیدیا تھا جو اب بھی ان بہنوں کے قبضہ میں ہے وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ: زید بکر دو بھائیوں میں سے ایک بھائی مولوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی معتبر کتاب کا حوالہ یا کسی معتبر عالم کا فتوی ہمارے مخالف دعویٰ کے آجائے تو ہم والد کی وراثت سے بہنوں کو حق دیدیں گے، تو لہذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ برائے مہربانی قرآن وحدیث ومعتبر کتب فقہ کی روشنی میں جتنے حوالہ جات ممکن ہوسکیں دیں چاہے مسئلہ اس طرف ہو یا دوسری جانب تاکہ برادری کا یہ شر رفع ہو سکے۔

محمد یعقوب

الجواب وبالله التوفيق:

حق وراثت انسان کا اپنا دیا ہوا حق نہیں ہے کہ معاف کردینے سے یا ختم کرانے سے ختم یا معاف ہوجائے بلکہ یہ حق وراثت اللہ کا دیا ہوا حق ہے جس کے اندر کسی تبدیل وترمیم کا حق کسی کو نہیں بلکہ ہونے والے وارث کو بھی بغیر اصول تخارج مخارج کئے ہوئے معاف کرنے کا حق نہیں کما صرحت بہ الفقہاء(۱) بلکہ اشباہ والنظائر مع الحموی میں ہے: "**ولو قال تركت حقي لم يبطل حقه**" (۲) اور یہی مضمون امداد الفتاوی للعلامۃ التھانوی نور اللہ مرقدہ میں بھی باب وراثت میں تفصیل سے مذکور ہے، اس لئے بہنوں کے اوں لکھدینے سے کہ ہم نے اپنا حق وراثت چھوڑ دیا یا معاف کردیا تو معاف یا ختم نہیں ہوا بلکہ وہ ہر وقت لینے اور وصول کرنے کی حقدار ہیں۔ ہاں شرعی ضابطہ کے مطابق جیسا کہ سراجی میں لکھا ہوا ہے تخارج کرلیں تو بیشک ان کا حق ختم ہوسکتا ہے کما فی السراجیہ باب التخارج، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۵/۲/۱۴۰۲ھ

۱- "والثالث إما اختياري وهو الوصية أو اضطراري وهو الميراث" (الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/ ۴۹۲)۔

۲- "لو قال الوارث تركت حقي لم يبطل حقه" (الاشباہ والنظائر ۲/ ۳۷۵ مع حاشیہ نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر، تحقیق وتقدیم محمد مطیع الحافظ مطبوعہ دار الفکر)۔

۱۔لڑکوں کے لئے زمین ومکان لینا اورلڑکیوں کو روپے دینا کیسا ہے؟

ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے اس نے ترکہ میں دس بارہ مکان چھوڑا اوران کی اولا دان کے وارث ہیں جن میں سے بعض لڑکے اورلڑکیاں ہیں۔لڑکے یوں کہتے ہیں کہ ہم زمین اور مکان تمام کے تمام اپنے لئے لیں گے اورلڑکیوں کو ہم ان کے حصے روپے پیسے کی شکل میں دیں گے وہ بھی فی الفور نہیں بلکہ آہستہ آہستہ تو پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ:

(۱)لڑکوں کے لئے یہ جائز ہے کہ زمین مکان کو اپنے لئے خاص کریں اورلڑکیوں کو زمین ومکان کی جگہ (ان کے شرعی حصے)روپے پیسے سے دیں۔

(۲)وہ بھی فوراً نہیں بلکہ یہ لوگ کام کریں گے اور جیسے جیسے ان کو پیسے ملیں گے ویسے ویسے یہ لوگ لڑکیوں کو ان کے حصے دیتے رہیں گے۔

(۳) حالانکہ لڑکیاں زمین اورمکان اپنے اپنے حصے چاہتی ہیں یہ لوگ نقد پیسے بھی نہیں چاہتے۔

۲-مکان کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

بعض مکان بڑے شہر میں اور بعض چھوٹے شہر میں ہیں تو اگر ان کو چند بھائی بہنوں کے درمیان تقسیم کرنا ہے تو کس طرح کریں؟

محمد احمد دیگانی (فرانس)

الجواب وبا الله التوفيق:

۱۔ مسئلہ یہ ہے کہ مرنے والا جتنی چیزیں اپنی ملکیت میں چھوڑتا ہے وہ سب اس کا ترکہ شمار ہوتا ہے (۱) اور وہ مملوکہ چیزیں خواہ مکان ہو یا فرنیچر ہو یا کوئی اور سامان وچیز ہو خواہ نقد ہو سب ترکہ شمار ہو کر اس میں سے حقوق متقدمہ علی المیراث (جیسے قرضہ وباقی رہا ہو مہر اور وصیت صحیح وغیرہ) دینے کے بعد باقی سب ترکہ کو ورثہ شرعی پر تقسیم کردینا ضروری ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں سب ورثہ میں شرکۃ املاک سے مشترک ہوتی ہیں اوراس کا حکم یہ ہے کہ کوئی وارث (شریک) دوسرے ورثہ (شرکاء) کی اجازت صحیحہ کے بغیر کوئی تصرف کسی چیز میں نہیں کرسکتا ورنہ اس کو غصب کا گناہ ہوگا اور وہ عنداللہ گنہگار ومجرم ہوگا اور عنداللہ ظالم شمار ہوگا (۲)۔

۱- ’’المراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه‘‘ (البحر الرائق ۹/۳۶۵)۔

۲- ’’وهي (الشركة) ضربان: شركة ملك وهي أن يملك متعدد اثنان فأكثر عيناً .... أو ديناً .... بارث أو بيع أو

ہاں اگر باقی شرکاء اپنا حصہ قیمت لے کر کسی شریک کے حق میں اپنی خوشی سے کر دیں یا بعد تقسیم و قبضہ کے ہبہ کر دیں تو اس وقت جو خرید ے یا جس کو ہبہ کیا وہ تصرف کر سکتا ہے۔ یہ شرعی احکام فقہ کی تمام معتبر کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جیسے رد المحتار کی کتاب الشرکت اور کتاب القسمہ اور کتاب الفرائض وغیرہ میں ہیں سب احکام تفصیل سے مذکور ہیں۔ پس صورت مذکور میں لڑکیوں کی اجازت ومرضی کے بغیر تینوں مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت جائز نہ ہوگی، بلکہ غصب کا گناہ ہوگا اور عنداللہ ظلم ہوگا۔ جس کے وبال پڑنے کا آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی اندیشہ ہے، اس لئے دنیا وآخرت دونوں میں فائدہ لینے کے پیش نظر لڑکوں کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔

۲۔ تقسیم کے طریقہ کے معاملہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ جو چیز قابل تقسیم ہو یعنی تقسیم کے بعد بھی قابل انتفاع باقی رہے خراب نہ ہو جائے اس کو تقسیم کر کے تمام شرکاء کو ان کا حصہ دیدینا چاہیے(۱)، کسی شریک کی مرضی واجازت کے بغیر اس کو اسکا حصہ نہ دینا محض قیمت دینا درست نہیں اور جو چیز قابل تقسیم نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع باقی نہ رہے یا خراب ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ آپس کی مصالحت کے ساتھ اس کو کرایہ وغیرہ پر دے کر اس کا کرایہ وغیرہ حسب حصہ تمام شرکاء کو دیدیا جائے، اور اگر مصالحت سے ایسا نہ ہو سکے تو اس کو کوئی شخص مناسب قیمت پر خرید لے اور قیمت تمام شرکاء پر حسب حصہ تقسیم کر دیا جائے، اگر شرکاء ہی میں سے کوئی ایک یا دو خرید لے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اسی ضابطہ شرعی کے ماتحت بڑا امکان جو بعد تقسیم بھی قابل رہائش رہ سکتا ہو خراب نہ ہو جاتا ہو اس کو تقسیم کر لیا جائے خواہ کسی شہر میں ہو اور چھوٹا مکان جو بعد تقسیم کے قابل نہ رہے یا خراب ہو جائے اس کو آپس کی مصالحت سے مشترک رکھتے ہوئے کرایہ وغیرہ پر دے کر حسب حصہ کرایہ تقسیم کر لیا جائے اور اگر آپس داری اور مصالحت کے ساتھ ایسا نہ ہو سکے تو اس کو مناسب قیمت پر فروخت کر کے قیمت سب حصہ داروں پر حسب حصہ تقسیم کر دیا جائے خرید نے میں بعض شرکاء کا مناسب قیمت پر خرید لینا اور قیمت حسب حصہ تقسیم کر دینا بہتر ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۵/۷/۱۴۰۲ھ

غيرهما بأي سبب كان جبرياً أو اختيارياً ولو متعاقباً كما لو اشترى شيئاً ثم أشرك فيه آخر مية وكل من شركاء الملك أجنبي في الامتناع عن تصرف مضر في مال صاحبه'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۶/۶۶، ۴۶۷)۔

۱- ''وشرطها (القسمة) عدم فوت المنفعة بالقسمة'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۹/۶۹)۔

۱-متوفی کے ایام رخصت کی تنخواہ اور جی پی فنڈ کا وارث کون ہوگا؟

متوفی ملازم سرکاری جن کے ورثاء(۱)ماں (۲)ایک بھائی (۳)بیوی——ملازم سرکاری ہونے کی وجہ سے ان کو DCRG

FBFG PF زندگی کے ایام کی رخصت کی تنخواہ اور دیگر بقایا جات ملتے ہیں؟

کیا اس رقم کی مقدار حسب شریعت صرف بیوہ ہی ہے یا دیگر ورثاء بھی ہیں اور اگر ہیں تو رقم کی مقدار کیا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر زندگی ہی میں FBF مذکورہ بالا دیا جاتا تو اس کی رقم صرف بیس ہزار ہوتی، وفات کی صورت میں چالیس ہزار ملتی ہے۔ترکہ کی تقسیم صرف بیس ہزار پر ہوگی یا چالیس ہزار پر، اگر ہے تو کیا مقدار ہے؟

۲-مشترک مکان کی تقسیم کس طرح ہوگی:

دونوں بھائی مشترک طور پر مکان خرید لیے تھے اس مکان کے اندر بیوہ کا کیا حق ہوسکتا ہے یہ مکان ماں کے نام پر رجسٹرڈ ہے اور خاندان مشترک ہے۔

۳-قرض دیتے وقت یہ کہنا کہ یہ رقم فلاں کی ہے تو کیا یہ رقم اس کی ہو جائے گی؟

وفات سے پہلے متوفی نے اپنے بھائی کو پانچ ہزار روپے دیئے تھے اور اپنی بیوی سے کہا تھا کہ رقم تمہاری ہے، بھائی سے رقم واپس ملنے پر تمہارے لئے سونا خریدوں گا کیا رقم واپسی پر مطلق بیوہ کی ہوگی یا تقسیم میں آئے گی؟

۴-شادی کے موقع پر دیئے گئے زیورات کا مالک کون ہوگا؟

جو سونا چاندی کا زیور شادی کے وقت بیوی کو دیا گیا تھا وہ بیوہ کا ہی ہے یا تقسیم شدنی ہے۔

۵-کیا قرض دی گئی رقم بھی ترکہ شمار ہوگی؟

زندگی میں متوفی نے بعض احباب کو قرض دیا تھا قرض واپس ہونے پر یہ رقم بھی تقسیم ہوگی یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-مرحوم کی زندگی کے ایام کی تنخواہ اور جی، پی، فنڈ اور مرحوم کی زندگی کے دیگر بقایا جات سب مرحوم کا ترکہ شمار ہوکر حسب تخریج شرعی تمام ورثاء پر تقسیم ہوں گے۔شرعاً صرف اور تنہا بیوی کا حق شمار نہ ہوں گے۔جی، پی، فنڈ جو حیات میں ملتا

ہے وہ اور بعد مرنے کے جو اضافہ ہوکر ملے گا وہ سب مرحوم کا ترکہ شمار ہوکر حسب تخریج شرع تمام ورثاء میں شرعی طور پر تقسیم ہوگا، لہذا بجائے بیس ہزار کے چالیس ہزار حسب تخریج شرعی تقسیم ہوں گے۔

۲-جب وہ مکان دونوں بھائیوں نے مشترک طور سے خریدا ہے اور خاندان مشترک ہے تو محض ماں کے نام رجسٹرڈ کرانے سے تنہا ماں کا حصہ نہ ہوگا بلکہ دونوں بھائیوں کا نصف نصف شمار ہوگا، اور صرف دوسرے بھائی کی ملکیت شمار نہ ہوگا۔

۳-پانچ ہزار روپیہ جو بھائی کو دے کر بیوی سے کہا تھا کہ یہ رقم تمہاری ہے واپس ملنے پر اس سے تمہارے لیے سونا خریدوں گا۔محض اس کہنے سے تکمیل ہبہ نہیں ہوئی، بلکہ صرف وعدۂ ہبہ ہوا اور وعدۂ ہبہ واہب کے مرجانے کے بعد ختم ہوکر واہب کا ترکہ شمار ہوکر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا۔لہذا یہ پانچ ہزار بھی ترکۂ مرحوم شمار ہوکر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا۔

۴-شادی کے وقت جو زیور بیوی کو دیا جاتا ہے اس میں جو زیور منہ دکھائی میں دیا گیا ہو تو وہ تنہا بیوی کی ملک شمار ہوتا ہے اور جو زیورا سکے علاوہ دیا جاتا ہے، اگر عرف میں ہبۃً دینا شمار ہوتا ہے تو وہ بھی تنہا عورت کا شمار ہوگا، ورنہ ترکۂ مرحوم شمار ہوکر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا۔"**المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية، لأنه الظاهر الغالب، إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب، وأما اذا جرت في البعض يكون الجهاز تركة يتعلق بها حق الورثة وهو الصحيح**"(۱)۔

۵-مرحوم نے جو قرضہ لوگوں کو دیا ہے وہ مرحوم کا ترکہ شمار ہوکر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا۔غرض حسب تحریر سوال جو جو چیزیں مرحوم کا ترکہ شمار ہوں گی ان سب میں سے پہلے بیوہ کا باقی ماندہ مہر اور دیگر قرضے جو مرحوم کے ذمے باقی ہوں دینے کے بعد بارہ سہام (برابر حصوں) پر تقسیم ہوکر چار سہام ماں کا اور تین سہام بیوہ کا اور پانچ سہام بھائی کا حق ہوگا۔ بشرطیکہ ان کے سوا اور کوئی وارث شرعی نہ ہو اور صورت تخریج درج ذیل ہے:

مرحوم مورث مسئلہ ۱۲ بیوہ ۳/، ماں ۴/، بھائی ۵/، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۲/۱/۱۴۱۱ھ

بعض اراضیات کاشت کا حکم:

میں کاشتکار ہوں اور کچھ اراضی والد صاحب سے میرے نام پر منتقل ہوئی ہیں اور کچھ خریدی ہے، میرے والد

۱- شامی ۳۰۹/۴ کتاب النکاح باب المہر مطلب فی دعوی الاب أن الجہاز عاریۃ۔

صاحب کو زمین طواب رام پور کے ضلع دار صاحب نے دی تھی اور وہ لگانی ہے اور کچھ زمین معافی کی تھی، یعنی تعزیہ برداری کے صلہ میں ملی تھی، جب حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تو زمین سے سبکدوش کر دیا گیا۔

چکبندی کے موقعہ پر جملہ کاشتکاران کو بے دخل کر دیا گیا اور ہم لوگوں سے دستخط بے دخلی کے لئے چکبندی ہوئی، سابقہ زمین چھ فی صد بیگھہ کم کر کے ہم کو سونپی گئی، کٹوتی کی آراضی مختلف لوگوں کو ان کی ضروریات کے مطابق دی گئی اب وہ لوگ قابض و متصرف ہیں، اب بھی اگر گورنمنٹ کو اپنی کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو معاوضہ جو کہ خود حکومت کا مقرر کردہ ہے محض اشک شوئی کی غرض سے وعدہ کر لیتی ہے، اس معاوضہ کو بھی ہزاروں کی رشوت دے کر وصول کیا جاتا ہے نقد و نقد نہیں ہوتا ہے، تو ہم مالکوں کے لئے استیلاء ثابت نہیں ہوتا؟ جب ہم پوری زمین کے مالک ہیں تو کٹوتی کیسے بغیر رضامندی کے ہوئی، لگان کے عوض حق کاشت حاصل ہے اگر کوئی چماری، بھنگی چھ سات سال بٹائی پر کاشت کر لے اور اپنا قبضہ درج کرائے تو حکومت کے قانون کے مطابق اسی کی ہو جاتی ہے، نہر اور سڑک بے دریغ نکال لیتے ہیں، ٹیوب ویل حکومت اپنا بغیر معاوضہ کے بنالیتی ہے، ٹیوب ویل کے پانی کو سپلائی کے لیے بلا رضامندیٔ کاشتکار گولیں اور نالیاں بنالیتی ہے بلا رضامندی کے کافی رقبہ قصبات اور شہروں میں منڈی سمتی کے نام پر معاوضہ کے وعدہ پر لے لیا ان تمام وجوہات کے پیش نظر مزروعہ اراضی میں وراثت سمجھ میں نہیں آتی، زمین کی خرید فروخت میں ہر دور میں الگ الگ قوانین سامنے آتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوا کہ سیرداری کو فروخت کرنے کا حق نہیں تھا بھومی دھر بنائے گئے اب وہ قانون ختم ہوا، کل اور آئے گا۔ البتہ باغات مکانات کنویں وغیرہ پر مالکانہ حیثیت رہی ہے، ان میں حکومت شرع محمدی سے قبضہ کرا دیتی ہے، نہ کہ کاشت کی آراضی میں، سیردار اور کاشتکاری کی اراضی میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

خاتمہ زمینداری میں حکومت نے زمینداروں کی زمینداری کو جو شرعاً ان کی مملوک بملک صحیح تھیں کچھ معاوضہ از خود تجویز کر کے باقساط متعددہ ادا کرنے کے قانون کے بنا زمینداروں کے ملک و قبضہ سے نکال کر اپنے ملک و تصرف میں کر لیا، یہ معاملہ کھلی دلیل ہے کہ زمینداری پر حکومت مالک ہو گئی، پھر جو زمین کاشت کی مدت ہائے دراز سے زمینداروں کے ملک و قبضہ و تصرف میں تھیں ان میں بھی یہ قانون بن گیا کہ ان میں تھوڑی سی زمینداروں کے ملک و قبضہ میں چھوڑ کر زائد زمینوں کو دوسروں سے کچھ کونہ معاوضہ لے کر دوسروں کو بھی بھومی دھر وغیرہ بنا دیا اور جو تھوڑی سی زمینیں باقی رہ گئی تھیں ان پر بھی قبضہ

مالکانہ باقی نہیں رکھا، بلکہ مثل اجیر کے اس کے قبضہ میں باقی رکھا کہ اتنی اجرت سالانہ دیتے رہو اور تصرف میں رکھو کہ اب زمیندار خود اپنی مرضی واختیار سے نہ بیچ سکتا ہے، اور نہ خرید سکتا ہے بلکہ ہر موڑ پر حکومت وقانون سے اجازت لینی ضروری رہے گی، حتیٰ کہ اگر اس نے تین سال تک پرتی رکھا تو حکومت اس کے قبضہ سے نکال لے گی، اور پھر اس کو جو تھوڑے حقوق منتقل کرنے کے نظر آتے ہیں وہ حقوق محض ان کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ ہر قابض کو خواہ بھومی دھر ہو یا کچھ بھی حسب اجازت قانون حاصل رہتے ہیں وہ حکومت اور قانون کے عطا کردہ حقوق کو قانون وقت کے دائرے میں رہ کر استعمال کرسکتا ہے، یعنی اگر وہ شخص قانون وقت کے مطابق بیچ دے، یا خرید ے، یا ہبہ، وقف، خیرات جو تصرف بھی کرلے وہ حکومت وقت اور قانون کے عطا کردہ اور عارضی ہیں، ان تصرفات کو تصرفات مالکانہ نہ کہنا ظاہر وعیاں ہے، ان وجوہ کی بناپر حکومت کے خاتمہ زمینداری میں اس استیلاء کو استیلاء مالکانہ کہنا صحیح اور ظاہر معلوم ہوتا ہے۔

رہ گیا وراثت جاری ہونے کا مسئلہ تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ کاشت کی وہ آراضیات جنکا زمیندار خود مالک نہیں تھا، بلکہ دوسرے سے لے کر کاشت کرتا ہے ان کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے ان میں وراثت کا نہ جاری ہونا ظاہر ہے اور وہ چیزیں جو خاتمہ زمینداری کی زد میں آکر ان کی حیثیت مالکانہ ختم ہوکر محض قبضہ اجارہ دارانہ باقی رہ گیا ہے ان کے مملوک نہ رہنے کی وجہ سے تقسیم وراثت کس طرح جاری ہوگی، ہاں اگر جس طرح حکومت وقانون نے ہبہ ووقف وغیرہ کرنے کا حق دیا ہے اسی طرح تقسیم وراثت کا بھی دیا ہو، اس کے مطابق وراثت جاری ہوسکے گی، یا پھر اگر کوئی شخص دیانۃً اس بنیاد پر کہ حقیقۃً وشرعاً وہ ان آراضیات کا عنداللہ مالک چلا آرہا ہے، چاہے تغلب کسی اور طرح کا ہوگیا، مگر وہ خود حسب حقوق وراثت میں ملا ہے تو یہ اس کا تقویٰ ہوگا۔ اور استیلاء کے تسلیم کرلینے کی بنیاد پر یہ شئی مداخلت فی احکام الدین گرچہ متصور ہوجائے گی، فتویٰ تقسیم کا دینا مشکل نہ رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۳/۵/۱۴۱۱ھ

وراثت اور وصیت کا مسئلہ اور اس کا حکم:

میرے شوہر ہاشم ڈوچکی کا انتقال ہوئے آج تقریباً سات ماہ ہوگئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوی (یعنی میں) اور تین لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں، مرحوم نے اپنے پیچھے ایک دوکان جس میں وہ خود اور ایک لڑکا محمد اشرف نام کا ان کے ساتھ کاروبار کررہا تھا، اس دوکان کو پہلے عارضی طور پر استعمال کے لئے لیا تھا لیکن بعد میں اس کے مالک سے بیس ہزار روپے میں خرید لی گئی تھی۔

مرحوم نے اپنے مرنے سے پہلے ۱۹۷۵ء میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا جس میں دوکان کا مالک محمد اشرف کو بتایا اور دوکان کے مال میں آدھا آدھا باپ بیٹے کا تحریر کیا تھا، اس کے بعد دوسرا وصیت نامہ ۱۹۸۲ء میں تحریر کیا۔ اس میں دوبارہ محمد اشرف کو دوکان اور جس گھر میں رہ رہے ہیں اس کو اور ساتھ ہی نقد تین لاکھ روپے محمد اشرف کو بخشا اور مجمہ (زینت بی بنت محمد) کو ایک لاکھ روپئے بخشا تحریر کیا، محمد اشرف ہی اکیلا اپنے والد صاحب کے ساتھ دوکان میں اخیر تک کام کرتا رہا، اب سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ شریعت میں جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس کو انتقال سے پہلے قبضہ بھی دلائے، ورنہ معتبر نہیں ہوتا ہے۔

اب جب کہ مرحوم نے انتقال سے پہلے ہی وصیت نامہ بھی لکھا تھا اور دوکان چلانے کا کام بھی اپنے لڑکے محمد اشرف کے حوالہ کر دیا اور جس گھر کا ہبہ محمد اشرف کے نام کیا تھا اسی میں مرحوم کی زندگی ہی میں محمد اشرف کے ساتھ میں خود اور مرحوم کے دوسرے افراد سکونت پذیر تھے اور ہیں۔ یہاں تک کہ مرحوم نے انتقال سے قبل کہہ دیا تھا کہ یہ مکان بھی اور اس مکان کے اندر موجود تمام فرنیچر سب کا سب محمد اشرف کا ہے۔ گو اس طرح بالکلیہ دوکان چلانے کا کام محمد اشرف سے ہی لیتے۔ گھر میں سکونت اختیار کرنے کے لیے موقعہ دینے سے ہبہ کیساتھ قبضہ دلانا سمجھا جائے گا یا نہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس طرح دوکان حوالہ کر دینے اور گھر پر سکونت اختیار کرنے کے لئے ہی موقعہ دینے سے ہی ہبہ درست ہو جاتا ہے۔ گھر اور دوکان دونوں محمد اشرف کے ہیں، گو کہ انہوں نے دوکان اور مکان کو علی الاعلان محمد اشرف کے حوالہ نہیں کیا، کیونکہ مرحوم نے انتقال سے قبل گھر اور دوکان کا مالک محمد اشرف کے ہی ہونے کا تذکرہ مجھ سے بھی کیا تھا، اس لئے آپ سے دریافت ہے کہ دوکان اور مکان کا مالک موجودہ صورت حال میں صرف محمد اشرف کا ہے یا ہبہ درست نہ ہونے کے سبب تمام ورثاء بھی دوکان اور مکان کے حصہ دار ہیں؟

گمشدہ لڑکے کا حصہ:

تین لڑکوں میں ایک لڑکا فاروق آج تقریباً پندرہ سال ہوئے لاپتہ ہے۔ جب سے گھر سے گیا اس وقت سے آج تک اس کی کوئی خبر نہیں۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ زندہ ہے یا نہیں، اس لڑکے کا دماغی توازن بھی خراب ہو گیا تھا، اس لئے اس لڑکے کے ورثہ کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

ترکہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی:

مرحوم شوہر سے اپنی زندگی میں نماز یا روزہ، زکوٰۃ میں بہت کوتاہی اور کمی رہ گئی اور حج بھی نہیں کیا تھا، اسلئے ان

فرائض کا فدیہ کس طرح ادا کیا جائے تقسیم سے پہلے ہی ان تمام کی ادائیگی کی جائے یا کس طرح کیا جائے؟

اس لئے شریعت محمدی ﷺ کے تحت وارثوں کو مرحوم کے ورثہ میں کتنا کتنا دیا جائے اور مرحوم کے فدیہ کا تدارک اور گم شدہ لڑکے کا حصہ اور محمد اشرف کے بارے میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب وبالله التوفيق:

تحریر استفتاء سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ ہاشم ڈوچکی نے پہلے ایک وصیت نامہ اپنے لڑکے محمد اشرف کے نام ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے۔ اور دوسرا وصیت نامہ اپنے لڑکے محمد اشرف کے نام ۱۹۸۴ء میں لکھا ہے۔ اور وصیت کے بارے میں حدیث پاک میں ہے: "**لا وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة**"(۱) یہاں موصی (موسی ہاشم ڈوچکی) کے انتقال کے بعد ورثہ کا اس وصیت کو نافذ نہ کرنا ظاہر ہے، لہٰذا یہ وصیت تو باطل غیر موثر غیر مفید ہوگی۔ اور ان وصیت ناموں کے اعتبار سے شرعاً نہ تو محمد اشرف تنہا دوکان کا مالک ہوا اور نہ دوکان کے مال میں آدھے کا شرعاً مالک ہوا اور نہ ہی تین لاکھ نقد کا تنہا مالک ہوا اور اسی طرح ایک لاکھ کی تنہا مالک بیوی (زینت بنت محمد) بھی نہ ہوگی، بلکہ سارا مملوکہ موسی ہاشم ڈوچکی کا شرعاً ترکہ باقی رہا۔

اسی طرح محمد اشرف کے تنہا والد کے ساتھ اخیر تک دوکان میں محض کام کرتے رہنے سے محمد اشرف کا دوکان میں سہیم وشریک ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اولاد ایسے وقت میں محض والد کی معین ومددگار شمار ہوتی ہے، **كما صرح به الفقهاء: "فالكسب للأب إن كان الابن في عياله لكونه معيناً له"** (۲)۔

ہاں اگر موسی ہاشم اپنی زندگی میں محمد اشرف کے ساتھ ضابطۂ شرعیہ واحکام عقد شرکت عنان کے تحت باقاعدہ شرکت کا معاملہ کر دیئے ہوتے اور اس کا ثبوت شرعی موجود ہوتا تو یہ بات دوسری ہوتی اور یہاں ایسا نہیں، لہٰذا عقد شرکت کا حکم نہ ہوگا۔

رہ گئی ہبہ کی بات تو حسب تحریر سوال جب وصیت نامہ لکھا اور دوکان چلانے کا کام اپنے لڑکے محمد اشرف کے حوالہ کیا تو اس کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ محض دوکان چلانے کا کام محمد اشرف کے حوالہ کیا ہے، خود دوکان کو اپنے قبضہ ودخل سے عملاً نکال کر محمد اشرف کے حوالہ کر کے خود دوکان سے بے قبضہ نہیں ہوئے، لہٰذا محض اس طریقہ کار سے دوکان کا ہبہ شرعاً نہیں ہوا،

۱- مشکوۃ المصابیح/۲۶۵ باب الوصایا۔

۲- ردالمحتار/۳/۳۴۹۔

بلکہ وہ دوکان مرحوم ہی کا ترکہ رہی۔اسی طرح جس گھر کا ہبہ محمد اشرف کے نام کیا اسی گھر میں محمد اشرف کے ساتھ خود اور مرحوم کے دوسرے افراد بھی سکونت پذیر رہے،لہٰذا یہ ہبہ بھی شرعاً صحیح ونافذ نہیں ہوا،لہٰذا یہ مکان بھی مع اس کے فرنیچر کے شرعاً ہبہ ہو کر مرحوم کی ملکیت سے نہ نکل کر سب دوکان اور یہ مکان اور فرنیچر سب مرحوم کا ترکہ باقی رہا اور حسب تخریج شرعی تمام ورثاء شرعی پر تقسیم ہوگا،کما ھو فی کتب الفقہ والفرائض مثلاً درمختار اور اس کی شرح میں صحت ہبہ کے لئے یہ سب شرائط مذکور ہیں۔

اس لئے بعض علماء کا یہ کہنا کہ اس طرح کا حوالہ کرنے سے اور موقعہ دینے سے ہبہ درست ہوجاتا ہے صحیح نہیں رہا، ہاں چونکہ محمد اشرف نے اپنے والد کیساتھ کام کرنے اور کاروبار کے ترقی دینے میں کافی محنت کی ہے،اس لئے دیانۃً تمام ورثاء پر ضروری ہے کہ وہ سب مل کر آپس کے مشورہ سے بطور حسن مکافات مناسب مقدار بطور ہدیہ دے کر ان کے قبضہ ودخل دینے کے بعد بقیہ کو حسب تخریج شرعی تقسیم کرلیں۔اسی طرح تمام ورثا کی جانب سے محمد اشرف کو دینے میں ہبہ مشاعا بھی نہ ہوگا کہ کوئی اشکال واقع ہو۔

۲-محمد فاروق جو تقریباً پندرہ برس سے مفقود ہے،اس کے حصہ کی ترکہ کا حکم یہ ہے کہ جتنا ترکہ اس کے حصہ میں آئے اس کو اس وقت تک محفوظ رکھا جائے جب تک اس کے ہم عمر زندہ رہیں،اگر وہ اس درمیان میں آجائے تو اس کو اس کا حصہ دے دیں اور جب اس کے سب ہم عمر مرجائیں اور وہ نہ آئے تو اس وقت اس کو تقسیم کرکے اس کا حصہ حسب تخریج شرعی ورثہ پر تقسیم کردیا جائے،لہٰذا جب اس کا محفوظ حصہ تقسیم کرنے کا موقعہ آئے تو اس وقت طریقۂ تقسیم معلوم کرلیا جائے۔

۳-مرحوم نے اگر اپنی کوتاہیوں کے سلسلہ میں فدیہ وغیرہ دینے کی وصیت کی ہے،جب تو مرحوم کے تہائی ترکہ کے اندر اندر اس وصیت کو پورا کرکے باقی ماندہ ترکہ تقسیم کیا جائے اور اگر تہائی ترکہ سے کوتاہیوں کا فدیہ پورا نہ ہوسکے تو اس سے زائد سے فدیہ دینا ضروری نہیں یا فدیہ دینے کی وصیت نہیں کی تو کچھ بھی مقدار بطور فدیہ دینا ضروری نہیں رہے گا،البتہ اگر ورثاء اپنی طرف سے ادا کریں گے تو یہ عمل ان لوگوں کے لئے بڑے ثواب کا باعث ہوگا،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند،سہارنپور ۱۲/۱/۱۴۱۱ھ

کسی ایک لڑکے کو الگ کردینے یا اس کے الگ ہوجانے سے اس کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا:

چار بھائی اور والد صاحب ایک ساتھ رہتے تھے،مگر آپس کے خانگی جھگڑے کی وجہ سے ایک بھائی نے الگ ہونا چاہا،اس حالت میں کہ تمام جائداد،دوکان،الگ مگر والد محترم اور نہ ہی بھائیوں نے ایسا کرنے دیا،بلکہ اس طرح الگ کرنا

چاہا کہ جو کام تم کرو اس سے اپنے بال بچوں کا خرچہ چلاؤ۔

لیکن جو بھائی الگ ہورہا تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ اسی وقت ہر چیز بانٹ دی جائے، مگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اسکی اس بات پہ یہ کہا گیا کہ تم گاڑی کے آگے کا نٹھ رکھتے ہو۔ بہرحال مجبور ہوکر اس بات پہ والد محترم نے اور بھائیوں سے ایک بھائی کو الگ کیا کہ تم کارخانہ پہ جتنا ہو گے اس سے اپنے بال بچوں کا خرچہ چلانا، باقی جو کاروبار ہورہا ہے اسی طرح سے ہوتا رہے گا، وقتی طور پر تمہیں الگ کررہا ہوں، پھر جب حالات سازگار ہوئے تو ایک ہی ساتھ کردوں گا، تم یہ نہ سمجھو کہ تمہیں الگ کررہا ہوں، لہذا وہ بھائی الگ ہوگیا، اور اس کو ایک ہینڈلوم کارخانہ جس پر ۲۲ ساڑی تھیں جو دوسرے مکان میں تھا اور جس کی باقی دے کر الگ کردیا وہ بھائی بن نہیں پارہا تھا، اس لئے غیروں سے اور خود بھائیوں سے کچھ قرض لے کر کاروبار کررہا ہے، اب جو بھائی الگ ہوا تھا۔ وہ ان تین بھائیوں کے کاروبار میں اپنے حصہ کا مطالبہ کررہا ہے اور کہتا ہے کہ اس فرم میں بھی برابر کا شریک ہوں، جب کہ اسی فرم سے ایک مکان لیا گیا جس کی چار بھائیوں کے نام کی رجسٹری بھی ہوئی، مگر تین بھائی اسکے حصہ کو تسلیم نہیں کرتے جب کہ والد صاحب تسلیم کرتے ہیں، اب ایسی حالت میں شریعت کی رو سے جو ہو آپ فیصلہ فرمادیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

جب والد محترم زندہ تھے اور سب بھائی ان کے ساتھ ہی کام کرتے تھے تو والد صاحب تنہا سب کے مالک تھے۔ محض کسی ایک لڑکے کو الگ کردینے سے یا الگ ہوجانے سے اس کا حق وراثت سوخت نہیں ہوگا۔ خاص کر اس تحریر سوال کے مطابق، بلکہ والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کے تمام متروکات میں جس میں یہ خرید کردہ مکان بھی شامل تھے، چاروں لڑکوں کا یکساں اور برابر حق ہے، الگ ہونے والے بھائی کو اپنے حق کے مطالبہ کا استحقاق حاصل ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۴/۷/۹۷ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود غفرلہ مفتی دارالعلوم دیوبند

مرتد مسلمانوں کے ترکہ کا وارث نہیں:

ایک لڑکی نہایت متقی حنفی المذہب مسلمان (مرحوم) کی بیٹی ہے۔ اسلامی قانون وراثت کے تحت مرحوم کی متروکہ

جائداد میں سے کچھ غیر منقولہ جائداد لڑکی کو حصہ میں مل سکتی ہے، اگر یہ خاتون اپنے خاوند کے مرزائی قادیانی ہونے کی وجہ سے خود بھی قادیانی ہوجائے یا قادیانی نہ ہو، مگر اپنے مرتد خاوند کا ساتھ نہ چھوڑے تو کیا بموجب شرع محمدی بدستور جائداد کی وارث بن سکتی ہے اور کیا ایک مسلمان کی متروک جائداد ایک مرتد کو منتقل ہوسکتی ہے؟ جب کہ مرحوم کی اور اولاد نرینہ اہل سنت والجماعت موجود ہو؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شخص (مرد یا عورت) پہلے مسلمان تھا پھر قادیانی ہوگیا وہ مرتد ہے اور جو شخص (مرد یا عورت) پیدائشی طور پر قادیانی ہو وہ غیر مسلم (کافر) ہے اور جب وارث اور مورث میں دین کا اختلاف کفر و اسلام سے ہو تو وراثت نہیں ملتی۔ پس کوئی وارث نہیں ہوسکتا، ''سراجی موانع الارث'' میں مانع وراثت واختلاف الدین لکھا ہے، وھکذا فی عامۃ کتب الفقہ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، لقولہ تعالیٰ: **"ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا"** (۱) ولقولہ علیہ السلام: **"لايتوارث أهل ملتين شتى"** (۲)۔

پس یہ لڑکی جو قادیانی کے ساتھ رہنے کی وجہ سے خود بھی قادیانی ہوگئی اور تائب ہوکر اسلام میں لوٹ کر نہیں آئی وہ اپنے باپ کے ترکہ میں ہرگز وارث نہیں ہوسکتی، قطعاً محروم رہے گی، نیز مرتدہ تو شرع اسلامی میں کسی سے وراثت نہیں پاسکتی، ھکذا فی الشامی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

مکان کی تقسیم ورثاء کے درمیان کس قیمت کے اعتبار سے ہوگی؟

میرے والد ایک مکان خستہ حالت میں چھوڑ کر انتقال فرما گئے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل حصہ داران چھوڑے ہیں۔

(۱) احمد حسین　　(۲) مظہر حسن　　(۳) زاہد حسن　　(۴) لڑکی (۵) لڑکی۔ اس دوران میں

۱- سورۂ نساء: ۱۴۱۔

۲- ابوداؤد ۳/۱۲۶، مکتبہ عصریہ بیروت۔

میرے بھائی مظہر حسن نے اور دوسرے حصہ داروں نے اس مکان کی قیمت مبلغ تین سو روپیہ لگا کر اپنا حصہ میرے نام کر دیا تھا، ان میں سے میرے سب سے بڑے بھائی احمد حسن نے اپنے انتقال کے بعد اپنی پہلی بیوی سے ایک لڑکی چھوڑی اور ایک بیوہ چھوڑی، میں نے بیوہ سے بھی اس رقم یعنی تین سو روپئے کے حساب سے مکان کا حصہ لے لیا تھا، اور اسی طرح بہنوں کا حصہ بھی، اب اس مکان میں صرف احمد حسن کی پہلی بیوی کی لڑکی رہ جاتی ہے۔ اس کو مجھے حصہ دینا ہے، پھر میں نے اس مکان کو تعمیر کر لیا، کافی عرصہ گزرنے کے بعد لڑکی نے حصہ کا مطالبہ کیا ہے، اب میرا مطلب دریافت یہ ہے کہ اس لڑکی، یعنی میری بھتیجی کا شرعاً کیا حصہ بنتا ہے، اور کتنا اس کو مجھے دینا چاہئے، دوسرے موجودہ پوزیشن میں حصہ دینا واجب ہوگا یا اس حساب سے جس حساب سے میرے دوسرے حصہ داروں نے حصہ لیا تھا، کیونکہ میں نے اس مکان کو خود تعمیر کر دیا ہے اس میں کسی نے کوئی حصہ نہیں دیا ہے۔

احمد حسن	مظہر حسن	زاہد حسن
دوسری بیوی	پہلی بیوی	میں خرید چکا ہوں
	لڑکی	لڑکی
	۵ لڑکے	۲ لڑکی
بیوہ کو میں رقم دے چکا ہوں	لڑکی والا انتقال فرما گیا	

محمد حسن محلہ ابوالمعالی دیوبند

الجواب وباللہ التوفیق:

بھتیجی کا جتنا حصہ زمین میں بیٹھا ہو اس حصہ کی جو قیمت آج لگتی ہو وہ دینی پڑے گی اور جس وقت وہ مکان مشترک تنہا تعمیر کر لیا ہے اگر وہ قابل انتفاع رہائش تھا اور انہوں نے توڑ کر تعمیر کیا تو اس وقت جو حصہ مکان میں بھتیجی کا بیٹھتا تھا اس حصہ مکان کی اس وقت جو قیمت ہوگی وہ قیمت بھی پانے کی بھتیجی مستحق ہوگی، اور اگر وقت تعمیر جدید وہ قدیم مکان مسمار ہو چکا تھا قابل انتفاع نہ رہ گیا تھا تو اس مکان کی عمارت کے کسی حصہ کی قیمت عائد نہ ہوگی بلکہ صرف زمین کے حصہ کی موجودہ قیمت دینا کافی ہوگا۔ اور اس کے باپ کا جتنا حصہ ہوتا ہے اس کے نصف کی حقدار ہے اور باپ کے حصہ کی حقدار اس وقت متعین

ہوگی جب مرنیوالوں کی ترتیب معلوم ہو جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۷-۷-۱۴۰۱ھ
الجواب صحیح: محمود غفرلہ، سید احمد سعید دارالعلوم دیوبند

پوتوں کی وراثت کا مسئلہ:

باپ کی حیات میں اگر بیٹے کا انتقال ہوگیا ہو تو پوتوں کو جائداد کی (وراثتی) حق اسلام میں نہیں دیا جاتا، اس کی وجہ کیا ہے؟

محمد غیاث الدین بھیساورم

الجواب وباللہ التوفیق:

اول تو یہ الزام محض ہے کہ باپ کی زندگی میں بیٹا مرجائے تو پوتے کو کسی حال میں وراثت نہیں ملتی، یہ قول سراسر الزام اور اسلام سے دشمنی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پوتے کی وراثت کی ۲۷ صورتیں نکلتی ہیں جن میں سے صرف ایک صورت میں، جبکہ دادا کے دوسرے بیٹے حیات ہوں تو مرجانے والے بیٹے کی اولاد کو ازروئے تخریج شرعی وراثت میں کچھ حق نہیں پہنچتا، اس کی وراثت کا مدار میت کے قریب تر وارث پر ہوتا ہے اور بیٹا پوتے سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ باقی دادا کے لئے ضروری ہے کہ وہ محروم الوراثت پوتے کو بذریعہ ہبہ یا وصیت اپنے ترکہ و مال میں سے دے۔ اس ایک صورت کے علاوہ ۲۶ صورتوں میں اس پوتے کو وراثت ہی ملے گا، جتنا کہ بیٹی اور بیٹا نہ چھوڑنے میں بیٹے کو ملتا۔ وغیر ذالک، تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے اگر تفصیل دیکھنی ہے تو رسالہ (جواہر الفقہ اردو) میں ملاحظہ فرمائیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

بیٹے کی موجودگی میں پوتے محروم رہتے ہیں:

زید کا انتقال اپنے معمر باپ کی عین حیات ہی میں ہوا اور اس نے اپنی بیوی اور اپنی اولاد جو چار لڑکوں اور پانچ لڑکیوں پر مشتمل ہے اپنے پیچھے چھوڑی۔ زید کی اچانک موت کے کوئی ڈیڑھ سال بعد ان کے سن رسیدہ باپ کا انتقال ہوا جنہوں نے اپنے پیچھے دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں۔ زید کے والد نے موت سے پہلے یا بوقت موت کوئی وصیت زبانی طور

یہ یا کسی بزرگ خاندان کے یا معتبر دوست یا رشتہ دار یا بیٹوں کے سامنے یا دستاویزی شکل میں نہیں کی۔ زید کے والد صاحب کے پاس جائداد تھی اور چونکہ انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی تھی اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زید کے چھوٹے بھائی نے زید کی بیوہ اور ان کی اولاد کو اپنے والد مرحوم کی ملکیت سے بے دخل کر کے اپنے والد مرحوم کے مکان سے جس میں وہ ایک مدت دراز سے سکونت پذیر تھے برطرف کر دیا اس طرح یہ غریب، یعنی زید کی اولاد دیکھتے ہی دیکھتے اپنے دادا کی ملکیت سے خارج الحق قرار دے دیئے گئے۔

حالانکہ یہ بات صحیح ہے کہ قرآنی احکام اور ارشادات نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رو سے زید کی اولاد کو اپنے دادا کی ملکیت میں حق وراثت اس لئے حاصل نہیں کہ ان کے والد کا انتقال اسکے دادا کی حیات کے اندر ہوا تھا، لیکن کیا سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء کی ان آیات (جن میں آدمی کو اپنے کل مال کے ۱/۳ حصے کی حد تک وصیت کرنے کا اختیار ہے اور وصیت کا یہ قاعدہ اسلئے مقرر کیا گیا کہ قانون وراثت کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں حصہ نہیں پہونچتا یا ان میں سے جس کو یا جس آدمی کو مدد کا مستحق پاتا ہے اس کے لئے اپنے اختیار تمیزی سے مقرر کر دے۔ مثلاً یتیم پوتا پوتی وغیرہ وغیرہ) سے یہ بات اچھی طرح سے ظاہر نہیں ہو جاتی کہ ان بے کسوں کو حق وراثت سے باہر ہی سہی دادا کی ملکیت میں کچھ حصہ ضرور ملنا چاہئے اور اگر کوئی ان کا یہ حق تلف کرنا چاہتا ہو تو اس کا یہ فعل رضاء خداوندی کے خلاف ہوگا۔

اگر چہ اس معاملہ کے متعلق زید کے باپ کی کوئی وصیت نہیں اس کے باوجود کیا یہ امر ضروری نہیں ہو جاتا کہ ان کے بقید حیات اولاد اپنے مرحوم بھائی، یعنی زید کی اولاد کے مندرجہ بالا حق کو تسلیم کر کے اپنے مرحوم باپ کی ملکیت کے ۱/۳ میں ہی سہی کچھ عنایت کر کے بچھڑے دلوں کو پھر سے جوڑ لیتے، لیکن وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ انہیں اس عمل سے گریز ہے، انکار ہے اور ان کی صرف ایک ہی دلیل ہے کہ زید کی موت اپنے باپ سے پہلے ہوئی اور بلحاظ شریعت زید کی اولاد کو دادا کی ملکیت کا ایک حبہ بھی نہیں مل سکتا۔

مزید برآں کیا سورۃ النساء کی اس آیت (۸) کہ "**واذا حضر القسمة أولو القربىٰ واليتٰمى والمسٰكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولا معروفا**"، یعنی تقسیم کے وقت کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرے اس سے مرحوم زید کی یتیم اولاد کے حق کو تقویت نہیں ملتی کہ ان پسماندگوں کے ساتھ اللہ کے لیے نیک سلوک ہونا چاہئے اور دادا کی ملکیت سے انہیں کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے۔

آپ کی خدمت میں ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد آپ سے میری گزارش ہے کہ براہ کرم ونوازش یہ

بتائیں کہ شرع محمدی ﷺ کی روشنی میں اس مسئلہ کا کیا حل ہے جو مندرجہ بالا پیراگرافوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید یہ بھی بتایئے کہ احکام خداوندی اور ارشادات ﷺ کے مطابق کیا زید کی اولاد اور ان جیسے دوسرے بچے اور بچیاں جن کے والدین کے انتقال ان کے والدین کی حیات کے اندر ہو جاتے ہیں انہیں دادا اور نانا یا دادی یا نانی کی ملکیت کی وراثت سے خارج سمجھنا چاہئے؟ اگر یہ صورت حال صحیح نہیں ہے اور مشیت ایزدی اس معاملہ میں کچھ اور ہی ہے تو اس کی سند اسلامی شرع میں کیا ہے؟

سراج الدین، مدراس

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ صحیح ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتوں کا ازروئے وراثت حق نہیں ہوتا، بلکہ دادا کے ذمہ خود ہوتا ہے کہ وہ ازروئے وصیت مناسب سمجھے تو تہائی کے اندر دے دے، بلکہ محروم ہونے والے محتاج ہیں تو اخلاقاً دے دینا ضروری ہے، بلکہ خود ان موجود بیٹوں کے ذمہ بھی اخلاقاً ضروری ہے کہ محروم بھتیجوں کے ساتھ حسن سلوک کریں، باقی اگر یہ لوگ کچھ نہ کریں تو "انا ولی من لاولی لہ" (۱) کے ضابطہ کے مطابق حکومت مسلمہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ ان محرومین کی تعلیم و تربیت و پرورش کا مناسب انتظام کرے۔ اگر دادا خود صاحب جائداد ہو تو اسی کے تہائی سے انتظام کر دے یا جن چچاؤں کی وجہ سے یہ حرمان ہے اگر وہ صاحب ثروت ہیں تو ان کے ہی ذمہ ڈال کر یہ نظم کرائیں یا جن جن اعزاء پر شرعاً ان محرومین کا نان ونفقہ وغیرہ عائد ہوتا ہے ان کے ذریعہ سے معقول انتظام کرے، ورنہ پھر بیت المال سے ان کی تعلیم و تربیت و پرورش کا معقول انتظام کر دے۔

اور جب حکومت مسلمہ بھی نہ ہو تو قوم خود اپنے اندر شرعی کمیٹی ان امور کے لیے قائم کر کے اس کے ذریعہ سے حدود شرع میں رہ کر ان محرومین کے لئے معقول انتظام مذکورہ بالا طریق پر کرے۔

یہ شرعی کمیٹی محض کنبہ اور خاندان کے افراد کی ہو یا محلہ کے افراد کی ہو یا پوری آبادی کی یا پورے کسی ایک خطہ کی ہو مسلمانوں کی ایسی شرعی ضرورتوں کی انجام دہی کے لیے شرعی کمیٹی بنالینا شرعاً ضروری ہے، اگر بنالیں تو اس قسم کے اشکالات شریعت مطہرہ پر وارد ہی نہ ہوں، لہٰذا اس قسم کے اعتراض تو اپنی کوتاہی عمل کی وجہ سے ہوتے ہیں، نہ کہ قانون خداوندی کے نقص یا غیر معتدل ہونے کی وجہ سے۔

۱- مسند احمد کتاب مسند الشامیین باب حدیث مقدام بن معدیکرب الکندی ۱۶۵۶۸۔

پس صورت مسئولہ میں اسی مذکورہ ضابطہ کے مطابق اہل خاندان ایک شرعی کمیٹی (جماعت مسلمین) بنا کر اس کے ماتحت اسی واقعہ کا بھی نظم کرلیں، یہ نظم آئندہ بھی حسب مرضی شریعت کارآمد ہوگا۔

اور محروم پو۔تے کی وراثت کے مسئلہ کے سلسلہ میں اردو کے اندر بھی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''جواہر الفقہ'' میں ایک مفصل رسالہ موجود ہے اسکو منگا کر مطالعہ فرمالیا جائے بصیرت کے ساتھ ہر اشکال کا جواب مل جائے گا۔ یہ کتاب (جواہر الفقہ) ہندوستان کے کتب خانوں میں بھی ملتی ہے اور زیادہ قیمتی بھی غالباً نہ ہوگی، فتوی میں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں اور عمل کے لیے مذکورہ بالا جواب کافی ہے۔

نوٹ: شرعی کمیٹی (جماعت مسلمین) اور اس کے تفصیلی احکامات اردو رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' مصنفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں ہیں اس کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور

مشترکہ خاندان کی مشترکہ جائداد کی تقسیم:

سعید اللہ صاحب مرحوم کا خاندان جس کا شجرہ درج ذیل ہے: ایک صاحب حیثیت اور صاحب جائداد مشترک خاندان رہا ہے اور تمام افرادخاندان مشترک طور پر تجارت کا پیشہ کر۔تے رہے ہیں، خدا کے فضل سے سعید اللہ مرحوم کے خاندان ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ تک، یعنی تیسری نسل تک مشترک طور پر تجارت کر۔تے ہوئے مزید کافی شہری املاک جائداد اور زمین داری وغیرہ بنائیں ۳۵-۳۰ سال پہلے تک فرم تمام افرادخاندان کی ساری ضروریات زندگی مثلاً علاج معالجہ بچیوں کے تعلیمی اخراجات افرادخاندان کے شادی بیاہ کے اخراجات، لباس وکپڑے اور عزیز و اقارب میں تقاریب کے موقع پر مروجہ رسوم کی ادائیگی کے مصارف کے علاوہ مشترک باورچی خانہ سے تمام افرادخاندان کو یکساں تیار کھانا بھی دیتا رہا۔ یعنی مشترک خاندان کی حیثیت سے کھانا پکتا رہا۔ لیکن گزشتہ ۳۵-۳۰ سال سے جب خاندان کے افراد کی تعداد زیادہ بڑھ گئی اور مختلف پسند وذائقہ کے کھانا کھانے والے لوگ ہوگئے تو فرم نے مشترک باورچی خانہ کا طریقہ ختم کرکے فی نظر، یعنی فی یونٹ کے حساب سے خرچہ کا روپیہ مقرر کرکے تمام افرادخاندان میں خود پکانے اور کھانے کا نظم قائم کیا، یعنی اس مقررہ روپیہ سے جو کھانا یا جیسا کھانا لوگ کھانا چاہتے ہیں کھائیں اور کھلائیں۔

چونکہ محمود صاحب مرتبہ اور رشتہ میں سب لوگوں کے چچا ہو۔تے ہیں اور اسی لئے سب چھ بھتیجوں نے محمود صاحب

سے کہا کہ وہ خاندان کے بڑے ہیں اور ان کے صرف ایک ہی اولاد ہے، اس لیے ان پر فی یونٹ کی رقم کا نفاذ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ وہ جس قدر مناسب سمجھیں اپنے خرچ کے لیے کیا کریں، اسی پر محمود صاحب فی یونٹ کی مقررہ رقم سے تقریباً دوگنا روپیہ لیتے رہے جس پر کبھی کسی کو کوئی عذر اعتراض نہیں ہوا۔

محمود صاحب اول تین بھتیجوں (انصار احمد، اظہار احمد، مختار احمد) سے عمر میں چھوٹے ہیں اور دوسرے تین بھتیجوں (سرور احمد، منصور احمد، مسرور احمد) سے عمر میں بڑے ہیں، اس وقت سرور احمد کی عمر تقریباً ۵۰ سال ہے اور محمود صاحب جو چچا ہیں ان کے لڑکے محمود احسن کی عمر اس وقت تقریباً ۲۶ سال ہے۔

سعید اللہ مرحوم کی جائداد میں مذکورہ چھ ۶ بھتیجوں نے مزید اضافہ کیا اور تجارت کو بھی وسیع تر کیا ہے، جبکہ محمود صاحب ہمیشہ تجارت، زمین داری کے کاموں اور تجارت کے معاملہ سے بالکل علیحدہ رہے، ان کی حیثیت صرف گھر کے بڑے کی سی رہی، ان کو کاروبار اور زمین داری وغیرہ کے کاموں سے بھی کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ ان کا لڑکا محمود احسن اپنی کم عمری میں اور تعلیمی مشاغل کی بناء پر نہ تو تجارتی کاموں میں شریک رہا اور نہ زمین داری وغیرہ کے معاملات میں اس کو کوئی دخل رہا۔

۱۹۶۱ء میں چھ بھتیجوں اور چچا محمود صاحب کے درمیان صرف روپے کی تقسیم ہوئی۔ اس وقت سعید اللہ مرحوم کے مشترک خاندان کی کئی فرمیں تھیں، سب فرموں کا روپیہ یکجا کر کے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ دو حصے چچا (محمود صاحب) نے یہ کہہ کر لیے کہ ایک حصہ میرا اپنا اور ایک میرے لڑکے محمود احسن کا ہے، باقی چھ ۶ کو ایک ایک ہر بھتیجے کو ملا۔ چچا کو دو حصے سب لوگوں نے بخوشی و بہ رضا دیے تھے۔

چونکہ خاندان کے ساتوں افراد پر حج فرض تھا ان میں سے تین بھتیجے اور ایک چچا محمود صاحب نے حج نہیں کیا تھا۔ اس لئے ۱۹۶۱ء میں رقم کے بٹوارے کے وقت جو لوگ حج نہیں کیے ہوئے تھے مع ان کی بہوؤں کے سب لوگوں کو ایک مقرر اور مساوی رقم حج کرنے کے لیے دے دی گئی اور محمود صاحب نے اپنے لڑکے محمود احسن اور آئندہ ہونے والی بہو کے حج کے لئے بھی روپیہ لے لیا، یعنی چچا محمود صاحب کو دو حج کے لئے رقم ملی۔

اب جائداد شہری املاک، زمین داری باغ و باغیچہ وغیرہ کے بٹوارے کے موقع پر محمود چچا کا کہنا یہ ہے کہ وہ تمام جائداد کا ۱/۲ نصف لیں گے۔ اور باقی نصف میں دیگر چھ بھتیجوں کا حصہ ہے، حالانکہ اب تک زمین داری کے باغ، باغیچہ اور کھیت وغیرہ سے جو فصل گھر پر آتی رہی اس کی تقسیم میں اب تک کوئی تفریق نہیں برتی گئی، یعنی آئی ہوئی چیز کے سات برابر

حصے ہوتے رہے ہیں اور ایک حصہ ملتا رہا۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں دریافت طلب شرعی امر یہ ہے:

☆ مذکورہ بالا سعید اللہ مرحوم کے مشترک خاندان کی مشترک جائداد کی شرعی تقسیم کس طرح کی جائے؟

☆ محمود صاحب جو بچا ہیں اور جن کے متعلق اوپر تفصیل دی جاچکی ہے ان کا نصف حصہ جائداد لینا درست ہے؟

شجرہ نسب یہ ہے:

کلیم الدین	[سعید اللہ مرحوم]	عظیم الدین
مسعود احمد		محمود اختر
زوجہ اول	زوجہ ثانی	محمود احسن

انصار احمد   اظہار احمد   مختار احمد   سرور احمد   منصور احمد   مسرور احمد

المستفتی ایم انصاری

الجواب وباللہ التوفیق:

صورت مسئولہ میں سعید اللہ مرحوم کے کل وارث صرف دو لڑکے (کلیم الدین، عظیم الدین) ہیں، اس لیے سعید اللہ مرحوم کا کل ترکہ حقوق متقدمہ جیسے تجہیز و تکفین قرض وغیرہ ادا کرنے کے بعد دو برابر حصوں میں تقسیم ہو کر آدھا آدھا دونوں لڑکوں کا حق ہوا، پھر کلیم الدین کے بھی ایک ہی لڑکا مسعود احمد اور عظیم الدین کا بھی ایک ہی لڑکا محمود اختر ہے، اس لیے وہ پھر آدھا آدھا ان دونوں (مسعود احمد و محمود اختر) کا حق قائم رہا، یہاں تک تو بات صاف ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالی نے مسعود احمد کو چھ ۶ لڑکے دیئے اور محمود اختر کو صرف ایک لڑکا دیا، یہاں سے توازن بدلا اور ترقی بھی اسی زمانہ میں ہوئی جس میں مسعود احمد کے لڑکوں کی محنت کا زیادہ دخل تھا۔ حسب تحریر سوال معلوم ہوتا ہے اور محمود اختر صاحب صرف گھر کے بڑے کی حیثیت میں رہے، گھر کے بڑے کی حیثیت کا مفہوم گھر کے سربراہ و نگراں۔

نیز سوال کی عبارت سے ظاہری متبادر یہی ہے کہ مسعود احمد کے لڑکوں کا یہ ترقی کرنا اپنے کسی ذاتی سرمایہ سے نہیں ہے بلکہ خاندانی مشترک سرمایہ سے ہے۔

اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس زیادتی و ترقی کے بارے میں آپس میں کوئی معاہدہ ہو تو حکم معاہدہ کے مطابق ہوگا، ورنہ ترقی دینے والے معاون و متبرع کے حیثیت میں ہوں گے اور شرعی ضابطہ (لا اجر للعامل المتبرع) کسی اجرت یا حق المحنت کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رہتا، البتہ اگر کوئی خود عوض کا تبرع کر دے تو دیانۃً ایسا ضروری یا بہتر رہتا ہے۔

پس اگر واقعہ اسی طرح ہو کہ اس ترقی شدہ (اور بڑھوتری) خاندان کے مشترکہ سرمایہ کے علاوہ مسعود احمد مرحوم کے لڑکوں نے اپنا ذاتی سرمایہ نہیں لگایا ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی معاہدہ و معاملہ طے ہوا ہے تو ان ترقی شدہ چیزوں میں بھی آدھا آدھا تقسیم ہونا چاہئے تھا کما یوخذ من البحر والرد والفتح للفتاوی الآمدیۃ وغیرھا۔ لیکن چونکہ نقد کے بٹوارے میں پھر اس طرح حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں رقوم دینے کی صورت میں محمود احمد نے خود اپنا حصہ ہر شخص کے اعتبار سے الگ الگ اعتبار کرنے میں ہر شخص سے صرف دوگنا لیا ہے، یعنی آٹھ سہام میں صرف دو سہام لیا ہے، جس کا حاصل یہ ہیکہ بجائے مجموعہ کے اعتبار سے نصف کے صرف چوتھائی حصہ لیا ہے، یعنی بجائے ۴ سہام کے صرف دو سہام لیا ہے، گویا دو سہام کی مقدار لے کر بقیہ دو سہام کا مسعود احمد مرحوم کے لڑکوں کے تبرع کے عوض میں تبرع کیا ہے جو محمود اختر کے لیے بہتر تھا۔ اور یہ عمل محمود کا دستور العمل بن گیا۔ جو معاہدہ قولی گر چہ نہیں ہے مگر اس کے ہم معنی ہوگیا ہے، لہذا اب محمود احمد کے لیے زیب یہی ہے کہ جائداد غیر منقولہ میں بھی یہی رویہ اختیار کریں اور آٹھ سہام سے صرف دو سہام لیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

كتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند

ملازم کے مرنے کے بعد فنڈ کا حکم:

عبدالعلیم ملٹری ملازم ہے، انہوں نے سرکاری ملازمت میں لکھا تھا کہ دوران ملازمت وفات ہو جانے کی صورت میں ان کے پرائیویٹ فنڈ کی جمع شدہ رقم جو کچھ بھی ہو ان کی اہلیہ کو دے دی جائے۔ قضائے الٰہی سے ان کی وفات دوران ملازمت واقع ہوگئی، اور محکمہ نے کل رقم مرحوم کی منشاء اور تحریر کے مطابق بیوہ کو دے دی۔ مرحوم عبدالعلیم کے ایک فرزند اور بیوہ و تین دختران ہیں، جو سب کے سب عاقل بالغ اور شادی شدہ ہیں۔ ان میں ایک لڑکی عرصہ سے پاکستان میں مقیم ہے اور اغلب ہے کہ وہاں کی شہریت حاصل ہو چکی ہے۔ اس کا شوہر پاکستانی شہری ہے۔ از راہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ:

پاکستان چلے جانیوالے وارث کا حصہ:

☆ کیا پاکستان میں جا کر بس جانے والی لڑکی ترکۂ پدری کی حقدار ہے؟

☆ کیا وہ رقم جو مرحوم نے پرائیویٹ فنڈ کی شکل میں بیوہ کے نام لکھا تھا اور جو بیوہ کو مل چکی ہے، ورثاء میں قابل تقسیم ہے؟

☆ ترکہ کی تقسیم کا شرعی اصول مابین ورثاء کیا برتا جانا چاہئے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- ہاں وہاں جا کر بس جانے والی لڑکی بھی حسب تخریج شرعی حقدار ہے، تخریج شرعی کی تفصیل نمبر ۵ کے جواب میں مذکور ہے۔

۲- فنڈ میں جمع شدہ رقم کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ رقم کا وہ ہے جو مرحوم کی تنخواہ سے کٹی ہوئی رقم کے علاوہ ہے اور اس کو حکومت نے خود اس میں شامل کیا ہے۔ اس زائد رقم کی مالک و مستحق تنہا مرحوم کی بیوہ ہے۔ اس میں کسی اور وارث کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ جو حصہ فنڈ کا مرحوم کی تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوا ہے وہ حصہ شرعاً دین واجب الاداء بذمہ حکومت تھا، اس کے بارے میں مرحوم کی یہ وصیت شرعاً "**تمليك الدين على من ليس عليه الدين**" ہونے کی وجہ سے شرعاً درست نہیں ہے، بلکہ یہ حصہ فنڈ مرحوم کا ترکہ شرعی ہے جو مرحوم کے تمام ورثاء پر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا، اور بیوہ کے تنہا، اس پر قبضہ کر لینے سے بقیہ ورثاء شرعی کا حصہ سوخت نہ ہوگا۔ تخریج شرعی کی تفصیل نمبر ۵ کے جواب میں ملاحظہ ہو۔

۳- ڈاکخانہ و بینک وغیرہ میں جمع کی ہوئی رقم میں بھی حق ورثاء کو پہنچتا ہے وہ رقم بھی حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگی، تخریج شرعی کی تفصیل نمبر ۵ کے جواب میں درج ہے، البتہ اپنی جمع کی ہوئی رقم سے زائد جو رقم سود کی ملتی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرحوم کے ذمہ کچھ انکم ٹیکس وغیرہ منجانب حکومت عائد ہو اس میں وہ سود کے نام والی رقم دے دی جائے۔ اور اگر منجانب حکومت کوئی ایسا مطالبہ نہ ہو یا بعد ادائیگی مطالبہ بچ جائے اس کو ان ورثاء کو دے سکتے ہیں جو غریب و محتاج ہوں، اور اگر ورثاء میں کوئی محتاج و غریب نہ ہو تو بلانیت ثواب بطور صدقہ کے غریبوں، محتاجوں کو دے دیا جائے۔

(۴) اگر مرحوم پر حج فرض نہیں تھا یا فرض تھا، مگر مرحوم نے اپنا حج کرانے کی وصیت نہیں کی ہے، بلکہ محض ارادہ ہی ارادہ ظاہر کیا تھا، تو وہ رقم بھی ترکہ شمار ہوگی۔ اور اس میں بھی حسب تخریج شرعی تقسیم جاری ہوگی، تفصیل تقسیم نمبر کے جواب میں مذکور ہے، اور اگر مرحوم پر حج فرض تھا اور مرحوم نے حج کے لیے وصیت بھی کی تھی اور وہ رقم تہائی ترکہ کے اندر ہے تو اس سے حسب وصیت حج بدل کرایا جائے۔ حج بدل کرانے کے بعد جو رقم بچے گی وہ ترکہ شمار ہو کر حسب تخریج شرعی ورثہ پر تقسیم ہوگی۔

۶،۵-مرحوم عبدالعلیم کے مرنے کے وقت اگر مرحوم کے باپ وماں زندہ نہیں تھے تو مرحوم عبدالعلیم کا کل ترکہ،خواہ بصورت مکان ہو یا بصورت سامان یا زیورات ونقد ہو یا بینک وغیرہ کسی جگہ جمع شدہ ہو،ان سب کے مجموعہ میں سے پہلے بیوہ کا مہر جو باقی ہے وہ ادا کیا جائے۔اسی طرح اگر اور کوئی قرض باقی ہے تو اسے ادا کیا جائے،پھر اس کے بعد باقی ترکہ صرف ایک تہائی کے اندر مرحوم کی وصیت صحیحہ نافذ کی جائے،پھر اس کے بعد جو کچھ ترکہ بچے اس کو چالیس سہام پر تقسیم کردیں۔ چالیس سہام میں پانچ سہام بیوہ کا حق ہوگا اور چودہ سہام فرزند کا حق ہوگا اور سات سات سہام تینوں لڑکیوں کا حق ہوگا، جو لڑکی کسی غیر ملک کی شہری ہوگئی ہے محض اس سے اس کا حق وراثت سوخت نہ ہوگا،بلکہ اس کا حصہ محفوظ رکھ کر اس کو مطلع کیا جائے، اور اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے،یا اس سے بیع وشراء وغیرہ کا کوئی شرعی معاملہ بذریعہ مراسلت وغیرہ کرلیا جائے، اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔اگر مرحوم کے انتقال کے وقت ماں یا باپ کوئی زندہ تھے تو ان کو واضح کر کے پھر تخریج شرعی معلوم کی جائے۔

نوٹ:یاد رہے کہ فنڈ میں جو رقم حکومت اپنی طرف سے ملاتی ہے وہ صورت مسئولہ میں مرحوم کا ترکہ نہیں ہے، بلکہ وہ رقم تنہا بیوہ کا حق ہے۔جیسا کہ نمبر ۲ کے جواب میں درج ہے،فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی،مفتی دارالعلوم دیوبند،سہارنپور ۳۰/۳/۹۶/۱۴۱۳ھ

فنڈ،گروپ انشورنس،ڈیتھ ریلیف اور گریجویٹی کی رقم کی تقسیم کس طرح ہوگی:

میرے دوست فاضل خان مرحوم کا گذشتہ سال انتقال ہوگیا،ان کی عمر تقریباً ۳۸ سال تھی،مرحوم ایک سرکاری فیکٹری میں کام کرتے تھے،مرحوم کے انتقال کے بعد فیکٹری کے قانون کے مطابق مختلف وجہ سے مرحوم کے ورثاء کو روپے ملیں گے۔

مرحوم کے خاندان کے مندرجہ ذیل افراد موجود ہیں:

ایک بڑا بھائی،ماں،بیوہ،بہن،ایک لڑکا،دولڑکیاں۔

مرحوم کے ورثا کو فنڈ،ڈیتھ ریلیف،اسکیم گروپ،انشورنس،گریجویٹی کی مد سے رقم ملے گی،ہر ایک مد سے ملنے والی رقم کی تفصیل اور مرحوم کا NOMINEE بنانا لکھا جارہا ہے،براہ کرم میراث کی تقسیم کا شرعی طریقہ تحریر فرمائیں۔

(۱) فنڈ-یہ وہ روپیہ ہے جو ہر ایک ملازم کے مشاہرے میں سے ماہانہ کاٹا جاتا ہے اور اخیر میں ریٹائر ہونے پر خود

ملازم کو اور مرنے کی صورت میں اس کے ورثاء کو دے دی جاتی ہے، اس کے لیے فیکٹری ہر ملازم سے فارم بھرواتی ہے اور NOMINATION مانگتی ہے۔ Nominee اس کو کہتے ہیں کہ خود فارم بھرنے والے کے مرنے کے بعد یہ روپیہ کس کو دیا جائے، مرحوم فاضل خاں نے ۱۹۶۵ء میں فارم بھر کر فیکٹری کو دیا تھا، اور Nomination اپنے بڑے بھائی کے نام کیا تھا، اس وقت مرحوم کی شادی نہیں ہوئی تھی، مرحوم کا نکاح ۱۹۷۰ء میں ہوا اور مرحوم کا انتقال ۱۹۷۹ء میں ہوا، اس درمیان میں مرحوم نے Nomination تبدیل نہیں کر یا خواہ اس کی اہمیت نہ جانتا ہو خواہ کوئی اور سبب ہو۔

فیکٹری کے قانون کے مطابق بڑا بھائی وراثت کا حق دار نہیں ہوتا ہے، لہٰذا فیکٹری نے مرحوم کے اس بھرے ہوئے Nomination کو باطل قرار دے دیا فیکٹری یہ روپے اس کی بیوی کو دے گی، لیکن عدالت سے ایک مخصوص سرٹیفکٹ لانے کے بعد جس کا نام سلیکشن سرٹیفکٹ ہے، فیکٹری نے مرحوم کے بڑے بھائی کو لکھ کر دیا ہے کہ فنڈ کے روپے آپ کو نہیں مل سکتے بلکہ یہ رقم بیوی کو دی جائے گی۔

براہ کرم اس رقم کا شرعی حصہ تحریر فرمائیں کہ کس وارث کو کتنا ملے گا، فنڈ کی ملنے والی رقم بیس ہزار ۲۰۰۰۰ ہزار روپے ہے۔

(۲) گروپ انشورنس یہ وہ روپے ہیں جو فیکٹری بطور امداد کے ملازم کی وفات پا جانے کی صورت میں اس کے گھر والوں کو دیتی ہے۔ حیات کی صورت میں بھی ملازم کو نہیں دیا جاتا، اس کے لیے مشاہرہ سے کچھ نہیں کاٹا جاتا ہے، اس میں مرحوم نے فارم اپنی بیوی کے نام بھرا ہے، کیوں کہ اس فارم کے بھرنے کے وقت ان کی شادی ہو چکی تھی، فیکٹری نے یہ رقم مرحوم کی بیوی کو ادا کر دی، مرحوم کے لکھنے کے مطابق براہ کرم اس رقم کی شرعی تقسیم تحریر فرمائیں۔

(۳) ڈیتھ ریلیف اسکیم: اس فیکٹری میں ۲۰ ہزار ملازم ہیں، ہر ملازم اپنے ساتھی ملازم کی موت پر ایک روپیہ اپنے مشاہرہ میں سے کٹواتا ہے، اس لیے ایک مشت ۲۰۰۰۰ کی رقم مرنے والے کے گھر والوں کو دی جاتی ہے، یہ رقم بھی مرنے ہی کی صورت میں ملتی ہے، حیات میں نہیں ملتی، مرحوم بھی اس اسکیم کے ممبر تھے اس میں کوئی فارم نہیں بھروایا گیا ہے اور نہ ہی فیکٹری کی طرف سے مانگا گیا ہے، لیکن فیکٹری کا قانون یہ ہے کہ یہ روپے مرنے والے کی بیوی ہی کو دیتے ہیں، کسی دوسرے کو نہیں، اس طرح یہ رقم فیکٹری نے مرحوم کی بیوی کو دے دی۔

براہ کرم اس صورت میں شرعی تقسیم تحریر فرمادیں۔

(۴) گریجویٹی: وہ رقم ہے جو فیکٹری ملازم کو اس کے ریٹائر ہونے پر یا خود مر جانے کی صورت میں اس کے

گھر والوں کو دیتی ہے، اس میں فیکٹری دس ماہ سے بیس ماہ تک ماہانہ مشاہرہ کا مجموعہ دیتی ہے، یہ رقم ملازم کو حیات اور موت دونوں میں ادا کی جاتی ہے، اس کے لیے بھی فارم مانگتی ہے، مرحوم نے اس مخصوص فارم پر ۳۰ فیصدی والدہ کے نام اور ۷۰ فیصدی بیوی کے نام بھرا ہے اور اس پر فیکٹری کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے، فیکٹری بحیثیت لکھنے کے ادا کرے گی۔

براہ کرم اس رقم کی تقسیم شرعی بھی تحریر فرمائیں کہ کس وارث کو کتنا ملے گا اس مد سے ملنے والی رقم آٹھ ہزار ۸۰۰۰ روپے ہوگی۔

(۵) مشاہرہ اور بونس: مرحوم کی کچھ رقم بونس اور مشاہرہ کی شکل میں ملنے والی ہے اس میں کسی کا نام نہیں ہے اور نہ ہی فیکٹری کی جانب سے مانگا جاتا ہے اس رقم کی بھی شرعی تقسیم کیسے ہوگی۔

نوٹ: اس طرح مرحوم کی کل ملنے والی رقم کا مجموعہ ۷۰۰۰۰ ہزار روپے ہیں، مرحوم نے شادی سے قبل بڑے بھائی کے نام فارم بھرا تھا لیکن شادی کے بعد اور دوسرا فارم بھائی کے نام نہیں بھرا

المستفتی محمد اکرام الدین بی، ایچ، ای ایل بھوپال، اے پی

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئلہ ۲۴　　　　تص ۹۶

فاضل خان میت

ماں	بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی	بڑا بھائی	بیوہ بہن
۴	۳	—	۱۷	—	محروم	محروم
۱۶	۱۲	۳۴	۱۷	۱۷		

پرائیویٹ فنڈ مرحوم فاضل خان کا ترکہ ہے اور شرعاً اس کا حکم یہ ہے کہ بیوہ کا مہر اگر باقی ہے تو مہر اور جو کوئی قرض مرحوم کے ذمہ ہو تو وہ قرض غرض حقوق متقدمہ علی المیراث دینے کے بعد باقی چھیانوے حصوں پر تقسیم کر کے سولہ حصے ماں کے ہوں گے اور بارہ حصے بیوی کے ہوں گے اور چونتیس سہام لڑکے کا ہوگا اور سترہ لڑکی کے ہوں گے اور فارم میں محض بڑے بھائی کا نام لکھنے سے وہ رقم شرعاً بڑے بھائی کی ملکیت میں نہیں ہوگی۔

(۲) یہ رقم جو مرنے والے کے مرجانے کے بعد فیکٹری کی جانب سے مرنے والے کے گھر والوں کو ملتی ہے وہ رقم مرنے والے کا ترکہ نہیں ہوتی کہ اس پر سب ورثاء کو حسب تخریج شرعی حصہ ملے بلکہ یہ رقم عطیہ ہوتی ہے۔

بس فیکٹری یا محکمہ جس کو اور جن شرائط کے ساتھ دے گا وہی ان شرائط کے ساتھ مستحق وحقدار ہوں گے، لہٰذا محکمہ نے جن کو دیا ہے وہی اس کے مستحق وحقدار ہیں۔

(۳) اس رقم کا حکم بھی یہی ہے کہ مرحوم کا ترکہ نہیں ہے بلکہ عطیہ ہوگی اور فیکٹری اپنے ضابطہ کے مطابق جس کو دے گی صرف وہی اس کے حق دار و مستحق ہوں گے اور جب ضابطہ یہ ہے کہ گھر والوں میں سے بیوی ہی کو دیجاتی ہے اور بیوی ہی کو حسب ضابطہ دیا ہے تو بیوی ہی حق دار ہوگی۔

البتہ بیوی پر دیانتاً یہ لازم ہوگا کہ وہ اس رقم سے مرحوم کے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت اچھی طرح کرے اور مرحوم کی والدہ، بیوہ بہن وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور جہاں تک ہو سکے ان کی ضروریات کا لحاظ بھی رکھے۔

(۴) جب یہ قانون ہے کہ زندہ رہنے کی صورت میں ریٹائر ہونے پر یہ رقم خود اس کو اور اس کے مرجانے پر قانوناً اس کے ورثا کو دی جاتی ہے تو محض کسی ایک فرد کے دینے سے تنہا وہ شخص پوری رقم کا مستحق نہ ہوگا بلکہ حسب تخریج شرعی تمام ورثہ شرعی پر تقسیم ہوگی، یعنی اس رقم کے چھیانوے سہام بنا کر سولہ سہام ماں کو اور بارہ سہام بیوی کو اور چونتیس سہام لڑکے کو اور سترہ سترہ دونوں لڑکیوں کو ملیں گے۔

(۵) یہ رقم بھی حقوق متقدمہ علی المیراث کی ادائیگی کے بعد حسب تخریج شرعی تمام ورثاء شرعی کو سوال ۱ کے جواب کے مطابق ملے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۶/ ۴/ ۹۹ ۱۳ھ

کسی کو وارث قرار دینے یا نامزد کرنے سے قانوناً ورثاء کا استحقاق وراثت سوخت نہ ہوگا:

سوال: زید مرحوم نے اپنے پسماندگان میں دو حقیقی لڑکے تین لڑکیاں چھوڑیں، ان پانچوں اولاد کی تعلیم وتربیت، شادی بیاہ کے فرائض سے مرحوم عرصہ ہوا الحمدللہ سبکدوش ہو چکا تھا۔ زید نے ترکہ میں دو عدد بیمہ پالیسیاں چھوڑیں جن میں پہلی پالیسی کے لیے نامزد یا وراث ابتداء ہی سے بیمہ کمپنی کے قانون کی رو سے اپنے بڑے صاحبزادے کو قرار دیا اور دوسری پالیسی کا وارث اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو قرار دیا، لہٰذا اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

☆ زید اپنی کمپنی کے تنخواہ دار منیجنگ ڈائرکٹر تھے، جن کی تنخواہ میں سے باقاعدہ کمپنی کے قانون کے تحت ہر ماہ کچھ فنڈ کٹ کر جمع ہوتا تھا، اس جمع شدہ رقم کا بھی نامزد یا وارث بڑے لڑکے کو کیا یا از روئے شرع کیسا ہے؟

☆ زید اپنی قائم کردہ کمپنی ہی کے ساڑھے چار سو حصص کے مالک تھے جن کی تقسیم کے متعلق بالکل ابتداء ہی میں اپنے انتہائی رازدار شریک کار پر پورے طور پر واضح کر دیا کہ تمام حصص ان کے دونوں صاحبزادوں ہی میں تقسیم ہوں گے، لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس بات کا اعادہ انتقال سے کچھ عرصہ قبل بڑے صاحبزادے پر بھی کر چکے تھے اور دو ماہ قبل بشکل ہوش وحواس اپنی ایک صاحبزادی کی خواہش پر کہ ان میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہونا چاہئے۔ مرحوم پھر ایک مرتبہ واضح طور پر اپنے بڑے لڑکے اور دوسرے دیرینہ ومخلص شریک کار کے سامنے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ حصص لڑکیوں ہی میں تقسیم کیے جائیں، لہٰذا مندرجہ ساڑھے چار سو حصص میں سے مرحوم ڈیڑھ سو حصص میں حیات میں ہی بڑے لڑکے خلف اکبر کے نام اور دوسرے ڈیڑھ سو چھوٹے لڑکے خلف اصغر کے نام قانونی طور پر منتقل فرما چکے تھے، اب باقی ماندہ ڈیڑھ سو میں مرحوم کی خواہش کے مطابق فیصلہ شرع کیا ہے؟

☆ زید نے ترکہ میں چار پانچ ہزار کی رقم نقد چھوڑی اور اس کے لئے اپنے بڑے صاحبزادے کے واسطے وصیت فرمائی کہ یہ کل رقم ایصال ثواب کے لیے کار خیر میں صرف کی جائے۔ کیا اس صرف کرنے کے لیے دوسرے ورثہ کی اجازت ضروری ہے۔

سید محمد جیلانی ممبئی نمبر ۴

الجواب وباللہ التوفیق:

نوٹ: اولاد کی تعلیم وتربیت وشادی بیاہ کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی مورث مرحوم کی ملکیت میں ورثاء شرعی حسب تخریج شرعی اور حسب حکم شریعت حقدار ہوتے ہیں اور اس کے خلاف کسی کو اس میں کسی تغیر وتبدل کا اختیار نہیں ہوتا، اس تمہید کے بعد ہر نمبر کا جواب شرعی نمبر وار لکھا جاتا ہے۔

(۱) قانون کی رو سے کسی کو وارث قرار دینے سے یا نامزد کرنے سے دیگر ورثاء کا استحقاق وراثت سوخت یا ختم نہیں ہوتا، بلکہ شرعاً سب ورثہ حسب تخریج شرعی مستحق رہتے ہیں، لہٰذا محض دونوں نامزد شدہ ہی وارث نہ ہوں گے، بلکہ حکم شرعی یہ ہوگا کہ دونوں پالیسیوں میں زید مرحوم کا اپنا جمع کیا ہوا جتنا روپیہ ہے وہ تو سات حصوں پر تقسیم کر کے دو دو حصے زید

مرحوم کے دونوں لڑکوں کا حق ہوگا اور ایک ایک حصہ تینوں لڑکیوں کا حق ہوگا اور جو رقم اپنے جمع کیے ہوئے روپے سے زائد ملے اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو بغیر نیت ثواب کے، بلکہ اس کے وبال سے بچنے کی غرض سے جتنا جلد ہو سکے غریبوں، محتاجوں کو دے کر اپنی ملک سے نکال دینا چاہیے، ہاں اگر ورثہ میں خود کوئی غریب، محتاج و مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو بھی دے سکتے ہیں۔

(۲) فنڈ کی رقم کا بھی یہی حکم ہے کہ قانون کی رو سے مورث نے جس کو وارث نامزد کیا ہے صرف وہی مستحق نہ ہوگا، بلکہ تمام ورثاء شرعی حسب تخریج شرعی مستحق ہوں گے، اس کی تقسیم بھی سات برابر حصہ کرکے دو دو حصے دونوں لڑکوں کا حق ہوگا، اور ایک ایک حصہ تینوں لڑکیوں کا حق ہوگا نیز فنڈ میں اپنی تنخواہ سے کٹی ہوئی رقم سے زائد رقم جس کو محکمہ اپنی طرف سے ملاتا ہے یا اضافہ کرکے خود دیتا ہے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہوتا، بلکہ یہ زائد رقم بھی ملازم کا ترکہ شمار ہو کر حسب تخریج شرعی مثل اصل رقم کے تمام ورثائے شرعی پر تقسیم ہوگی۔

(۳) زید مرحوم نے ساڑھے چار سو حصص کے تقسیم کرنے کے بارے میں جو بات کہی ہے چونکہ وہ مرنے کے بعد تقسیم کرنے کے بارے میں ہے اس لیے اس کا حاصل وصیت کے ہوا، جبکہ وصیت کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے: **"لاوصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة"** (۱)، لہٰذا یہ وصیت تو محل کلام بن جائے گی، البتہ ڈیڑھ ڈیڑھ سو حصص جو خلف اکبر و خلف اصغر کے نام قانونی طور پر اپنی زندگی ہی میں منتقل کر چکے ہیں۔ پس اگر قانونی طور پر ان حصص کے اوپر ان لڑکوں کا قبضہ و تصرف بھی دے چکے تھے تو اس کی حقیقت ہبہ کی ہوئی اور وہ حصص (جن کا مجموعہ تین سو ہے) زید مرحوم کا ترکہ شمار نہ ہوگا، بلکہ ان لڑکوں کی ملکیت قرار پائیگی، البتہ ڈیڑھ سو حصص اگر زید مرحوم کے کل ترکہ کے تہائی کے اندر ہیں یا زائد ہیں ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر لڑکیاں زید مرحوم کے انتقال کے بعد اس وصیت کو نافذ کر دیں اور اپنی طرف سے بھائیوں کے حق میں دے دیں تو صرف دونوں بھائی حقدار ہوں گے، ورنہ جواب نمبر ۲ اور ۳ کی طرح ڈیڑھ سو حصوں کے اندر بھی حسب تخریج شرعی سات سہام میں سے ایک ایک سہم کی حقدار لڑکیاں ہوں گی، البتہ لڑکیاں اگر محتاج و ضرورت مند نہ ہوں تو ان کے لیے اعلیٰ بات یہی ہے کہ باپ کی وصیت کا احترام کریں اور حسب منشاء والد مرحوم اس وصیت کو نافذ کر دیں۔

(۴) یہ وصیت کہ کسی وارث کو ترکہ دینے کی وصیت نہیں ہے کہ حدیث پاک: **"لاوصیة لوارث الخ"** کا مصداق بنے، بلکہ یہ وصیت کارِ خیر میں صرف کرنے کے لیے ہے، اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر یہ چار پانچ ہزار کی رقم

۱- مشکوٰۃ/۲۶۵ باب الوصایا۔

مورث (موصی) کے کل ترکہ کے تہائی کے اندر ہے تو یہ نافذ ہوگی، البتہ سب بھائیوں کے علم میں لانا اس لیے مناسب ہوگا کہ کسی کو اس تصرف سے انکار نہ ہو، لہذا یہ قید صحیح و درست ہوگی، یعنی سب لڑکوں سے اجازت لینے کے بجائے ان کے علم میں لاکر صرف کرنا ضروری رہے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور

دو لڑکے اور چار لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم:

بابا میاں متوفی ہے اور ان کے دو لڑکے تھے وہ بھی انتقال ہو گئے، چار لڑکیاں تھیں جس میں سے دو زندہ ہیں، دو انتقال کر گئیں متوفی نے چودہ گنٹھے زمین ترکہ میں چھوڑی ہے اب جبکہ لڑکے تو زندہ نہیں ہیں لیکن دونوں لڑکوں میں سے ایک کی اولاد میں ایک لڑکی ہے اور دوسرے لڑکے کی بیوی زندہ ہے اس طرح جو دو لڑکیاں انتقال کر گئیں ان میں سے ایک لڑکی کو چار لڑکے ہیں دوسری لڑکی کی اولاد نہیں ہے نقشہ حسب ذیل ہے۔

بابا میاں

لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	حسن	ابراہیم
حسین بی	روشن بی	بالو بی	کلثوم بی	مرحوم	مرحوم
دونوں زندہ ہیں اولاد نہیں ہے		دونوں وفات پا چکی ہیں ایک کی اولاد ہے چار لڑکے		اس کی ایک لڑکی ہے	بیوی زندہ ہے اولاد نہیں

الجواب وباللہ التوفیق

بابا میاں کے مرنے کے وقت جب ان کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں زندہ تھیں، بابا میاں کا کل ترکہ آٹھ برابر حصوں پر تقسیم ہو کر دو دو حصے لڑکوں کا حق ہوگا اور ایک ایک حصہ چاروں لڑکیوں کا حق ہوگا، پھر ابراہیم کے مرنے پر انکے حق

وحصہ کا چوتھائی علاوہ دین مہر کے بیوہ کا حق ہوگا اور باقی تین چوتھائی کا حکم اس وقت معلوم ہوگا جب یہ معلوم ہوجائے کہ ابراہیم کے مرنے کے وقت بھائی بہنوں میں کون کون زندہ تھا، اسی طرح حسن کے مرنے پر حسن کے حق وحصہ کا آدھا ان کی لڑکی کا حق ہوگا اور باقی آدھے کا حکم اس وقت معلوم ہوگا جب یہ معلوم ہوجائے کہ حسن کے مرنے کے وقت کون کون زندہ تھا، اسی طرح دو فوت شدہ لڑکیوں کے حصوں کا حال ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ ان کے مرنے کے وقت کون کون زندہ تھا کوئی حکم واضح نہ ہوگا، سوال ادھورا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

دادا کا اپنے پوتے کو ہبہ یا وصیت کرنا:

(۱) یتیم پوتے کا حق دادا کے ترکہ میں ختم نہیں ہوتا، البتہ اس کا کوئی مقررہ حصہ نہیں ہے اور یہ بات صاحب جائداد کی صواب دید پر ہے کہ وہ اس سے وصیت یا ہبہ کے ذریعہ ۱/۳ یا اس سے کم دے اور اگر صاحب جائیداد نے وصیت یا ہبہ نہ کیا ہو تو یہ بات تمام وارثین کے صوابدید پر ہے کہ اس یتیم رشتہ دار (بھتیجا) کو کتنا دینا ہے طے کریں بہر حال یتیم کو محروم نہیں کیا جاسکتا کیا یہ درست ہے؟

(۲) اگر دادا نے اس پوتے کے بارے میں جس کے والد کا انتقال ان کے سامنے ہوگیا ہو دو گواہوں کی موجودگی میں زبانی وصیت کیا ہو کہ ان سے ۹/۲ حصہ ترکہ میں دیا جائے یا دوسرے لڑکوں کے برابر ہی اس پوتے کو بھی دیا جائے تو کیا یہ وصیت جائز ہوگی؟

(۳) اگر دادا نے یتیم پوتے کو زبانی ہبہ کے ذریعہ ۹/۲ حصہ دیا ہو اور اپنی زندگی میں اسے قبضہ دے کر دوسرے وارثین سے یہ کہہ دیا ہو کہ فلاں (یتیم پوتا) کو بے دخل نہ کرنا تو کیا اسے بے دخل کرنا جائز ہوگا؟

ترکہ کی تقسیم کتنے دنوں میں ہونی چاہئے؟

(۴) صاحب جائیداد کی وفات کے بعد کتنے دنوں کے اندر تقسیم ہونا چاہیے؟

(۵) کیا ترکہ کو تقسیم نہ کرنا جائز ہے جب کہ کچھ وارثین ترکہ کے تقسیم کیے جانے کے خواہش مند ہوں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

(۱) یتیم پوتے کا حق دادا کے ترکہ میں سے ہر حال میں ختم نہیں ہوتا بلکہ یتیم پوتے کی وراثت کی ۲۷-۲۸

صورتیں ہیں اوران میں سے صرف ایک صورت یا دوصورتوں میں محروم ہوتا ہے باقی تمام صورتوں میں حق دار ہوتا ہے اورترکہ پاتا ہے (۱)، یہ تو مخالفین اسلام کا پروپیگنڈہ ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے احکام اسلامیہ کی اتباع سے ورغلایا جائے، البتہ دادا کے لئے یہ بہتر ہے کہ اگر یتیم پوتے کے محروم ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ غریب بھی ہو تو اپنی زندگی میں اس کو کچھ بذریعہ ہبہ دیدے یا محروم ہونے کی تقدیر پر ثلث کے اندر وصیت کردے۔ اسی طرح دادا کے مرنے پر محروم ہورہا ہو اور غریب ہو تو بقیہ ورثہ کے لئے بہتر ہے کہ اس کو بھی کچھ مناسب حصہ ترکہ میں سے دیدیں بالکل محروم نہ کریں۔

(۲و۳) یہ دونوں صورتیں جائز ہیں بلکہ بعض صورتوں میں بہتر ہوگا جیسا کہ نمبر ۱ کے جواب میں گذرا۔

(۴) ترکہ مستحقین کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہونا چاہیے اور جلد سے جلد تقسیم ہونا چاہیے، اس لئے کہ ترکہ میں ورثہ کی شرکتِ املاک قائم ہوجاتی ہے اور شرکت املاک سے جو چیز مشترک ہو اس میں بدون معاملہ شرعی کے ایک شریک کا کوئی تصرف جائز نہیں ہوتا (۲)، بلکہ غصب کے حکم میں ہوکر باعث گناہ ہوجاتا ہے۔

(۵) ضرور اور جلد قاعدہ شرعی کے مطابق تقسیم کردینا چاہیے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

دو بیویاں ہوں اور دونوں سے اولاد ہو تو ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

ہمارے والد مرحوم کے انتقال کے بعد ہم بھائیوں اور بہنوں میں جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ کھڑا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، اس لئے آپ سے مشورہ طلب ہے، جائیداد، زیورات، مکانات اور والدین اور اولاد حسب ذیل ہیں:

والد صاحب مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں عی بقید حیات ہیں اور زندہ ہیں اور ان سے جو اولاد ہوئی اس کی تفصیل اس طرح ہے بڑی بیوی (والدہ صاحبہ) سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں اور سب شادی شدہ ہیں اور لڑکے ملازم سرکار ہیں، چھوٹی بیوی (چھوٹی والدہ صاحبہ) کے دو بڑے لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، ان میں سے صرف ایک لڑکے اور لڑکی کی شادی ہوتا ہے، انکی عمر ۱۵؍سال اور لڑکے کی عمر ۱۷؍سال ہے، لڑکا زیر تعلیم ہے (ITI) کررہا ہے جائیداد کی تفصیل پوری

۱- (۲۸ صورتیں ہیں جن میں سے ایک مہمل ہے جو تیرہویں صورت ہے ۵ اویں صورت پر محجوب ہے باقی تمام صورتوں میں حصہ پاتا ہے، دیکھئے پوتے کی وراثت از مولانا عبدالرزاق مظاہری قاضی شریعت کٹیہار، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ بمبئی) (ماخوذ از پوتے کی وراثت)۔

۲- ''فاما شركة الاملاك فحكمها في النوعين جميعا واحد وهو ان كل واحد من الشريكين كانه اجنبي في نصيب صاحبه لا يجوز له التصرف فيه بغير اذنه'' (بدائع الصنائع ۵/ ۸۷، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

جائیداد ½ ۱۳۰ ایکڑ ہے جس میں سے ½ ۵ ایکڑ تری اور ۲۵ ایکڑ خشکی ہے تری جائیداد میں دو تالاب ہیں جسمیں کرنٹ موٹر رٹ ہے۔ مکانات پانچ ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی کھلی جگہ ہے۔ زیورات آٹھ تولہ سونا اور ۲۰۰ تولے چاندی ہے، آپ سے معلوم کرنا یہ ہے کہ پوری جائیداد کو مساوی حصوں میں لڑکوں میں تقسیم کریں تو لڑکیوں کو کتنا حصہ نکال کر کریں، ہر ایک کو کتنا اور کس حساب سے دیں یہاں اپنے رشتہ داروں میں یہ بحث بہت گرم ہے کہ جائیداد کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کریں کیونکہ دو والدین ہیں دو حصے کر کے، ایک حصہ بڑی بیوی کے بچوں میں تقسیم اور دوسرا حصہ دوسری بیوی کے بچوں میں تقسیم کریں یہ کہاں تک صحیح ہے؟ میرے خیال میں پوری جائیداد دونوں والدین کی اولاد میں مساوی تقسیم ہونا چاہئے، پوری جائیداد کا لڑکیوں کو کتنا حصہ اور کس حساب سے ملنا چاہیے، اس کے علاوہ والد صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں کچھ جائیداد بڑے بیٹے یعنی ہمارے بڑے بھائی صاحب کے نام کیے تھے، جب ساری جائداد تقسیم ہوتی ہے تو پھر والدہ صاحبہ کا مکان اور بھائی صاحب کی زمین جو ان کے نام پر ہے وہ تقسیم میں لایا جائے یا وہ لوگوں کے نام سے جو جائداد ہے وہ اُن ہی لوگوں کو دے کر پھر بچی ہوئی جائداد میں بھی حصہ دیا جائے معلوم کریں، اس کے علاوہ دونوں والدین کو جائیداد میں کتنا حصہ نکالنا چاہیے اور ان کی زندگی کے بعد اس جائداد کو پھر تقسیم کرلیں یا کیا کریں معلوم کریں۔ اور ایک بات یہ دریافت کرنا ہے کہ جائداد تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں جب کہ دونوں والدین زندہ ہیں جائداد میں دونوں والدین کا کہاں تک حق ہوتا ہے، اگر جائداد تقسیم کرلیں تو ان کی گذر بسر کے لئے کیا دیں اور جو لڑکا اور لڑکی غیر شادی شدہ ہیں ان کو جائیداد کا کتنا حصہ دینا چاہیے، لڑکیوں کو دو آنے حصہ میں برابر تقسیم کرنا چاہیے یا چار آنے حصہ میں تقسیم کرنا چاہیے معلوم کریں، یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ جس وقت جائداد تقسیم ہوگی اس وقت بڑے بھائی کو اوپر کا حصہ یعنی مغرب کی طرف سے دینا چاہیے یہ کہاں تک صحیح ہے، دوسرا یہ کہ اگر دونوں والدین اپنی زندگی تک جائیداد تقسیم نہیں کرنا چاہیں تو وہ کہاں تک صحیح ہے، والد صاحب نے اپنی زندگی میں بڑے بیٹے کی تنخواہ سے پیسے جمع کر کے ان کی شادی میں دو تولے سونے کی چیز بنا کر ڈالے تھے اب وہ تقسیم میں نہیں لانا چاہتے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہے جب کہ دوسرا لڑکا بھی تنخواہ دے دیا لیکن والد صاحب کوئی چیز بنا کر نہیں دیئے بلکہ دوسرے کاموں میں خرچ کر لئے، تمام تفصیلات شریعت کی روشنی میں اپنی فرصت کے اولین اوقات میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

بر تقدیر صورت سوال صورت مسئولہ کا حکم شرعی یہ ہے کہ مرحوم (والد) کے کل ترکہ میں سے پہلے حقوق متقدمہ علی

المیراث (جیسے قرض اور جن بیویوں کا مہر باقی ہو ان کا مہر) دینے کے بعد باقی ترکہ ایک سو چوالیس برابر حصوں میں تقسیم کر کے نو نو حصہ دونوں بیویوں کا حق ہوگا اور چودہ چودہ حصے پانچوں لڑکوں کا حق ہوگا اور سات سات حصے آٹھوں لڑکیوں کا حق ہوگا۔ پہلی بیوی یا دوسری بیوی کی اولاد ہونے سے اس تقسیم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اسی طرح بعض اولاد کے غیر شادی شدہ وغیرہ ہونے سے بھی کوئی اثر نہ پڑے گا۔ البتہ جو اولاد زیر تعلیم ہو یا جس کی شادی باقی ہو اس کے اخراجات میں سب ورثہ کو حسب استطاعت شرکت کرنا بہتر ہوگا۔

بڑے لڑکے یا دوسری بیوی کے نام کچھ جائداد محض لکھنے سے وہ جائداد ان کی ملک نہ شمار ہوگی بلکہ ترکہ شمار ہوگی اوپر لکھے ہوئے قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔ البتہ جو زیور لڑکے کے پیسے سے بنوا کر اس کی شادی میں دیدیا وہ اس لڑکے یا اس کی بیوی جس کو دیا وہ اس کی مالک ہوگئی اور اس میں یہ تقسیم جاری نہ ہوگی۔

یہ کہنا کہ مغرب کی طرف یا اوپر کا بڑے لڑکے کا حق ہوگا یہ بھی غلط ہے۔ البتہ یہ بات الگ ہے کہ سب ورثہ اپنی خوشی و مرضی سے اس کو اس کی منشاء پر مطابق سمت کا دیدیں باقی وہ خود اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب ورثہ شرعاً بالغ ہیں تو سب کی اجازت و مرضی سے اگر جائداد ابھی تقسیم نہ کی جائے بلکہ سب کے مشورہ سے اس کا کوئی ایک فرد قرار دے کر مشترک رکھی جائے جیسا کہ بیوگان کہتی ہیں تو یہ بھی درست رہے گا، لیکن جب اور جس وقت جو وارث تقسیم چاہے گا اس کا حصہ تقسیم کر کے دیدینا ہوگا۔

مورث متوفی مسئلہ تص ۱۴۴

زوجۂ اولی	زوجۂ ثانیہ	ابن ازاولی	ابن ازاولی	ابن ازاولی	ابن ازثانیہ	ابن ازثانیہ	
۹	۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	
بنت ازاولی	بنت ازاولی	بنت ازاولی	بنت ازاولی	بنت ازثانیہ	بنت ازثانیہ	بنت ازثانیہ	بنت ازثانیہ
۷	۷	۷	۷	۷	۷	۷	۷

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

ایک بھائی کے ورثہ کے درمیان مشترک کاروبار کی تقسیم:

۱-دو بھائی کاروبار میں شرکت کرتے ہیں اور نفع کو برابر تقسیم کرتے ہیں، اس میں ایک بھائی کا انتقال ہوجاتا ہے تو کاروبار کا اثاثہ کس طرح تقسیم ہوگا جب کہ انتقال کرنے والے بھائی نے تقریباً ۲ لاکھ روپیہ مشترک کاروبار میں لگائے ہیں اور دوسرے بھائی نے تقریباً ۵ ہزار روپئے لگائے ہیں، موجودہ بھائی اب مرحوم کے ورثہ سے کہتے ہیں کہ موجودہ دوکان وگودام کا اسٹاک نصف ہم لیں گے اور نصف میں سے مرحوم کے ورثہ میں تقسیم کریں گے جو حصہ اس کا نکلے گا دیں گے اور جو تقسیم کروں گا وہ جب اسٹاک ہوا تھا اس وقت کے حساب سے کروں گا؟

۲-ایک بھائی کے انتقال ہونے کے باوجود جو چیزیں ترکہ میں چھوڑی ہیں اس میں سے ایک ایسی مارکیٹ بھی ہے جسکی دوکانیں کرایہ پر اٹھائی ہوئی ہیں اور جس میں معقول آمدنی ہے، مارکیٹ کے اوپر کا حصہ جو مکان کی شکل میں ہے وہ ایسے کرائے داروں کے ہاتھ میں ہے جو نہ تو کرایہ ہی دیتے اور نہ ہی دکان کو خالی کرتے ہیں تو ایسی شکل میں مارکیٹ کا کرایہ آتا ہے، وہ وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا جب کہ مرحوم زوجہ اور بالغ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑ گئے ہیں۔

۳-دو فریق آپس میں شراکت میں کام کرتے تھے جس میں سے ایک فریق کا انتقال ہوجاتا ہے جب کہ دوسرے فریق سے کہا جاتا ہے کہ دوکان گودام کا اسٹاک کر کے مرحوم کے ورثہ کو ان کا حق دو تو موجود فریق کہتے ہیں کہ ابھی ہم تقسیم نہیں کریں گے، جب مرحوم کی دو غیر شادی شدہ لڑکیوں کی شادی ہوجائے گی تو ان کے ایک سال بعد تقسیم کروں گا، شرعاً ان کا کہنا کہاں تک درست ہے؟

۴-موجود فریق جو اس وقت پورے مال کے مالک ہیں انھوں نے اسٹاک دوکان گودام کا بھی کرایہ لیا ہے اور ابھی تک مرحوم کے ورثہ کو یہ بھید نہیں بتانے کی زحمت گوارہ کیا ہے کہ مرحوم کیا مال چھوڑ گئے ہیں جس کے تم لوگ وارث ہو جب کہ انتقال ہوئے ۵ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-حسب تحریر سوال نفع کی حصہ داری شرکت کی بنیاد پر تھی، ایک شریک کے فوت ہوجانے سے شرعاً شرکت ختم ہوگئی اور جب شرکت ختم ہوگئی تو سابق شرکت کی بنیاد پر نفع کا معاملہ بھی ختم ہوگیا، پس زندگی میں جو نفع ہوا اس میں تو حسب معاہدہ برابر کا حق موجود بھائی کو ہوگا، باقی کل سرمایہ واسٹاک سب ترکہ بن گیا اور اس میں دو لاکھ اور پانچ ہزار کی نسبت سے

حصہ داری ہوگی، یعنی دولاکھ سرمایہ لگانے والے شریک کا دولاکھ کی نسبت سے حق ہوگا اور پانچ ہزار سرمایہ لگانے والے کا پانچ ہزار کی نسبت سے حق ہوگا۔

موجودہ بھائی کا سب اسٹاک وسرمایہ پر نصف کا استحقاق غلط ہے شرعاً صحیح نہیں، پس محض نصف میں سے مرحوم کے ورثہ کو دینا شرعاً صحیح نہیں بلکہ مرحوم کا جو کچھ حق وحصہ تھا وہ سب مرحوم کا ترکہ شمار کر کے شرعاً مرحوم کے ورثہ شرعی پر حسب تخریج شرعی تقسیم ہوگا۔

۲-مذکورہ مارکیٹ کی عمارتوں کی مالیت وسرمایہ کی تقسیم بھی اسی دولاکھ اور پانچ ہزار کے حساب سے ہوگی، اگر اس سلسلہ میں بھائیوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو ورنہ جو معاہدہ رہا ہوگا اس کے مطابق حکم شرعی ہوگا، البتہ مرحوم کی زندگی کا جو کرایہ ہوگا وہ حسب جواب نمبر ا نصف نصف تقسیم ہوگا اور مرحوم کے انتقال کے بعد کے کرایہ میں مرحوم کے ورثہ سے جیسا معاہدہ ومعاملہ ہوگا حکم اس کے مطابق ہوگا۔

۳-موجود شریک کا یہ کہنا شرعاً صحیح نہیں ہے، شرعاً مسئلہ یہ ہے کہ مورث کا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے وہ تمام ورثہ میں املاک کے مطابق مشترک ہوجاتا ہے اور حکم شرعی یہ ہے کہ بغیر شرعی ضابطہ کے مطابق کوئی عمل کئے ہوئے کسی شریک کا اس میں تصرف کرنا صحیح وجائز نہیں ہوتا(۱)، پس حسب تخریج شرعی حصہ کشی کر کے نابالغین کا حصہ محفوظ کرلیا جائے اور اس کے بعد جتنے ورثہ شرعی نہیں وہ سب اپنے اپنے حصہ کے بارے میں کسی ایک شریک کو اگر اپنا وکیل یا وصی بنادیں تو وہ وکیل یا وصی اس کے مطابق عمل کرسکتا ہے اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کے معاملہ میں یہ بھی کرسکتے ہیں کہ ان کا حصہ ان کو تملیکاً دیدیا جائے یا محفوظ رکھ کر سب بھائی بچا وغیرہ عصبات حسب حیثیت واستطاعت تبرعاً اس کی شادی شرع کے مطابق کردیں۔

۴- اس سوال کا جواب نمبر ۳ کے جواب سے معلوم ہوچکا کہ تقسیم شرعی ترکہ میں تصرف سے پہلے کردینا چاہیے تاخیر بھی صحیح نہیں ہاں اوپر لکھے قاعدہ کے مطابق کوئی معاملہ شرعی کر کے اس کے مطابق عمل کرنا صحیح رہے گا ورنہ غصب کے گناہ کا ارتکاب ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

۱- ’’فاما شرکۃ الاملاک فحکمھا فی النوعین جمیعا واحد وھو ان کل واحد من الشریکین کانہ اجنبی فی نصیب صاحبہ لایجوز لہ التصرف فیہ بغیر اذنہ‘‘ (بدائع الصنائع ۵/ ۸۷، مکتبہ زکریا)۔

مناسخہ:

مرحوم عبدالرحیم کا انتقال ہوا اس نے دو لڑکے منظور احمد اور اللہ جاوایا اور ایک لڑکی اللہ جاوائی، چھوڑی اس کے بعد منظور احمد کا انتقال ہوا تو اس نے ایک زوجہ مسماۃ صغری ایک لڑکا مسمی مقبول احمد دو لڑکیاں مسماۃ زبیدہ اور بسم اللہ کو چھوڑا پھر اس کے بعد بسم اللہ کا انتقال ہوا اس نے ایک ماں صغری، ایک لڑکا مہدی حسن، ایک لڑکی امۃ المنان، ایک شوہر نبی حسن کو چھوڑا اس کے بعد مہدی حسن کا انتقال ہوا تو اس نے ایک بہن امۃ المنان، ایک باپ نبی حسن کو چھوڑا پھر نبی حسن کا انتقال ہوا تو اس نے ایک لڑکی امۃ المنان اور ایک بھائی امیر حسن اور ایک ماں عائشہ کو چھوڑا اس طرح عبدالرحیم کے متروکہ مکان میں امۃ المنان کو کتنا حصہ از روئے شرع ہے وضاحت فرماویں۔

نوٹ: صغری کے انتقال پر اس کا لڑکا مقبول احمد اور زبیدہ زندہ ہیں۔

بلال احمد (محلہ ابوالبرکات سفید مسجد دیوبند)

الجواب وبا اللہ التوفیق:

نوٹ: اس واقعہ کے متعلق کے سوالات آئے بعض نامکمل تھا بعض امور آپس میں متخالف تھے، اس لئے جواب سے معذرت کی گئی، اب سوال یہ کہہ کر لایا گیا ہے کہ فریقین کے افراد سے سمجھ کر جو سوال بالکل صحیح امور واقعہ کے مطابق ہے لایا گیا ہے، پس واقعۃ واقعہ اسی طرح پر ہے تو حکم شرعی وہ ہوگا، واقعہ اس کے خلاف ہوگا تو جو حقیقت واقعہ ہوگی شرعی حکم اس کے مطابق ہوگا وانا بری ء منہ اور دوسرے کاغذ پر جو تفصیلی تحریر وجواب ہے تو اس کا حال یہ ہے کہ برتقدیر صحت واقعہ وصحت سوال عبدالرحیم مرحوم کا ترکہ اور تقدیم ما تقدم ورفع موانع اکیاون ہزار آٹھ سو چالیس سہام پر تقسیم ہوکر اس میں سے ۲۰۷۳۶ سہام اللہ جاوایا کا حق ہوگا اور ۱۰۳۶۸ سہام اللہ جاوائی کا حق ہوگا اور ۹۰۷۲ سہام مقبول کا حق ہوگا اور ۴۵۳۶ سہام زبیدہ کا حق ہوگا اور ۲۳۳۱ سہام امۃ المنان کا حق ہوگا اور ۴۸۳ سہام عائشہ کا حق ہوگا اور ۴۴۶ سہام امیر حسن کا حق اور ۳۲۲ سہام ام خاتون کا حق ہوگا اور صغری کا ۳۳۴۸ سہام حق ہوگا اور سوال میں جو نوٹ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ صغری کا جتنا حصہ ہوگا وہ تین برابر حصوں (سہام) پر تقسیم ہوکر دو حصہ مقبول کا حق ہوگا اور ایک حصہ زبیدہ کا حق ہوگا۔

مسئلہ ۵　　　تصـــ ۸۰ تصـــ ۲۸۸۰　　　تصـــ ۵۱۸۴۰

عبدالرحیم　میـــــت

لڑکا	لڑکا	لڑکی
منظور احمد	اللہ جایا	اللہ جائی
۲	۲	۱
	۳۲	۱۶
	۱۱۵۲	۵۷۶
	۲۰۷۳۶	۱۰۳۶۸

مسئلہ ۸　　　تصـــ ۱۶/۳۲　　　تداخل　　تصـــ ۱/۲

منظور احمد　میـــــت

بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی
صغریٰ	مقبول احمد	بسم اللہ	زبیدہ
۱		۷	
۴	۱۴		۷
۱۴۴	۵۰۴		۲۵۲
۲۵۹۲	۹۰۷۲		۴۵۳۶

مسئلہ ۱۲ تصـ ۳۶ تباین تصـ ۷

بسم اللہ میت

شوہر	ماں	لڑکا	لڑکی
نبی حسن	صغریٰ	مہدی حسن	امۃ المنان
۳	۲		
۹	۶	۱۴	۷
۶۳	۴۲	۹۸	۴۹
	۷۵۶		۸۸۲

مسئلہ ۱ تصـ ۹۸

مہدی حسن میت

باپ	بہن
نبی حسن	امۃ المنان
۱	م
۹۸	

مسئلہ ۲　　تصـــ ۱۸　　تباین　　تصـــ ۱۲۱

نبی حسن میـــــــت

ماں	لڑکی	بھائی	بہن
عائشہ	امۃ المنان	امیر حسن	ام خاتون
۱	۳	۲	
۳	۹	۴	۲
۴۸۳	۱۴۴۹	۶۴۴	۳۲۲

المبلغ ۵۱۸۴۰

الاحـــــیـــاء

اللہ جلایا	اللہ جلائی	صغری	مقبول	زبید	امۃ المنان	عائشہ	امیر حسن	ام خاتون
۲۰۷۳۶	۱۰۳۶۸	۳۳۴۸	۹۰۷۲	۴۵۳۶	۲۳۳۱	۴۸۳	۶۴۴	۳۲۲

فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور

ایک لڑکی، ایک بہن اور بھانجے و بھانجی کے درمیان ترکہ کی تقسیم:

عظیم اللہ کا انتقال ہوا اور اس کے مال اور مکان کے ورثاء صرف ایک لڑکی ہے اور عظیم اللہ پر قرضہ ہے، ایک ہمشیرہ

کی اولاد چارلڑکے اور ایک لڑکی زندہ ہے اور انکے علاوہ اورکوئی حقدار وراثت کانہیں ہے اب اس وراثت کی تقسیم اورقرضہ کی ادائیگی شرعی طور پر کس کس طرح سے حصہ دار ہوئی چاہئے فقط۔

نوٹ مہر سوال کے جواب پر دارالافتاء کی مہر ہوئی ضروری ہے

نوٹ: عظیم اللہ کی ایک اور ہمشیرہ موجود ہے اور دوسری ہمشیرہ مرگئی ہے، البتہ اس کے اولاد چارلڑکے اور ایک لڑکی ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

ا۔حسب تحریر سوال عظیم اللہ پر جوقرضہ ہے اس کو ادا کیا جائے قرض ادا کرنے کے بعد جوترکہ بچے دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ لڑکی اور ایک ہمشیرہ جوزندہ ہے اس کو دیدیا جائے اور جو اولادیں دوسری (مرحومہ) ہمشیرہ کی ہیں وہ محروم رہیں گی۔ تخریج ھذا

عظیم اللہ

مسئلہ ۲

میت

بنت	اخت	اولاد والاخت
ا	ا	م

ھذا ما عندی فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

الجواب صحیح سید احمد علی سعید، محمد جمیل الرحمن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

بھانجہ، دادا کے بھائی کا پوتہ ونواسہ کے درمیان ترکہ کی تقسیم:

سید آفتاب علی پسر سید یعقوب علی نبیرہ سید منیر علی نے نہ کوئی پسر اولاد چھوڑی نہ دختری نہ بیوی، بہن بھائی نہ والدہ نہ والد چھوڑا تو حق وراثت کس کو پہنچتا ہے۔

شجرہ

سیدامام علی سیدمنیرعلی　　　　　　سیدرستم علی　　　　　　سیدولایت علی

سیدصدیق علی نواسہ سیدامام علی وخالہ زادبھائی یعقوب علی ہے سیدبشیرعلی بھانجا سیدآفتاب علی اور سیدخورشید ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سیدآفتاب علی متوفی کے ترکہ کا جبکہ وہ لاولد گذرے اور بیوی بھائی بہن وغیرہ بھی زندہ نہ تھے صرف سیدصدیق علی تو اس امام علی وخالہ زادبھائی سید یعقوب علی ہے اور سیدخورشیدعلی پوتا امام علی اور بشری احمد بھانجی سید یعقوب علی باقی رہے، اس صورت میں از روئے شرع ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

سیدآفتاب علی

مسئلہ

میت

ابن الاخت	ابن بنت اخ الجد	ابن ابن اخ الجد
شبیرعلی	صدیق علی	خورشیدعلی
م	م	۱

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت سوال سیدآفتاب علی کا کل متروکہ بعد تقدیم ما تقدم ورفع موانع صرف خورشید کو ملے گا، اور بقیہ دونوں یعنی صدیق علی اور بشیرعلی محروم ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۴/۷/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: محمود احمد عفی عنہ

مناسخہ:

مسرورکا انتقال ہوا اس نے ایک لڑکا امیدعلی اور دولڑکیاں مسماۃ فیاض النساء اور سراج النساء چھوڑے، اسکے بعد

سراج کا انتقال ہوا، اس نے ایک لڑکا گھسیٹا اور ایک شوہر محمد خان اور ایک بہن فیاض النساء اور ایک بھائی امید علی کو چھوڑا، پھر انتقال ہوا امید علی کا اس نے ایک بہن فیاض النساء اور ایک بھانجا سراج النساء کا لڑکا اور ایک بہنوئی محمد خان مذکور سراج النساء کا شوہر وارث چھوڑے اب ترکہ مسرور مرحوم کا از روئے شرع کیسے تقسیم ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئلہ ۱ مافی البداء ۸

امید علی مـــیـــت

اخت فیاض النساء	ابن اخت (سراج النساء)
۱/۸	م

الأحـــــــــــــــيــــــــــــــاء

فیاض النساء	محمد خاں	ابن گھسیٹا
۱۲	۱	۳

ترکہ مذکورہ بشرط صحت سوال مذکورہ صورت میں بعد تجہیز وتکفین وادائے دین مہر وغیرہ مسمی مسرور کا ترکہ ۱۶ سہام ہوگا جس میں سے ۱۲ سہام فیاض النساء کو اور تین سہام گھسیٹا کو اور ایک سہام محمد خان کو ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور ۱۶/۷/۸۵/۱۳ھ

الجواب صحیح: محمود علی عنہ نائب مفتی دار العلوم

رہن کو چھڑانے والا وارث تنہا اس کا مالک نہیں ہوگا:

زید اپنی ملکیت کا ایک مکان جس کی زمین کا رقبہ ۲۰×۲۰ ہے، شکستہ حالت میں چھوڑ کر آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل انتقال کر گیا ہے، زید کی بیوی زید کا لڑکا اور زید کی لڑکی پسماندگان میں رہ گئے تھے، زید کے انتقال کے ۱۰ برس بعد زید کی بیوی بھی انتقال کر گئی ہے، صرف لڑکا اور لڑکی رہ گئے ہیں، زید کی بیوی کے ۷ برس کے بعد زید کی لڑکی بھی سسرال میں رہنے لگی پیچھے تین بچے چھوڑ کر انتقال کر گئی ہے، اب زید کا لڑکا زندہ ہے خاص بات یہ ہے کہ زید نے اپنی زندگی میں مذکورہ مکان ایک ساہوکار کے پاس ۱۹۳۷ء میں ۲۰۰ روپے کے عوض گروی رکھ دیا تھا، لیکن مکان چھوڑانے سے قبل ہی زید کا انتقال ہو گیا ہے وہ گیروی شدہ مکان زید کے لڑکے نے ۲۰۰ روپیہ ادا کر کے چھوڑا لیا ہے اس مسئلہ پر فتوی صادر فرمایئے زید کی اس ملکیت میں زید کی لڑکی اور لڑکے کا حق از روئے شرع کتنا کتنا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عبارت سوال سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ زید کی بیوی کے انتقال کے وقت اس کے ماں باپ دونوں مر چکے تھے یا کوئی زندہ موجود تھا جواب دونوں مردہ تسلیم کر کے دیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی زندہ رہا ہو تو پھر سے سوال کر کے جواب لیا جاوے اس وقت کا جواب دوسرا ہوگا، اس صورت مسئولہ میں زید کی جائداد تین حصوں پر تقسیم کر کے دو حصے زید کے لڑکے کو اور ایک حصہ زید کی لڑکی کو ملے گا، زید کے لڑکے نے جو دوسو روپیہ زر رہن ادا کر کے مکان چھوڑ لیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر

زید کےلڑکے نے اپنی بہن سےکوئی معاہدہ کر کے روپیہ دیا ہے جب حکم اس معاہدہ کے مطابق ہوگا ورنہ زید کےلڑکے کا یہ تبرع اور احسان سمجھا جائے گا جس کا ثواب اسکوآخرت میں اس سے کہیں زیادہ ملے گا دنیا میں مطالبہ کا حق اس کونہیں ہے۔

مسئلہ ۳
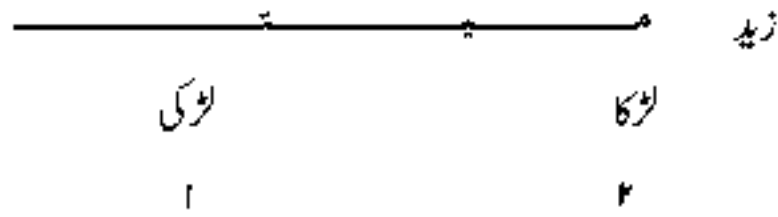
ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۰/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید، محمود غنی عنہ

ایک بھائی، ۲؍بھتیجے و ۳ بھتیجیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم:

شیخ منگرو مرحوم

عبدالمجید مرحوم　　ولی محمد مرحوم　　عبدالستار　　نبی اللہ مرحوم　　سعید احمد

شیخ منگرو مرحوم کے ۴ لڑکے تھے اور اس کی کمائی ہوئی اور ترکہ چار بیگھہ زمین ہے، عبدالمجید عرصہ ۲۱ سال ہوئے انتقال کر گئے اور ان کے دولڑکوں سعید احمد نذیر احمد کو جائداد مذکورہ سے انکے حصے کی پیداوار برابر دیجاتی ہے۔

ولی محمد بھی انتقال کر گئے، انکے اولاد ذکور سے کوئی نہیں اور انکی بیوہ بہن اور ایک لڑکی مومنہ بی بی شادی شدہ صاحب اولاد ہے۔

تیسرے لڑکے عبدالستار ہیں جو صاحب اولاد ہیں، عبدالستار ہی کا اپنی جدی دکان ہے جس میں لڑکا نبی اللہ مرحوم تھے جو ایک سال ہوئے انتقال ہوگیا ہے نہ ان کے بیوی ہے نہ ان کے بچے ہیں۔

نبی اللہ مرحوم کے حصے میں جو جائداد آراضی تھی اس میں عبدالستار کو حصہ ملے گا یا نہیں۔

سعید احمد وند یر احمد اور ولی محمد مرحوم کی جائداد سے مندرجہ بالا شجرہ میں جن جن لوگوں کے جتنے حقوق ہوں ازروئے شریعت ان سے آگاہ کریں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی محمد مرحوم نبی اللہ سے قبل انتقال کر چکے تھے اور عبدالستار اب تک زندہ ہیں اور جواب اسی تقدیر پر درج ہے اگر واقع اس کے برعکس ہو تو سوال پھر لکھئے۔

صورت مسئولہ میں حسب تحریر سوال و بر تقدیر صحت مسئلہ نبی اللہ مرحوم کا کل ترکہ منقولہ و غیر منقولہ بعد تقدیم ما تقدم و رفع موانع کے تنہا صرف عبدالستار کو ملے گا اور بقیہ ورثہ محروم رہیں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب

مسئلہ ا

نبی اللہ

اخ عینی	بنت الاخ	بنت الاخ	بنت الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ
عبدالستار	مومنہ	عائشہ	زینب	سعید	نذیر احمد

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۹/ ۷/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ، سید احمد علی سعید

بھائیوں کا چوتھائی ترکہ بھتیجے کے نام رجسٹری کرنا:

مورث اعلیٰ زید کے چار لڑکے ہیں جیسا کہ شجرہ مندرجہ کے مطابق ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے جس میں سے خالد اپنے باپ زید کی زندگی میں انتقال کر گئے ہیں، اس نے احمد علی ایک لڑکا چھوڑا ہے، اس کے بعد مورث اعلیٰ زید نے انتقال کیا اور عمر اور بکر اور سعید کو چھوڑا، لیکن عمر بکر اور سعید نے چوتھائی ترکہ احمد علی کے نام رجسٹری کرا دیا اور پھر احمد علی کا انتقال ہو گیا ہے اس نے دو لڑکی ساجدہ اور کریمہ اور ایک بیوی شاہدہ کو چھوڑا، احمد علی کے انتقال پر یہ فیصلہ ہوا کہ پورا ترکہ اس کی بیوی شاہدہ بی کے نام کرا دیا جاوے اور بعد فوت ہونے شاہدہ بی کے ۱۰ آنہ اس کے ورثہ کو ملے گا اور چھ آنے ہم لیں گے تو اس صورت میں اب شاہدہ کے انتقال کے بعد واپس لے سکتے ہیں یا کہ نہیں اور ایسے ہی سعید کی زوجہ کے ساتھ مذکورہ بالا صلح ہوا تھا تو کیا اس کو واپس لے سکتے ہیں اور بکر کے تین لڑکے موجود ہیں اور عمر خود ابھی موجود ہے ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

زید کے ترکہ میں سے زید کے تینوں لڑکوں کو ایک ایک حصہ ملے گا اور خالد کا لڑکا محروم ہوجائے گا، کیونکہ اس کے والد زید کی وفات کے وقت تک موجود نہیں تھے۔

عمر اور بکر اور سعید نے احمد علی کے نام جو رجسٹری کرایا ہے یہ ہبہ ہے اگر احمد علی نے قبضہ کرلیا ہے اور اس میں کسی کی شرکت نہ رہی تو وہ احمد علی کا ہوگیا اور اگر قبضہ نہیں کیا تو ہبہ ناتمام ہوا ہے، اس لئے کہ ہبہ قبضہ کے بعد ہوتا ہے، "**لأن الهبة تتم بالقبض الكامل**" (۱)، اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ پر تقسیم بھی نہیں ہوگا بلکہ اس کے تینوں چچا ہی مالک ہیں ، پوری ملکیت احمد علی کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ ورثہ پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ زوجہ کو نو ۹ سہام ملیں گے اور تینوں چچاؤں میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سہام ملیں گے اور دونوں لڑکیوں ساجدہ، کریمہ کو چوبیس چوبیس سہام ملیں گے۔

اور سولہ آنہ حین حیاتی رجسٹر کرا دینے سے مرنے کے بعد اگر قبضہ ان کا مکمل ہوگیا ہے تو نہیں لے سکتے ہیں نہ شاہدہ زوجہ احمد علی سے اور نہ زوج سعید سے ہاں ان کے مرنے کے بعد شرعی طور پر ترکہ تقسیم ہوگا اس وقت جو ورثہ ہوں گے ان کو

۱- الدر المختار ۴/ ۵۰۷۔

بنا کر دریافت کیا جاوے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۲/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح: محمود غنی عنہ

مہر میں دیا گیا مکان ورثہ کے لئے واپس کردینے کا حکم:

ایک مکان جو کہ مرد نے اپنی عورت کے مرنے کے بعد اس کو دین مہر میں دیا مگر عورت کے جو وارث تھے انہوں نے اس کو لیکر کچھ عرصہ کے بعد واپس کر دیا ہے اب مرنے والی عورت کے صرف دولڑکیاں ہیں اور ایک حقیقی بھائی کا لڑکا بھتیجا ہے لڑکیوں کی شادی ہوگئی ہے جو کہ اپنے شوہر کے گھر ہیں اب اس کی تقسیم مرنے والی عورت کا خاوند کرنا چاہتا ہے تو کس طرح تقسیم ہوگی بھتیجہ کا کیا حق ہے اور دونوں لڑکیوں کا کیا حق ہے، مرنیوالی کا خاوند حیات ہے تو کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال (عورت کے ورثہ نے اس مکان کو لیکر الخ) اگر عورت کی لڑکیاں اور تمام وارث بالغ تھے اور سب نے لیکر پھر کچھ عرصہ کے بعد اپنی مرضی سے واپس کیا ہے جب تو یہ مکان پھر مرد کی ملکیت ہوگا، اب اس میں عورت کی وراثت جاری نہ ہوگی، بلکہ مرد کو اختیار رہے جس کو چاہے دیدے یا نہ دے اگر نہ دے گا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی وراثت جاری ہوگی اور اگر سب ورثہ بالغ نہیں ہیں یا سب نے ملکر اپنی مرضی سے واپس نہیں کیا تھا بلکہ صرف کسی ایک نے لیکر از خود واپس کر دیا تھا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ عورت کے مرنے کے وقت اس کے کل ورثہ بھی تھے جو سوال میں مذکور ہیں تو مندرجہ ذیل تخریج جاری ہوگی۔

بعد تقدیم ماتقدم ورفع موانع بارہ سہام پر تقسیم ہو کر چار چار سہام دونوں لڑکیوں کو اور تین سہام شوہر کو اور ایک سہام عورت کے بھتیجے کو ملے گا۔

مسئلہ ۱۲

زوجہ

بنت	بنت	زوج	ابن الاخ
۴	۴	۳	۱

ھذا ما عندی فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۶/۷/۸۵ ۱۳ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ، سید احمد علی سعید دارالعلوم دیوبند

۱-باپ کے ترکہ کو لڑکوں نے بڑھایا تو اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

دونوں حقیقی بھائیوں کا پریوار شریک رہ کر ۵۔۲ ایکڑ گنا ۴ ایکڑ کو ۲۔۱۔۲ ایکڑ فصل ہوئے اور اس کی کمائی شامل شرکت میں کرتے رہے بعد علیحدہ ہونے پر دونوں نے مل کر بھائیوں کے ان فصلوں کی آخری کمائی میں ۵۵ روپیہ لگائے ان فصلوں کا بٹوارہ دونوں بھائیوں میں کیسے کیا جاوے۔

۲-شادی کے موقع پر جو زیورات دیئے گئے ان کی تقسیم:

والد کے فوت ہونے کے بعد ایک بھائی کے تین لڑکوں کی شادی اس طرح ہوئی کہ لڑکے والے مہمان یہاں آ کر نکاح پڑھایا اور جو کچھ روپیہ دیئے اور اس روپیہ سے ایک ایک ہنسلی چاندی معمولی شادی کا کھانا وغیرہ سارا انتظام کر کے شادی ہوگئی، لڑکی کی شادی میں بھی اس طرح کم خرچ ہوا، کچھ خرچ گھر سے بھی لگا دوسرے بھائی کے لڑکے کی شادی میں برات گئی اور زیادہ خرچ ہوا صورت بالا پر خیال کرتے ہوئے بیفر ماویں کہ ان کے زیوروں کا بٹوارہ دونوں بھائیوں میں ہوسکتا ہے یا کہ نہیں جبکہ دونوں بھائیوں کو ابھی برابر لڑکوں کی شادی کرنی ہے۔

۳-مشترک خاندان میں لڑکے کی بیوی کو جو بھینس دی گئی اس کی تقسیم:

ایک لڑکے کی بی بی کو شادی ہونے کے ۵ سال بعد رشتہ دار کے یہاں سے ایک بھینس بلا لاگت کے انعام میں ملی ہے اس کی پریوار بڑھی تو اس کے پریوار میں سے ۲ راس بھینس فروخت کر کے شامل شریک میں خرچ ہوا باقی بھینس کے

پریوار میں دونوں بھائیوں کا کس طرح بٹوارہ کیا جاوے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-باپ کی کل املاک میں دونوں بھائی برابر کے حصہ دار ہیں جبتک شرکت میں کاروبار کرتے رہے ہیں خواہ کسی بھائی کا کتنا کنبہ اور کتنے ہی کمائی والے ہوں حصہ دونوں بھائیوں کا مساوی ہے (۱) یہ برضاء ورغبت مشارکت کارکردگی و اخراجات تبرع کے حکم میں ہے جب علیحدہ ہوگئے تو دونوں کا حصہ مساوی ہونے کی وجہ سے کھیتی پر جو کچھ خرچ ہوا وہ نصف تقسیم ہوگا۔

۲-باہم شرکت میں شادی پر جو کچھ خرچ ہوا وہ حصہ تقسیم ہوا، اس پر کسی کا واجب نہیں اور جس کے لئے جو زیور بنایا گیا اگر وہ اس کو بطور ہبہ کے دیا تھا تو وہ اس کا ہوگیا (۲) کیونکہ دونوں کی خوشی سے دیا گیا ہے، لہذا اس میں تقسیم نہیں ہوگی۔

۳-جس عورت کو اس کے رشتہ دار نے بھینس حصہ کی دی ہے وہ اس کی ملک ہے اور اس کی آمدنی سے اس کی رضا مندی سے جو سب نے نفع اٹھایا ہے وہ تبرع تھا بھینس اس عورت کی ملک رہے گی اس میں بٹوارہ نہیں ہوگا۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۸ شعبان ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود عفی عنہ

باپ کا اپنے بیٹے کو اولاد تصور نہ کرنے سے اولاد وراثت سے محروم ہوجائیں گی یا نہیں؟

باپ کہتا ہے کہ میں اس بیٹے کو اپنی اولاد تصور نہیں کروں گا، میں اچھی طرح واقف ہوں کہ یہ اولاد میری نہیں ہے ایسی صورت میں وراثت سے ایسی اولاد محروم ہوگئی ہے یا نہیں؟

۱- ''لو اجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في الرأي والعمل''(شامی ۴/۳۸۳، عثمانیہ)۔

۲- ''الهبة تمليك العين من غير عوض فكان حكمها ملك الموهوب من غير عوض''(بدائع الصنائع ۶/۱۲۷، رشیدیہ پاکستان)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

باپ کے محض اتنا کہنے سے لڑکا میراث سے محروم نہیں ہوگا(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۸/۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود علی عنہ

پوتے کی وراثت:

دادا کی موجودگی میں (زندگی میں) بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے وراثت میں پوتے کا حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی شخص کا ایک بیٹا اس کی موجودگی میں وفات پا گیا ہے اور دوسرا بیٹا موجود ہے تو فوت شدہ بیٹے کا لڑکا اس حالت میں دادا کا وارث نہ ہوگا، **"الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة أعنی أولهم بالمیراث جزء المیت أی البنون ثم بنوهم"** (۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/ ۷/ ۱۳۸۵

وارث کے لئے وصیت کب نافذ ہوگی نیز مورث کا وارث سے ناراضگی وراثت سے محرومی کا سبب ہے یا نہیں؟

۱-زید کا انتقال عرصہ سات سال کا ہوا ہے، زید کے صرف دو اولاد ہیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ،لیکن اس وقت زید کے زرنقد جائداد منقولہ وغیر منقولہ ومکان وغیرہ لڑکے کے قبضہ واقتدار میں ہے وہ اپنی بود وباش اختیار کئے ہے،متوفی زید کے صرف دو اولاد ہیں (یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی) جائداد واملاک وغیرہ کی تقسیم از روئے شرع کس طرح ہوگی؟ وضاحت فرماویں۔

۱- ''والنسب الثابت بالنكاح لاینقطع إلا باللعان ولم یوجد'' (بدائع الصنائع ۶/۳ ۲۴۴، رشیدیہ پاکستان)۔

۲- سراجی ص ۲۲ کتب خانہ امدادیہ دیوبند۔

۲۔لڑکی یعنی بہن لڑکے یعنی بھائی سے اپنا حصہ کا مطالبہ کرتی ہے تو اس کو اس کا حق دینے سے بھائی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ متوفی کی جائداد اور پوری املاک کا میں تنہا مالک ہوں اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے اور میں اس کا قانوناً مستحق ہوں، کیا متوفی کی ایسی کوئی وصیت وارث کے خلاف ہوسکتی ہے؟۔

۳۔سرکاری دفاتر میں غیر منقولہ جائداد کا داخلہ اب تک متوفی کے نام پر ہے، نیز متوفی کے حین وحیات میں کچھ زرنقد روپیہ خورد برد کر دینے کے باعث اپنے لڑکے سے تادم زیست بات چیت بند کر دی تھی۔ اور آخری دم تک ناراض اور نالاں تھے۔

چنانچہ مذکورہ بالا صورت حال کی روشنی میں ایک جائز مقدار کی دانستہ حق تلفی کرنے والے کے لئے شرعی حکم از روئے شرع کیا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مرنے والے کے شرعی وارث صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو حکم یہ ہے کہ میت کے کل مال متروک میں سے تجہیز و تکفین اور اگر مقروض ہو تو ادائیگی قرض کے بعد جو بچے اس کے اندر وصیت صحیح نافذ کرے پھر جو بچے اس کے تین حصے کر کے ایک حصہ لڑکی کو اور دو حصے لڑکے کو دیا جائے۔ لڑکیوں کو وراثت ملتی ہے، یہ کہنا غلط ہے کہ بہن کو کوئی حق نہیں ہے قرآن پاک میں تصریح موجود ہے: **"یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین"**(۱)۔

اس کے خلاف کرنا سخت گناہ اور احکام خدا سے بغاوت ہے، بھائی کو چاہئے کہ بہن کا حصہ اسی مذکورہ قاعدہ کے مطابق دیدے اگر بالفرض متوفی نے ابن ہی کے لئے وصیت بھی کر دی ہو تو یہ وصیت صحیح نہیں ہے مال کی وصیت غیر وارث کے لئے ہوتی ہے صحیح حدیث میں ہے: **"لا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ"** (۲) وارث کے لئے بلا اذن بقیہ ورثہ نافذ نہیں ہوتی ہے، اسی طرح مورث کا کسی وارث سے خفا اور ناخوش رہنا حق وراثت کو سوخت نہیں کرتا ہے۔

پس صورت مسئولہ میں دونوں حسب تصریح مذکورہ بالا کل متروک متوفی آپس میں تقسیم کر لیں، اگر بھائی حق تلفی کرے گا تو آخرت میں جو عذاب شدید غصب وظلم کا ہوگا وہ تو ہوگا ہی دنیا کے اندر بھی وبال میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے،

۱۔　سورۃ النساء:۱۱۔

۲۔　سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۱۲۰ باب ما جاء لا وصیۃ لوارث، سنن کبری بیہقی حدیث ۱۲۹۱۷ جلد ۶/ ۲۶۴، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن، سنن دار قطنی مع التعلیق المغنی حدیث ۴۱۵۱، جلد ۵/ ۱۷۱ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ۔

ھذا ما عندی فقط واللہ اعلم بالصواب

جواب صحیح ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

اگر لڑکا وصیت کا ثبوت بھی پیش کر دے تو چونکہ لڑکی اپنا حق طلب کر رہی ہے اس لئے وہ وصیت معتبر اور نافذ نہیں ہے کیونکہ وارث کے حق میں وصیت اسی وقت نافذ ہوتی ہے جبکہ دوسرا وارث بھی راضی ہو، اس لئے لڑکے پر واجب ہے کہ اپنی بہن کا حق وحصہ ادا کر دے جو اس کو اپنے باپ کے ترکہ سے پہنچتا ہے اس کا روکنا کسی طرح جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حق وراثت مورث کے مرنے کے بعد ہے مورث اپنے حین وحیات میں اپنے املاک میں خودمختار اور شرعی تصرف کا مالک ہے وارث کو تعرض کا حق نہیں:

والد صاحب موضع بند کے ملازم جاگیری پیش امام تھے انہوں نے اس جاگیر میں پیش امام کی تنخواہ ۷ روپیہ اور ۷ بیگہ زیر زمین مسجد پر معمور تھے۔ علاوہ ازیں پٹہ جات آراضی بھی تھے یہ زمینات پیدا کئے والد بزرگوار اسی جاگیری موضع میں ۱۰ سال ہوئے انتقال کئے، والد کے ہم تین بیٹے ہیں میں بڑا ہوں اور دوسرے پہلے اور تیسرے چھوٹے ہیں، والد کی زندگی میں ملازم سرکار ہو گیا تھا، والد کے ایصال ثواب کے وقت سب عزیز جمع ہوئے انہوں نے باتفاق رائے یہ طے کیا کہ تم بڑے ہو بزرگوں کی جائداد سنبھال کر کام چلانا تمہارا کار ہے چونکہ جاگیری موضع ہے جاگیرداروں نے وراثت میں جھگڑے ڈالیں گے چونکہ عطاء جاگیری تھی میں نے سرکاری سروس چھوڑ دی اور والد کی ملازمت کو سنبھالا، برادران کے اصرار پر آراضی ومکان تین حصوں میں تقسیم کر دیا جو آراضی والد کے زمانہ میں قول پر دئے ہوئے ۳۰-۴۰ سال ہوئے گئے تھے ان سے جھگڑا کر کے چھوڑا دیا دوسرے بھائی ملازم سرکار تھے والد کے انتقال کے بعد آ گئے تیسرے بھائی ڈاکٹر ہیں والد کی زندگی میں بھی میرے دو عورت تھیں پہلی کا ایک لڑکا ہونے کے بعد انتقال ہو گیا دوسری اہلیہ کو مسلسل چھ لڑکیاں ہیں جن میں سے تین فوت ہو چکی ہیں دو شادی شدہ اور ایک غیر شادی شدہ ہے منجھلے بھائی لاولد ہیں والد کے کہنے پر منجھلے بھائی نے احقر کے لڑکے کو گود میں لے لیا تھا یہ خیال کرتے ہوئے کہ دوسری اہلیہ سے نرینہ اولاد ہو گی مگر نہیں ہوئی ہے کیونکہ بھائی کی خواہش تھی

کہ اس لڑکے کو ولی عہد جائداد بنادیں گے اس وقت لڑکا ۲۲ سال کا ہے اور پوسٹ ماسٹر ہے بھائی کے زیر پرورش ہے یہ لڑکا نہ میری کوئی مدد کرتا ہے نہ اس سے کچھ امید ہے حتی کہ میرے سے بات تک نہیں تیسرے بھائی کے چھ ۶ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

انہوں نے تقسیم جائداد کا مسئلہ پیش کرنے پر تقسیم جائداد ومکان کے لئے تقسیم شدہ جائداد آراضی میں کچھ زمین میرے حصہ میں سے فروخت کر کے لڑکوں کی شادی کردیا اب تقریبا میرے حصہ کی آراضی پانچ چھ بیگھہ رہ گئی ہے، میرے ذمہ اس وقت گورنمنٹ کا ۱۹۰۰ روپیہ قرض ہے اور چھوٹی لڑکی کی شادی کرنا ہے برادران کا اور اس لڑکے کا عذر ہے کہ اب میں کوئی زمین فروخت نہیں کرسکتا ہوں اور میرا مقصد ہے کہ میں اپنی آراضی سے کچھ زمین فروخت کر کے قرض ادا کردوں لڑکی کی شادی کردوں اور اہلیہ کا حق ادا کردوں، میری عمر ساٹھ سال ہے خدمت امامت انجام دے رہا ہوں، بھائی اور لڑکے کہتے ہیں کہ کوئی چیز آپ فروخت نہیں کرسکتے ہیں اگر میں مرگیا تو قرض اور دوسرے حقوق مجھ پر باقی رہیں گے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال اگر اپنے باپ کے فقط آپ ہی تین بھائی شرعی وارث تھے اور ان تینوں نے بحصہ مساوی اپنے والد کا متروکہ جائداد تقسیم کرلیا اور اس پر قبضہ دخل اپنا اپنا کرلیا تو تقسیم مکمل ہوگئی اب کسی بھائی کو آپ کے حصے میں بلا آپکی مرضی کے دخل دینے اور بیع وشراء وغیرہ کرنے سے روکنے کا حق نہیں، آپکو اختیار ہے اپنی مصلحت دیکھکر عمل کریں کرسکتے ہیں قرض کی ادائیگی حقوق وراثت پر مقدم ہے (۱)، اگر اس کی ادائیگی کے لئے بغیر کچھ جزوی یا کلی جائداد فروخت کئے کوئی صورت نہ ہو تو اس کا بھی آپ کو حق ہے البتہ شادی کم خرچ میں اور سادی طرح سے بھی ہوسکتی ہے اس میں ان باتوں سے احتیاط کرنا چاہئے، آپ کا وہ لڑکا جسکو منجھلے بھائی نے گود میں لے لیا ہے وہ بھی آپ کا شرعی وارث آپکے مرنے کے بعد ہوگا اس کو محروم کرنے یا ضرر پہنچانے کی نیت سے کچھ تصرف منتقل مثل بیع وہبہ وغیرہ کریں گے تو وہ دنیا میں تو نافذ ہوجائیں گے مگر آپ آخرت میں گنہگار ہوں گے (۲)، اگر اسوقت آپ صبر کریں گے ضرر نہ پہنچائیں گے تو ثواب ملے گا۔ اس وقت جو آپ کو وہ نہیں

۱- ''ثم تقضی دیونه من جمیع مابقی من ماله ثم تنفذ وصایاه من ثلث مابقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثته'' (سراجی ۳، مکتبہ امدادیہ دیوبند)۔

۲- ''عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: إن الرجل لیعمل والمرأة بطاعة الله ستین سنة ثم

پوچھتا یہ اس کی سخت غلطی ہے گنہگار ہوگا آپ کی اطاعت اس پر واجب ہے اپنی استطاعت اور آپکی ضرورت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو آپکی مالی امداد بھی کرنا چاہئے اگر قدرت رہتے ہوئے اور آپکے مجبور ہوتے ہوئے بھی خیال نہ کرے تو موجب گناہ ہے اس کو ایسا نہ کرنا چاہئے، لیکن وہ وراثت سے محروم نہ ہوگا، باقی رازق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور آپ کا اور آپ کے بچوں کا اگر آپ نے کسی عزیز کو ضرر پہنچانے کی نیت نہیں کی تو انشاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بدنیتی وبدعملی سے کوئی ضرر و تکلیف نہیں پہنچ سکتی آپ خاطر جمع رکھیں، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

دادا کے سامنے باپ کا انتقال ہوگیا، چچا نے نصف جائداد بھتیجے کے نام کردی اب پوری جائداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

حاجی باسط علی خان دو بھائی تھے، ایک بھائی کا باپ کی موجودگی میں انتقال ہوگیا ہے ان کا لڑکا مشتاق احمد موجود ہے، حاجی باسط علی نے اپنے والد کے انتقال کے بعد نصف جائداد مزروعہ وغیرہ مشتاق احمد کے نام کردیا ہے اور نصف کا حقدار مثل بھائی کے بنالیا ہے، حاجی باسط علی صاحب کا بڑا لڑکا منظور احمد اور بھتیجا مشتاق احمد مزروعہ دونوں سنگاپور رہتے ہیں اور شرکت میں کوئی کام کرتے ہیں، یہاں گھر پر حاجی باسط علی خود اور مشتاق احمد نے روپیہ بھیجا جس سے ایک قطعہ عریض و طویل مکان بھی تیار ہوا ہے، ظاہر ہے کہ مکان صرف روپیہ سے نہیں بنا ہے بلکہ اس میں باسط علی خان اور ان کے دونوں لڑکوں مقبول احمد و مسعود احمد نے کافی محنت و مشقت کی ہے، اس طرح آبائی جائداد سے جو غلہ پیدا ہوا ہے اس میں بھی مقبول احمد و مسعود احمد کی محنت وسعی کو دخل ہے، اب حاجی باسط علی اور ان کے بھتیجے مشتاق احمد اپنا کاروبار علیحدہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا ازروئے شرع شریف جملہ جائداد آبائی اسطرح غلہ اور مکان جدید سب صرف دو حصوں میں تقسیم ہوجائے گا اور منظور و مسعود احمد و مقبول احمد دن رات محنت کرنے کے باوجود ان کے بچوں کو نہ ایک چھٹانک غلہ ملے گا اور نہ رہنے کیلئے کوئی مکان دیا جائے گا، یا آبائی جائداد حاجی باسط علی و مشتاق احمد نصف تقسیم کرلیویں گے یا مکان اور غلہ میں منظور احمد مسعود احمد اور مقبول احمد کو بھی حصہ ملے گا اور یہ بھی شریک سمجھے جاویں گے۔

يحضرهما الموت فيضاران في الوصية فتجد لهما النار ثم قرأ ابوهريرةؓ من بعد وصية يوصى بها او دين غير مضار إلى قوله تعالىٰ وذلك الفوز العظيم" (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ، مشکوٰۃ ۱/ ۲۶۵، کتاب الوصایا)۔

الجواب وباللہ التوفیق:

صورت مسئولہ میں اگر امور مندرجہ ذیل کا حکم شرعی معلوم ہو جاوے تو تمام امور مستفسرہ کا شرعی تصفیہ بآسانی ہو جائے گا۔

۱- باسط علی خاں اپنے والد کے مرنے کے بعد جو نصف جائیداد مزروعہ وغیر مزروعہ ہبہ کیا ہے وہ صحیح و نافذ ہوا یا نہیں؟

۲- سنبھاپور میں مشتاق احمد و منظور احمد نے جو کاروبار کیا ہے اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

۳- جو مکان جدید تعمیر ہوا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۴- کھیتی باڑی جو گھر پر ہوتی ہے اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

(تنبیہ) یہ ظاہر ہے کہ مشتاق احمد اپنے دادا اور چچا باسط علی کے موجود ہوتے ہوئے اپنے والد کے انتقال کی وجہ سے محجوب الارث ہو گئے تھے اور تنہا باسط علی وارث تھے اور باسط علی نے بطور خود ھبہ کیا ہے اس بنیاد پر سارے امور کے حکم شرعی الگ الگ لکھے جاتے ہیں:

۱- اگر مشتاق احمد بوقت ھبہ بالغ تھے یا اتنے بڑے ہو چکے تھے کہ قبضہ ولین دین اور اس کے نفع اور نقصان کے مفہوم و مقصد کو سمجھتے تھے اور باسط علی نے اشیاء موھوبہ پر واقعی قبضہ و دخل بھی کرا دیا تھا اور اپنا تخلیہ اس سے کر لیا ہے یا بعد ھبہ کے تقسیم و فرز اور انکا قبضہ دخل کرا دیا ہے جب تو یہ ھبہ صحیح و نافذ ہو کر مکمل ہو گیا ہے(۱)، اور اس نصف کے تنہا مالک مشتاق احمد ہو گئے اور اسی طرح اگر مشتاق احمد بوقت ھبہ بالکل بچے ایسے ناسمجھ تھے کہ ھبہ لین دین و قبضہ وغیرہ کا مفہوم و نفع و نقصان نہیں سمجھتے تھے مگر بوقت ھبہ یا بعد الھبہ باسط علی خان نے اشیاء موھوبہ کو باقاعدہ تقسیم و فرز کر کے محوز و ممیّز کر دیا ہے خواہ قبضہ بوجہ ولی ہونے کے خود اپنا ہی رکھا ہے جب بھی یہ ھبہ صحیح و نافذ ہو کر مکمل ہو گیا ہے(۲)، اور مشتاق احمد تنہا اس کے مالک قرار پا گئے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہوا ہے بلکہ محض کاغذی اندراج یوں ہی کرا دیا ہے اور محض ذہنی تعین حصص پر قناعت کر کے کیا ہے تو یہ ھبہ فاسد قابل استرداد ہے خواہ مشتاق احمد بالغ رہے ہوں بوقت ہبہ یا بچہ ناسمجھ ہر صورت میں باسط علی کو اختیار ہے کہ اب وہ اس ھبہ کو اپنی حیات تک تقسیم و فرز کر کے قبضہ دخل مکمل کرا کے نافذ کر دیں یا اس ھبہ کو ختم کر کے خود تنہا سب کے مالک و

۱- "ولایتم حکم الھبة الا مقبوضة ویستوی فیہ الاجنبی والولد اذا کان بالغا"(ہندیہ ۴/۳۷۷، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

۲- "ھبة من ابنه الصغیر تتم بلفظ واحد ویکون الاب قابضا"(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/۲۳۳، رشیدیہ پاکستان)۔

متصرف ہو جائیں اور اپنے ورثہ کے لئے میراث چھوڑ جائیں اور اگر چہ اشیاء موہوبہ میں بہت سارے تصرفات ہو چکے ہوں کیونکہ یہ سب تصرفات بلا امتیاز حصص مشترک وکیف ما اتفق ہی ہوئے ہیں یہ صحیح ھبہ نہیں ہو سکتے۔ والدلائل ہذہ۔

۱– **هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا يجوز سواء كانت من شريكه (۱)، اومن غير شريكه (ج ۴ ص ۳۷۸ هندية فصل فيما يجوز من الهبه و مالا يجوز)۔**

۲– **روى عن سيد نا عمر رضي الله عنه قال (بحذف سيد) وآيم الله لا ينحل احدكم ولده نحلى لايجوز ها ولا يقسمها فيموت الاجعلتها ميراثا لورثته (۲)، فبقوله فيموت الخ. افا دالحكم المذكور في كون الموهوب له صبياً ذارحم محرم منه ايضا**

۳– **ومع افادتها للملك عند البعض آجمع الكل على آن للواهب إستردادها من الموهوب له ولو كان ذا رحم محرم من الواهب قال في جامع الفصولين رامز الفتاوى الفضلي ثم اذا هلكت آفتيت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذى رحم محرم منه (الى قوله) كما يكون للواهب الرجوع فيها يكون لوارثه بعد موته (۳) الخ۔**

۴– **"ولو وهب مشاعاً فيما يقسم ثم آفرزه وسلمه صح هكذا في السراج الوهاج" (۴)۔**

یہ حکم تو اس وقت کا ہوا کہ اگر ھبہ صحیح اور نافذ ہو گیا ہے جب تو اشیاء موہوبہ نصف دونوں کی یعنی باسط علی خان اور مشتاق احمد کی ہو گئیں ورنہ تنہا باسط علی کی ملک ہے۔

(نوٹ) اب اسکے بعد غیروں کا حکم مذکور ہے، اس کے لئے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اس جگہ عرف عام کیا ہے، کیا اس طرح مشترک معاشرہ وکاروبار میں عرفاً شرکت متصور ہوتی ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہر کام کرنے والوں میں مشترک ہے اور ہر ایک اس کے مالک و سہیم قرار پائیں گے گو شرکت فاسدہ ہو بوجہ عدم شرائط صحت کے جیسا کہ امداد الفتاوی ج ۳ ص ۴۴۰ کتاب الشرکۃ کی سرخی (حکم مال اہل بیت کہ ایشان کسب کنند و مال مکسوب را کسے علیحدگی دارد) کی ماتحت کی عبارت سے مستنبط و مفہوم ہوتا ہے وھو ھذا بتقولہ (الجواب) میرے نزدیک ان دونوں روایتوں میں تضاد نہیں ہے وجہ جمع یہ

۱– فتاوی ہندیہ ۴/ ۳۷۸، مکتبہ رشیدیہ پاکستان۔
۲– بدائع الصنائع ۶/ ۱۲۰، مکتبہ رشیدیہ پاکستان۔
۳– تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۲/ ۸۵، طبع بولاق مصر۔
۴– فتاوی ہندیہ ۴/ ۳۷۸، مکتبہ رشیدیہ پاکستان۔

ہے کہ حالات مختلف ہوتے ہیں جنکی تعیین کبھی تصریح سے ہوتی ہے کبھی قرائن سے ہوتی ہے یعنی کبھی تو مرد اصل کاسب ہوتا ہے اورعورت کے متعلق عرفاً کسب ہوتا ہی نہیں ہے وہاں تو اس کو معین سمجھا جاویگا اور کہیں گھر کے سب آدمی اپنے اپنے لئے کسب کرتے ہیں جیسا کہ اکثر بڑے شہروں میں ہوتا ہے وہاں دونوں کو کاسب قرار دیکر عدم امتیاز مقدار کے وقت علی السویہ نصف نصف کا مالک سمجھا جاوے گا واللہ اعلم(۱)۔

"وأیضا یستنبط من تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ج ۲ ص ۱۸ وإن لم یکن بهذا الوصف بل کان کل مستقلا بنفسه واشترکوا فی الاعمال فهو بین الاربعة سویة بلا إشکال وإن کان إبنه فقط هو المعین والإخوة الثلاثة بأنفسهم مستقلین فهو بینهم أثلاثا بلا إشکال والحکم دائر مع علته بإجماع أهل الدین حاملین لحکمة"۔

"وأیضاً یستنبط من هذه العبارة تنبیه یوخذ من هذا ما أفتی به فی الخیریة فی زوج إمرأة وابنها إجتمعا فی دار واحدة کل منهما یکتسب علحدة ویجمعان کسبهما و لا یعلم التفاوت ولا التساوی والتمیز فاجاب بانه سویة الخ شامی کتاب الشرکة فی فعل الشرکة الفاسدة تحت قول الدر وما حصله أحدهما وما حصلاه معاً فلهما "

پس اس جگہ عرف عام شرکت کا ہے جب تو بعد کے تینوں نمبروں میں اسی طرف کے مطابق شرکت تسلیم کر کے حکم معلوم کرلیں اور اگر نفس شرکت کا تو عرف عام ہو مگر تعیین حصص میں عرف عام نہ ہو تو پانچوں کو علی السویۃ حصہ دیں گے کما فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ ج ۱ ص ۹۰۲ ایضا **"هذا بناء علی الاصل فی الشرکة انها بینهم سویة حیث لم یشترطوا شیئاً"** اور اس جگہ شرکت کا عرف عام نہ ہو پھر بعد کے ہر ایک نمبر کے حکم الگ الگ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۲-سنگاپور میں جو سرمایہ دوکان وغیرہ ہیں اس کو اگر مشتاق احمد و منظور احمد نے اپنی ذاتی کمائی اور روپیہ سے پیدا کیا ہے تو اس کے مالک محض مشتاق احمد و منظور احمد ہیں باسط علی اور انکے دیگر اولاد کا اس میں کوئی حق نہیں اور اگر باسط علی کے روپیہ سے کاروبار شروع کیا اور بڑھایا ہے تو باسط علی تنہا اس کے مالک ہیں اور اس صورت میں اگر مشتاق احمد و منظور احمد کے بال بچے باسط علی کے عیالداری میں نہیں رہتے ہیں بلکہ الگ الگ رہتے ہیں تو مشتاق اور منظور احمد کو اجرت مثل یعنی اس کاروبار میں کام کرنے والے کو جو عام اجرت دیجاتی ہے اس کے مستحق ہوں گے اور اگر دونوں کے بال بچے باسط علی ہی کی عیالداری

۱- ۱۵/رمضان ۱۳۳۱ھ تتمہ ثانیہ ص ۶۹۔

میں رہتے ہوں اور ہبہ نافذ وصحیح نہ ہو تو کسی کو اجرت مثل نہیں ملے گی اور اگر ہبہ صحیح ونافذ ہے تو مشتاق احمد کو اجرت مثل باوجود مشترک عیالداری کے ملے گی البتہ منظور احمد کو نہیں ملے گی۔لکونہ معینا لاب فی الشامی (ج ۳ ص ۳۴۹) فی فصل الشرکۃ الفاسدۃ کما فی القنیۃ ''الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة لم يكن لهما شئي فالكسب كله لأب إن كان الابن في عياله - افاد الحكم المذكور لأن مفهوم المخالف حجة عندنا أيضاً بخلاف النصوص كما هو مبرهن في الأصول (ثم بعد ورقة تحت قوله والربح الخ) حاصله إن الشركة الفاسدة إما بدون مال أو به من الجانبين أو من أحدهما (الیٰ قوله) والثالثة (ای حكم الثالثة) ان الربح لرب المال وللآخر اجر مثله''، ہاں اگر باسط علی سے روپیہ لینے کے وقت کوئی معاہدہ ہوا ہو پھر تو حکم اس معاہدہ کے مطابق ہوگا اور اگر قرض کر کے دیا ہے تو باسط علی قرض کی مقدار کے محض مستحق ہوں گے اور باقی سب سرمایہ وکاروبار کے مالک فقط مشتاق احمد ومنظور احمد ہوں گے کما ھو ظاہر۔

۳-جو مکان نو تعمیر ہے اگر نئی زمین خرید کر اس میں تعمیر ہوا ہے اور سنگاپور کے کاروبار کے مالک محض مشتاق احمد و منظور احمد ثابت ہیں اور محض ان ہی دونوں کے روپئے سے تعمیر ہوا ہے اور باسط علی یا انکے لڑکوں نے کوئی معاہدہ یا معاملہ کئے بغیر اس میں محنت ومشقت کی ہے تو اس مکان کے مالک محض مشتاق احمد ومنظور احمد ہوں گے اور عامل متبرع ہوں گے اور اگر کسی معاہدہ اور معاملہ کے تحت محنت ومشقت کی ہے تو اس معاہدہ کے مطابق حکم ہوگا ہاں اگر مشتاق احمد ومنظور احمد نے اس نیت سے روپیہ بھیجا ہے کہ مکان سب کا مشترک تعمیر ہو تو سب بھائی اور باسط علی علی السویہ حقدار ومالک ہوں گے اور اگر سنگاپور کی دوکان وسرمایہ کے مالک مشتاق احمد ومنظور احمد نہیں ہیں تو وہ مکان تنہا باسط علی کا ہے تو باسط تنہا اس کے مالک قرار پائیں گے اور اگر وہ مکان نو تعمیر آبائی زمین میں یا قدیم مکان منہدم کر کے اس کی جگہ میں تعمیر ہوا ہے اور ہبہ صحیح اور نافذ نہیں تو بھی اس مکان کا وہی حکم ہے جو ابھی تفصیل سے گذرا اور اگر ہبہ صحیح ونافذ ہے اور مکان نو تعمیر آبائی زمین یا قدیم مکان منہدم کر کے اس کی جگہ تعمیر ہوا ہے اور سنگاپور کے سرمایہ دوکان کے مالک محض مشتاق احمد ومنظور احمد ہیں اور روپیہ کسی معاہدہ کے ماتحت بھیجا ہے تو حکم اس معاہدہ کے مطابق ہوگا اور اگر بلا کسی معاہدہ کے روپیہ بھیجا ہے تو وہ مکان باسط علی مشتاق احمد کے درمیان نصف نصف ہوگا اور منظور احمد کا کچھ نہ ہوگا لکونہ معینا للاب۔

اور یہی حکم اس صورت کا بھی ہے کہ جب سنگاپور کے سرمایہ دوکان مالک مشتاق احمد ومنظور احمد نہ ہوں یعنی یہ کہ وہ مکان نصف نصف باسط علی ومشتاق احمد کا ہوگا۔

۴- اگر بہ صحیح وبانذ ہے تو کھیتی باڑی جملہ پید اوار میں نصف باسط علی کا اور نصف مشتاق احمد کا ہوگا اور کسی کا نہ ہوگا اور مقبول احمد و مسعود احمد کی یہ مشقت و محنت کسی معاہدہ کے ماتحت ہے تو حکم اس معاہدہ کے ماتحت ہوگا اور اگر بلا کسی معاہدہ ومعاملہ کے مقبول احمد و مسعود احمد نے محنت مشقت کی ہے اور انکی رہائش مشترک باسط علی کے ساتھ انہی کی عیالداری میں ہے تو محض نصف اجرت مثل کے مستحق ہوں گے اور اگر ان دونوں کی رہائش الگ ہے باسط علی کی عیالداری میں نہیں ہے تو پھر یہ دونوں پوری پوری اجرت مثل کے مستحق ہوں گے، "کما مر من الشامی فی نمبر ۲"، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۷/ ۸/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمن، احمد علی سعید

والد کے انتقال کے بعد والدہ ترکہ تقسیم کرنے سے انکار کرے تو اولاد کو بذریعہ عدالت ترکہ تقسیم کرانے کا حق ہے یا نہیں؟

ایک صاحب جن کا انتقال تین سال قبل ہو چکا ہے، گیارہ بچے ہیں چھ ۶ لڑکیاں اور پانچ لڑکے ان کی بیوی بھی حیات ہیں اور گیارہ بچے بھی زندہ ہیں جن میں دو کی شادی موصوف کی زندگی میں بھی ہوگئی تھی، ان کی جائداد حسب ذیل ہے جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے حقدار میں گیارہ بچے اور بیوی ہے یہ جائداد آبائی نہیں بلکہ ذاتی کمائی ہے۔

۱- دھان کے کھیت پندرہ ایکڑ ان میں سے چار ایکڑ صاحب موصوف نے اپنی زندگی ہی میں اپنی بیوی کے نام کر دیا تھا۔ انکی زندگی ہی میں انکی بیوی نے اس کو گروی رکھ کر سودی قرض لیا ہے جو ابھی تک ادا نہیں ہوا ہے۔

۲- مکان کی جگہ تقریبا پونے ایکڑ ہے جس میں سے ۱/۴ حصہ انہوں نے اپنی بیوی کے نام لکھ دیا ہے۔

۳- ایک مٹی کا مکان جس کو نصف پکی عمارت کہہ سکتے ہیں اور جس کی چھت لکڑی اور کھپریل سے بنی ہوئی ہے جو موجود ہے۔

۴- کل جائداد میں بیوی کے نام لکھی ہوئی جائداد کو وضع کر دیں تو گیارہ ایکڑ دھان کے کھیت تقریبا نصف ایکڑ مکان کی زمین اور ایک مکان باقی رہتے ہیں اس میں بھی مورث کے انتقال کے بعد بالغ لڑکے دو اور ماں نے چار ایکڑ زمین دھان کے کھیت گروی رکھدی ہے، شادی شدہ دو لڑکیوں کے علاوہ باقی یعنی نو اولاد بالغ اسی گھر میں رہتے ہیں شادی شدہ لڑکیاں والد کے انتقال کے بعد متعدد بار اپنا حق دریافت کر چکی ہیں لیکن ان کی والدہ کہتی ہیں کہ تمام بچوں کی شادی کے بعد جائداد تقسیم ہوگی۔

ہر سال کھیتوں سے کافی آمدنی ہوتی ہے لیکن اس میں سے کسی کی شادی نہیں ہوئی ہے اور نہ شادی شدہ لڑکیوں کو کچھ دیا جاتا ہے اور والدہ ہمیشہ ٹال مٹول کرتی رہتی ہے عرصہ ہوگیا ہے، لڑکیوں کا ارادہ ہے کہ عدالتی چارہ جوئی کر کے عدالت کے ذریعہ ترکہ تقسیم کرائیں۔ کیا یہ لڑکیاں اس کارروائی کے بعد حق بجانب ہیں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱- چار ایکڑ زمین جو صاحب موصوف نے اپنی بیوی کے نام لکھ دیا ہے وہ بیوی کی ملک تنہا ہوگئی، اس میں ابھی کسی اولاد کا حق نہیں ہے اور بیوی نے جو اس کو رہن سودی رکھ دیا اس کا عذاب و وبال انہی بیوی کے ذمہ ہے، اولاد سے اس کا کوئی تعلق نہیں، البتہ اولاد کو چاہئے کہ جلد سے جلد اس گیروی کو چھوڑانے کی فکر کریں، اور اپنی ماں کی امداد کریں کہ وہ اس وبال و عذاب سے بچ جائیں، اگر وہ زمین بچی رہی تو بیوی کے مرنے کے بعد جو اولاد زندہ بچیں گی ان کو ترکہ ملے گا ابھی نہیں ملے گا(۱)۔

۲- پونے ایکڑ کی سہ ۱/۲ کی زمین جو بیوی کے نام لکھ دیا ہے وہ بھی تنہا انہی کی ہوگئی اس میں کسی اولاد کو کوئی حق ابھی نہیں بقیہ سہ ۱/۲ حصہ تمام ورثہ یعنی خود بیوی اور انکی سب اولاد میں مشترک ہے۔

۳- یہ بھی تمام ورثہ میں حسب تخریج شرعی جو درج ذیل ہے تقسیم ہوگا۔

۴- مورث کے انتقال کے بعد ماں اور دو بالغ لڑکوں نے ملکر جو چار ایکڑ کھیت دھان کی زمین گروی رکھدی ہے اگر ماں نے ان بالغ بچوں کے نان ونفقہ میں خرچ کی مجبوری سے رکھی ہے کہ اس کے پاس بجز اس کے اور کوئی معاش نہ ہو تو اس کا ضمان ماں پر نہیں ہے، جب واگذار ہوگی تمام ورثہ میں حسب تخریج ذیل تقسیم ہوگی۔

اگر ماں نے بوجہ واقعی مجبوری گیروی رکھا ہے تو بالغ اولاد ذکور و اناث کو چاہئے کہ حتی المقدور جلد سے جلد اس گیروی کو چھوڑا کر ماں کو سود دینے کے وبال سے بچائیں اور ماں پر واجب ولازم ہے کہ مورث شوہر کی کل متروکہ جائداد جو ترکہ ہے یعنی ۱۱ ایکڑ زمین کھیت دھان اور نصف ایکڑ زمین مکان کی اور خود مکان سب کو حسب تصریح ذیل تمام اولاد میں تقسیم کردے اور نابالغین کا حصہ خود محفوظ رکھے یا کسی امین کے پاس محفوظ رکھے اور اسکی آمدنی سے ان نابالغین کا نان ونفقہ تعلیم وتربیت کافی نہ ہو تو جتنی بالغ اولاد ہیں ان سب کے ذمہ حسب استحقاق وراثت واستطاعت واجب ہے، اسی طرح ماں کے حصہ کی آمدنی اگر ماں کے نان ونفقہ کے لئے کافی نہ ہو تو جتنی اولاد بالغ ہیں سب پر حسب استحقاق وراثت واستطاعت واجب ہے۔ ہاں

۱- ''کونهم ورثة لایحقق إلا بعد موت المورث'' (شامی ۵/ ۶۰۳، زکریا)۔

اگر ماں نے اپنی دوسرے شادی کرلی ہو اور شوہر زندہ موجود ہے تو ماں کا نان ونفقہ واجب نہیں۔ مورث کی ان تمام متروکات میں تمام ورثہ کے حصے اس طرح ہیں کہ تمام متروکات میں سے مورث کے ذمہ اگر کچھ قرض ہو تو پہلے اس کو ادا کریں اور کچھ وصیت مال ہو تو قرض کی ادائگی کے بعد ایک تہائی کے اندر اس کو ادا کریں پھر جو کچھ بچے اس میں سے ایک یعنی آٹھویں $\frac{1}{8}$ مورث کی بیوی (یعنی اولاد کی ماں) کو دیں اور باقی کو یعنی $\frac{7}{8}$ کو سولہ حصے پر تقسیم کریں اور پانچوں لڑکوں کو دو دو حصہ دیں اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ دیں، ماں کو سمجھا کر حکم خدا اور رسول بتا کر کہیں کہ وہ شرعی قاعدہ سے تقسیم کردیں تاکہ آخرت کے وبال سے بچ جائیں۔ اگر ماں تیار ہو جائے تو اس مذکورہ قاعدہ سے تقسیم کرلیں اگر ماں کسی طرح نہ مانیں تو ان بالغ اولاد پر مال کے تقسیم نہ کرنے سے کوئی گناہ نہ ہوگا یہ اپنے حق سے آزاد ہو گئے، البتہ ماں غاصب کے حکم میں ہوگی اور گنہگار ہوگی اگر ماں اولاد کو ضرر پہنچانے کی غرض سے تقسیم نہ کرتی ہو تو یہ اور بھی شنیع اور سخت گناہ کی چیز ہے۔

اور مجبور ہو کر عدالت سے چارہ جوئی کرنے میں اور اپنے حق کو بچانے کی خاطر دعوی کرنے میں اولاد پر کوئی ضرر نہ ہوگا حتی الوسع پنچایت سے صلح سے ماں کا ادب واحترام رکھتے ہوئے مطالبہ کرنا اور اپنا حق حاصل کرنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۲۶ / ۸ / ۱۳۸۵ھ
الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

برضاء ورغبت ترکہ تقسیم کرلینے کے بعد انکار کا حکم:

عبدالرزاق وعبدالواحد دو حقیقی بھائی ہیں ان دونوں نے اپنی موروثی جائداد کو باہمی رضامندی سے دو حصوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ ایک لڑکا مکان کے ایک حصہ میں اور دو چھوٹے مکان اور دو احاطے اور ایک بیگھہ زمین نکلی اور عبدالرزاق کے نام پر ایک بڑا مکان نکلا اس باہمی رضا ورغبت سے تصفیہ قرعہ اندازی کے بعد عبدالواحد اس فیصلہ کے ماننے سے انکار کر گیا، لہذا آپ شریعت کے حکم سے مطلع فرماویں کہ باہمی رضا ورغبت کے فیصلہ سے انکار کرنے والا کیسا ہے؟ شریعت میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

جب دونوں بھائیوں میں اپنی رضا ورغبت سے بلا کسی جبر ودباؤ کے حسب حصہ اسلامی دونوں حصوں کی تعیین کی گئی

ہے اور پھر دونوں نے برضا ورغبت قرعہ اندازی بھی کر لی تو اب جملہ کاروائی مکمل ہوگئی، اب کسی کا اس قرعہ سے انکار کرنا جائز نہیں ہے بالکل اپنے بھائی کی طرح برابر کا شریک وحقدار ہے، لہذا کوئی اور طریقہ شرعی تقسیم کا اختیار کرلیا جائے۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱/ ۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید دارالعلوم دیوبند، محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند

مشترکہ دوکان کی تقسیم:

ہم چار بھائی ہیں میرے بھائیوں میں شرکت داری میں ایک دوکان چل رہی ہے اور نا اتفاقی کی وجہ سے چار بھائیوں میں تین بھائی اس دکان سے بے سروکار ہیں، حالانکہ بھائیوں میں دوکان کا کوئی بٹوارہ نہیں ہے، عرصہ دراز سے میرے بھائی صاحب اس دوکان پر قبضہ کئے ہوئے ہیں، عرصہ آٹھ سال ہوا دکان کئے ہوئے یہ چار سال سے تین بھائی اس دکان سے علیحدہ ہیں، اس نا اتفاقی کی صورت میں ہم لوگوں کے لئے شرعی کیا مسئلہ ہے۔ اور ۴ چار سال کے منافع پر کیا ہم تینوں بھائیوں کا حق ہے، بڑے بھائی کا اس طرح اکیلے کھانا کیسا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس بھائی پر جو تنہا دکان پر قابض اور دخیل ہے، تمام برسوں کا حساب دینا ضروری ہے اور اس تمام زمانہ میں جو نفع ہوا ہے ان سب میں سب بھائی حسب حصہ رسد حقدار (۱) ہیں، ان سب بھائیوں کو اختیار ہے کہ معاف کردیں اگر معاف نہ کریں تو قیامت میں دینا ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۶/ ۹/ ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح محمود غفی عنہ

کسی کے نام محض پٹہ اور اندراج کردینا موجب ملک نہیں ہے:

سید ذو الفقار علی کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں جنکے نام یہ ہیں دیدار علی، سکندر علی، انور علی، عباس علی، اور

۱- ”قوله وكل اجنبي في قسط صاحبه اى وكل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريک الا باذنه“ (البحر الرائق ۵/ ۱۶۷، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

سر دار علی، آج چالیس سال کا عرصہ ہوا، جائداد کا پٹہ عباس علی اور سر دار علی کے نام چلا آرہا ہے اور یہ پٹہ پانچوں بھائیوں کی مرضی سے سر دار علی کے نام ہوا، اس جائداد پر سرکاری قرض بتایا بھی تھا جو سر دار علی نے ادا کیا دوسرے بھائیوں نے قرض کی ادائیگی میں کوئی حصہ نہیں لیا ہے، اگر قرض ادا نہ ہوتا تو جائداد ختم ہو جاتی اب چونکہ سر دار علی کا انتقال ہو گیا ہے، وہ جائداد اپنی بیوی کے مہر میں دے چکے ہیں ایسی صورت میں سید سر دار علی کے بڑے بھائیوں کی اولا دیں جائداد کی حقدار ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب وبالله التوفيق:

کسی کے نام محض پٹہ اور اندراج کرا دینے سے اس کا شرعاً مالک ہونا ضروری نہیں ہے، اندراج تو بوجہ مصلحت فرضی بھی کر لینا رائج ہے، البتہ دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ جائداد ملکیت سید ذوالفقار علی کی تھی تو اس میں یہ پانچوں لڑکے اور لڑکیاں شرعی وارث وحقدار ہیں، تنہا سر دار علی یا عباس نہیں اور سر دار علی نے جو قرضہ ادا کیا ہے، اگر آپس کے کسی معاہدہ کے تحت داخل کیا ہے تو حکم اس معاہدہ کے تحت ہوگا ورنہ سر دار علی کا یہ تبرع واحسان ہوگا جس کے مطالبہ کا حق ان کے ورثہ کو نہیں، ہاں اگر تمام ورثاء خود اپنی مرضی سے حسب حصہ رقم قرضہ میں شرکت کر لیں تو یہ ان کے لئے دیانۃً انسب اور بہتر ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور ۱۳۸۵/۹/۲۴ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دار العلوم دیوبند

گود لینے کا شرعی حکم:

۱- کیا مذہب حنفی میں کسی کو گود لینا جائز ہے؟

۲- واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص اور اس کی بیوی کچھ وقفہ کے بعد فوت ہو گئے، انہوں نے اپنی کوئی اولاد پسری یا دختری نہیں چھوڑی ہے، بلکہ متوفی نے اپنی زندگی میں ہی اپنے ایک بھتیجے کو اپنے پاس رکھ لیا ہے، وہی متوفی کے بعد تمام ترکہ پر قابض ہو گیا ہے، متوفی تین بھائی تھے، دو بھائیوں کی اولاد موجود ہے، متوفی نے جس بھتیجے کو پاس رکھا تھا اس کے نام زمین و سرمایہ وغیرہ کچھ نہیں کیا تھا، ایسی صورت میں کیا فتوی ہے، سرمایہ ومکان وبقایا وغیرہ دو بھائیوں نے اپنے پاس رکھا تھا، مفصل جواب تحریر فرماویں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

۱-گود لینے سے شرعاً وارث نہیں ہوگا جب تک اس کے نام ہبہ نہ کردے، اس لئے یہ کوئی موثر ومفید چیز نہ ہوئی اور شریعت میں اس کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

۲-پہلی لکھی ہوئی عبارت سے اس کا جواب نکل سکتا ہے کہ اگر متوفی نے اس کے نام زبانی یا تحریری کوئی وصیت یا ہبہ کیا ہو تو اس کے مطابق مسئلہ دریافت کر کے عمل کریں اور اگر کوئی وصیت یا ہبہ وغیرہ نہیں کیا ہے تو گود والا شرعی وراثت کا حقدار نہ ہوگا بلکہ متوفی کی جائیداد میں شرعی تخریج کے مطابق جاری ہوگی جو ورثہ کی پوری تفصیل معلوم ہونے پر بتائی جا سکتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۳/۹/ ۸۵ ۱۳ھ

شوہر کے ترکہ سے مہر اور حصہ کا مطالبہ:

منشی رضا کا انتقال اسکے والد کی موجودگی میں ہوا جبکہ مرحوم کے نام کوئی جائداد نہ تھی، بیوہ نے عقد ثانی دوسرے موضع میں کرلیا جس کو عرصہ تقریباً ۳۵ سال کا ہو، بیوہ کے خسر کے انتقال کے بعد جائداد بقیہ ۳ بیٹوں حبیب اللہ، کلیم اللہ، شفیع اللہ میں تقسیم ہوگئی، کلیم اللہ کا انتقال بھی تھوڑے ہی دنوں بعد ہوگیا، کلیم اللہ کی جائداد بقیہ دولڑکوں حبیب اللہ و شفیع اللہ نے تقسیم کرلیا، کلیم اللہ کی بیوی نے اپنے دیور شفیع اللہ سے عقد کرلیا۔ کلیم اللہ کی بیوہ اپنے مرحوم شوہر کا ترکہ مانگتی ہے، کہتی ہے کہ میرے مرحوم شوہر کی جائداد سے میرا مہر ادا کیا جاوے اور میرے حصے کا ترکہ بھی دیا جاوے اس کا مطالبہ جائز ہے کہ نہیں؟ منشی رضا کی بیوہ بھی اپنا مہر اور جائداد میں حصہ مانگتی ہے، واضح رہے کہ منشی رضا کا انتقال باپ محمد عمر کے زمانہ ہی میں ہوگیا تھا، منشی رضا کے نام کوئی جائداد دوسری تھی ہی نہیں اب منشی رضا کی بیوی اپنے دو دیوروں سے اپنے مہر اور جائداد میں حصہ پا سکتی ہے یا کہ نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال کلیم اللہ کی بیوی کا مطالبہ جائز اور صحیح ہے، کلیم اللہ مرحوم کے مرنے پر ان کے ترکہ سے جو قرضہ ان پر رہا ہو اور دین مہر دینے کے بعد جو بچے اس میں سے اگر وصیت مال کیا ہو تو ثلث مال سے وصیت ادا کرنے کے بعد جو بچے

اس میں سے اگر کلیم اللہ کی کوئی اولاد ہوں تو کلیم اللہ کی بیوی کو ایک آٹھویں حق شوہری دیں اور اگر کلیم اللہ نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو، انکی بیوی کو کلیم اللہ کے ترکہ سے ایک چوتھائی دیں پھر جو بچے اس کو کلیم اللہ کے لڑکے اور لڑکی ہوتو وہ لے اور اگر اولاد نہ ہوتو دونوں بھائی برابر تقسیم کرلیں غرض دین کا مطالبہ اور حق شوہری ۱-۸ کی یا ۱-۴ جو بھی ہو اس کا مطالبہ صحیح ہے۔

منشی رضا مرحوم چونکہ اپنے والد محمد عمر کے زندگی میں فوت کر گئے تھے، اس لئے محمد عمر کی جائداد سے کوئی حق نہ منشی رضا کو ملے گا اور نہ اس میں سے منشی رضا کی بیوی کو، ہاں اگر محمد عمر کی جائداد کے علاوہ منشی رضا کی کوئی اپنی ذاتی جائداد ہوتی تو اس میں سے بے شک منشی رضا کی بیوہ مستحق ہوتی اور جب نہیں ہے تو نہیں ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

کیا شوہر کے ترکہ میں زینب کا بھی حصہ ہوگا؟

مرزا نصیر بیگ کا نکاح بنام فیاض بیگم سے ہوا ہے جبکہ نکاح ہوا، اس وقت فیاض بیگم کے ایک لڑکا بنام صابر علی ولد مبارک علی کا تھا، اب اس وقت لڑکے کی عمر ۲۰ سال کی ہوگئی اور مرزا نصیر بیگ کا انتقال ہوگیا ہے، جائداد نصیر کے دادا کی ہے، تو مرزا نصیر بیگ کے فوت ہوجانے کے بعد بیوی فیاض بیگم کا کیا حق وحصہ ہے اور لڑکا صابر علی جو مبارک علی کا ہے اس کا اسکے مکان حصہ میں سے کتنا حق ہے تحریر فرماویں۔

الجواب وباللہ التوفیق:

حسب تحریر سوال صورت مسئولہ میں صابر علی ولد مبارک علی جس کو فیاض بیگم لے کر آئی ہے اس کا کوئی حق وراثت مرزا نصیر علی کے ترکہ میں نہیں ہوگا، البتہ فیاض بیگم زوجہ نصیر بیگ کا حق ہوگا، اس تفصیل سے کہ اگر نصیر بیگ کے نطفہ سے کوئی اولاد فیاض بیگم کے یا کسی اور زوجہ سے مرزا نصیر بیگ کے مرنے کے وقت موجود ہوتو فیاض بیگم کو مرزا نصیر بیگ کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر نصیر بیگ کے نطفہ سے کوئی اولاد مرزا نصیر بیگ کے انتقال کے وقت زندہ موجود نہ رہی تو ایک چوتھائی ملے گا(۱) ھکذا فی (السراجیۃ)، فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/ ۱۰/ ۸۵ ۱۳ھ
الجواب صحیح محمود غفی عنہ

۱- ''ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم، سورۃ النساء: ۱۲، اما للزوجات

پوتا وراثت سے محروم کیوں؟

سوال: شریعت اسلامیہ کا یہ قانون ہے جس پر ایمان واعتقاد بھی ہے کہ دادا کی صلبی اولاد کی موجودگی میں پوتا محجوب الارث، یعنی وراثت سے محروم رہتا ہے تو یہاں ذہنی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کہ اس سے بڑھ کر کسی دین میں دل جوئی وتلطف رافت وشفقت علی الخلق نہیں ہے۔ تو اس شریعت میں یہ قانون کہ دادا کی موجودگی میں پوتا وراثت سے محجوب ہوجاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ یہ پوتا سایۂ پدری سے محروم رہا۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ اس پر مزید انعامات واکرامات کیے جاتے، نہ یہ کہ وراثت ہی سے محروم ہوجائے، گزارش یہ ہے کہ اس کا جواب مختصراً عنایت فرمائیں جس سے ذہنی خلجان وپریشانی دور ہوجائے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اس قانون (دادا کی میراث سے پوتا محروم ہوجاتا ہے) سے وحشت محض اس وجہ سے ہوگئی ہے کہ مسئلہ پورا ذہن میں نہیں رہا، پورا مسئلہ ذہن میں آجانے کے بعد یہ وحشت یا اعتراض نہ رہے گا، ہر حال میں پوتا وراثت سے محروم نہیں ہوتا، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر زید (دادا) کے کوئی اولاد نہ ہو تو پوتا بالکل ہر حیثیت سے بیٹے کے برابر اور مستحق ترکہ ہوتا ہے، اسی طرح اگر زید کے اولاد تو ہے، مگر نرینہ نہیں، بلکہ صرف لڑکیاں ہیں جب بھی پوتا محروم نہیں ہوتا، اسی طرح جب اس کی بیویاں ہوں جب بھی محروم نہیں ہوتا، اسی طرح اس کے (زید کے) بھائی بہن، ماں، باپ ہوں جب بھی پوتا محروم نہیں ہوتا، بلکہ مثل لڑکے کے شمار ہوکر وراثت کا پورا پورا حقدار ہوتا ہے۔

محروم ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ زید (دادا) کے پوتے کے ساتھ بیٹا بھی موجود ہے تو چونکہ زید کا بیٹا زید کے پوتے کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے اور وہ صلبی اولاد ہے اور پوتا ایک واسطے کے بعد اولاد میں داخل ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ الاقرب فالاقرب کے قاعدے سے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو استحقاق نہیں ہوسکتا، لیکن اس صورت میں بھی زید (دادا) کے لیے مندوب ومستحب یہ ہے کہ وہ اس محروم پوتے کے لیے بطور ہبہ کچھ دیدے یا ثلث ترکہ کے اندر اندر کچھ وصیت کردے، تاکہ پوتا بے سہارا نہ رہے، حتی کہ اگر زید (دادا) کچھ ہبہ یا وصیت نہ کرسکا تو زید کے لڑکے کے لیے بہتر ہے

فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والثمن مع الولد أو ولد الابن وإن سفل" (السراجی ۱۱-۱۲)۔

کہ وہ اپنے بھائی کی اولاد کو تبرعاً کچھ دے کر آباد کرے۔

اب غور کیجئے کہ اسلام کے قانون میں کہاں رافت و رحمت کے خلاف تعلیم کا شبہ یا شائبہ ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند، سہارنپور